

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (القرآن)  
فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحديث)

# مَجْمَعَةُ الْفَتَاوَى

جلد  
خامس

کتاب النکاح (۲)

نکاح کے مختلف ابواب سے متعلق تقریباً آٹھ سو  
اہم فتاویٰ جات کا مدلل و مفصل مجموعہ

تألیف:

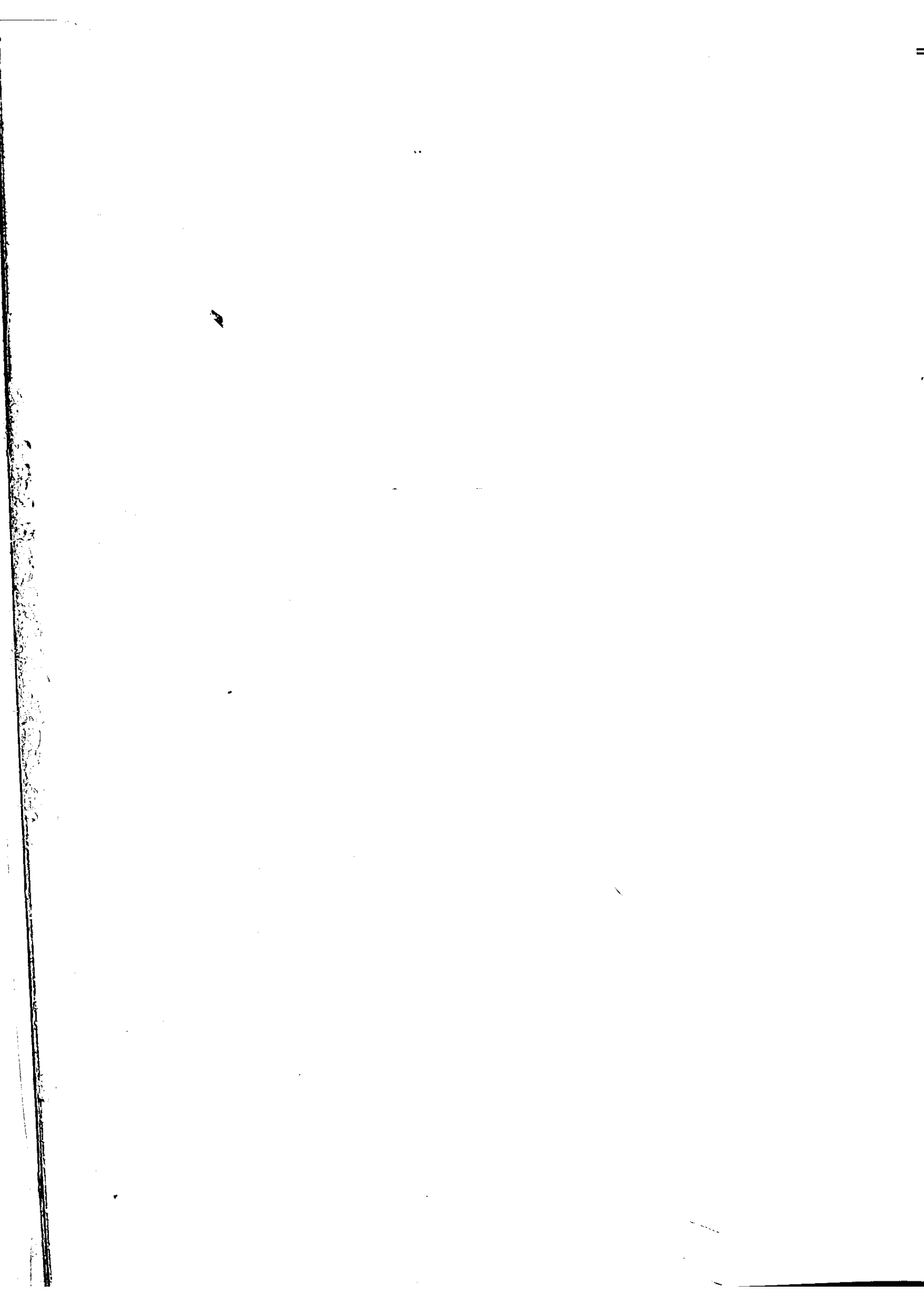
حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دہلی کاہنم  
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین لہستان (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و ترویج: مفتی فرحان حسن عینی

مدیر شعبہ ترویج و اشاعت دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر

شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین لہستان



فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النَّحْلُ) فَإِنَّمَا يَشْفَاءُ الْعِنِّي السُّؤَالُ (الحديث)

# مخالفات و

جملہ

جلد خامس

کتاب النکاح

نکاح کے مختلف ابواب سے متعلق تقریباً آٹھ سو  
اہم فتاویٰ جات کا مدلل و مفصل مجموعہ

تألیف: حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دہنت کاتھم  
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین لہستان (مارتھہ کراچی)

جدید ترتیب و ترمیم: مفتی فرحان حسن  
معاون شعبہ تصنیف و استاذ دارالعلوم یاسین القرآن (مارتھہ کراچی)

ناشر

شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین لہستان



www.dawateislami.net

جمہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

- کتاب کا نام : **آنجناب الفتناء**
- مؤلف : حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دہشتہم  
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین لشکران (مارتھہ کراچی)
- جدید ترتیب و تہویب : مفتی فرحان حسن عفی عنہ (استاذ دارالعلوم یاسین لشکران)
- کمپوزنگ : بھائی شکیل احمد صدیقی صاحب
- سن اشاعت : 1437ھ بمطابق 2016ء
- مطبع : **إدارة طباعة** 0333-2136180
- ناشر : شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین لشکران (مارتھہ کراچی)  
0301-2113944, 0334-3957443

ملنے کے پتے:

ملک کے مشہور اسلامی کتب خانوں سے طلب فرمائیں!

اسٹاکٹ : **ادارة النور**

شاپ نمبر 2، پلاٹ نمبر 4 / G.R.E.672 انور میٹن، بنوری ٹاؤن، کراچی

Ph: +92-21-34914569

Email: idaratunnoor@gmail.com

247-35  
34  
1592013  
جلد 5

Handwritten text on the left margin.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اجمالي فہرست (نجم الفتاویٰ جلد خامس)

۲۷	..... فصل فی احکام الولیۃ والعروس
۴۵	..... باب فی الأولیاء
۱۰۵	..... فصل فی خیار البلوغ
۱۱۹	..... فصل فی استئذان المرأة قبل النکاح
۱۴۲	..... باب فی الوكالة بالنکاح ونکاح الفضولی
۱۵۶	..... باب فی الکفاءة
۲۴۳	..... باب فی البهر
۳۴۲	..... فصل فی الجهاز وغیره
۳۶۹	..... باب فی النفقات
۴۳۶	..... فصل فی حقوق الزوجین والعدل بین الأزواج
۴۹۶	..... فصل فی المتفرقات
۵۶۱	..... کتاب الرضاع

صاحبزادہ محمد امجد علی

۷۰۰۰٪  
صاحبزادہ محمد امجد علی

جامعة دار العلوم ياسين القرآن

PAKISTAN  
UNIVERSITY  
LIBRARY

## آئینہ عناوین

## نجم الفتاویٰ جلد ۵

## کتاب النکاح [۲] یعنی بقیہ کتاب النکاح

۲۷	فصل فی أحكام الولیمة والعروس (ولیمہ اور بارات کا بیان)	
۲۷	ولیمہ کس دن مسنون ہے؟	(۴۲۲)
۲۸	ولیمہ کتنے دن تک مسنون ہے؟	(۴۲۳)
۲۹	رخصتی سے قبل دعوتِ ولیمہ کرنا	(۴۲۴)
۳۰	شادی کی رات ہمبستری نہ کر سکنے کی صورت میں ولیمہ کا حکم	(۴۲۵)
۳۱	لڑکی کی طرف سے دعوتِ خلافِ سنت ہے یا نہیں؟	(۴۲۶)
۳۲	شادی کے ایام میں دلہن کی سہیلیوں کا گھر جمع ہونا	(۴۲۷)
۳۳	ولیمہ میں مرد و بیٹروں کا کھانا سپلائی کرنا	(۴۲۸)
۳۴	ولیمہ میں بچے کھانے کو فروخت کرنا یا مدارس میں دینا	(۴۲۹)
۳۵	رسالة: کسر الزواج فی انعقاد الحفلة عند الزواج بارات کا شرعی حکم	(۴۳۰)

۳۱	بہار کے کھانے کی شرعی حیثیت
۳۲	بہار میں افراہن محمد اور خواہش کی شرکت
۳۳	حلیت صحیحہ بشر کے کھانے کی حیثیت کا استہام
۳۴	<b>باب فی الأولیاء</b> (کھانے کے اولیاء کی حیثیت)
۳۵	کھانے کی حرمت کے عامس ہے
۳۶	کیوں کھانے کا مال ہونا ضروری ہے
۳۷	<b>رسالة: استنارۃ القبرین فی جواب السوال</b> "هل تزوج الولد لزم علی" (أبیون)
۳۸	کیوں اور کیوں شادی کرنا ہوا امرین کی ذمہ داری ہے
۳۹	ترکے یا خودکمرہ اور خودکمرہ کی کرنا
۴۰	<b>رسالة: القضية السالبة اذا شكح الجذ في غير الكفوء البالغه</b> بہار کی موجودگی میں اور باقی کفو میں کھانے کو کھانے کا حکم
۴۱	بہار کی موجودگی میں ورنہ کھانے کا حکم
۴۲	بہار کی موجودگی میں ورنہ کھانے کا حکم
۴۳	شادی کے معاملے میں و امرین کی اجماع نیز اپنی من پسند شادی کرنے کا حکم
۴۴	شریعت نے بہار کو کیوں حلال دیکھے ہیں؟
۴۵	ترکے یا و امرین کی رضا مندی کے بغیر شادی کرنے کا حکم
۴۶	بہار کی کھانے کا بہار کی رضا مندی کے خلاف کسی جگہ کھانے کو
۴۷	من پسند شادی کرنے پر لڑکی سے قطعاً حلال کا حکم
۴۸	بہار اور ذمہ امرہ بہار کے کھانے کی اجازت نہ دیتے ہوں



۶۸	مرحوم باپ کے کئے نکاح کو بھائیوں کا وعدہ نکاح کہنا	(۴۴۷)
۶۸	عورت مہر مثل سے کم پر نکاح کر لے تو اولیاء کیلئے فسخ کا اختیار	(۴۴۸)
۶۹	بچوں کی شادی کیلئے قرض لینے کا حکم	(۴۴۹)
۷۱	باپ شرابی ہو تو قاضی کے نکاح کر دینے کا حکم	(۴۵۰)
۷۳	رسالة: الجواب المختار فی کفاءة الرجل عند سوء الاختیار باپ کا مجبوراً نابالغہ کا نکاح کرنا کا عدم ہے	(۴۵۱)
	مذکورہ بالا معروف بسوء الاختیار کا مسئلہ اور ایک استدراک کا جواب	(۴۵۲)
۷۹	نابالغہ بیٹی کے نکاح کا کسی شخص کو وکیل بنانا	(۴۵۳)
۸۰	جوان اولاد کا اپنا نکاح خود کرنے کا حکم	(۴۵۴)
۸۱	کورٹ میرج کے وقت باپ کا خاموش رہنا اور سال بعد انکار کر دینا	(۴۵۵)
۸۲	مذکورہ فتوے پر ایک مفتی صاحب کے اشکال کا جواب	(۴۵۶)
۸۳	غیر کفوئے میں تجدید نکاح کے لئے دوبارہ اجازت لینا ضروری ہے	(۴۵۷)
۸۵	دو چچا ایک لڑکی کا نکاح مختلف جگہ کر دیں تو نکاح کا حکم	(۴۵۸)
۸۶	ماں کی موجودگی میں بہن کا نکاح کر دینے کا حکم	(۴۵۹)
۸۷	دادا کے کئے نکاح پر باپ کی رضامندی کے بعد قسم کھا کر منع کرنے کا حکم	(۴۶۰)
۸۸	بلوغت سے قبل باپ کا کیا ہوا نکاح نافذ ہو جاتا ہے	(۴۶۱)
۸۹	نابالغہ لڑکی کی ماں کا نکاح کیلئے مشروط ہاں کر دینے کا حکم	(۴۶۲)
۹۰	نابالغہ سے جبراً نکاح قبول کرانے کا حکم	(۴۶۳)
۹۳	رسالة: الجبيرة عن نکاح الصغيرة بڑی عمر کے اشخاص کا چھوٹی عمر کی لڑکیوں سے نکاح کا حکم	(۴۶۴)
۹۶	بچپن میں نکاح کر دینے کا حکم	(۴۶۵)
۹۹	چھوٹے بچے کا نکاح پڑھانے والے کو مزا دینا	(۴۶۶)

۱۰۰	نابالغہ کا کورٹ میرج کرنا	(۴۶۷)
۱۰۱	شوہر کے انتقال کے بعد دیور سے شادی کرنا ضروری نہیں	(۴۶۸)
۱۰۱	مجنونہ کا نکاح کیسے کرایا جائے	(۴۶۹)
۱۰۳	مجنونہ کو نکاح کے بعد جنون سے افاقہ ہو جائے	(۴۷۰)
۱۰۵	<b>فصل فی خيار البلوغ</b> (خيار بلوغ کا بیان)	
۱۰۵	لڑکے اور لڑکی کی مدت بلوغ کیا ہے؟	(۴۷۱)
۱۰۶	بالغ ہونے کے بعد خيار بلوغ حاصل ہوتا ہے	(۴۷۲)
۱۰۷	خيار بلوغ سے فسخ نکاح کیلئے گواہ ضروری نہیں	(۴۷۳)
۱۰۸	والد کے کئے ہوئے نکاح میں خيار بلوغ کا حکم	(۴۷۴)
۱۱۱	رسالة: إعلام الاذ کیا بآن عدم استحقاق الفسخ لنکاح الأب ثابت من الاحادیث الصحاح نابالغہ کا نکاح فسخ نہ کر سکنے کا حدیث سے ثبوت	(۴۷۵)
۱۱۶	نابالغی کی حالت میں ماں کے کئے نکاح کو فسخ کرنے کا حکم	(۴۷۶)
۱۱۶	نابالغ لڑکا لڑکی کا بغیر اجازت ولی کے اپنا نکاح کرنا	(۴۷۷)
۱۱۷	لاپچی چچا نابالغہ کا نکاح کرادے تو اس نکاح کا حکم	(۴۷۸)
۱۱۹	<b>فصل فی استئذان المرأة قبل النکاح</b> (نکاح سے قبل لڑکی سے اجازت لینے کا بیان)	
۱۱۹	بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا	(۴۷۹)
۱۲۰	نابالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کیا جاسکتا ہے	(۴۸۰)
۱۲۱	اجازت لیتے وقت لڑکی کے انکار کر دینے سے نکاح نہیں ہوتا	(۴۸۱)

۱۲۲	بالذکر کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح اجازت پر موقوف ہوگا	(۲۸۲)
۱۲۵	رسالة: الرسالة البيضاء في رد الاحتجاج على نقض اجازة المكرهه من حديث خنساء لڑکی سے جبراً اجازت لینے سے انعقاد نکاح پر حدیث خنساء سے اشکال اور اس کا جواب	(۲۸۳)
۱۳۱	لڑکی سے زبردستی نکاح نامے پر دستخط کروانا اجازت نہیں	(۲۸۴)
۱۳۲	غیر ولی کی صورت میں لڑکی کا زبانی اجازت دینا ضروری ہے	(۲۸۵)
۱۳۳	قبول کے وقت لڑکی کے خاموش رہنے کا حکم	(۲۸۶)
۱۳۴	لڑکی سے اجازت لینے کو عار سمجھنے والے کا حکم	(۲۸۷)
۱۳۵	رواجاً لڑکی کے خاموش رہنے سے نکاح کا حکم	(۲۸۸)
۱۳۶	لڑکی سے اجازت لیتے وقت اس کا پانچ منٹ بعد انکار کر دینا	(۲۸۹)
۱۳۹	لڑکی سے اجازت لیتے وقت اگر وہ ہنس دے	(۲۹۰)
۱۳۹	نکاح کے معاملے میں ماں باپ کی پسند کا انکار نا فرمانی نہیں	(۲۹۱)
۱۴۰	اجازت کیلئے نکاح نامے پر دستخط کرانے کا حکم	(۲۹۲)
۱۴۲	باب فی الوکالة بالنکاح ونکاح الفضولی (نکاح میں وکالت اور فضولی کے نکاح کا بیان)	
۱۴۲	نکاح کا وکیل بنانے کیلئے گواہ شرط نہیں	(۲۹۳)
۱۴۳	عاقدين کی طرف سے وکیل بننا نیز وکیل کا موکلہ سے اپنا نکاح کرنے کا حکم	(۲۹۴)
۱۴۴	بھائی کو نکاح کا وکیل بنایا جاسکتا ہے	(۲۹۵)
۱۴۵	لڑکے کے خاندان سے نکاح کا وکیل بنانے کا حکم	(۲۹۶)
۱۴۶	نکاح کا وکیل نا محرم ہو سکتا ہے	(۲۹۷)
۱۴۷	نابالغ کو نکاح کا وکیل نہیں بنایا جاسکتا	(۲۹۸)

۱۴۸	لڑکی نے جسے وکیل بنایا فقط وہی نکاح کر سکتا ہے	(۴۹۹)
۱۴۹	مطلق توکیل کو صحت مند عورت سے نکاح پر حمل کیا جائے گا	(۵۰۰)
۱۵۰	وکیل کو صرف کفو میں نکاح کرانے کا حق ہوگا	(۵۰۱)
۱۵۱	وکیل کے کفو میں نکاح کرانے کی شرط پر اشکال کا جواب	(۵۰۲)
۱۵۱	وکیل اگر مؤکل کی شرط کی مخالفت کر دے تو نکاح کا حکم	(۵۰۳)
۱۵۲	نکاح میں دلہا دلہن کا بھی وکیل بن سکتا ہے	(۵۰۴)
۱۵۳	بدون اجازت کئے گئے نکاح کا حکم	(۵۰۵)
۱۵۴	کلمہ کی قسم کے بعد پسند کا کوئی اعتبار نہیں	(۵۰۶)
۱۵۶	<b>باب فی الکفاءة</b> (کفاءة کا بیان)	
۱۵۶	کفاءة کن اشیاء میں معتبر ہے؟	(۵۰۷)
۱۵۸	نسب میں کفاءة کے مسئلہ کی تحقیق	(۵۰۸)
۱۵۹	نسب میں کفاءة کا حکم	(۵۰۹)
۱۶۰	کفاءة میں پیشے سے متعلق برابری پر تحقیقی فتویٰ	(۵۱۰)
۱۶۵	رسالة: أداء الامانة ببيان أن الكفاءة تعتبر فيها عند الامام الديانة امام صاحب کے نزدیک کفاءة میں دینداری کے اعتبار سے متعلق تحقیق	(۵۱۱)
۱۷۱	لڑکی میں دین داری کو ترجیح دینے کا مطلب	(۵۱۲)
۱۷۲	غیر کفو میں نکاح کا عدم ہے	(۵۱۳)
۱۷۵	رسالة: الدليل الجاذب على أن نكاح المرأة في غير الكفو نكاح فاسد غیر کفو میں نکاح کے فاسد یا باطل ہونے کی تحقیق	(۵۱۴)
۱۸۶	کفو و غیر کفو میں کئے ہوئے نکاح کا حکم	(۵۱۵)

۱۸۶	لڑکا کفو ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا	(۵۱۶)
۱۸۹	رسالة: أداء الفريضة ببيان أن مسألة الكفاءة لا تصادم الشريعة کیا مسئلہ کفایت شریعت سے متصادم ہے؟	(۵۱۷)
۱۹۳	کیا مسئلہ کفایت لڑکی پر ظلم ہے؟	(۵۱۸)
۱۹۶	رسالة: ضوء الدار في أن علة الكفاءة هي دفع العار کفایت کی علت دفع عار ہونے پر ایک اشکال اور اس کا مفصل جواب	(۵۱۹)
۲۰۳	لڑکے کا کفو ہونا شرط ہے	(۵۲۰)
۲۰۴	کفایت کا اعتبار صرف عقد کے وقت ہوتا ہے	(۵۲۱)
۲۰۵	دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح کرانے کا حکم	(۵۲۲)
۲۰۷	باپ کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح جائز ہے	(۵۲۳)
۲۰۷	بالغہ کا از خود کفو میں کیا نکاح مناسب نہیں	(۵۲۴)
۲۰۹	کورٹ میرج کرنے والے لڑکے کو قتل کرنے کا حکم	(۵۲۵)
۲۱۰	لڑکی کے غیر کفو میں نکاح کی صورت میں طلاق کا حکم	(۵۲۶)
۲۱۲	رخصتی سے قبل شوہر کا وطی کرنا	(۵۲۷)
۲۱۳	دیندار لڑکے سے نکاح کے وکیل کا فاسق سے نکاح کرادینا	(۵۲۸)
۲۱۴	گزشتہ فتوے پر ایک فاضل کے استدراک کا جواب	(۵۲۹)
۲۱۶	حلالہ کرنے والے مرد کا کفو ہونا	(۵۳۰)
۲۱۹	رسالة: إعلاء السافل بان العالم العجبي يكون كفوًا للعربي العالم والمجاهل	
	عالم کے ہر شخص کے کفو ہونے سے متعلق اشکال کا جواب	(۵۳۱)
۲۲۹	عالم کون ہے؟ مسئلہ کفایت میں ذکر عالم کے مصداق کا بیان	(۵۳۲)
۲۳۲	کیا نیم پاگل شخص کفو ہے	(۵۳۳)

۲۳۳	سید لڑکی کا نکاح غیر سید سے اولیاء کی رضامندی کے ساتھ درست ہے	(۵۳۴)
۲۳۴	شراب نوش اور غیر قانونی اسلحہ رکھنے والا کفو نہیں	(۵۳۵)
۲۳۵	مختلف فرقوں سے نکاح میں کفایت کا حکم	(۵۳۶)
۲۳۷	کیا بریلوی لڑکا صحیح العقیدہ لڑکی کا کفو ہے	(۵۳۷)
۲۳۸	دونو مسلم آپس میں کفو ہیں	(۵۳۸)
۲۳۹	کسی لڑکی کو اغواء کر کے نکاح کرنے کا حکم	(۵۳۹)
۲۳۹	نکاح کے لئے کن صفات کو ترجیح دینی چاہئے؟	(۵۴۰)
۲۴۰	ایک بے دین پروفیسر دیندار لڑکی کا کفو ہے یا نہیں؟	(۵۴۱)
۲۴۱	باپ کا بچی کا نکاح پاگل سے کر دینے کا حکم	(۵۴۲)
۲۴۳	<b>باب فی المہر</b> (مہر کا بیان)	
۲۴۳	نکاح کے وقت مہر کی تعیین صراحت کی جائے	(۵۴۳)
۲۴۴	علاقہ والوں کا مہر کی حد مقرر کرنے کا حکم	(۵۴۴)
۲۴۵	مہر مثل کیا ہے؟	(۵۴۵)
۲۴۶	مہر مثل کب واجب ہوتا ہے؟	(۵۴۶)
۲۴۷	مہر مثل کیا ہے؟	(۵۴۷)
۲۴۸	نکاح فاسد میں عورت کیلئے مہر کا حکم	(۵۴۸)
۲۴۹	حلالہ کے نکاح میں بھی مہر لازم ہے	(۵۴۹)
۲۵۰	مہر فاطمی کی صحیح مقدار اور مروجہ کرنسی میں اس کا ریٹ	(۵۵۰)
۲۵۱	مہر فاطمی سے متعلق ایک اشکال کا ازالہ	(۵۵۱)
۲۵۲	شرع محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہے؟	(۵۵۲)

۲۵۶	نکاح کے بعد زوجین کا آپس میں مہر متعین کرنا	(۵۵۳)
۲۵۷	مہر اور دیگر گفٹ عورت کا حق ہیں	(۵۵۴)
۲۵۸	عورت کو صرف مقرر کردہ مہر کے مطالبے کا حق ہے	(۵۵۵)
۲۵۹	مہر معجل اور مؤجل کی تعریف	(۵۵۶)
۲۶۰	جس مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کی صراحت نہ ہو	(۵۵۷)
۲۶۱	مہر مؤجل میں مدت غیر متعین ہونے کا حکم	(۵۵۸)
۲۶۳	رسالة: الجواب المفصل لمن سئل عن تعيين مدة المهر المؤجل مہر مؤجل کے مصداق کے تعین سے متعلق تفصیلی فتویٰ	(۵۵۹)
۲۸۸	مہر معجل ادا نہ کرنے پر بیوی کا ہمستری سے انکار کرنا	(۵۶۰)
۲۸۸	تجدید نکاح میں مہر کا حکم	(۵۶۱)
۲۸۹	نکاح سے قبل خرچ کی گئی رقم کو مہر کہنا	(۵۶۲)
۲۹۰	بغیر رجسٹری کے مکان مہر مقرر کرنے کا حکم	(۵۶۳)
۲۹۱	بیوی کو مہر سے زیادہ دیکر واپسی کا مطالبہ کرنا	(۵۶۴)
۲۹۲	مہر کو قسطوں میں ادا کرنے کا حکم	(۵۶۵)
۲۹۳	بدنامی سے بچنے کیلئے مجمع میں زیادہ مہر کہلوانے کا حکم	(۵۶۶)
۲۹۴	اعلانیہ شہرت کیلئے زیادہ مہر لکھوانے کا حکم	(۵۶۷)
۲۹۶	انچاس درہم مہر مقرر کرنے کا حکم	(۵۶۸)
۲۹۷	ساس کے قرضے سے بیوی کا مہر منہا کرنا	(۵۶۹)
۲۹۸	نابالغ لڑکے کا مہر ادا کرنا کس پر واجب ہے؟	(۵۷۰)
۲۹۸	رخصتی کے وقت بیوی کو دیئے گئے زیور کا حکم	(۵۷۱)
۲۹۹	شوہر کا بیوی سے مہر واپس لے کر اداء نہ کرنا	(۵۷۲)

۳۰۰	زیورات کی صورت میں مہر کی ادائیگی	(۵۷۳)
۳۰۱	۱۲ سال بعد بھی مقرر کردہ رقم ہی مہر دینی ہوگی	(۵۷۴)
۳۰۲	۱۹۶۵ء میں مقرر 256 روپے ہی مہر دینا لازم ہے	(۵۷۵)
۳۰۳	لڑکی کی اجازت کے بغیر ولی کیلئے اس کا مہر استعمال کرنا	(۵۷۶)
۳۰۴	مہر کے لئے مال مستقوم (جو شرعاً مال ہو) ہونا ضروری ہے	(۵۷۷)
۳۰۵	زنا میں مہر [عقر] کا حکم	(۵۷۸)
۳۰۶	موقوفہ زمین کو مہر بنانا درست نہیں	(۵۷۹)
۳۰۷	وقف زمین مہر رکھنے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی	(۵۸۰)
۳۰۸	حج کرانے کو مہر بنانا	(۵۸۱)
۳۰۹	تعلیم قرآن کو مہر بنانا جائز نہیں	(۵۸۲)
۳۱۰	بچے کے نکاح میں ولی مہر کی ضمانت لے سکتا ہے	(۵۸۳)
۳۱۱	کم مہر والی عورت کا زیادہ بابرکت ہونا	(۵۸۴)
۳۱۱	بیوی کو لا علم رکھ کر اس کا مہر ادا کرنا	(۵۸۵)
۳۱۳	مہر کا جہیز کے بدلے تبادلہ کرنا	(۵۸۶)
۳۱۴	مہر مقرر کرنے کے بعد اس میں زیادتی کا حکم	(۵۸۷)
۳۱۵	مہر کی زیادہ مقدار یا مہر مثل مقرر کرنے میں تقابلی	(۵۸۸)
۳۱۵	بطور مہر ۱۰ تولہ سونے کا مطالبہ کرنا	(۵۸۹)
۳۱۶	کیا عورت کے منہ کا بدبودار ہونا خلوت صحیحہ سے مانع ہے	(۵۹۰)
۳۱۷	مطلقہ مزنیہ کے مہر کا حکم	(۵۹۱)
۳۱۸	ادائیگی مہر میں اختلاف کا حکم	(۵۹۲)
۳۱۹	طلاق کے بعد بھی مہر عورت کا حق ہے	(۵۹۳)



۳۲۰	رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں کتنا مہر دیا جائے گا؟	(۵۹۴)
۳۲۱	صحبت اور خلوت صحیحہ سے پہلے کتنا مہر دینا لازم ہوگا؟	(۵۹۵)
۳۲۲	بیوی کا مہر اس کے ترکے میں شامل کرنا ہوگا	(۵۹۶)
۳۲۳	مہر وصول کرنے سے قبل عورت کا انتقال ہو جائے	(۵۹۷)
۳۲۴	زوجین کی موت کی صورت میں مہر کی ادائیگی کا طریقہ کار	(۵۹۸)
۳۲۵	شوہر کی موت کی صورت میں مہر کا حکم	(۵۹۹)
۳۲۶	بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کا مہر کو خیرات کرنا	(۶۰۰)
۳۲۶	مطلقہ کیلئے مہر اور عدت کے خرچہ کے مطالبہ کا حق	(۶۰۱)
۳۲۷	بیوی کے خفیہ مہر معاف کر دینے کے بعد علانیہ انکار کا حکم	(۶۰۲)
۳۲۸	عورت کے مہر معاف کرنے پر والد کا اعتراض کرنا	(۶۰۳)
۳۲۹	عورت کے باپ کا مہر معاف کر دینے کا حکم	(۶۰۴)
۳۲۹	مرض الموت میں عورت کا مہر معاف کرنا معتبر نہیں	(۶۰۵)
۳۳۰	زبردستی مہر معاف کرانے کا حکم	(۶۰۶)
۳۳۱	شادی کی رات بیوی سے مہر معاف کرانا	(۶۰۷)
۳۳۲	عورت کا ناسمجھی میں مہر معاف کرنے کا حکم	(۶۰۸)
۳۳۳	بیوی اگر مہر معاف کر دے تو علیحدگی کے بعد مطالبہ کا حکم	(۶۰۹)
۳۳۴	مہر لکھ کر معاف کرنے کا حکم	(۶۱۰)
۳۳۵	قبل القبض مہر معاف کرانے کا حکم	(۶۱۱)
۳۳۶	بعد القبض عورت کا مہر کو ہبہ کرنا	(۶۱۲)
۳۳۶	مہر عند الطلب کا حکم	(۶۱۳)
۳۳۷	مہر کیا ہے؟ تحفہ یا حق	(۶۱۴)

۳۳۸	مہر اور جنازے سے متعلق بعض شبہات کا ازالہ	(۶۱۵)
۳۳۲	فصل فی الجہاز وغیرہ (جہیز وغیرہ کا بیان)	
۳۳۲	جہیز کی شرعی حیثیت	(۶۱۶)
۳۳۳	شریعت میں جہیز کا تصور اور حکومت کا جہیز پر پابندی لگانا	(۶۱۷)
۳۳۵	لڑکی جو جہیز لاتی ہے وہ کس کی ملک ہوتا ہے؟	(۶۱۸)
۳۳۶	لڑکے کا سسرال والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنے کا حکم	(۶۱۹)
۳۳۷	کیا جہیز کا انتظام کرنا ضروری ہے؟	(۶۲۰)
۳۳۹	جہیز کیلئے قرض لینا	(۶۲۱)
۳۵۰	جہیز کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ لینا	(۶۲۲)
۳۵۲	عورت کا بیٹی کی شادی میں مال خرچ کر کے شوہر سے مطالبہ کرنا	(۶۲۳)
۳۵۳	جہیز کے سامان پر زکوٰۃ کا حکم	(۶۲۴)
۳۵۵	لڑکی کا جہیز میراث سے مانع نہیں	(۶۲۵)
۳۵۶	لڑکے کا جہیز لینے سے انکار کرنا	(۶۲۶)
۳۵۶	جہیز کیلئے پیسے دے کر رشتے سے انکار کرنا	(۶۲۷)
۳۵۷	جہیز میں موٹر سائیکل دلوانے کی ضمانت لینا	(۶۲۸)
۳۵۸	لڑکی والوں کا جہیز کا سامان واپس مانگنا	(۶۲۹)
۳۵۹	جہیز قبضہ سے قبل باپ کی ملکیت ہے	(۶۳۰)
۳۶۰	لڑکی کی موت کی صورت میں جہیز کا حقدار کون ہوگا؟	(۶۳۱)
۳۶۱	رخصتی سے قبل جہیز باپ کا ترکہ ہوگا	(۶۳۲)
۳۶۲	نابالغہ کا جہیز ترکہ میں شمار نہیں ہوگا	(۶۳۳)

۳۶۳	(۶۳۴) شادی کے موقعے پر دیئے جانے والے تحائف کا حکم
۳۶۴	(۶۳۵) بری کا سامان کس کی ملکیت ہے؟
۳۶۵	(۶۳۶) شادی میں تحفہ دیئے گئے سونے کا حکم
۳۶۶	(۶۳۷) عورت کی منہ دکھائی کس کی ملکیت ہے؟
۳۶۷	(۶۳۸) مطلقہ عورت کو متعہ (کپڑے کا جوڑا) دینا
۳۶۹	<b>باب فی النفقات</b> (نفقہ کا بیان)
۳۶۹	(۶۳۹) مرد پر بیوی اور نابالغ اولاد کا نفقہ واجب ہے
۳۷۰	(۶۴۰) مالدار بیوی کو کیسا نفقہ دینا واجب ہے
۳۷۲	(۶۴۱) بیوی کا الگ گھر کے مطالبہ کا حکم
۳۷۴	(۶۴۲) بیوی کو رہائش دینا واجب ہے
۳۷۵	(۶۴۳) عورت کا سوکن کے ساتھ ایک گھر میں رہنے سے انکار کرنا
۳۷۶	(۶۴۴) ایک گھر کے ہوتے ہوئے دوسرے گھر کا مطالبہ جائز نہیں
۳۷۷	(۶۴۵) عورت کا الگ پورشن اور کچن کا مطالبہ کرنا
۳۸۰	(۶۴۶) بیوی کیلئے سال میں کتنی مرتبہ کپڑے بنانا ضروری ہے؟
۳۸۱	رسالة: القول بالمساواة في أن الفتوى على ظاهر الرواية في نفقة الزوجات
	(۶۴۷) متعدد بیویوں کے درمیان مساوات قرآن و حدیث سے ثابت ہے
۳۸۳	(۶۴۸) مذکورہ فتوے پر ایک استدراک اور بیویوں کے نفقہ میں تساوی سے متعلق تفصیلی فتویٰ
۴۰۳	(۶۴۹) کیا بیوی کو جیب خرچ دینا ضروری ہے؟
۴۰۴	(۶۵۰) بچے کی پیدائش کا خرچ کس پر ہے؟

۴۰۵	بیوی کا نوکرانی کا مطالبہ کرنا	(۶۵۱)
۴۰۶	بیوی کا علاج معالجہ اور تجہیز و تکفین شوہر پر لازم ہے	(۶۵۲)
۴۰۸	بیوی کی تجہیز و تکفین اور دیگر رسوم کا خرچہ	(۶۵۳)
۴۱۰	قبل از رخصتی نفقہ کا حکم	(۶۵۴)
۴۱۱	بیوی کا بلا اجازت شوہر کی رقم استعمال کرنا	(۶۵۵)
۴۱۲	بوقت عقد شہر میں گھر بنانے کی شرط لگانا درست ہے	(۶۵۶)
۴۱۳	نافرمان عورت کو نفقہ مانگنے کا حق نہیں	(۶۵۷)
۴۱۴	شوہر کی اجازت کے بغیر میکے جانے سے نفقہ کا حکم	(۶۵۸)
۴۱۵	بیوی کی نافرمانی کی وجہ سے بچے کے نفقہ کا حکم	(۶۵۹)
۴۱۶	عورت کا محض میکہ میں رہنے سے نفقہ ساقط نہ ہوگا	(۶۶۰)
۴۱۷	عورت پر باپ کی بات ماننا مقدم ہے یا شوہر کی؟	(۶۶۱)
۴۲۱	عدت و فوات کے بعد عورت کا سسرال میں رہنا	(۶۶۲)
۴۲۲	شوہر کا بیوی بچوں کو طعنہ دینا	(۶۶۳)
۴۲۳	نامرد پر بھی بیوی کا نفقہ واجب ہے	(۶۶۴)
۴۲۴	والد کا نفقہ اور انہیں جیب خرچی دینے کا حکم	(۶۶۵)
۴۲۵	اولاد کا نفقہ والد پر کب واجب ہوتا ہے	(۶۶۶)
۴۲۶	ماں کا اپنے بیٹے سے نفقہ لینا	(۶۶۷)
۴۲۷	بڑوں کی خدمت وغیرہ کس پر لازم ہے؟	(۶۶۸)
۴۲۹	ماں کی تیمارداری بیٹوں پر ہے یا بیٹیوں پر؟	(۶۶۹)
۴۳۰	باپ کے انتقال کے بعد مطلقہ ماں کو واپس لانا	(۶۷۰)
۴۳۱	والدین کے ہوتے ہوئے نانا کا کفالت کرنا	(۶۷۱)

۲۲۱	پاسد ہوو، ہوس ہ رچہ س پر ہے،
۲۳۳	دی سے پہلے لڑکی کا نفقہ باپ پر واجب ہے
۲۳۵	بیوں کے مشترکہ کاروبار میں بہنوں کا حق
۲۳۶	<b>فصل فی حقوق الزوجین والعدل بین الأزواج</b> (زوجین کے حقوق اور ایک سے زائد بیویوں میں عدل کا بیان)
۲۳۶	ہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق
۲۳۹	رسالة: فلاح الدارین فی حقوق الزوجین س بیوی کے حقوق
۲۴۶	ت پر خاوند کی اطاعت ضروری ہے
۲۴۷	کیلئے چیل اور کپڑے بنانے کا حکم
۲۴۷	کتے دنوں میں ہم بستری کا مطالبہ کر سکتی ہے؟
۲۴۸	ر کے چھوٹے بھائی بہنوں کی خدمت
۲۴۹	پرساں سر کی خدمت کرنا
۲۵۱	ر کے گھر کے کام کاج کا حکم
۲۵۲	ر بیوی کو کب مار سکتا ہے؟
۲۵۳	ر کا چار ماہ سے زائد سفر پر جانے کا حکم
۲۵۶	ر کسب معاش یا کسی ادارے میں ملازمت کیلئے باہر رہنا
۲۵۸	ر کتنا عرصہ ٹریننگ پر جا سکتا ہے؟

۴۶۴	بیوی کو والدین سے ملنے سے منع کرنا	(۶۹۰)
۴۶۵	بے پردگی والے میکے میں بیوی کو جانے سے منع کرنا	(۶۹۱)
۴۶۶	ماں کے حکم پر بیوی کے حقوق اداء نہ کرنا	(۶۹۲)
۴۶۸	شوہر کا ڈیوٹی پر تالہ لگا کر جانا	(۶۹۳)
۴۶۹	جماع کے وقت دعا پڑھنے کا حکم	(۶۹۴)
۴۷۰	خاوند کو معصیت سے بچانے کیلئے بیوی کا دور رہنا	(۶۹۵)
۴۷۱	عورت کا بغیر کسی وجہ کے شوہر کے پاس نہ رہنا	(۶۹۶)
۴۷۲	نافرمان بیوی کو گھر پر بند کرنا	(۶۹۷)
۴۷۴	حالت حمل میں ہمبستری کرنے کا حکم	(۶۹۸)
۴۷۵	برہنہ جماع کرنے کا حکم	(۶۹۹)
۴۷۶	بیوی کے پستان چوسنے کا حکم	(۷۰۰)
۴۷۹	رسالة: أقوال الفقهاء في استمتاع الزوجين عن فرج الآخر عند الجماع زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ سے استمتاع	(۷۰۱)
۴۸۴	شوہر کا ناجائز طریقوں سے بیوی کو تنگ کرنے کا حکم	(۷۰۲)
۴۸۷	دو بیویاں ہونے کی صورت میں ان کے بنیادی حقوق	(۷۰۳)
۴۸۸	شہری اور دیہاتی بیوی میں عدل کا حکم	(۷۰۴)
۴۸۹	سفر کے دن بیوی کی باری میں شمار نہ ہوں گے	(۷۰۵)
۴۹۰	کیا ہمبستری میں بھی مساوات ضروری ہے؟	(۷۰۶)
۴۹۱	ایک بیوی کا اپنے حق سے دستبردار ہو جانا	(۷۰۷)
۴۹۲	بیوی کا اپنے حق سے دستبردار ہونے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا	(۷۰۸)
۴۹۲	رات ڈیوٹی کرنے والے شخص کیلئے رات گزارنے میں برابری کا حکم	(۷۰۹)

۴۹۴	متعدد بیویوں والے کے لئے سفر میں برابری کرنا	(۷۱۰)
۴۹۵	عدم ادائیگی حقوق سے بیوی حرام نہیں ہوتی	(۷۱۱)
۴۹۶	<b>فصل فی المتفرقات</b> (نکاح کے متفرقات کا بیان)	
۴۹۶	صاحب استطاعت حج پہلے کرے گا یا شادی؟	(۷۱۲)
۴۹۷	نکاح کے بعد رخصتی میں تاخیر کرنا	(۷۱۳)
۴۹۸	منگنی کی رسم کے بعد رشتے ٹوٹ جانا	(۷۱۴)
۴۹۹	ابتداءً جوانی میں نکاح کا حکم	(۷۱۵)
۵۰۰	بیوی سے جماع کرتے وقت اجنبیہ کا خیال دل میں لانا	(۷۱۶)
۵۰۱	مشت زنی اور غیر ذی روح میں دخول کا حکم	(۷۱۷)
۵۰۲	حاملہ من الزنا سے متعلق چند جزئیات کا حکم	(۷۱۸)
۵۰۳	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور اس کے گواہ	(۷۱۹)
۵۰۵	بچوں والی عورت کیلئے دوسری شادی کا حکم	(۷۲۰)
۵۰۶	بیٹی کے انتقال کے بعد داماد سے پردہ کرنا	(۷۲۱)
۵۰۷	شادی سے پہلے تمام لڑکیوں کو بہن کہہ دینے کا حکم	(۷۲۲)
۵۰۷	بیوی کو بیٹی کہہ کر پکارنے کا حکم	(۷۲۳)
۵۰۸	چھوٹے آلہ تناسل والے کیلئے نکاح کا حکم	(۷۲۴)
۵۰۹	نکاح ختم کرنے کیلئے ارتداد کا حیلہ	(۷۲۵)
۵۱۰	رخصتی سے قبل آپس کے تعلقات کا حکم	(۷۲۶)
۵۱۲	شادی میں تاخیر کی وجہ سے روزہ رکھنے کا حکم	(۷۲۷)
۵۱۳	ماہ محرم میں نکاح کا حکم	(۷۲۸)

۵۱۴	عورت جنت میں کون سے شوہر کے ساتھ ہوگی	(۷۲۹)
۵۱۵	ہر سال یا ہر مہینے تجدید نکاح کرنے کا حکم	(۷۳۰)
۵۱۶	تنہا خاتون کا بے دین گھرانے سے الگ رہنے کا حکم	(۷۳۱)
۵۱۷	ایک ہی کمرے میں بیوی اور بچوں کے ساتھ سونے کا حکم	(۷۳۲)
۵۱۸	گھر دامادی کی شرط کی شرعی حیثیت	(۷۳۳)
۵۱۹	قرآن کریم کے قریب بہستری کرنا	(۷۳۴)
۵۲۰	آپ ﷺ کی نگاہ جس عورت پر پڑ جائے اس کے شوہر پر اسے طلاق دینا واجب ہو جاتا تھا، کیا یہ درست ہے؟	(۷۳۵)
۵۲۱	عیدین کے درمیان نکاح کا حکم	(۷۳۶)
۵۲۲	یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بی بی زلیخا سے نکاح	(۷۳۷)
۵۲۳	نکاح میں ایجاب و قبول کتنی مرتبہ ضروری ہے؟	(۷۳۸)
۵۲۳	منہ بولے بیٹے کے احکام	(۷۳۹)
۵۲۴	منہ بولے بیٹے کی ولدیت میں حقیقی باپ کا نام لکھنا ضروری ہے	(۷۴۰)
۵۲۷	رسالة: بیان المعانی فی الزواج الثانی	
	بشرط مساوات دوسری شادی کا حکم	(۷۴۱)
۵۳۲	آٹھ بچوں والے کیلئے دوسری شادی کرنے کا حکم	(۷۴۲)
۵۳۵	چار سے زائد شادیوں کا پچھلی امتوں میں حکم	(۷۴۳)
۵۳۶	اسقاط حمل کا حکم	(۷۴۴)
۵۳۸	اولاد کے اخراجات کے ڈر سے اسقاط حمل حرام ہے	(۷۴۵)
۵۴۰	ناجائز حمل کے اسقاط کا حکم	(۷۴۶)
۵۴۱	ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے استقرار حمل کا حکم	(۷۴۷)



۵۴۴	ٹیسٹ ٹیوب وغیرہ سے لعان اور تعزیر	(۷۴۸)
۵۴۶	ضبط تولید کا حکم	(۷۴۹)
۵۴۷	بوجہ عذر تولیدی صلاحیت ختم کرانے کا حکم	(۷۵۰)
۵۴۹	خاندانی منصوبہ بندی کا شرعی حکم	(۷۵۱)
۵۵۰	عارضی مانع حمل طریقے اختیار کرنے کا حکم	(۷۵۲)
۵۵۲	کنڈوم، ٹیکے اور گولیوں کا استعمال	(۷۵۳)
۵۵۴	نکاح کیلئے کنواری لڑکی کو ترجیح دی جائے یا بیوہ کو؟	(۷۵۴)
۵۵۵	دو بھائیوں یا بہنوں کا ایک ساتھ نکاح کرنے کا حکم	(۷۵۵)
۵۵۶	حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے پیغام نکاح	(۷۵۶)
۵۵۷	قادیانی لڑکی سے نکاح میں اولاد کی دعا کرنا	(۷۵۷)
۵۵۷	"لہ تر للمتحابین مثل النکاح" اس حدیث کا مطلب	(۷۵۸)
۵۵۹	یتیم بچوں کی شادی کیلئے سود پر رقم رکھنا	(۷۵۹)
۵۵۹	غیر شرعی شادی میں عدم شرکت پر ناراضگی	(۷۶۰)
۵۶۱	کتاب الرضاع (رضاعت کے مسائل کا بیان)	
۵۶۱	شرعاً مدت رضاعت کتنی ہے؟	(۷۶۱)
۵۶۲	رضاعت ثابت ہونے کیلئے شرعاً دو گواہ ضروری ہیں	(۷۶۲)
۵۶۳	شک کی بنا پر رضاعت کا حکم	(۷۶۳)
۵۶۳	دو سال کے بعد تک بچے کو دودھ پلانے کا حکم	(۷۶۴)
۵۶۶	عذر کی وجہ سے دو سال سے قبل دودھ چھڑانے کا حکم	(۷۶۵)
۵۶۷	شوہر کی اجازت کے بغیر کسی بچے کو دودھ پلانا	(۷۶۶)

۵۶۷	دودھ پیتے بچے کی خاطر مانع حمل ادویات استعمال کرنا	(۷۶۷)
۵۶۹	عورت کا دودھ کھانے میں ملا کر دینے سے رضاعت کا حکم	(۷۶۸)
۵۶۹	کسی عورت کا دودھ پیالے میں پی لینے سے حرمت کا حکم	(۷۶۹)
۵۷۰	دودھ کے ساتھ کچھ ملا دیا گیا ہو تو اعتبار اغلب کا ہوگا	(۷۷۰)
۵۷۱	مخلوط دودھ میں اغلب اور خالص میں ایک قطرے سے رضاعت پر شبہ کا جواب	(۷۷۱)
۵۷۲	بوڑھی عورتوں کا پستان بچے کے منہ سے لگانے اور دودھ کا علم نہ ہو تو رضاعت کا حکم	(۷۷۲)
۵۷۳	چھاتی سے نکلتے پانی سے رضاعت کا حکم	(۷۷۳)
۵۷۴	عورت اور بکری کا ملا دودھ پینے سے حرمت رضاعت	(۷۷۴)
۵۷۴	دولہا اور دلہن کے ایک ہی گلاس میں دودھ پینے سے نکاح کا حکم	(۷۷۵)
۵۷۵	نکاح کے بعد والدہ کا یہ دعویٰ کہ لڑکی اس کی دودھ شریک بہن ہے	(۷۷۶)
۵۷۶	دو عورتوں کا مخلوط دودھ پینے سے حرمت رضاعت کا حکم	(۷۷۷)
۵۷۷	بڑی بہن کا اپنے سگے بھائی کو دودھ پلانے کا حکم	(۷۷۸)
۵۷۷	نند کو دودھ پلانے سے کیا وہ رضاعی بیٹی بن جائے گی؟	(۷۷۹)
۵۷۸	کافرہ عورت سے بچے کو دودھ پلوانے کا حکم	(۷۸۰)
۵۷۹	رضاعت کے ثبوت میں دودھ کی رنگت کے اعتبار کا حکم	(۷۸۱)
۵۸۰	کنواری لڑکی کا پستان بچے کے منہ میں دینے سے رضاعت کا حکم	(۷۸۲)
۵۸۱	بچے کا سوتی عورت کے پستان سے دودھ پی لینے کا حکم	(۷۸۳)
۵۸۱	مرد کے منہ میں عورت کا دودھ چلے جانے سے نکاح کا حکم	(۷۸۴)
۵۸۲	رضاعت سے حرمت نکاح کی تفصیل	(۷۸۵)
۵۸۳	نسب بہن کی رضاعی بہن سے نکاح کا حکم	(۷۸۶)
۵۸۴	رضیع کے بھائی پر مرضعہ کے اصول و فروع حرام نہیں	(۷۸۷)

۵۸۵	ایک عورت کا دودھ پینے سے اس کی تمام اولاد سے نکاح حرام ہوگا	(۷۸۸)
۵۸۵	بہن نے بیوی کا دودھ پیا ہو تو اس کے بیٹے کا اپنی بیٹی سے نکاح کا حکم	(۷۸۹)
۵۸۶	خالہ نے بہن اور اپنے بیٹے کو دودھ پلایا ہو تو ان کی بیٹی سے نکاح کا حکم	(۷۹۰)

مجلس شورای ملی  
تاریخ ۱۳۰۲/۰۳/۰۵  
شماره ۱۰۰

كتاب النكاح [٢]

جا  
کیا  
جہا  
کے  
ل  
نہ  
ح  
وفا

## فصل فی احکام الولیة والعروس

### (ولیمہ اور بارات کا بیان)

#### (۲۲۲) ولیمہ کس دن مسنون ہے؟

##### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ولیمہ زفاف کے بعد اول دن میں مسنون ہے اور دوسرے اور تیسرے دن مستحب ہے یا تینوں دنوں میں کسی بھی دن اداء کیا جائے مسنون ہی ادا ہوگا؟

#### الجواب بعون الملک الوہاب

ولیمہ مسنون عمل ہے رخصتی کے بعد پہلے، دوسرے یا تیسرے میں سے کسی بھی دن ولیمہ کرنا مسنون ہے۔ اگر علاقے والوں کا عرف ایک ہی بار میں شرکاء کو کھلانے کا ہے تو تین دنوں میں سے کسی بھی دن یہ تقریب منعقد کی جاسکتی ہے اور اگر عرف متفرق طور پر باہیں معنی کہ جو آتا جائے اس کے لئے انتظام کر دیا جاتا ہو جیسا کہ بہت سے علاقوں میں رواج ہے تو اس طرح تین دنوں تک مسلسل بھی ولیمہ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ ریا کاری اور اسراف نہ ہو۔

شریعت کا مزاج شادی کے معاملے میں سادگی اور سہولت کا ہے کیونکہ یہ ہر شخص کا تقاضہ اور ضرورت ہے اگر اسے مشکل بنا دیا گیا تو معاشرہ میں اعتدال نہیں رہ پائے گا لہذا اجتہاد ممکن ہو سادگی سے اس معاملے کو انجام دیا جائے۔ اگر کسی وجہ سے رخصتی والے دن جماع نہ ہو سکے تب بھی ولیمہ مسنون ادا ہو جائے گا کیونکہ ولیمہ نعمت کا شکرانہ ہے اور وہ نعمت یعنی بیوی آپ کو حاصل ہو چکی ہے لہذا رخصتی کے بعد تین دنوں میں سے کسی بھی دن ولیمہ کرنا سنت ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۱۳/۱۱) باب جواز الولیمة الی ایام ان لم یکن فخرا: عن أنس رضی اللہ عنہ قال تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفیة وجعل عتقها صداقها وجعل الولیمة ثلاثة أيام أخرجه أبو یعلی بسند حسن۔ (فتح الباری ۲۱۰/۹)

وفی البیہقی (۶۰/۱۱) کتاب الصداق، باب وقت الولیمة: سمعت أنس بن مالک یقول بنی رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بامرأة فأرسلني فدعوت رجالا إلى الطعام رواه البخاری فی الصحیح۔  
 وفی الہندیة (۲۳۲/۵) کتاب الکراہیة: وولیة العرس سنة وفیہا ماثوبة عظیمة۔۔۔ ولا بأس  
 بأن یدعو یومئذ من الخد وبعد الخد ثم ینقطع العرس والولیة کذا فی الظہیریة۔  
 وفی الموسوعة الفقہیة (۲۳۹/۲۵) ثانیاً: وقت الولیة: اختلف الفقہاء فی وقت الولیة: فذهب  
 الحنفیة والمالکیة فی المشہور وابن تیمیة إلى أن الولیة تكون بعد الدخول۔۔۔ ویرى  
 بعض الحنفیة أن ولیة العرس تكون عند العقد وعند الدخول۔۔۔۔۔ وصرح الحنفیة بأنه إذا  
 بنی الرجل بامرأته ینبغی أن یدعو الجیران والأقرباء والأصدقاء ویزبح لهم ویصنع لهم  
 طعاماً، وإذا اتخذ ولیة ینبغی لهم أن یجیبوا، ولا بأس بأن یدعو یومئذ من الخد وبعد الخد  
 ثم ینقطع العرس والولیة۔

## (۲۲۳) ولیمہ کتنے دن تک مسنون ہے؟

### سؤال

ولیمہ شادی کے کتنے دن تک مسنون ہے؟ کیا ایک ماہ کے بعد بھی ولیمہ کیا جانا مسنون ہوگا یا صرف ضیافت ہوگی جیسا کہ عام  
 طور پر ہوتی ہے اس لئے کہ ولیمہ شادی کی خوشی ہے جو کہ زوجین کے ایک ہونے سے حاصل ہوتی ہے وہ تو چند دن تک ہوتی ہے پھر آدمی  
 ان خوشیوں کو بھول جاتا ہے براہ کرم شریعت کی روشنی میں ولیمہ کی سنیت اور اس کے لئے مقررہ وقت بیان فرمادیں اور یہ بھی بتادیں کہ نبی  
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ویسے کئے وہ کتنے دن تک کئے ہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شادی میں ولیمہ مسنون ہے رخصتی کے بعد پہلے، دوسرے یا تیسرے دن میں سے کسی بھی دن ولیمہ کا انعقاد مسنون ہے اگر کسی  
 مقام کا عرف ایک ہی دفعہ انعقاد کر کے مہمانوں کو بلانے کے بجائے یکے بعد دیگرے مہمان آتے ہوں اور کھا کر چلے جاتے ہوں اگر  
 کہیں ایسا عرف ہے تو مستقلاً تین دن تک بھی ولیمہ کا کھانا کھلایا جاسکتا ہے البتہ تیسرے دن کے بعد ولیمہ کرنا فقط ضیافت شمار ہوگی۔ حضور  
 اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح میں اسی طرح تین دنوں تک ولیمہ فرمایا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اعلیٰ ولیمہ حضرت  
 زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح میں تھا جس میں ایک بکری ذبح کی گئی اور ایک زوجہ مطہرہ کا ولیمہ تو ایسے بھی ہوا کہ لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ جس  
 کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے دسترخوان پر بیٹھ کر کھالیا گیا۔

الغرض ولیمہ ایک دن میں کر دیا جائے یا عرف کے مطابق مسلسل تین دنوں تک اس میں یہ شرط ملحوظ رہے کہ اس میں دکھلا دیا



اسراف نہ ہو بلکہ حسب استطاعت سنت کے مطابق اداء کی نیت سے اس معاملے کو انجام دیا جائے۔

لمافی صحیح البخاری (۷۷۶/۲): أصبح النبي صلى الله عليه وسلم بها عروسا، فدعا القوم فأصابوا من الطعام، ثم خرجوا وبقي رهط منهم عند النبي صلى الله عليه وسلم، فأطالوا المكث - الخ - وفي اعلاء السنن (۱۳/۱۱) باب جواز الولیمة الى ایام ان لم یکن فخرا: عن أنس رضی اللہ عنہ قال تزوج النبي صلی اللہ علیہ وسلم صفیة وجعل عتقها صداقها وجعل الولیمة ثلاثة أيام أخرجه أبو یعلی بسند حسن - وفيه أيضاً (۱۹/۱۱): ان النبي قال: الولیمة أول يوم حق والثاني معروف واليوم الثالث سمعة وریاء -

قال الشيخ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فی اعلاء السنن تحتہ: قال العسمرانی: انما تکره اذا كان المدعو فی الثالث هو المدعو فی الأول وكذا صورہ الرویانی واستبعده بعض المتأخرین وليس بیعد لأن اطلاق كونه رياء وسمعة يشعر بأن ذلك صنع للمباهاة واذا كثر الناس فدعا فی كل يوم فرقة لم یكن فی ذلك مباهاة غالباً -

وفي الخانیة (۳۶۵/۳): ولا بأس بأن يدعو لذلك اليوم وغدا وبعد غد ثم ينقطع العرس والولیمة - وفي الهندیة (۳۲۲/۵) كتاب الكراهیة: ولیمة العرس سنة وفيها مثوبة عظیمة --- ولا بأس بأن يدعو يومئذ من الخد وبعد الخد ثم ينقطع العرس والولیمة كذا فی الظهیریة -

## (۳۲۲) رخصتی سے قبل دعوتِ ولیمہ کرنا

### سؤال

دعوتِ ولیمہ رخصتی سے قبل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بعض علاقوں میں رخصتی سے قبل بڑی دعوت کی جاتی ہے اور یہ دعوت لڑکے والوں کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ اس کے بعد اور دعوت نہیں ہوتی تو کیا اس دعوت کو ولیمہ شمار کیا جاسکتا ہے؟ دعوتِ ولیمہ کا صحیح وقت کیا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

ولیمہ کا انعقاد مسنون عمل ہے لیکن ولیمہ یہ حصولِ نعمت کا شکرانہ ہے اور نعمت کا حصول رخصتی کے بعد ہوتا ہے رخصتی سے قبل لڑکے کی طرف سے دعوتِ مسنون ولیمہ نہیں بن سکتی۔ ولیمہ کا مسنون وقت رخصتی کے بعد پہلے دوسرے یا تیسرے دن تک ہے۔ ان میں سے کسی بھی دن ولیمہ کا انعقاد مسنون ہے۔ ولیمہ میں کوئی خاص کھانا کھلانا ضروری نہیں حسبِ استطاعت جو ممکن ہو کھلا سکتے ہیں نیز اس میں

شرع کے خلاف کاموں سے اجتناب کیا جائے اور اسراف وریا کاری سے بھی اذ حد اجتناب ضروری ہے۔ الغرض رخصتی سے قبل ولیمہ مسنون ادا نہ ہوگا۔

لما فی عمدة القاری (۸۸/۲): ومنها أن فیہ دلالة علی مطلوبیة الولیمة للعرس وأنها بعد الدخول وقال الثوری ویجوز قبله وبعده والمشهور عندنا أنها سنة وقیل واجبة وعندنا إجابة الدعوة سنة سواء كانت ولیمة أو غیرها۔۔۔ والولیمة عبارة عن الطعام المتخذ للعرس مشتقة من الولم وهو الجمع لأن الزوجین یجتمعان فتكون الولیمة خاصة بطعام العرس لأنه طعام الزفاف والوكيرة طعام البناء۔۔۔ ویستحب لأصحاب الزوج وجیرانه مساعدته فی الولیمة بطعام من عندهم ومنها أن فیہ الولیمة تحصل بأي طعام كان ولا تتوقف علی شاة السنة تقوم بغير لحم والله سبحانه وتعالی أعلم۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۱۲۵/۴): الولیمة (وهی طعام العرس أو كل طعام صنع لدعوة وغیرها): وهي سنة مستحبة مؤكدة عند جماهير العلماء۔۔۔ وقد اختلف السلف فی وقت الولیمة، هل هو عند العقد، أو عقبه، أو عند الدخول أو عقبه أو من ابتداء العقد إلى انتهاء الدخول؟

## (۲۲۵) شادی کی رات ہمبستری نہ کر سکنے کی صورت میں ولیمہ کا حکم

### سؤال

اگر شادی والی رات مرد ہمبستری نہیں کرتا ہے اور اگلے دن اس کا ولیمہ ہے تو کیا اس کا ولیمہ جائز ہوگا، بغیر ہمبستری کے؟

### الجواب بعون الملک الوهاب

اگر شادی کی رات ہمبستری نہ ہو سکے اور اگلے دن ولیمہ کی تقریب ہو تو یہ دعوت بھی مسنون ولیمہ شمار ہوگی، رخصتی کے بعد لڑکے کی طرف سے دی جانے والی دعوت مسنون ولیمہ ہے۔

لما فی اعلاء السنن (۱۱/۱۱): (قوله أنس النخ) قال المؤلف فی فتح الباری (۱۹۹/۹) عن ابن السبکی عن أبيه والمنقول من فعل النبی ﷺ أنها بعد الدخول كأنه یشیر الی قصة زینب بنت جحش وقد ترجم علیہ البیهقی وقت الولیمة۔

وفی الهندیة (۳۳۳/۵): وولیمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي إذا بنی الرجل بامرأته ینبغي أن یدعو الجیران والأقرباء والأصدقاء ویذبح لهم ویصنع لهم طعاما۔

## (۴۲۶) لڑکی کی طرف سے دعوتِ خلافِ سنت ہے یا نہیں؟

### سوال

لڑکی والوں کی طرف سے شادی میں دعوتِ ولیمہ سنت ہے یا نہیں؟ میرے ایک دوست کا خیال ہے ولیمہ لڑکی کی طرف سے بھی سنت ہے اور تائید میں یہ حوالے پیش کرتا ہے۔

حوالہ اول:..... حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ زرقانی (۲۲۱/۳) کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایجاب و قبول کے بعد ایک گائے ذبح کی اور لوگوں کی بھی دعوت کی گئی۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۳/۲۰۰)

حوالہ دوم:..... حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت ایک بکرا ذبح کر کے مہاجرین و انصار کو دعوت دی تھی اور فرمایا کہ اس طرح کی حدیث مصنف ابن ابی شیبہ (۵/۸۹-۳۸۶) میں مفصل مذکور ہے۔ (کتاب الفتاویٰ ۳/۴۱۷)

ان دو حوالوں کے پیش نظر یہ کہنا کہ لڑکی کی طرف سے بھی دعوتِ ولیمہ سنت ہے کس حد تک درست ہے؟ اور اگر درست نہیں تو خلافِ سنت ہونے کی وجوہات ذکر کر دیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

ولیمہ کھانے کی وہ دعوت ہے جو مردِ شب زفاف کے بعد کرتا ہے جیسا کہ خانیہ میں ہے:

"رجل بنی بامرأة قالوا ینبغی أن یتخذ ولیمة و یدعو الجیران و الأقرباء و الأصدقاء و یصنع

لهم طعاما و ینذبح لقلوبه علیه الصلاة والسلام أولم و لوبشاة" (خانیہ ۴/۳۶۵)

"فقہاء فرماتے ہیں ایک شخص شب زفاف منائے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ ولیمہ کی دعوت کرے پڑوسیوں، رشتہ داروں

اور دوستوں کو بلائے اور ان کے لئے کھانا تیار کرے اور جانور ذبح کرے اس لئے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ولیمہ کرو اگرچہ

بکری ذبح کر کے۔"

ولیمہ صرف لڑکے کی طرف سے سنت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما کے

نکاح کی جو روایات ذکر کیں ان سے صرف ایسے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے ضیافت کا ثبوت ملتا ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس

میں کوئی جبروا کراہ نہ ہو نیز حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما کے نکاح کی روایت پر محدثین نے کلام بھی کیا ہے نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں تلاش

بسیار کے باوجود ہمیں یہ روایت نہ ملی البتہ مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت موجود ہے۔ آپ نے جو کتاب الفتاویٰ کا حوالہ نقل کیا ہے اس

جلد کے اسی صفحے پر یہ بات موجود ہے کہ ولیمہ لڑکی کی طرف سے سنت نہیں۔ اقتباس پیش خدمت ہے:

”اصل میں تو نکاح میں مسنون دعوت ولیمہ (وہ) ہے جو مرد کو کرنی ہے اور جو میاں بیوی کی یکجائی کے بعد ہے لیکن نکاح کے موقع پر بغیر کسی جبر و اکراہ کے لڑکی والوں کی طرف سے بھی ضیافت کی گنجائش ہے..... پس یہ دعوت طعام سنت تو نہیں ہے نہ عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اس کا عمومی رواج تھا اس لئے اس کو رواج دینا بھی مناسب نہیں البتہ اس کی گنجائش ہے۔“  
(کتاب الفتاویٰ ۳/۴۱۷)

پس آپ کے دوست کا یہ کہنا کہ ”ولیمہ لڑکی کی طرف سے سنت ہے“ درست نہیں۔

## (۲۲۷) شادی کے ایام میں دلہن کی سہیلیوں کا گھر جمع ہونا

### سوال

کیا رخصتی کے دن دلہن کی سہیلیاں اور اس کی رشتہ دار خواتین کا دلہن کے گھر جمع ہونا درست ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور مبارک میں عورتیں جمع ہوتی تھیں؟ اگر دلہن کی دلجوئی کیلئے جمع ہو جائیں تو کیا اس میں کوئی تباہت ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

دلہن کی سہیلیاں اور اس کی رشتہ دار خواتین کا دلہن کے گھر جمع ہونا ثابت ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں عورتیں دلہن کے ہاں جمع ہوتی تھیں، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اجتماع کسی دینی مفسدے پر مشتمل نہ ہو مثلاً یہ کہ اس موقع پر عورتیں جمع ہو کر گانے وغیرہ سنتی ہیں، نماز نہیں پڑھتیں اور غیر محرم مردوں سے پردہ نہیں کرتیں اگر اس قسم کے امور سے پرہیز کریں جو کہ شرعاً ناجائز ہیں تو پھر نفس اجتماع میں کوئی حرج نہیں۔

لمافی نیل الاوطار (۳/۳۱۰): وعن عائشة رضی اللہ عنہا "أما زفت امرأة الى رجل من الأنصار فقال النبي ﷺ يا عائشة ما كان معكم من لهوفان الأنصار يعجبهم اللہو" رواه البخاری۔  
وفیه أيضاً (۳/۳۱۱): وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال "أنکحت عائشة ذات قرابة لها من الأنصار فجاء رسول اللہ ﷺ فقال: أهدیتکم الفتاة قالوا: نعم، قال: أرسلتم معها من یغنی؟ قالت: لا، فقال رسول اللہ ﷺ ان الأنصار قوم فیها غزل فلو بعثتم معها من یقول أتیناکم أتیناکم فحیاناً وحیاکم"

وفی اعلاء السنن (۱۰/۱۱): وكل ذلك مقید بان لا یشتمل علی مفسدة دینیة وقلما یخلو اجتماع النساء منها، فتراهن فی الولات لا یصلین الصلوات لأوقاتها ولا یحتجن من الأجانب ولا یراعین آداب الاجتماع فی المجالس، والی اللہ المشتکی، والفقیه من وقف علی أحوال زمانہ۔

وفی الدر المختار (۹/۳): وهل یکره الزفاف، المختار لا، اذا لم یشتمل علی مفسدة دینیة۔  
وفی الرد تحتہ: قوله ( وهل یکره الزفاف ) هو بالکسر ککتاب إهداء المرأة إلی زوجها قاموس  
والمراد به هنا اجتماع النساء لذلك لأنه لازم له عرفاً أفاده الرحمتی۔

## (۲۲۸) ولیمہ میں مردویٹروں کا کھانا سپلائی کرنا

### سؤال

شادیوں میں آجکل عموماً مردویٹر ہوتے ہیں، بظاہر separate شادی ہالوں میں بھی عورتوں کے پارٹیشن میں مردویٹر کھانا کھلا رہے ہوتے ہیں ایسی شادی میں شرکت کرنا جائز ہے؟ اگر اپنے گھر کی خواتین کو پردے میں لے جایا جائے تو جائز ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوحاب

دعوتِ ولیمہ مسنون عمل ہے لیکن جب تک اسے سنت اور شریعت کے دائرے کے اندر رہ کر کیا جائے تو یہ باعثِ برکت اور موجبِ ثواب ہے اور اگر منکرات کا ارتکاب، بے پردگی اور گانا بجانا وغیرہ جیسے غیر شرعی امور کو اس میں شامل کر لیا جائے تو اس تقریب کا جواز بھی مشکوک ہو جاتا ہے اور اس میں شرکت بھی محلِ نظر بن جاتی ہے۔

صورتِ مسئلہ میں خواتین کا تو عام حالات میں بھی نامحرم سے پردہ ہے چہ جائیکہ زیب و زینت اور خوشنالباس میں کسی غیر شخص کے سامنے آنا تو زیادہ موجبِ وبال ہے۔ میزبان کو چاہیے کہ عورتوں والے حصے میں عورت ویٹر کا بندوبست کرے (آجکل یہ انتظام قطعاً مشکل نہیں) اور اللہ کے عذاب کو براہِ راست دعوت دینے والے امور سے اجتناب کرے۔ ایسی شادیوں میں جہاں معلوم ہو جائے کہ کھانا مردویٹر سپلائی کریں گے اولاً تو شریک ہی نہ ہونا چاہیے (تا کہ میزبان کو بھی تنبیہ ہو) البتہ اگر بہت ہی قریبی تعلق والے کی شادی ہو اور پردے کے اہتمام کے ساتھ کسی الگ جگہ میں بیٹھنے کی گنجائش ہو تو خواتین سمیت شریک ہو سکتا ہے۔

لہافی القرآن الکریم (النور ۳۰): قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ  
أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ۔

وفی المشکوٰۃ (۲۷۸): وعن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " إذا  
دعی أحدکم إلی الولیمة فلیأتمها "۔ متفق علیہ۔

وفی حاشیة المشکوٰۃ: (فلیأتمها) قیل اجابة الولیمة مستحبة وقیل واجبة۔۔۔۔ ویسقط الاجابة  
بأعذار نحو کون الشبهة فی الطعام وکون المنکر هناك مثل الغناء۔

## (۴۲۹) ولیمہ میں بچے کھانے کو فروخت کرنا یا مدارس میں دینا

## سوال

ولیمہ میں عموماً بہت سا کھانا بچ جاتا ہے کچھ تو جھوٹا بچا ہوتا ہے اور کچھ کھلنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ عام طور پر پیک کر کے مہمانوں کو ساتھ دیا جاتا ہے میرے ایک عزیز کی شادی میں یہ نوبت آئی اور تقریباً ۳۰ ڈیگ تو بریانی کی بچ گئیں انہوں نے کچھ الگ فیصلہ کیا وہ یہ کہ وہ یہ کھانا ہوٹل والے سے کچھ کم قیمت پر فروخت کر آئے۔ ہمیں بڑا تردد ہوا کہ عجیب انسان ہے ولیمہ کا کھانا تو شرکاء کیلئے ہوتا ہے اسے بچ کر پیسے کھانا درست ہے؟ نیز یہ بچا کھانا مدارس میں دینا شرعاً کیسا ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

ولیمہ کا کھانا ولیمہ کرنے والے کی ذاتی ملکیت ہے شرکاء کیلئے جو کھانا لگایا جاتا ہے وہ بطور اباحت کے اس کی طرف سے ہوتا ہے باقی بچا کھانا ولیمہ کرنے والے کی ملک ہے وہ اسے ہدیہ بھی کر سکتا ہے صدقہ بھی کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو فروخت بھی کر سکتا ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

البتہ جہاں تک تعلق ہے مدارس میں اس کھانے کو دینے کا تو اس بارے میں یہ ذہن نشین رہے کہ مدارس میں جو طلبہ پڑھتے ہیں وہ مہمان رسول اور لائق صدا عزاز و اکرام ہیں۔ انہیں بچا کچا کھانا کھلانے کے بجائے شادی کے وقت الگ سے اہتمام کر کے مستقلاً کھلانا چاہئے، اس طرح بچا کھانا رات گئے مدارس پہنچانا مناسب نہیں البتہ اگر کہیں مجبوری ہو اور رات گئے یہ صورت حال پیش آجائے تو اس کھانے کو فروخت کرنے یا ان مہمانوں کو ہدیہ کرنے سے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی ویلفیئر ٹرسٹ یا مستحق طلبہ والے مدرسے میں اسے پہنچا دیا جائے۔

لمافی المشکوۃ (۲۷۷): عن أنس رضی اللہ عنہ۔۔۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم: "بارک الله لك أولم ولو بشاة"

وعنه رضی اللہ عنہ قال: ما أولم رسول الله صلى الله عليه وسلم على أحد من نسائه ما أولم على زينب أولم بشاة۔

رسالة

# كسر الزواج

في

## انعقاد الحفلة عند الزواج

رخصتی کیلئے بارات لے جانا، اس میں کھانے وغیرہ کا اہتمام کرنا

اور مسئلہ ہذا سے متعلق دیگر اہم امور پر مدلل فتویٰ

## (۲۳۰) بارات کا شرعی حکم

### سؤال

میرے ایک دوست ہیں جو بہت ہی نیک اور پابند صوم و صلوة ہیں ان کی خواہش رہتی ہے کہ ہر کام سنت کے مطابق کرنا چاہیے عنقریب ان کی شادی ہے وہ مصر ہیں کہ شادی میں بارات وغیرہ نہیں جائے گی لیکن گھر والے کہتے ہیں کہ بارات ہال میں جائے گی اور وہیں سے لڑکی کو لائیں گے لڑکا کہتا ہے میں اکیلا جا کر لڑکی کو لے آؤں گا۔ آپ حضرات سے ان سوالوں کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) شادی میں رخصتی کیلئے بارات لے جانا مسنون ہے یا اکیلے دو لہا جا کر دلہن کو لائے؟

(۲) آپ ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس سلسلے میں کیا معمول تھا؟

(۳) آپ ﷺ سے دلہن کے گھر بارات لے جانا ثابت ہے اگر ثابت ہے تو کیا دو لہا کے خاندان والے بھی دلہن کو لینے گئے تھے اور اس موقع پر لڑکی والوں نے کھانا کھلایا ہو؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت مطہرہ نے شادی کے معاملے کو انتہائی سادگی سے انجام دینے کا درس دیا ہے۔ آپ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

”ان أعظم النکاح بركة أيسر أهونة“ (مشکوٰۃ ۲۶۸)

”سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم ہو“

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول اس سلسلے میں نہایت سادگی کا تھا حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأى علی عبد الرحمن بن عوف أثر صفررة فقال:

”ما هذا؟“ قال: إني تزوجت امرأة علی وزن نواة من ذهب قال: ”بارک اللہ لک أولم ولو بشاة“

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زرد رنگ کے آثار دیکھے (جو کہ

شادی کی علامت ہوتے ہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے ایک عورت سے سونے

کے ٹکڑے کے عوض شادی کر لی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”بارک اللہ“ اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۷۷)

اس واقعے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دور نبوی میں شادی کرنا کتنا آسان تھا دونوں جہانوں کے سردار اور انبی الخاتم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی



اپنے حد درجے قریب (عشرہ مبشرہ) میں سے ایک صحابی کے نکاح کی اطلاع نہ تھی نیز آپ ﷺ نے اس پر برامنانے کے بجائے برکت کی دعادی اس سے شریعت کا اصل مزاج سمجھنا آسان ہے۔

شادی کے اندر صرف دعوت و لیمہ آپ ﷺ کی مستقل سنت ہے، آپ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

قال: "إذا دعی أحدکم إلى الولیمة فلیأتها" (مشکوٰۃ ص ۲۷۸)  
 "تم میں سے کسی کو اگر ولیمہ کا دعوت نامہ ملے تو اسے چاہیے کہ شرکت کرے"

نیز ایک اور حدیث میں ہے:

"وعن أنس رضی اللہ عنہ قال: ما أولم رسول الله صلی الله علیه وسلم علی أحد من نسائه ما أولم علی زینب أولم بشاة"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ کا ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے ذریعہ دعوت و لیمہ کی۔ (مشکوٰۃ ص ۲۷۸)

لہذا ولیمہ کی دعوت تو مسنون عمل ہے البتہ جہاں تک تعلق ہے شادی میں بارات کا، تو اس میں کچھ تفصیل ہے۔ بعض روایات سے جزوی طور پر رخصتی کے وقت (لڑکی والوں کی طرف سے) کھانا کھلانا ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ ان روایات پر کلام ہے اور بعض روایات کو ضعیف قرار دیا گیا ہے چنانچہ ان روایات سے سنیت کو ثابت نہیں کیا جاسکتا لہذا رخصتی کے وقت لڑکی والوں کی طرف سے شرکاء کو کھانا کھلانا وغیرہ اسے سنت قرار نہیں دیا جائے گا۔ نیز بعض صحیح احادیث سے رخصتی کے وقت لڑکی کے گھر کی خواتین اور بچوں کا جانا بھی ثابت ہوتا ہے۔ احادیث یہ ہیں:

(۱) مصنف عبدالرزاق میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا واقعہ ایک تفصیلی حدیث میں ذکر ہے ان کی رخصتی کے وقت آپ

ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

"فقال یا بلال إني زوجت ابنتی ابن عمی وأنا أحب أن یکون من سنة أمتی إطعام الطعام عند النکاح فأت الغنم فخذ شاة.... فاجعل لی قصعة لعلی أجمع علیها المهاجرین والأنصار"

(مصنف عبدالرزاق ۵/۲۸۷)

"اے بلال! میں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اپنے چچا زاد سے کر دیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میری امت کا نکاح کے وقت کھانا کھلانے کا طریقہ کار ہو۔ جاؤ اور بکری لے کر آؤ..... اور ایک برتن میں میرے لئے بناؤ (کھانا تیار کرو) تاکہ میں مهاجرین اور انصار کو جمع کر (کے ان کی دعوت کر) سکوں۔"

اس روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت آپ ﷺ کی طرف سے کھانے کا انتظام کرنے کا ذکر ہے۔

(۲) بخاری شریف میں امام بخاری نے باب قائم فرمایا ہے "باب ذهاب النساء والصبيان إلى العرس" (یہ باب ہے

عورتوں اور بچوں کے رخصتی کے لئے جانے کے بیان میں) اور اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں:

"عن أنس بن مالك رضى الله عنه، قال: أبصر النبي صلى الله عليه وسلم نساء وصبيانا مقبلين من عرس، فقام ممتنا، فقال: اللهم أنتم من أحب الناس إلي."

(صحيح البخارى ۴۷۸۲)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو دلہن کو رخصت کر کے آتے دیکھا آپ ﷺ فرط مسرت سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: تم لوگ مجھے اور آدمیوں سے زیادہ محبوب ہو۔"

(۳) مستدرک حاکم میں حضور اقدس ﷺ کے ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے نکاح کا تفصیلی واقعہ ذکر ہے ابتداء اسلام میں ہی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جنت فرما گئی تھیں آپ ﷺ نے حبشہ میں ہی انہیں پیغام نکاح بھیجا اور شاہ حبشہ نجاشی نے خود آپ ﷺ کے نکاح کا خطبہ پڑھا اور یہ نکاح منعقد کیا گیا خطبہ نکاح کے بعد کے الفاظ روایت میں اس طرح منقول ہیں:

"ثم أرادوا أن يقوموا فقال اجلسوا فإن سنة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام إذا تزوجوا أن يؤكل الطعام على التزويج فدعا بطعام فأكلوا ثم تفرقوا"

(مستدرک على الصحيحين ۲۳/۳)

"پھر حاضرین مجلس نے (نکاح کے بعد) اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا: بیٹھو انبیاء کا طریقہ ہے کہ جب وہ شادی کرتے ہیں تو کھانا کھلایا جاتا ہے پھر نجاشی نے کھانا منگوایا حاضرین نے تناول کیا اور واپس لوٹ گئے"

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن میں اس حدیث سے متعلق تصریح کی ہے کہ نجاشی کا کھانا کھلانا بطور ولیمہ نہ تھا بلکہ یہ

شادی (نکاح) کا کھانا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں:

"وليس ذلك بوليمة بل هو طعام التزويج" (اعلاء السنن ۱۶/۱۱)

"یہ (نجاشی کا کھلانا) دلیمے کے طور پر نہ تھا بلکہ یہ نکاح کا کھانا تھا۔"

(۴) سیر اعلام النبلاء میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کا واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے:

"روى هشام، عن أبيه، عن عائشة رضى الله عنها قالت: تزوجني رسول الله - صلى الله عليه وسلم - متوفى خديجة، وأنا ابنة ست، وأدخلت عليه وأنا ابنة تسع، جاءني نسوة وأنا ألعب على أرجوحة، وأنا مجيبة، فهياتني، وصنعنني، ثم أتيتني إليه - صلى الله عليه وسلم -"

(سیر اعلام النبلاء ۱۲۹/۳)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ ﷺ نے ہجرت سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد مجھ سے نکاح کیا اس وقت میں چھ سال کی تھی اور مجھے ۹ سال کی عمر میں رخصت کر دیا گیا اس کا واقعہ کچھ یوں ہوا کہ کچھ عورتیں میرے پاس آئیں اور

میں جھولے پر جھول رہی تھی اور بال مکھرے ہوئے تھے انہوں نے مجھے تیار کیا اور پھر مجھے آپ ﷺ کے پاس لے آئیں۔“ اس روایت سے عورتوں کا دلہن کو رخصتی کیلئے لے جانا ثابت ہوتا ہے۔ نیز درمختار میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وہل یکرہ الزفاف المختار لا إذا لم یشتمل علی مفسدة دینیة“ (الدر المختار ۹/۳)

”کیا زفاف مکروہ ہے؟ مختار قول یہ ہے کہ نہیں اگر کوئی دینی مفسدہ نہ پایا جائے۔“

درمختار کے حاشیہ ردالمحتار میں علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کے تحت رقمطراز ہیں:

”قولہ: وہل یکرہ الزفاف) ہو بالکسر ککتاب اهداء المرأة الی زوجها قاموس والمراد بہ هنا اجتماع النساء لذلك لانه لازم له عرفاً“

”(مصنف کا قول: کیا زفاف مکروہ ہے؟) اس میں زفاف کا لفظ زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے جیسے کتاب کا لفظ ہے اور زفاف کہتے ہیں عورت کو شوہر کے سپرد کرنا، قاموس، اور یہاں مراد اس رخصت کرنے کیلئے عورتوں کا جمع ہونا ہے کیونکہ (رخصتی کے وقت عورتوں کا) یہ جمع ہونا عرفاً لازمی امر ہے۔“

(ردالمحتار ۹/۳)

لہذا درج بالا روایات اور فقہی نصوص کی روشنی میں لڑکی کی رخصتی کے وقت لڑکی کے گھر پر جمع ہونے اور لڑکی والوں کی طرف سے کھانے وغیرہ کا انتظام کرنے کا جزوی طور پر ثبوت ہوتا ہے نیز اس کے لئے لڑکے والوں کی طرف سے چند افراد کا آکر لڑکی کو لے جانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (البتہ اصل یہی ہے کہ لڑکی کے سر پرست خود لڑکی کو لڑکے کے گھر پہنچادیں)۔ یہ بات مد نظر رہے کہ بارات کی مروجہ صورت کا دور نبوی میں رواج نہ تھا بلکہ لڑکی کے سر پرست اور گھر کی خواتین خود ہی لڑکی کو لڑکے کے گھر پہنچادیتے تھے۔ لہذا صورت مسئلہ میں بارات سے متعلق چند باتیں ذہن نشین رہیں:

(۱) یہ کہ شادی میں صرف دعوت ولیمہ مستقل سنت ہے۔

(۲) اگر کسی کے پاس مال وافر مقدار میں موجود ہے لیکن وہ پھر بھی اپنی بیٹی کو خود لڑکے کے گھر رخصت کر آتا ہے تو یہ انتہائی قابل تعریف اور محاشرے میں شادی کے معاملے کو آسان بنانے میں بہت مدد ہوگا البتہ اگر لڑکے والوں کی طرف سے کچھ افراد آکر لڑکی کو رخصت کر کے لے جائیں تو اس کی گنجائش ہے۔

(۳) لیکن اس موقع پر خلاف شرع کاموں (تصویر کھنچوانا، گانا بجانا وغیرہ) نیز مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

(۴) یہ بات ملحوظ رہے کہ رخصتی کے لئے بارات لے جانا شرعاً ضروری نہیں اگر لڑکی والے خود لڑکی کو پہنچانے کا کہیں تو بارات پر اصرار نہ کیا جائے۔

لہذا صورت مسئلہ میں آپ کے دوست کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں کو خوش اسلوبی سے سمجھائے کہ اصل مسنون طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کے سر پرست خود آکر چھوڑ جائیں اگر گھر والے سمجھ جاتے ہیں تو ٹھیک ورنہ ایک ایسے معاملے میں جس میں شرعاً گنجائش ہے جھگڑے

اور تلخ کلامی کا ماحول پیدا نہ کرے بلکہ چند افراد کے ساتھ جا کر لڑکی کو رخصت کر کے لے آئے البتہ یہ ملحوظ رہے کہ اس میں دیگر منکرات گانے بجانا، تصویریں کھینچنا وغیرہ نہ پائے جائیں۔

## (۲۳۱) بارات کے کھانے کی شرعی حیثیت

## سؤال

شادی میں لڑکی والوں کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے یہ کھانا کھلانا شرعاً درست ہے؟ سنت نبوی میں اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن و حدیث کے نصوص کے مطابق فقہ حنفی کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

شادی بیاہ میں ولیمہ کا کھانا کھلانا لڑکے والوں کی طرف سے سنت ہے بشرطیکہ اس میں اسراف نہ ہو اور نہ اس کے لئے ادھار کا بوجھ سر لیا جائے۔ ولیمہ کے علاوہ کوئی کھانا شادی کے معاملے میں سنت نہیں۔ البتہ لڑکی کی رخصتی کے دن جمع شرکاء کو لڑکی والوں کی طرف سے بطور ضیافت کھلا دینے کا ثبوت ملتا ہے لہذا شادی میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کا اہتمام سنت تو نہیں لیکن بطور ضیافت اگر شرکاء کو کچھ کھلایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اسے شادی کا جزء لازم نہ سمجھا جائے اور اگر کوئی کھانے وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتے تو اسے طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنایا جائے۔

لمافی المشکوة (ص ۲۶۸): وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "إن أعظم النکاح بركة أيسره مؤنة"

وفیه أيضاً (ص ۲۷۸): وعن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "إذا دعی أحدکم إلى الولیمة فلیأتها". متفق علیہ.

وفی المصنف لعبد الرزاق (۴۸۷/۵): "فقال یا بلال إني زوجت ابنتي ابن عمي وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النکاح فأت الغنم فخذ شاة --- فاجعل لي قصعة لعلی أجمع علیها المهاجرین والأنصار"

وفی المستدرک علی الصحیحین (۲۳/۳): "ثم أرادوا أن یقوموا فقال اجلسوا فإن سنة الأنبياء علیهم الصلاة والسلام إذا تزوجوا أن یؤکل الطعام علی التزویج فدعا بطعام فأكلوا ثم تفرقوا"

وفی الدر المختار (۹/۳): وهل یکره الزفاف المختار لا إذا لم یشتمل علی مفسدة دینیة۔

وفی الردحتہ: (قوله: وهل یکره الزفاف) هو بالکسر ککتاب اهداء المرأة إلى زوجها قاموس والمراد به هنا اجتماع النساء لذلك لانه لازم له عرفا۔

## (۲۳۱) بارات میں افراد کی تعداد اور خواتین کی شرکت

### سوال

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بارات میں تین افراد کی شرکت مسنون ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور نبی کریم ﷺ کی متعدد شادیوں میں باراتیوں کی تعداد کیا تھی؟ نیز خواتین کا بارات میں جانا عہد نبوی سے ثابت ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

تلاش بسیار کے بعد بھی بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ”بارات میں تین افراد کی شرکت مسنون ہے“ نہ مل سکا۔ دراصل شادی کے معاملے میں شرعاً بارات کی کوئی حقیقت نہیں۔ دور نبوی میں لڑکی کے سر پرست خود لڑکی کو لڑکے کے گھر رخصت کر آتے اور پھر لڑکے کی طرف سے مسنون دعوت ولیمہ ہو جاتی۔ بارات لے جانے کا رواج بعد میں ہوا ہے یہ مسنون نہیں البتہ اگر دیگر مفاسد نہ ہوں تو بارات لے جانے کی گنجائش ہے اور اس میں افراد کی تعداد کی کوئی تعیین نہیں دونوں فریق آپس میں طے کر سکتے ہیں۔

لمافی صحیح البخاری (۴/۷۷۸) (باب ذهاب النساء والصبیان الی العرس): عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: أبصر النبي صلى الله عليه وسلم نساء وصبيانا مقبلين من عرس، فقام ممتنا، فقال: اللهم أنتم من أحب الناس إلي۔

وفي سير اعلام النبلاء (۱/۱۹۰): (زواجه صلى الله عليه وسلم بعائشة وسودة أمي المؤمنين): "روى هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم متوفى خديجة، وأنا ابنة ست، وأدخلت عليه وأنا ابنة تسع، جاءني نسوة وأنا ألعب على أرجوحة، وأنا مججمة، فهيانني، وصنعني، ثم أتين بي إليه صلى الله عليه وسلم، قال عروه ومكثت عنده تسع سنين، وهذا حديث صحيح۔"

## (۲۳۳) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت کھانے کا اہتمام

### سوال

میں نے ایک کتاب میں مستدرک حاکم (۴/۲۱) کے حوالے سے پڑھا کہ حضور ﷺ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں آنے والے شرکاء کو کھانا کھلایا۔ ہمارے پٹھانوں کے ہاں رواج ہے کہ نکاح کے دن دولہا کھانا کھلاتا ہے۔ مفتی صاحب کیا اس

حدیث سے اس کا اثبات نہیں ہوتا اور کیا بارات کے کھانے پر اس حدیث سے استدلال کر سکتے ہیں؟؟؟ سرحد والوں کا کھانا تو بہر حال ثابت ہوتا ہے؟؟ تحقیقی جواب عنایت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں اولاً تو یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق نجاشی حبشہ نے کھانے کیلئے شرکاء کو روکا تھا، کیونکہ یہ نکاح حبشہ میں ہوا تھا۔ آپ ﷺ خود وہاں موجود نہ تھے۔ نیز اس حدیث کے بعض روایات پر کلام ہے، اگرچہ اعلیٰ السنن میں اسے روایت کیا گیا ہے۔ لہذا چند باتیں ملحوظ رہیں:

(۱) فقط ولیمہ کی دعوت شادی میں مستقل سنت ہے جو رخصتی کے بعد مسنون ہے۔

(۲) نکاح کے دن یا نکاح سے پہلے کسی علاقے میں دعوت کا رواج ہو اور رخصتی کے بعد دعوت نہ ہوتی ہو تو یہ رواج درست نہیں۔ لڑکے کو رخصتی سے اگلے دن حسب استطاعت بطور ولیمہ، دعوت کا انعقاد کرنا چاہئے۔

(۳) اگر کوئی شخص ولیمہ بھی کرتا ہے اور نکاح کے دن اسکی طرف سے یا لڑکی والوں کی طرف سے کسی ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے تو اسکی گنجائش ہے۔ بعض روایات سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ مصنف عبدالرزاق کی روایت ہے:

"فقال یا بلال إني زوجت ابنتي ابن عمي وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النكاح

فأت الغنم فخذ شاة... فاجعل لي قصعة لعلی أجمع علیها المهاجرین والأنصار "

"اے بلال! میں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اپنے چچا زاد سے کر دیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میری امت کا نکاح کے وقت کھانا کھلانے کا طریقہ کار ہو، جاؤ اور بکری لے کر آؤ اور ایک برتن میں میرے لئے بناؤ (کھانا تیار کرو) تاکہ میں مهاجرین اور انصار جمع کر (کے ان کی دعوت کر) سکوں۔"

(مصنف عبدالرزاق ۵/۳۸۷)

اس روایت میں بھی کھانے کی یہ زیادتی صرف عبدالرزاق کی روایت میں ہی ہے اور اسکے بعض روایات پر بھی کلام ہے۔ لہذا ان روایات سے سنیت تو ثابت نہیں کی جاسکتی البتہ یہ اور اسی طرح کی دیگر روایات سے رخصتی کے وقت کھانے کے بطور ضیافت پیش کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے نیز بطور ولیمہ رخصتی کے بعد بھی ضیافت کا اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ رخصتی سے پہلے ضیافت ولیمہ نہیں۔

لما فی البخاری (۷۷۸/۲): عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: أبصر النبي صلى الله عليه وسلم

نساء وصبياناً مقبلين من عرس، فقام ممتناً، فقال: اللهم أنتم من أحب الناس إلي-

وفي المستدرک علی الصحيحین (۳۳/۳): ثم أرادوا أن يقوموا فقال اجلسوا فإن سنة الأنبياء

عليهم الصلاة والسلام إذا تزوجوا أن يؤكل الطعام على التزويج فدعا بطعام فأكلوا ثم

تفرقوا-

وفي الدر المختار (٩/٣): وهل يكره الزفاف المختار لا إذا لم يشمل على مفسدة دينية“  
وفي الردتحة: (قوله: وهل يكره الزفاف) هو بالكسر ككتاب اهداء المرأة إلى زوجها قاموس  
والمراد به هنا اجتماع النساء لذلك لأنه لازم له عرفاً.



## باب فی الأولیاء

### (نکاح کے اولیاء کا بیان)

#### (۲۳۳) نکاح کی ولایت کسے حاصل ہے؟

##### سوال

ولی وراثت میں سے ہوتا ہے یا غیر وراثت بھی نکاح کا ولی ہوتا ہے نیز ولی کے لئے عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں اور اگر کوئی بچہ اپنی بہن کا نکاح کر دے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ کا تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

##### الجواب بعون الملک الوہاب

نکاح میں ولی ”عصبہ“ ہوتا ہے اور عصبہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جن کا وراثت میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہوتا، بلکہ حصے والے کے حصے ادا کرنے کے بعد جو مال باقی رہ جاتا ہے وہ ان کو دے دیا جاتا ہے اور یہ عصبات علی الترتیب چار ہیں۔

(۱) فروع یعنی بیٹا، پوتے نیچے تک

(۲) اصول یعنی باپ، دادا، اوپر تک

(۳) باپ کی اولاد یعنی بھائی اور بھتیجے وغیرہ

(۴) دادا کی اولاد یعنی چچا وغیرہ

اس ترتیب پر نکاح میں ولایت کا حق حاصل ہوگا اگر مذکورہ عصبات نہ ہوں تو پھر اس کے قرابت دار (ذوی الارحام) وراثت کی ترتیب پر ولایت کے مستحق ہوں گے۔ الغرض نکاح میں ولی وراثت میں سے ہوگا ان کی موجودگی میں غیر وراثت کو ولایت کا حق حاصل نہ ہوگا البتہ جب وراثت اولیاء نہ ہوں تو سلطان، حاکم یا قاضی قائم مقام ولی بن سکتا ہے اور ولی کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عاقل بالغ ہو لہذا اگر کسی نابالغ بچے نے اپنی بہن کا نکاح کر دیا تو درست نہ ہوگا۔

لمافی القدوری (ص ۲۷۵): والولی هو العصبہ --- ولا ولاية لعبد ولا لصغير ولا لمجنون ولا لکافر علی مسلمة۔ وقال ابو حنیفہ رحمہ اللہ یجوز لغير العصبات من الأقارب التزویج مثل الأخت والأم والمخالۃ۔

وفی التاتاریخانیۃ (۱۹/۲) کتاب النکاح: یمجب أن یعلم بأن الولی من کان من أهل المیراث

وہو عاقل بالغ حتی لا تثبت الولایہ للصبی والمجنون --- وفی جامع الجوامع: کل قریب یرث منها لہ أن یرزوجها اذا لم یکن أقرب منه عنده۔

وفی الہندیۃ (۲۸۳/۱): وأقرب الأولیاء إلی المرأۃ الابن ثم ابن الابن وإن سفل ثم الأب --- ثم مولی العتاقۃ یرث فیہ الذکر والأنثی ثم عصبة المولی کذا فی التبیین وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الصغیر والصغیرۃ من ذوی الأرحام یرثک تزویجہما فی ظاہر الروایۃ عن أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ --- ثم مولی الموالاة ثم السلطان ثم القاضی ومن نصبہ القاضی کذا فی المحیط القاضی۔

وفی الدرالمختار (۷۶/۳): (الولی فی النکاح) لا المال (العصبۃ بنفسہ) وهو من یتصل بالمیت حتی المعتقۃ (بلا توسطۃ أنثی) بیان لما قبلہ (علی ترتیب الإرث والحجب) --- بشرط حریۃ وتکلیف وإسلام) --- (فإن لم یکن عصبۃ فالولایۃ للأمر --- ثم لذوی الأرحام) --- (ثم للسلطان ثم لقاض نص لہ علیہ فی منشورہ)۔

## (۲۳۵) کیا ولی نکاح کا عادل ہونا ضروری ہے؟

### سؤال

ولایت کے لئے عدالت ضروری ہے یا نہیں؟ فاسق آدمی اپنے چھوٹے بیٹے یا بیٹی کا نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

ولایت کیلئے عدالت شرط نہیں ہے لہذا فاسق باپ اپنے بیٹے یا بیٹی کا نکاح کر سکتا ہے جبکہ باپ بالکل لاپرواہ نہ ہو یا باپ کے نکاح میں عدم شفقت بالکل ظاہر نہ ہو اور اگر عدم شفقت ظاہر ہو مثلاً مجبوراً نکاح کیا ہے تو یہ نکاح غیر کفو میں تو منعقد ہی نہ ہوگا۔

لمافی الہندیۃ، کتاب النکاح (۲۸۳/۱): والفسق لا یمنع الولایۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

وفی الدرالمختار (۵۴/۳): باب الولی (هو) لغة خلاف العدو وعرفا العارف باللہ تعالیٰ وشرعا (البالغ العاقل الوارث) ولو فاسقا علی المذهب ما لم یکن متہتکا۔

وفی الرد تحتہ: وحاصلہ أن الفسق وإن کان لا یسلب الأہلیۃ عندنا لکن إذا کان الأب متہتکا لا ینفذ تزویجہ إلا بشرط المصلحۃ --- وبہ ظہر أن الفاسق المتہتک وهو بمعنی سیء الاختیار لا تسقط ولایتہ مطلقا لأنه لو زوج من کفء بمہر المثل صح کما سیأتی بیانہ۔

رسالة

امتنارة القمرين

ففي

جواب السؤال "هل تزويج الولد لازم على الأبوين"

اولادكى شادى كرانا والدين كى ذمى هى

يا والدى كى ياكى كا خود ذمى دار هى؟

مسئله هذا سے متعلق امور پر مفصل تحقیقی فتویٰ

## (۴۳۶) کیا اولاد کی شادی کرانا والدین کی ذمہ داری ہے؟

### سوال

زید کا ایک لڑکا ہے عمر تقریباً ۲۲ سال ہے بیٹا بار بار کہتا ہے کہ میری شادی میں جلدی کرو ورنہ فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا لیکن زید کے پاس اتنی رقم نہیں کہ شادی کر سکے قرض دینے کیلئے کوئی تیار نہیں اب پوچھنا یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ اگر والدین اپنی اولاد کی شادی میں تاخیر کر دیں دریں اثناء بچے سے جو گناہ سرزد ہو جائے اس میں والدین کا بھی حصہ ہے، کیا یہ درست ہے؟ اگر ہے تو زید اپنے بیٹے کی شادی میں تاخیر سے گناہ گار ہوگا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

والدین کے ذمہ لازم ہے وہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کریں اور انہیں اپنی زندگی دین کے مطابق گزارنے کی ترغیب دیں اور بچوں کے بالغ ہو جانے کے بعد جیسے ہی ممکن ہو مناسب رشتہ نظر آتے ہی ان کی شادی کرادیں۔ کنز العمال میں حدیث مبارک ہے:

"حق الولد علی والدہ ان یحسن اسمہ ویزوجہ اذا أدرك ویعلمہ الکتاب"

"باپ پر بچے کا یہ حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور بالغ ہونے کے بعد اس کی شادی کرائے اور اسے قرآن کا علم سکھائے۔"

(کنز العمال ۱۶/۴۱۷)

لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ والد کی ذمہ داری فقط اتنی ہے جو اوپر ذکر کی گئی اس سے آگے (ولیسے کا خرچہ، مہر، نفقہ وغیرہ غرض) ہر قسم کا مالی خرچ لڑکے کے اپنے اوپر ہے یہ باپ کی ذمہ داری نہیں کہ لڑکے کی شادی میں اپنے پیسے خرچ کرے بالغ ہو جانے کے بعد یہ تمام ذمہ داریاں لڑکے کے اپنے اوپر عائد ہوتی ہیں کہ کمائے اور اپنی شادی کیلئے پیسوں کا بندوبست کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہ لڑکے کی ذمہ داری ہے کہ اتنا قرض کہیں سے حاصل کرے کہ اس کی شادی میں مہر اور دیگر شرعی امور انجام پاسکیں نیز لڑکے کو ایسی ملازمت وغیرہ بھی اختیار کرنا ضروری ہے جس سے اس کے گھر کا نفقہ وغیرہ چل سکے۔

اگر لڑکا یہ تمام مذکورہ بالا وسائل مہیا کر لیتا ہے اور مالی اعتبار سے کوئی مانع باقی نہ رہے نیز باپ کو اچھا رشتہ بھی نظر آجائے لیکن اب اگر باپ تاخیر کرے اور لڑکا بلوغت سے کہولت (ادھیڑ عمری) کی عمر کی طرف منتقل ہونے لگے تو اب لڑکے سے سرزد گناہ کا باپ بھی ذمہ دار ہوگا۔ باپ کی یہ ذمہ داری تھی کہ جب لڑکا مالی اعتبار سے بے غم ہے تو بلوغت کے بعد جلد از جلد اس کی شادی کر دے اور اس فرض

سے سبکدوش ہو جائے۔ یہ ایک وبا ہے جو ہمارے معاشرے میں پھیلتی جا رہی ہے کہ والدین اپنی اغراض کی وجہ سے اولاد کے نکاح میں تاخیر کرتے جاتے ہیں اور اولاد ناجائز ذرائع استعمال کرنے لگتی ہے ایسے والدین کو متنبہ ہونا چاہیے کہ کل بروز قیامت اولاد کے گناہوں کا سوال ان سے بھی ہوگا۔

البتہ اگر لڑکے کے پاس پیسے نہ ہوں اور نہ وہ قرض لے سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ روزے رکھے اور روزوں کے ذریعے اپنی شہوت کو مٹائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فإنه له وجاء"

"جو تم میں سے نکاح (اور اس کے حقوق ادا کرنے کی) طاقت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ شادی کرے کیونکہ اس سے نظر کی حفاظت اور شرمگاہ کے لئے عفت کا حصول ہوتا ہے اور جو طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے روزے رکھنے چاہئیں کیونکہ روزے ہی اس کے لئے شہوت کو توڑنے والی چیز ہیں۔"

(مشکوٰۃ ص ۲۶۷)

لہذا اگر یہ حالات اگر شادی کی اجازت نہ دیتے ہوں تو باپ کو چاہیے کہ بیٹے کو بتادے کہ شریعت میں آپ کے مسئلے کا یہ حل ہے کہ آپ روزے رکھیں نیز اگر والد کے پاس مال وافر مقدار میں موجود ہے اور لڑکا فی الحال شادی سے قبل اتنا مال حاصل کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور باپ اپنی خوشی سے (بغیر کسی ادھار کا بوجھ اٹھائے) خرچ کر دیتا ہے تو امید ہے کہ عند اللہ ماجور ہوگا لیکن باپ کا یہ خرچ کرنا تبرعا ہوگا نہ یہ کہ اسے والد کی ذمہ داری سمجھا جائے۔

یہ تفصیل جو ذکر کی گئی لڑکے کی شادی کے بارے میں ہے۔ لڑکی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کی شادی بلوغ کے بعد جلد از جلد کفو (دینداری، مال اور پیشہ کے اعتبار سے برابر) میں رشتہ میسر آتے ہی کرا دینا والد کی ذمہ داری ہے البتہ لڑکی کا نفقہ والد پر شادی تک ہے (جب کہ لڑکے کا نفقہ صرف بلوغ تک ہے بالغ ہونے کے بعد باپ لڑکے پر خرچ کرنے میں متبرع ہے) اور شادی کے بعد لڑکی کا نفقہ اس کے شوہر کے ذمے ہوتا ہے باپ کی ذمہ داری فقط اتنی ہے کہ بلوغ کے بعد اچھا رشتہ میسر آتے ہی لڑکی کا نکاح کر دے، اور بقدر استطاعت جو چیز دے سکتا ہے دے دے (آج کل مروّج جہیز جس میں مکمل فرنیچر وغیرہ داخل ہوتا ہے باپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ معاشرے میں پھیلتا ہوا ناسور ہے)۔ اگر باپ بلوغ کے بعد رشتہ میسر آ جانے پر لڑکی کی شادی کے فرض سے سبکدوش نہیں ہوتا اور لڑکی کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا ذمہ دار باپ بھی ہوگا۔

اس لئے صورتِ مسئلہ میں دو باتوں میں فرق کو ذہن نشین رکھیے وہ یہ کہ ایک ہے بچوں کی اچھی تربیت (چاہے لڑکا ہو یا لڑکی) اور بلوغ کے بعد اچھا رشتہ میسر آ جانے پر بلا تاخیر ان کی بات کچی کرا کے شادی کرا دینا یہ والد کی ذمہ داری ہے اس میں تاخیر باعثِ پکڑ ہے لیکن دوسری طرف لڑکے کی شادی میں مہر، نفقہ اور دیگر خرچ وغیرہ یہ باپ کے ذمے نہیں ان سب کے بندوبست کیلئے نوکری کرنا، قرض لینا یہ سب لڑکے کے اپنے ذمے ہے اگر باپ کر دیتا ہے تو یہ باپ کا احسان ہے فرض نہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثمًا فإثمًا إثمه على أبيه"

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو، اسے چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرادے اگر وہ بالغ ہو گیا اور باپ نے شادی نہ کرائی پھر کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۱)

لہذا صورتِ مسئلہ میں سوال یہ نہیں کہ زید (باپ) کے پاس لڑکے کی شادی کی رقم ہے یا نہیں بلکہ اصل یہ دیکھا جائے کہ لڑکے کے پاس مہر وغیرہ کی رقم ہے یا نہیں نیز وہ اتنا برسرِ روزگار ہے کہ گھر کا خرچ چلا سکے یا نہیں؟ اگر لڑکے کے پاس اتنی رقم نہیں تو قرض لے اور قرض نہ لے سکتا ہو تو روزے رکھے۔ اگر لڑکا اتنی رقم کا مالک ہے نیز اچھا رشتہ بھی میسر ہے پھر باپ تاخیر کر رہا ہے تو باپ زید کی پکڑ عند اللہ ہوگی اسے چاہیے کہ اپنے لڑکے کا رشتہ جلد از جلد مکمل کر کے اس ذمہ داری کو اپنے کاندھوں سے اتار دے۔

لما فی اعلاء السنن (۲/۱۱): الحدیث ورد فی باب من تاقت نفسه الی النکاح فاما أن ینکح ان قدر علی مؤنة واما أن یصوم ان لم یقدر علیہا۔

وفی الدر المختار (۶/۳): (ویکون واجبا عند التوقان) فإن تیقن الزنا إلا به فرض فهایة وهذا ان ملک المهر والنفقة وإلا فلا إثم بترکه بدائع۔۔۔ ویندب إعلانہ وتقذیم خطبة وكونه فی مسجد یوم جمعة بعاقدر رشید وشهود عدول والاستدانة له۔

## (۲۳۷) لڑکے کا خود کمانا اور خود شادی کرنا

## سوال

ایک شخص اپنے لڑکوں سے کہتا ہے کہ تم خود کماؤ اور اپنی شادی خود کرو اور شادی کیلئے لڑکیاں بھی خود تلاش کرو میری کوئی ذمہ داری نہیں آپ حضرات سے یہ معلوم کرنا ہے:

(۱) لڑکے کیلئے رشتہ ڈھونڈنا کیا باپ کے ذمہ نہیں؟

(۲) باپ کا یہ کہنا ”خود کماؤ اور اپنی شادی خود کرو“ کیا یہ بات شریعت کے مطابق ہے؟

ازراہ کرم محقق جواب عنایت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

جب اولاد بالغ ہو جائے تو ان کا رشتہ ڈھونڈنا اور مناسب رشتہ میسر آجانے پر اپنی لڑکی یا لڑکے کا رشتہ کر دینا یہ والد کی ذمہ داری ہے۔ آپ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

”من ولد له ولد فلیحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثمًا فإنما إثمہ علی أبیہ“

”آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے اور جب وہ بچہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دے اگر وہ بالغ ہو گیا اور باپ نے شادی نہ کرائی پھر کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔“ (مشکوٰۃ ص ۲۷۱)

البتہ لڑکے کی شادی میں مال خرچ کرنا نیز شادی کے بعد لڑکے کی بیوی کا کسی قسم کا بھی خرچ باپ کے ذمے نہیں۔ مال کا بندوبست کرنا لڑکے کی اپنی ذمہ داری ہے، ملازمت کرے یا قرض لے اور اگر کچھ ممکن نہ ہو تو شادی کے بجائے روزے رکھے باپ کے ذمے بچے کی شادی میں پیسے خرچ کرنا ضروری نہیں۔

لہذا صورت مسئلہ کی شق نمبر (۱) کا جواب واضح ہے کہ لڑکے کا رشتہ ڈھونڈنا باپ کے ذمے ہے یہ بے حیالی کی بات ہے کہ لڑکا اپنے لئے خود لڑکی ڈھونڈتا پھرے۔

(۲) دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ اگر باپ اس معنی میں یہ بات کہہ رہا ہے کہ مہر اور شادی میں خرچ کے مناسب پیسے جمع کر لو اور شادی کے بعد بیوی کے نفقہ وغیرہ کیلئے ملازمت تلاش کر لو تو باپ کا یہ کہنا درست ہے البتہ اگر بچوں کے پاس اتنے وسائل ہیں کہ وہ سادگی سے شریعت کے مطابق شادی کر کے اپنی بیوی کا خرچہ برداشت کر سکیں اور والد آج کل کی مروجہ لاکھوں کی شادی کے مطابق پیسے

جمع کرنے پر بچوں کو لگا رہا ہو تو یہ درست نہیں اس صورت میں نکاح میں تاخیر کرنا باپ کیلئے باعثِ پکڑ ہوگا۔ باپ کو چاہئے اگر بچے اتنا مال رکھتے ہوں کہ سادگی سے ان کی شادی کر دی جائے اور وہ بیوی کا خرچہ چلا سکیں تو مناسب رشتہ ڈھونڈ کر جلد از جلد ان کی شادی کرادے۔

لمافی المشکوٰۃ (ص ۲۶۷): قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض ". رواه الترمذي وفي اعلاء السنن (۳/۱۱): الحديث ورد في باب من تآقت نفسه إلى النكاح فيما أن ينكح إن قدر على مؤنة وإما أن يصوم إن لم يقدر عليها۔

وفي مرقاة المفاتيح (۶/۴۵۰): تحت حديث المشكوٰۃ " أن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة " [ أيسره ] أي أقله أو أسهله [ مؤنة ] أي من المهر والنفقة للدلالة على القناعة التي هي كنز لا ينفد ولا يفنى۔ وفي الدر المختار (۲/۶): ( ويكون واجبا عند التوقان ) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه بدائع۔



## رسالة

## القضية السالبة

إذا أنكح الجدُّ في غير الكفوء البالغة

بأنغمة لڑکی کا از خود غیر کفوئ میں کیا نکاح روایت حسن کے مطابق فاسد ہے

البتہ ولی کی اجازت سے غیر کفوئ میں نکاح ہو سکتا ہے لیکن باپ کی موجودگی میں دادا بھی ولی (اقرب) شمار ہوگا؟

اور کیا دادا کی اجازت سے یہ نکاح باپ کی موجودگی میں جائز ہے؟

نیز نابالغہ کے نکاح کرانے میں مسئلہ خیار بلوغ میں باپ اور دادا دونوں کا حکم یکساں ہے

یعنی نابالغہ کو خیار نہ ملے گا یہ مسئلہ بھی مطلق ہے یا باپ کے نہ ہونے کے وقت دادا کا یہ حکم ہے؟

مسئلہ ہذا پر مفصل و مدلل فتویٰ

## (۴۳۸) باپ کی موجودگی میں دادا کا غیر کفو میں نکاح کرانے کا حکم

### سوال

ہمارے یہاں ایک لڑکی (جس کا باپ زندہ ہے) کے دادا نے مختلف مصالحوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک سوچی کے بیٹے سے نکاح کر دیا۔ لڑکا بالکل جاہل سا ہے، حالانکہ لڑکی B.A پاس اور خوبصورت ہے اور لڑکی کا باپ فوج میں ملازم ہے۔ لڑکی کا باپ والد کے احترام میں خاموش ہے، نہ اجازت دیتا ہے نہ انکار کرتا ہے تو آیا یہ نکاح صحیح ہو یا نہیں؟ کیونکہ والد نے الگ مجلس میں اپنے انکار کا اظہار کیا ہے۔

### الجواب بعون الملک الوحاب

صورت مسئلہ میں جواب سے قبل چند باتیں بطور تمہید ملحوظ رہیں:

(۱)..... بالغ لڑکی کفو میں اپنا نکاح کرانے کے معاملہ میں خود مختار ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کا نکاح نہیں کر سکتا اور کفو میں بغیر کسی کی اجازت کے وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے (البتہ مناسب یہ ہے کہ اپنے نکاح کے معاملے کو اپنے سرپرستوں کے حوالے کر دے کیونکہ شرفاء کا طریقہ یہی ہے)۔

(۲)..... بالغ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرنے کے بارے میں خود مختار نہیں بالغ لڑکی اگر اپنے غیر کفو (یعنی مال، پیشہ، دینداری وغیرہ کے اعتبار سے کمتر) سے نکاح کر لیتی ہے تو یہ نکاح ظاہر الروایۃ کے مطابق اولیاء کو فسخ کرانے کا حق اور حسن بن زیاد رضی اللہ عنہ کی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کے مطابق کالعدم یعنی فاسد ہے علی البتہ پہلی روایت کے مطابق نکاح منعقد ہو جائیگا لیکن ولی کو فسخ کرانے کا اختیار ہوگا اور دوسری روایت کے مطابق یہ نکاح سرے سے کالعدم ہو جائے گا۔

(۳)..... تیسری بات یہ ملحوظ رہے کہ باپ کی موجودگی میں دادا ولی البعد ہے، جیسا کہ درج ذیل حوالوں سے واضح ہے۔ شامیہ

میں ہے:

"يقدم الأب ثم أبوه ثم الأخ الشقيق ثم الأب و ذكر الكرخي أن تقديم الجد على الأخ قول

ع حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق یہ نکاح فاسد ہے باطل نہیں۔ "فلا ينعقد أصلاً" کے الفاظ سے بعض حضرات کو اشتباہ ہو گیا کہ یہ نکاح باطل ہے، اس مسئلہ کی مکمل تفصیل کے لئے نجم الفتاویٰ کی اس جلد کے فتویٰ "الدلیل الجاذب علی أن نکاح المرأة فی غیر الکفو نکاح فاسد" کو ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

الإمام وعندهما يشتركان والأصح أنه قول الكل "

"اولاً باپ مقدم ہوگا پھر دادا پھر مگ بھائی پھر باپ شریک بھائی اور کرنی نے ذکر کیا ہے کہ دادا کو بھائی پر مقدم کرنا صرف امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دونوں مشترک ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ دادا کی تقدیم کا قول سب کا ہے۔"

(شامیہ: ۳/۷۶)

(۴)..... نیز نابالغہ کے باپ یا دادا کے نکاح کو بلوغ کے بعد فسخ کرنے کا اختیار نہ ملنا اس صورت میں ہے جبکہ دادا ہی ولی ہو اور باپ موجود نہ ہو ورنہ اگر باپ موجود ہو تو دادا کے لیے نکاح میں بھی اختیار بلوغ ملتا ہے، جیسا کہ شامیہ کی درج ذیل عبارت ہے:

"وصح إنكاح الأب والجد الصغير والصغيرة بغبن فاحش ومن غير كفاء لا غيرهما وقال في شرحه أي لو فعل الأب أو الجد عند عدم الأب لا يكون للصغير والصغيرة حق الفسخ بعد البلوغ"

(الشامیة: ۳/۶۸)

"باپ اور دادا کا نکاح کرنا نابالغ بچے یا بچی کا چاہے غبن فاحش اور غیر کفء میں ہو یہ صحیح ہے اور شرح میں لکھا ہے کہ اگر باپ ایسا کرے یا دادا باپ کی عدم موجودگی میں یہ نکاح کرے تو صغیر اور صغیرہ کو بلوغ کے بعد نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں"

شامیہ کی یہ عبارت نص صریح ہے کہ دادا کے کئے نکاح میں، جبکہ باپ موجود ہو، اختیار بلوغ ملے گا [او الجد عند عدم الاب]۔ نیز بدائع میں ہے:

"إنما تستحي من الأولياء لا من الأجانب والأبعد عند قيام الأقرب وحضوره أجنبي"

(بدائع ۳/۳۶۰)

"لڑکی اولیاء سے شرماتی ہے اجنبیوں سے نہیں اور ابعد، اقرب کی موجودگی میں اور ابعد کا حاضر ہونا اجنبی شخص کی طرح ہے۔"

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ دادا باپ کی موجودگی میں ولی ابعد ہے۔

(۵)..... پانچویں بات یہ ملحوظ رہے کہ بالغ لڑکی کا از خود غیر کفو میں نکاح کرنا جس طرح ظاہر الروایہ کے مطابق ولی (اقرب) کو فسخ کرانے کا حق ہوتا ہے ویسے ہی ولی ابعد کا لڑکی کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح کرنا بھی ولی اقرب کو فسخ کرانے کا حق ہوتا ہے۔ ہند میں ہے:

"وإذا زوجت نفسها من غير كفاء ورضى به أحد الأولياء لم يكن لهذا الولي ولا لمن مثله أو

دونه في الولاية حق الفسخ ويكون ذلك لمن فوقه كذا في فتاوى قاضى خان وكذا إذا زوجها

أحد الأولياء برضاها كذا في المحيط"

(الهندية: ۱/۲۹۳)

"اگر ایک لڑکی از خود غیر کفو میں نکاح کر لے اور اس کا کوئی ایک ولی اس نکاح پر راضی ہو جائے تو اس ولی اور درجے میں

اس کے برابر یا کمتر ولی کیلئے فسخ کا حق نہ رہے گا لیکن اس سے اوپر (یعنی اقرب) والے کیلئے یہ حق اب بھی محفوظ رہے گا

قاضیخان میں ایسا ہی ہے اور اسی طرح اگر کوئی ایک ولی لڑکی کا نکاح کرادے (تو مذکورہ بالا مسئلے کی طرح ولی اقرب کو فسخ کا حق رہے گا) محیط میں ایسا ہی ہے۔  
اسی طرح البحر الرائق میں ہے:

"قیدنا بالاستواء احترازا عما إذا رضی الأبعد فإن للأقرب الاعتراض كذا في فتح القدير  
وغیره"

"ہم نے (مسئلے میں) استواء کی قید لگائی تاکہ اس سے احتراز ہو جائے کہ اگر ولی ابعد رضی ہو گیا تو اقرب بہر حال اعتراض کر سکتا ہے۔"  
اسی طرح در مختار میں ہے:

"(و) بناء (على الأول) وهو ظاهر الرواية (فرضا البعض) من الأولیاء قبل العقد أو بعده  
(كالكل) ... (لو استواء في الدرجة والأقرب) منهم (حق الفسخ)" (الدر المختار، ۵۷/۳)

"پہلی روایت کے مطابق جو کہ ظاہر الروایت ہے بعض کی رضامندی اولیاء میں سے چاہے عقد سے قبل ہو یا بعد تمام کی رضامندی کی طرح ہے اگر درجے میں برابر ہوں وگرنہ اقرب کیلئے حق فسخ ہوگا۔"

مذکورہ بالا عبارات میں لڑکی کے غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں کسی ایک ولی کی رضامندی سے کئے نکاح کو ولی اقرب کی رضامندی پر موقوف رکھا گیا ہے یعنی نکاح تو منعقد ہے لیکن ولی اقرب اسے فسخ کر سکتا ہے لہذا دادا اگر غیر کفو میں باپ کی موجودگی میں نکاح کرتا ہے تو ظاہر الروایت کے مطابق باپ اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔

(۶)..... چھٹی بات یہ ملحوظ رہے کہ اوپر ذکر کردہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ لڑکی کے غیر کفو میں نکاح کی صورت میں ولی اقرب کو حق فسخ ظاہر الروایت کے مطابق باقی رہتا ہے اسی طرح ولی ابعد کے نکاح کرانے کی صورت میں بھی ولی اقرب فسخ کر سکتا ہے، جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شریعت میں ولی اقرب کی عار کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کی قوت ولی ابعد سے زیادہ ہے۔

لیکن یہ سارا مسئلہ ظاہر الروایت کے مطابق تھا اور کتب فقہ میں مسائل کفو کی تشریح ظاہر الروایت کے مطابق کی جاتی ہے اس لئے دوسری روایت جو کہ غیر ظاہر الروایت ہے (حسن بن زیاد سے منقول) اس کے مطابق اتنی تفصیل تو ملتی ہے کہ لڑکی کے از خود نکاح کی صورت میں یہ نکاح کالعدم ہوگا لیکن ولی ابعد نکاح کرادے تو روایت حسن کے مطابق اس کا جواب کتب میں تحریر نہیں جبکہ مسئلہ کفو میں فتویٰ ظاہر الروایت کے بجائے روایت حسن پر ہے۔

چنانچہ مسئلہ زیر بحث میں لڑکی جب از خود غیر کفو میں نکاح کر لے تو حسن بن زیاد رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ولی کی اجازت کے بغیر لڑکی کا از خود نکاح کالعدم ہوتا ہے نیز ولی ابعد کے غیر کفو میں نکاح کرانے کی صورت میں ظاہر الروایت کے مطابق، ولی اقرب کو فسخ کرنے کا حق دیا جاتا ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق ولی ابعد کا لڑکی کا نکاح غیر کفو میں پڑھانا کالعدم

ہوگا۔ ولی اقرب کی رضامندی قبل از نکاح ضروری ہوگی اور جس طرح عام اوقات میں لڑکی اگر خود غیر کفوہ میں نکاح کرتی ہے تو ظاہر الروایت کے بجائے حسن بن زیاد کی روایت کو مفتی بہ قرار دیا جاتا ہے ویسے ہی ولی ابعدا کے نکاح کرانے کی صورت میں بھی حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق ولی اقرب کی رضامندی کے بغیر کئے گئے ایسے نکاح کو کالعدم قرار دیا جائے گا۔

لہذا صورت مسئلہ میں دادا چونکہ باپ کی موجودگی میں ولی ابعدا ہے اور یہ لڑکی کا نکاح غیر کفوہ میں کر رہا ہے نیز باپ نے اجازت نہیں دی ہے لہذا دادا کا غیر کفوہ میں کرایا یہ نکاح کالعدم ہے۔

لمافی التاتارخانیة (۳/۳۲): اعلم بأن السکوت من البکر البالغة جعل رضا بالنکاح سواء استأذنها الولی قبل النکاح أو زوجها الولی قبل الاستیمار فسکتت انما جعل السکوت من البکر البالغة اذنا اذا کان المستأمر ولیا أما اذا لم یکن ولیا کالأجنبي أو کان ولیا الا أن هناك ولیا آخر أقرب الی المرأة من هذا الولی المستأمر کالجدمع الأب فالسکوت لا یكون رضا واذنا فی حق الولی المستأمر الا کان المستأمر رسول الولی۔

وفی الشامیة (۳/۸۲): ذکر فی أنفع الوسائل عن المنتقی إذا کان للصغيرة أب امتنع عن تزویجها لا تنتقل الولاية إلى الجد بل یزوجها القاضي ونقل مثله ابن الشحنة عن الغایة عن روضة الناطفی وكذا المقدسی عن الغایة والنهر عن المحیط والفیض عن المنتقی وأشار إليه الزیلعی حیث قال فی مسألة تزویج الأبعد بغیبة الأقرب وقال الشافعی بل یزوجها الحاکم اعتبارا بعضله وكذا قال فی البدائع إن نقل الولاية إلى السلطان أي حال غیبة الأقرب باطل لأنه ولی من لا ولی له وهنأ لها ولی أو ولیان فلا تثبت الولاية للسلطان إلا عند العزل من الولی ولم یوجد۔

وفی المفصل فی احکام المرأة والبیوت المسلخ (۶/۳۰۰): فدل هذا علی عدم الولاية لغير الأب علی الصغيرة، لأن استثمارها لا یكون الا بعد بلوغها، والجد کالأب عند عدمه۔

## (۴۳۹) باپ کی موجودگی میں دادا کے نکاح کا حکم

### سؤال

ایک نابالغ لڑکی کا نکاح دادا نے کر دیا چند دن گزرنے کے بعد لڑکی کا باپ نکاح کو رد کرتا ہے۔ آیا باپ کو رد کرنے کا اختیار ہے

یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوحاب

نابالغ لڑکی کا جو نکاح دادا نے کیا ہے، اگر باپ کی اجازت کے بغیر کیا ہو تو یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف ہوگا اور باپ کو رد کرنے کا اختیار ہوگا البتہ اگر باپ غائب ہو اور اس سے رابطے کی کوئی صورت نہ ہو تو دادا کا کیا نکاح صحیح ہو جائے گا۔

لمافی الہندیۃ (۲۸۵/۱): وإن زوج الصغیر أو الصغیرة أبعد الأولیاء فإن کان الأقرب حاضرا وهو من أهل الولاية توقف نکاح الأبعد علی إجازتہ۔ الخ۔

وفی الدر المختار (۸۱/۳): (وللوی الأبعد التزویج بغیبة الأقرب) فلو زوج الأبعد حال قیام الأقرب توقف علی إجازتہ۔

وفی الرد تحتہ: قوله (توقف علی إجازتہ) تقدم أن البالغة لو زوجت نفسها غیر کفء فللوی الاعتراض ما لم یرض صریحا أو دلالة کقبض المهر ونحوه فلم یجعلوا سکوتہ إجازة والظاهر أن سکوتہ هنا كذلك فلا یكون سکوتہ إجازة لنکاح الأبعد وإن کان حاضرا فی مجلس العقد ما لم یرض صریحا أو دلالة تأمل۔

## (۴۴۰) باپ کی موجودگی میں ماں کے کئے نکاح کا حکم

### سؤال

ماں نے صغیرہ کے باپ اور دوسرے عصبات سے مشورہ و اجازت کے بغیر اپنی نابالغ بیٹی کا عقد نکاح ایک اجنبی لڑکے کے

ساتھ کر دیا تو یہ نکاح شرعاً جائز و نافذ ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوحاب

باپ کے ہوتے ہوئے ماں ولی نہیں ہے پس اس کا کیا ہوا نکاح باپ کی اجازت پر موقوف و معلق رہے گا اگر باپ نے نکاح کی

اجازت دے دی تو یہ نکاح منعقد ہوگا ورنہ ماں کا کرایا نکاح منعقد نہ ہوگا۔

لمافی الدرالمختار (۸۱/۳): (وللوی الأبعد التزویج بغیبة الأقرب) فلو زوج الأبعد حال قیام الأقرب توقف علی إجازته ولو تحولت الولاية إلیه لم یجز إلا بإجازته بعد التحول قهستانی وظہیریۃ۔

## (۴۴۱) شادی کے معاملے میں والدین کی اطاعت نیز اپنی من پسند شادی کرنے کا حکم

### سوال

والدین کہیں شادی کروانا چاہتے ہیں اور لڑکا راضی نہیں ہے، تو والدین کی اطاعت اس پر واجب ہے یا نہیں؟ آجکل مرضی کی شادیوں کا رواج بڑھ رہا ہے.....؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ ہر حال میں واجب ہے، ہر مباح کام میں جو شرع کے مخالف نہ ہو، اس میں والدین کی اطاعت ضروری ہے اور جس طرح والدین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اولاد کی صحیح پرورش کریں اس کی اچھی تربیت کا انتظام کریں، اسی طرح لڑکی لڑکے کے نکاح کی ذمہ داری بھی والدین پر ہوتی ہے، کہ ان کے جوڑ کا رشتہ تلاش کریں۔

لہذا اگر والدین ایسا رشتہ تلاش کریں کہ جس میں شرعاً کوئی خرابی نہ ہو تو ہر عاقل بالغ سمجھدار لڑکی لڑکے کو اس رشتہ پر دل سے رضامند ہو جانا چاہیے کیونکہ والدین میں اپنی اولاد کیلئے اتم درجہ کی شفقت ہوتی ہے اور وہ اولاد کی بہتری سوچتے ہیں ان کیلئے برا نہیں سوچتے۔ آجکل گھروالوں کی اجازت کے بغیر اپنی من پسند شادیاں کر لی جاتی ہیں جو کہ عارضی وجوہات کی بناء پر ہوتی ہیں لہذا ان میں توافق اور دوام مشکل ہو جاتا ہے۔ نیز مصالح نکاح بھی بدرجہ اتم حاصل نہیں ہو پاتے چنانچہ ایسے نکاح برقرار رہنے کے بجائے زوال کا شکار ہو جاتے ہیں لہذا اس طرح نکاح سے اجتناب کرنا چاہیے۔

نکاح کا معاملہ والدین کے سپرد کر دینا ہی مناسب ہے البتہ اگر لڑکے یا لڑکی کو یقین ہو جائے کہ والدین کا دیکھا رشتہ جوڑ کا نہیں اور وہ یہ سمجھیں کہ ہمارا نباہ نہیں ہو سکے گا اس صورت میں بھی والدین کو ناراض نہیں کرنا چاہیے بلکہ ادب اور نرمی کے ساتھ عذر کر لیا جائے اور اگر عاقل بالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کر دیا جائے چاہے والدین ہی کرائیں، ایسا نکاح منعقد نہ ہوگا، ان کی اجازت ضروری ہے۔

لمافی التفسیر المظہری (۲۵۶/۷): (مسئلۃ) لا یجوز إطاعة الوالدین إذا أمرا بترك فريضة أو إتيان مكرهه تحريماً لأن ترك الامتثال لامر الله والامتثال لامر غيره اشراك معنی ولما

روینا من قوله عليه السلام لا طاعة للمخلوق في معصية الخالق ويجب إطاعتها إذا امر بشئ مباح لا يمنعه العقل والشرع وهل يجب إطاعتها ان امر بترك إكثار الذكروالنوافل وكسب الأموال فوق الحاجة ونحو ذلك والظاهر عندي انه لا يجب ذلك لأن الله سبحانه امر باتباع سبيل من أناب إليه وإكثار النوافل وترك ما لا يعنيه وترك الدنيا والتبتل إلى الله سبيل المنيبين لا محالة۔

وفي المشكوة (۲۴۱): وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اليتيمة تستأمر في نفسها فإن صمتت فهو إذنها وإن أبقت فلا جواز عليها". رواه الترمذي وأبو داود والنسائي۔

وفي الشامية (۵۸/۳): قوله (ولا تجبر البالغة) ولا الحر البالغ والمكاتب والمكاتب ولو صغيرين عن القهستاني قوله (البكر) أطلقها فشمّل ما إذا كانت تزوجت قبل ذلك وطلقت قبل زوال البكارة فتزوج كما تزوج الأبكار نص عليه في الأصل بحر قوله (وهو السنة) بأن يقول لها قبل النكاح فلان يخطبك أو يذكرك فسكتت وإن زوجها بغير استئمار فقد أخطأ السنة وتوقف على رضاها بحر عن المخطب۔

## (۲۲۲) شریعت نے باپ کو کیا حقوق دیتے ہیں؟

### سؤال

- میری ازدواجی زندگی میں بیوی سے علیحدگی ہو گئی ہے میں نے اسے طلاق دے دی تھی (بیٹی ۱۸ سال، بیٹا ۱۳ سال اور بیٹا ۶ سال) تین اولاد ہیں۔ گزارش یہ ہے کہ قرآن و شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ
- (۱) اولاد کیلئے باپ سے ملنا چھوڑ دینا گویا کہ باپ مر چکا ہو کیا یہ جائز ہے؟
  - (۲) اولاد پر باپ کا کتنا حق ہوتا ہے بیوی کہتی ہے کہ اگر بچے میرے پاس رہیں گے تو تم ان کے لئے مر چکے ہو۔
  - (۳) اسلامی احکام کے مطابق بچے اگر ماں کے پاس ہوں تو بچوں کی پرورش کو دیکھنا باپ کے ذمہ ہے یا نہیں؟
  - (۴) اولاد کے عمل کا باپ جوابدہ ہے اپنے رب کے پاس جبکہ بچے ماں کے پاس ہیں۔
  - (۵) باپ اپنی اولاد سے مل سکتا ہے شریعت کیا کہتی ہے؟ جبراً باپ کو روکنا کیسا ہے؟
  - (۶) میرا بیٹا ۶ سال کا ہے پیدائش سے قبل میں نے اسے حافظ بنانے کی منت مانی تھی کہ اللہ اگر تو بیٹا عطا کرے گا تو اسے حافظ



بناؤں گا اب جب داخلے کا وقت آیا ہے تو بیوی کہتی ہے کہ ملا بنا کر کیا کرو گے سخت مخالفت کرتی ہے اور بچے کو اسکول میں ڈال دیا ہے منت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور جو منت میں نے مانی تھی اس کا حساب مجھے دینا پڑے گا؟

(۷) بچی کا رشتہ طے کرنے اور جانچ پڑتال کرنے میں باپ کا عمل دخل ہے شریعت اجازت دیتی ہے یا باپ کو جبراً روکا جاسکتا ہے؟ برائے مہربانی شریعت کے مطابق ان سوالوں کے جوابات مرحمت فرمادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

بچے کی عمر سات سال ہو جائے اور بچی کی عمر ۹ سال ہو جائے تو ماں کا حق پرورش ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد حق پرورش باپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے البتہ بچے کی عمر اگر سات سال سے کم ہے تو اس کا حق پرورش ماں کو حاصل ہے لیکن اگر ماں فاسقہ ہو تو اس صورت میں یہ قوی یقین ہونے کی وجہ سے کہ یہ سات سال کی عمر تک پہنچنے تک بچے کی صحیح تربیت نہیں کر سکے گی اور اسے غلط عادات کا خوگر بنا دے گی یا عورت بچے کے نامحرم سے نکاح کر لے تو ان دونوں صورتوں میں سات سال سے چھوٹے بچے کا حق پرورش بھی باپ کو حاصل ہے۔

لہذا صورتِ مسئلہ کی (۱، ۲، ۳، ۴، ۵) میں ۱۸ سال کی بیٹی اور ۱۳ سال کے بیٹے کا حق پرورش تو باپ کو ہے اور ۶ سالہ بیٹے کا حق پرورش ماں کو ہے اگر وہ فاسقہ نہ ہو اور بچے کے نامحرم سے نکاح نہ کر لیا ہو۔ بصورتِ دیگر اس کا حق پرورش بھی باپ (یعنی آپ کو) ہے لہذا جس صورت میں بچہ ماں کے پاس ہو اس میں بھی بچے کو ماں باپ سے حسن سلوک کا حکم ہے لہذا اولاد کو باپ سے میل جول ترک نہیں کرنا چاہئے نیز باپ کو جبراً اپنے بچوں سے ملنے سے منع کرنا بھی جائز نہیں اور بیوی کا یہ کہنا کہ ”اگر بچے میرے پاس رہیں گے تو تم ان کے لئے مر گئے“ یہ درست نہیں۔ اولاد کیلئے باپ سے کلیۃً میل جول ترک کر دینا جائز نہیں۔

(۶) شرعاً نذر کے وجوب کیلئے فقہاء کرام نے چند شرائط ذکر کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی جا رہی ہے اس کا مثل کوئی واجب موجود ہو ورنہ اس نذر کو پورا کرنا ضروری نہ ہوگا۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کام کے ہونے پر روزہ رکھنے کی نذر مانے تو یہ روزہ رکھنا واجب ہوگا کیونکہ اس کا مثل رمضان کے واجب (فرض) روزے موجود ہیں تو یہ نذر کا روزہ بھی ضروری ہوگا البتہ اگر کوئی یہ نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں مثلاً پل بناؤں گا تو اس پر پل بنانا ضروری نہ ہوگا اور یہ نذر واجب نہ ہوگی کیونکہ خارج میں اس کی نظیر موجود نہیں ہے (یعنی یہ واجب کی جنس میں سے نہیں ہے) لہذا صورتِ مسئلہ میں چونکہ بچے کو حافظ قرآن بنانا واجب نہیں تو اسکی نذر ماننے سے بھی یہ نذر واجب نہ ہوگی البتہ اگر تبرعاً پورا کر لیں تو اچھی بات ہے کیونکہ یہ بہت اونچا مرتبہ ہے اور خوش قسمتی کی واضح علامت ہے اور حافظ بچے کے والدین کے لئے بھی احادیث میں بہت سی بشارتیں ذکر ہوئی ہیں۔

(۷) ساتویں نمبر میں بچی اگر نابالغہ ہو تو اس کے نکاح کا حق خالصتہً باپ کو ہوتا ہے ماں کا اس میں کوئی دخل نہیں لیکن اگر لڑکی بالغہ ہو تو وہ اپنے نکاح کے معاملے میں خود مختار ہے جہاں چاہے خود اپنا نکاح کر سکتی ہے البتہ بالغہ لڑکی کیلئے مستحب یہ ہے کہ اپنے نکاح کے

معاملے کو اپنے ولی کے سپرد کر دے یہی شرفاء کا طریقہ ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ بالغ لڑکی کفو میں نکاح کرنے میں خود مختار ہے غیر کفو (دین، مال، پیشہ وغیرہ میں کم تر) سے نکاح باپ کی اجازت کے بغیر مفتی بہ قول کے مطابق منعقد نہ ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۳): وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔

(الاسراء: ۲۳): وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبُلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا۔

(النساء: ۳۴): الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ الْآيَةُ۔

وفی الدر المختار (۲/۵۶۶، ۵۶۷): (والحاضنة) أما أو غيرها (أحق به) أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقد ر بسبع وبه يفتى لأنه الغالب -- (والأمر والجدة) لأمر أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية -- (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقد ر بتسع وبه يفتى وبنت إحدى عشرة مشتهاة اتفاقا زيليعي (وعن محمد أن الحكم في الأمر والجدة كذلك) وبه يفتى لكثرة الفساد زيليعي۔

وفی الشامية (۲/۷۳۶): قوله (وهذا هو الضابط) الإشارة إلى ما ذكره من أن ما ليس من جنسه فرض لا يلزم وعبارة الدرر المنذور إذا كان له أصل في الفروض لزم النادر كالصوم والصلاة والصدقة والاعتكاف وما لا أصل له في الفروض فلا يلزم النادر كعبادة المريض وتشيع الجنابة ودخول المسجد وبناء القنطرة والرباط والسقاية ونحوها وهذا هو الأصل الكلي۔

(۲۳۳) لڑکے کا والدین کی رضامندی کے بغیر شادی کر لینے کا حکم

### سؤال

لڑکے کا رشتہ اس کے گھر والوں نے لگا دیا ہے مگر وہ وہاں شادی نہیں کرنا چاہتا ہے لڑکا اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتا ہے جس سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ لڑکی بھی راضی ہے اس کے گھر والے بھی راضی ہیں لڑکے کے گھر والے راضی نہیں اگر لڑکا زبردستی شادی کرنا چاہے تو شادی درست ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے کا جواب دیں۔

## الجواب بعون الملک الوحاح

والدین ہمیشہ اپنی اولاد کی بہتری اور بھلائی کیلئے سوچتے ہیں، اس لئے نکاح کرنے میں بھی ان کی رائے کو مقدم رکھنا چاہیے، لیکن اگر کوئی عاقل بالغ آدمی اپنا نکاح خود کرنا چاہے، تو شریعت نے اس کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتا ہے، لہذا صورت مسئلہ میں اگر لڑکا عاقل بالغ ہے تو وہ اپنا نکاح خود کر سکتا ہے البتہ مذکورہ لڑکے کیلئے زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ وہ اپنے والدین کی رائے کو ترجیح دے۔

لہافی القرآن الکریم (النساء: ۳): فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِثْلِي وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آدُنِي أَلَّا تَعُولُوا۔

وفی صحیح البخاری (۷۷۱/۲): باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاہما: عن ابي سلمة، أن أبا هريرة رضی اللہ عنہ حدثهم: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا: يا رسول الله، وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت۔

وفی الدر المختار (۵۶/۲): والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا۔

وفی الشامیة تحتہ: (والأصل النكح) عبارة البحر والأصل هنا أن كل من يجوز تصرفه في ماله بولاية نفسه النكح فإنه يخرج الصبي المأذون فإنه وإن جاز تصرفه في ماله لكن لا بولاية نفسه لكن يرد على العكس المحجورة فإنها تملك النكاح وإن لم تملك التصرف في مالها على قولهما بالحجر على الحرف فالأصل مبني على قول الإمام تأمل۔

## (۴۴۴) بالغہ لڑکی کی ماں کا باپ کی رضامندی کے خلاف کسی جگہ نکاح کرنا

## سؤال

ایک عورت بریرہ کو شوہر نے گھر سے تین مرتبہ الگ الگ ٹائم پر نکال دیا یعنی ایک بار نکالنے کے بعد پھر گاؤں والوں نے فیصلہ کیا پھر گھر میں رکھ لیا پھر کچھ عرصے بعد پھر نکال دیا پھر فیصلہ ہوا پھر نکال دیا پھر اس عورت بریرہ کے والدین اور بھائیوں کو گاؤں والوں نے بولا کہ یہ آدمی بہت ظالم ہے اپنی بیٹی کو طلاق دلو، اس عورت بریرہ کے والدین اور گاؤں کا خان اور گاؤں والوں نے یہی فیصلہ کیا لیکن اس عورت بریرہ کو یہ فیصلہ منظور نہیں تھا اور وہ بولتی کہ کوئی بات نہیں ہے وہ اگر مجھ کو اپنے گھر میں نہیں رکھتا تو میں اپنے والدین کے گھر رہ لوں گی لیکن طلاق نہیں دلو، میں اسی کے نام پر ساری زندگی گزار دوں گی ابھی آٹھ سال ہوئے ہیں کہ یہ عورت بریرہ اپنے والدین کے ساتھ رہتی ہے اس سب واقعے میں غلطی لڑکی کی نہیں ہے گاؤں والے گاؤں کے خان اور معزز لوگوں نے لڑکے کو تین بار ملامت کیا ہے لیکن لڑکے نے کسی کی نہیں سنی اور دوسری شادی کر لی کچھ عرصے کے بعد تیسری شادی کر لی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس عورت بریرہ کے دو بیٹے ہیں جو نابالغ ہیں اور ایک بچی یعنی لڑکی جمیلہ ہے جس کی عمر تقریباً ۱۴ سال ہے، لڑکی جمیلہ کی منگنی تقریباً تین سال پہلے ہو گئی ہے جبکہ ان کے باپ دادا کو یہ منگنی منظور نہیں تھی اور اب لڑکی جمیلہ کی شادی ہو رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ شادی میں باپ یا دادا ولی بنتا ہے چونکہ باپ دادا کو شادی نامنظور ہے اور وہ ادھر کراچی میں بھی نہیں۔ کیا اس صورت میں لڑکی جمیلہ کی ماں بریرہ کا باپ یعنی لڑکی کا نانا ولی بن سکتا ہے؟ اس کے ولی بننے سے نکاح ہوگا؟ برائے مہربانی اس الجھن سے نکال دیجئے اور لڑکی لڑکا شکل و صورت، اخلاق اور دینداری اور حیثیت میں بالکل برابر ہیں صرف لڑکا سید اور لڑکی غیر سید ہے۔ ایک اور بات جس لڑکی جمیلہ کی شادی لڑکے حارث سے ہو رہی ہے اس کے بدلے میں لڑکے حارث نے اپنی بھتیجی لڑکی جمیلہ کے بھائی کو دی ہے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکی کے نکاح کرانے کا اختیار باپ یا دادا کو ہوتا ہے اگرچہ بالغ لڑکی اپنا نکاح اپنی مرضی سے کر سکتی ہے لیکن جو نکاح (ولی) باپ اور دادا کے مشورہ اور اجازت سے ہوتا ہے اس میں زیادہ خیر و برکت ہوتی ہے۔ ہاں اگر باپ ظالم ہو اور معلوم ہو کہ وہ لڑکی کا نکاح کہیں اچھی جگہ نہیں کرے گا تو پھر دادا کے مشورہ سے نکاح کرنا چاہیے لیکن اگر بالفرض بالغ لڑکی کا نکاح لڑکی کا نانا یا والدہ کرادیں تو وہ نکاح منعقد ہو جائے گا، باپ، دادا اس کو فسخ نہیں کر سکتے، لیکن اگر غیر کفو میں نکاح کرائیں تو نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا غیر کفو میں نکاح کرنے کیلئے باپ اور اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا علی کی اجازت کا حصول ضروری ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں چونکہ مذکورہ لڑکا لڑکی کے کفو سے بڑھ کر ہے اور مذکورہ لڑکی بالغ بھی ہے اس وجہ سے نکاح منعقد ہو جائے گا اور باپ دادا کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

(۲) اولے بدلے کے ساتھ جو نکاح کئے جاتے ہیں وہ منعقد ہو جاتے ہیں بشرطیکہ مہر متعین ہو۔

لمافی البخاری (۶۶۶/۲): عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهي عن الشغار والشغار أن يزوج الرجل ابنته على أن يزوجه الآخر ابنته، ليس بينهما صداق۔  
وفی البخاری (۶۶۲/۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها وجمالها ولدینها، فاطفر بذات الدين، تربت يداك"  
وفی الدر المختار (۵۵/۳): (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا) رضا (ولي) والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا (وله) أي للولي۔۔۔ (الاعتراض في غير الكفء) فيفسخه القاضي ويتجدد بتجدد النكاح۔۔۔ (ويفتي) في غير الكفء بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوى

مسئلہ کی مدلل وضاحت کیلئے مخبم الفتاویٰ کی اسی جلد میں فتویٰ بنام "القضية السالبة اذا انكح الجدد في غير الكفو البالغة" ملاحظہ ہو، اس میں مسئلہ کی مکمل وضاحت موجود ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

(فساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثا نکحت غیر کفء بلا رضا ولی بعد معرفته إياه فليحفظ۔  
 وفي الشامية (۸۴/۲): قوله (من جانبه الخ) أي يعتبر أن يكون الرجل مكافئا لها في الأوصاف  
 الآتية بأن لا يكون دونها فيها ولا تعتبر من جانبها بأن تكون مكافئة له فيها بل يجوز  
 أن تكون دونه فيها۔۔۔ فإن حاصله أن المرأة إذ زوجت نفسها من كفاء لزم على  
 الأولياء وإن زوجت من غير كفاء لا يلزم أو لا يصح بخلاف جانب الرجل فإنه إذا تزوج بنفسه  
 مكافئة له أو لا فإنه صحيح لزم۔

## (۴۴۵) من پسند شادی کرنے پر لڑکی سے قطع تعلق کا حکم

### سؤال

ہمارے علاقے میں ایک لڑکی کا رشتہ اس کے سرپرست چچا زاد سے کرنا چاہتے تھے لڑکی نا سمجھ اور کسی غیر برادری کے لڑکے پر  
 امانت تھی سرپرستوں نے جب زیادہ سختی کی تو ایک شام وہ لڑکی بغیر بتائے اس لڑکے کے ساتھ کورٹ میرج کے لئے نکل گئی۔ کورٹ میرج  
 کے بعد اب لڑکی کے بھائی اس سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔ جینا مرنا الگ کر لیا ہے؟ مفتی صاحب آپ سے مسئلے کا حل دریافت کرنا ہے، کیا  
 بھائیوں کا جینا مرنا ختم کر دینا درست ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکی اور لڑکے کی شادی کے معاملات کو جس احسن اور اکل طریقے سے والدین اور سرپرست انجام دے سکتے ہیں یہ مجال ہے  
 کہ وہ لڑکا یا لڑکی خود اس طرح کا عقد کر سکیں۔ شریعت نے شادی کے معاملے کو اولیاء کے سپرد کرنے کی ترغیب دی ہے، علامہ طحطاوی  
 رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"فیستحب فی حقها تفویض الأمر الی ولیها کیلاتنسب الی الوقاحة"

(الطحطاوی علی الدر المختار ۲/۲۶)

"عورت کیلئے بہتر یہ ہے کہ اپنے نکاح کے معاملے کو ولی کے سپرد کر دے تاکہ بے حیائی کا عیب نہ لگا جائے۔"

آج کل موبائل فون اور دیگر جدید ذرائع نے جہاں اور بہت سے تشویشناک مسائل کھڑے کر دیئے ہیں وہاں نوجوانوں کے  
 استعمال میں ان چیزوں کا آنا اور روابط کا پیدا ہونا بھی ان میں سے ایک ہے اور پھر بالآخر نوبت سرپرستوں کی رسوائی اور کورٹ میرج تک  
 پہنچ جاتی ہے جو زندگیوں میں ایسی دراڑ لگا دیتی ہے جس کا ازالہ تاحیات مشکل ہو جاتا ہے۔

لہذا اولاً اولیاء کو چاہئے کہ اپنے بچوں خاص طور پر لڑکیوں کی صحیح اسلامی نقوش پر تربیت کریں ان کے رہن رہن، تعلیم گاہوں اور



لڑکے سے کرنا چاہتی ہے۔ لڑکی نابالغہ ہے۔ اب لڑکی کا باپ اور دادا کہتے ہیں نکاح کرنا ہے تو کر دو لیکن ہماری اجازت نہیں، نہ ہم آئیگی۔ مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے یہ بتایا ہے کہ بغیر باپ اور دادا کی اجازت کے یہ نکاح کا اہم ہوگا۔ باپ اور دادا تو اجازت دے نہیں رہے لہذا مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ کیا نکاح کر دیا جائے اور باپ دادا کچھ نہ کہیں تو یہ عملاً اجازت نہ کہلائے گی؟ صرف منہ سے کہتے رہنا اجازت نہیں دیتا کیا یہ عدم اجازت شمار ہوگی؟ تقریباً کئی سالوں سے باپ دادا بچی سے نہیں ملے۔ بس اب نکاح کے وقت یہ کبیر ہے ہیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

بہتر یہ ہے کہ لڑکی کے بالغ ہونے کا انتظار کر لیا جائے اور بالغ ہونے کے بعد اس کی مرضی سے اس کا رشتہ طے کر لیا جائے۔ یہی اس مسئلے کا آسان حل ہے بلوغت سے پہلے نکاح مفاسد سے خالی نہیں ہوتا لہذا اس سے پرہیز کریں۔

لما فی الہندیۃ (۲۸۵/۱): باب الاولیاء الخ: وأجمعوا أن الأقرب إذا عضل تنتقل الولاية إلى الأبعد كذا في الخلاصة غاب الولي أو عضل أو كان الأب أو الجد فاسقا فللقاضي أن يزوجه من كفاء كذا في الوجيز للکردري --- وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضرا وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته وإن لم يكن من أهل الولاية بأن كان صغيرا أو كان كبيرا مجنونا جاز۔

وفي الشامية (۸۲/۳): ذكر في أنفع الوسائل عن المنتقى إذا كان للصغيرة أب امتنع عن تزويجها لا تنتقل الولاية إلى الجد بل يزوجه القاضي ونقل مثله ابن الشحنة عن الغاية عن روضة الناظمي وكذا المقدسي عن الغاية والنهر عن المحيط والفيض عن المنتقى وأشار إليه الزيلعي حيث قال في مسألة تزويج الأبعد بغيبة الأقرب وقال الشافعي بل يزوجه الحاكم اعتبارا بعضله وكذا قال في البدائع إن نقل الولاية إلى السلطان أي حال غيبة الأقرب باطل لأنه ولي من لا ولي له وما هنا لها ولي أو وليان فلا تثبت الولاية للسلطان إلا عند العضل من الولي ولم يوجد وكذا فرق في التسهيل بين الغيبة والعضل بأن العاضل ظالم بالامتناع فقام السلطان مقامه في دفع الظلم بخلاف الغائب خصوصا للحج ونحوه في شرح المجمع الملكي وبه أفتى العلامة ابن الشلبي فهذه النقول تفيد الاتفاق عندنا على ثبوتها بعض الأقرب للقاضي فقط۔ وأما ما في الخلاصة والجزازية من أنها تنتقل إلى الأبعد بعض الأقرب إجماعا فالمراد بالأبعد القاضي لأنه آخر الأولياء فالتفضيل على بابہ وحملہ فی البحر علی الأبعد من الأولیاء ثم ناقض نفسه بعد

سطين بقوله قالوا واذا خطبها كفاء وعصلها الولي تثبت الولاية للقاضي نيابة عن العاضل فله التزويج وإن لم يكن في منشوره اهـ۔

## (۴۴۷) مرحوم باپ کے کئے نکاح کو بھائیوں کا وعدہ نکاح کہنا

### سؤال

اگر باپ نے اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح کسی لڑکے سے کر دیا ہو، اور باپ کے مرنے کے بعد اس لڑکی کے بھائی یہ کہیں کہ ہمارے باپ نے صرف وعدہ کیا تھا کہ میں فلاں لڑکے کو اپنی بیٹی دوں گا نہ کہ یہ کہا تھا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح فلاں لڑکے سے کر دیا ہے، کیا ان بھائیوں کا یہ کہنا صحیح سمجھا جائے گا اور ان کی بات مانی جائے گی؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

جب باپ اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح گواہوں کی موجودگی میں کر دے تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور سن بلوغت کے بعد بھی بیٹی کو نکاح کے فسخ کا اختیار نہیں ہوتا لہذا صورت مسئلہ میں اگر باپ نے گواہوں کی موجودگی میں اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح کر دیا تھا تو نکاح کے صحیح ہونے کی وجہ سے بھائیوں کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا لیکن اگر نکاح پر کوئی دلیل یا گواہوں کی شہادت موجود نہیں ہے تو بھائیوں کی بات کا اعتبار ہوگا۔

لمافی الهندية (۲۸۵/۱): فإن زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وإن زوجهما غير الأب والجد فللكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ ومذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى ويشترط فيه القضاء بخلاف خيار العتق كذا في الهداية۔  
وفي الدر المختار (۲۷/۳): (ولو بعث) مرید النکاح (أقواما للخطبة فزوجها الأب) أو الولي (بجضرهم صح) فيجعل المتكلم فقط خاطبا والباقي شهودا به يفتى فتح۔  
وفي الشامية (۶۵/۳): قوله (إنكاح الصغير والصغيرة) قيد بالإنكاح لأن إقراره به عليهما لا يصح إلا بشهود أو بتصديقهما بعد البلوغ۔

## (۴۴۸) عورت مہر مثل سے کم پر نکاح کر لے تو اولیاء کیلئے فسخ کا اختیار

### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے ایک آدمی سے مہر مثل سے کم پر نکاح کیا



تو کیا اولیاء کو فسخ کا اختیار ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

۷ صورت مسئلہ میں اگر وہ مرد کفو نہیں تو نکاح ہی کا عدم ہے اور اگر وہ شخص لڑکی کا کفو ہے تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہے یا تو مہر مثل کو پورا کرے یا نکاح فسخ کروالیا جائے۔ نکاح کو قاضی یا جج فسخ کرے گا۔

لمافی الدر المختار (۳/۹۲): (ولو نکحت بأقل من مهرها فللولي) العصبۃ (الاعتراض حتی یتم) مہر مثلها (أو یفرق) القاضی بینہما دفعا للعار۔

وفی الشامیۃ تحتہ: قولہ (بأقل الخ) أي جیث لا یتغابن فیہ وقد منّا تفسیرہ فی الباب السابق قولہ (فللولي العصبۃ) أي لا غیرہ من الأقارب ولا القاضی۔۔۔ قولہ (دفعا للعار) أشار إلى الجواب عن قولہما لیس للولي الاعتراض لأن ما زاد علی عشرة دراهم حقہا ومن أسقط حقہ لا یعترض علیہ ولأبی حنیفۃ أن الأولیاء یفتخرون بغلاء المهور ویتعیرون بنقصانہا فأشبهه الکفاءة بجر والمتون علی قول الإمام۔

## (۲۳۹) بچوں کی شادی کیلئے قرض لینے کا حکم

### سؤال

لڑکا اور لڑکی بالغ اور شادی کے قابل ہو گئے مگر باپ اتنا با حیثیت نہیں تو کیا قرض لے کر شادی کر سکتا ہے؟ یا اتنا پیسہ آجانے تک بچے کی شادی کو موخر کرے اور مال آنے کے بعد شاہی کرے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہو چکے ہیں تو باپ کو مال داری کا انتظار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مال کا آنا ہی اولاً ایک مہموم امر ہے، ثانیاً یہ باپ کے ذمے نہیں کہ لڑکے کی شادی میں پیسوں کا بندوبست کرے بلکہ یہ لڑکے کی ذمہ داری ہے یا پھر شریعت کے مطابق سادگی سے شادی میں مہر، ولیمہ وغیرہ کے خرچے کا قرض لے (بشرطیکہ لڑکے کو اپنے پر غالب گمان ہو کہ شادی کے بعد تنخواہ وغیرہ کے پیسوں سے یہ قرض چکا دوں گا) لیکن لڑکا اگر قرض بھی نہ لے سکتا ہو تو روزے رکھے اور اپنی شہوت کو دبائے۔

لہذا صورت مسئلہ میں لڑکا اگر برس برس روزگار ہے تو باپ کو سادگی سے اس کی شادی کر کے عہدہ برآ ہو جانا چاہیے ورنہ لڑکے سے کہے کہ کہیں سے اپنی شادی میں مہر وغیرہ کے خرچ کا بندوبست کرو البتہ باپ کو قرض لینے کی ضرورت نہیں۔ نیز شادی کا معاملہ خود ایسا ہے کہ خالق دو جہاں نے وعدہ فرمایا ہے کہ شادی کر لو اگر فقیر ہو گے تو (اس نکاح کی برکت سے) اللہ تمہیں مال دے، گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے:

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔  
(سورة النور: ۳۲)

"اور نکاح کر دو اپنے میں سے بے نکاحوں کا اور اپنے نیکو کار غلام اور باندیوں کا اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔"

لہذا پیسوں کی فراوانی کے انتظار میں شادی میں تاخیر کرنا درست نہیں۔

لمافی المشکوۃ (ص: ۲۶۷): عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء"

وفيه أيضاً (ص: ۶۱): عن علي رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "يا علي ثلاث لا تؤخرها الصلاة إذا أتت والجنابة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفواً". رواه الترمذي  
وفيه أيضاً (ص: ۲۶۷): قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض". رواه الترمذي۔

وفيه أيضاً (ص: ۲۶۷): عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلاثة حق على الله عونهم: المكاتب الذي يريد الأداء والناكح الذي يريد العفاف والمجاهد في سبيل الله". رواه الترمذي والنسائي وابن ماجه۔

وعن عائشة قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة". رواهما البيهقي في شعب الإيمان۔

وفي مرقاة المفاتيح (۲/۲۵۰): [أيسره] أي أقله أو أسهله [مؤنة] أي من المهر والنفقة للدلالة على القناعة التي هي كنز لا ينفد ولا يفنى۔

وفي الشامية (۲/۶): قوله (وهذا إن ملك المهر والنفقة) هذا الشرط راجع إلى القسمين أعني الواجب والفرض۔۔۔ قلت ومقتضاه الكراهة أيضاً عند عدم ملك المهر والنفقة لأنهما حق العبد أيضاً وإن خاف الزنا لكن يأتي أنه يندب الاستدانة له قال في البحر فإن الله ضامن له الأداء فلا يخاف الفقر إذا كان من نيته التحصين والتعفف اه۔۔۔ وينبغي حمل ما ذكر من ندب الاستدانة على ما ذكرنا من ظنه القدرة على الوفاء۔

## (۲۵۰) باب شرابی ہو تو قاضی کے نکاح کر دینے کا حکم

## سوال

ایک شخص شرابی ہے اور دوسرے برے کاموں میں مبتلا ہے اس کی ایک بچی ہے جو اس وقت تقریباً ۹ سال کی ہے وہ اپنی بیٹی کا نکاح ایک ایسے شخص سے کرنا چاہتا ہے جو اس سے بھی زیادہ فاسق و فاجر ہے۔ جب اس شخص کے بھائیوں کو علم ہوتا ہے تو وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے اور فیصلہ کو عدالت میں لے جاتے ہیں اور قاضی اس بچی کا نکاح ان بھائیوں کے ایک لڑکے سے کر دیتا ہے اور والد اس نکاح پر راضی نہیں ہے آیا اس طرح قاضی کا نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

صورتِ مسئلہ میں (جبکہ ایک شرابی شخص اپنی نابالغہ بچی کو اپنے ہی جیسے ایک فاسق و فاجر شرابی کے نکاح میں دینا چاہتا ہے تو) قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس بچی کا نکاح اس کے کفو میں مہر مثل یا اس سے کچھ زیادہ میں کر دے۔ قاضی نے اس بچی کا نکاح چونکہ اس کے پچازاد بھائی سے کر دیا ہے لہذا یہ نکاح درست اور منعقد ہے۔

لمافی المحيط البرہانی (۵۶/۳): (کتاب النکاح الفصل التاسع فی معرفة الاولیاء): وفي المنتقی قال محمد رحمہ اللہ: إن کان للصغیرة والد أو جد لم یزوجہما القاضی، وإن کان الجد أو الأب فاسقاً ینبغی للقاضی أن یزوجہما من الکفء۔

وفي الهندیة (۲۹۳/۱) (النکاح، باب الخامس فی الاکفاء): ولو زوج ولده الصغیر من غیر کفء بأن زوج ابنه أمة أو ابنته عبداً أو زوج بغین فاحش بأن زوج البنت ونقص من مهرها أو زوج ابنه وزاد علی مهر امرأته جاز وهذا عند أبي حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی التبین وعندہما لا تجوز الزیادة والحط إلا بما یتغابن الناس فیہ قال بعضهم فأما أصل النکاح فصحیح والأصح أن النکاح باطل عندہما هكذا فی الکافی والصحیح قول أبي حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ۔۔۔ والخلاف فیما إذا لم یعرف سوء اختیار الأب مجانۃ أو فسقاً أما إذا عرف ذلك منه فالنکاح باطل إجماعاً وكذا إذا کان سکران لا یصح تزویجہ لها إجماعاً کذا فی السراج الوہاب۔

وفي الشامیة (۶۷/۳): قلت ومقتضى التعلیل أن السکران أو المعروف بسوء الاختیار لو زوجها من کفء بمهر المثل صح لعدم الضرر المحض ومعنی قوله والظاهر من حال الصاحی أنه یتأمل أي أنه لو فور شفقتہ بالأبوة لا یزوج بنته من غیر کفء أو بغین فاحش إلا لمصلحة یزید علی

هذا الضرر كعلمه بحسن العشرة معها وقلة الأذى ونحو ذلك وهذا مفقود في السكران وسبىء الاختيار إذا خالف لظهور عدم رأيه وسوء اختياره في ذلك -

رسالة

**الجواب المختار**

في

**كفاءة الرجل عند سوء الاختيار**

باب كاسوء اختيار واضح هو جائز

ليكن لڑکا لڑکی کا کفو ہو تو اس صورت میں نکاح کا حکم

## (۴۵۱) باپ کا مجبوراً نابالغہ کا نکاح کرنا کالعدم ہے

### سوال

زیدرات کے وقت عشاء کے قریب بکر کے گھر میں گیا کسی کام سے، بکر کے رشتہ دار نے گھر میں جا کر زید کو پکڑ لیا اور شور کر دیا کہ زید بکر کی والدہ سے زنا کر رہا تھا جبکہ زید اور بکر کی والدہ اس بات کا انکار کر رہے ہیں، اگر شرعی گواہ بھی موجود ہوں یا گواہ تو نہیں ہیں مگر واقع میں زنا ہوا ہو تو اس جرم پر علاقہ کے سردار اور محلہ والے جمع ہو کر زید کے بھائی سے کہتے ہیں کہ اپنی لڑکی جو کہ چھوٹی ہے یعنی نابالغہ ہے اس کا نکاح بکر کے کسی بھی رشتہ دار یا شخص معین کے ساتھ کر دو وگرنہ ہم دونوں عورت اور مرد کو گولی مار دیتے ہیں یا مرد کو یعنی زید کو گولی مارتے ہیں۔ زید کے رشتہ دار زید کے بھائی پر زبردستی کرتے ہیں کہ آپ لڑکی کا نکاح کر دو تاکہ یہ لڑائی ختم ہو جائے وگرنہ بہت خون خرابہ ہوگا۔ زید کا بھائی اپنی نابالغہ لڑکی کا رشتہ بکر کے رشتہ دار سے کر دیتا ہے کیا یہ نکاح شرعاً درست ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکی کے والد نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح اپنے بھائی کی ذاتی غرض کیلئے اور لڑکی کے مصالحہ پر نظر کے بغیر کیا ہے لڑکی پر عدم شفقت ظاہر اور متیقن ہونے کی وجہ سے لڑکی کیلئے خالص ضرورت نقصان ہے اور اس طرح بغیر کسی جائز مصلحت کے نکاح کر دینے کی وجہ سے اس کے ساتھ سوء اختیار معروف وغیر مشتبہ ہو گیا ہے اس لئے اس کا کیا ہوا نکاح باطل ہوگا۔

لما فی الفتاویٰ الخیریة (ص ۲۳): لو زوج بنته من فقیر أو محترف حرفة دنیئة ولم یکن کنتوا فالحقد باطل فقصر المحقق ابن الہمام کلامہم علی الفاسق مما لا ینبغی وقد وقع فی اکثر الفتاویٰ فی هذه المسئلة أن النکاح باطل فظاہره أنه لم ینعقد و فی الظہیریة یفرق بینہما ولم یقل انه باطل وهو الحق ولذا قال فی الذخیرة فی قولہم فالنکاح باطل ای بیطل۔

وفی الشامیة (۲۶/۳): قوله (مجانة وفسقا) نصب علی التمییزوفی المغرب الماجن الذی لا یبالی ما یصنع وما قیل له ومصدره المجون والمجانة اسم منه والفعل من باب طلب اه وفي شرح المجمع حتی لو عرف من الأب سوء الاختیار لسفهه أو لطمعه لا یجوز عقده إجماعا اه۔

## (۴۵۲) مذکورہ بالا معروف بسوء الاختیار کا مسئلہ اور ایک استدراک کا جواب

## سؤال

مفتی صاحب! مجھے آپ سے ملحقہ فتویٰ سے متعلق چند تحفظات کا اظہار کرنا ہے:

- (۱) فتوے میں لڑکے کا پتہ نہیں کہ صالح ہے یا بے دین؟ کفو ہے یا عدم کفو پھر اسے کس قانون کے تحت، غیر کفو قرار دے کر خیر یہ کا غیر کفو کا حوالہ درج کیا گیا ہے؟
- (۲) اگر لڑکا صورت مسلولہ میں حقیقتاً کفو ہو تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟
- (۳) ولی اگر غیر کفو میں نابالغہ کا نکاح کر دے تو یہ نکاح منعقد کہا جاتا ہے جبکہ یہاں فتاویٰ خیر یہ کے حوالے سے تو یہ نکاح باطل معلوم ہوتا ہے کیا یہ تضاد نہیں؟
- (۴) فقہ میں تو مشہور اصطلاح معروف بسوء الاختیار ہونے کی ہے اور معروف تو دو یا تین بار کے بعد ہونا چاہیے تو آیا پہلی بار میں ہی اسے معروف قرار دینا درست ہے؟ کیا قاعدہ ہے؟ تفصیلاً ذکر کریں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

مذکورہ صورت درحقیقت نکاح ہی نہیں بلکہ یہ ایک طرح کی خرید و فروخت ہے جس میں کسی قسم کی شفقت اور مصلحت کو مد نظر نہیں رکھا گیا بلکہ معصوم بچی کو اپنے مقاصد کی بھینٹ چڑھایا گیا ہے جو کہ انتہائی خطرناک اور خدا کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے باپ یا دیگر کوئی ولی اس طرح ذاتی غرض کیلئے نابالغہ کا نکاح غیر کفو یا مہر مثل سے کم پر کر دے تو یہ نکاح باطل ہوتا ہے اور کفو میں بھی کرے تو نابالغہ کو اختیار بلوغ ملتا ہے۔

(۱) عام طور پر ایسے مواقع پر لڑکا غیر کفو ہی ہوتا ہے جو کہ بعد میں لڑکی کو مستقل ضرر اور خریدی ہوئی چیز سمجھ کر لعن طعن کا نشانہ بناتا ہے اسی بنیاد پر مذکورہ فتوے میں نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے اور باطل قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ایک ایسا شنیع فعل ہے جو معاشرے میں بہت سی برائیوں اور جھگڑوں کے پیدا کرنے کا سبب ہے بظاہر تو یہ عمل جھگڑا ختم کرتا ہے لیکن حقیقتاً اس میں ایک لڑکی کی زندگی داؤ پر لگا دی جاتی ہے جو کہ ظلم کی انتہاء ہے لہذا اس معاملے میں کوئی لچک دکھانا درست نہیں لگتا بلکہ جن علاقوں میں یہ فتنج حرکت رواج بن چکی ہے ادھر ایسے نکاح سے متعلق (باطل کو بمعنی فاسد لینے کے بجائے) مطلقاً باطل قرار دینا اور ممکن ہو تو ایسے افراد کو قانون کے ہاتھوں سزا دلوانا ضروری ہے۔ شرعاً ایک شخص زنا کرے تو سزا کسی اور کو نہیں ملتی، اسی طرح قصاص میں فقط قاتل کو قتل کیا جاسکتا ہے لیکن یہ ایک ایسا بھیانک رواج ہے جہاں جرم کی سزا مجرم کے بجائے کسی عاقل بالغ انسان کو بھی نہیں بلکہ ایک معصوم سی بچی کو اس سزا کی بھینٹ میں حوالے کر دیا جاتا ہے۔ یہ دین و دنیا کے ہر قانون سے ہٹ کر ایک بدترین اور غیر فطری حرکت ہے جس سے مکمل اجتناب ضروری

ہے۔

(۲) باپ یا دادا اگر نابالغہ کا نکاح غیر کفوہ میں عام حالات میں کر دیں تو یہ نکاح منعقد ہوتا ہے اور اسے ہی عام طور پر منعقد کہا جاتا ہے باقی خیر یہ میں ایسے لالچی اور مفاد پرست ولی (باپ وغیرہ) کا ذکر ہے جو اپنی غرض کیلئے نابالغہ کو حوالے کر دیں اور بظاہر نکاح کر دیا جائے جبکہ حقیقتاً اپنے جرم کی سزا پچی کو دی جا رہی ہو ایسے باپ کا نکاح باطل ہے لہذا کوئی تضاد نہیں۔

(۳) سوء اختیار کا معروف ہونا کئی مرتبہ ایسی قبیح حرکت کرنے کا متقاضی نہیں بلکہ ایک مرتبہ بھی طمع زریا ذاتی لالچ کیلئے ایسا نکاح کرنے سے باپ خود ہی معروف بسوء الاختیار ہو جائے گا۔ فقہاء کی عبارات میں اس عمل کا معروف ہونا مراد ہے نہ کہ اس شخص کا معروف ہونا۔ الغرض بعض علاقوں میں یہ ایسی قبیح رسم کی شکل اختیار کر چکی ہے کہ وہاں یہ کہنا کہ ایک لڑکی کا اس طرح نکاح معاف ہوگا پھر دوسری لڑکی کا اس طرح نکاح کرانے کے بعد ایسا باپ معروف بسوء الاختیار قرار دیا جائے گا یہ بعید از عقل اور اس شنیع رسم کو اور تقویت دینا ہے البتہ اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں اس رسم کا رواج [چچا وغیرہ کے کئے گناہ میں چھوٹی بھتیجی کو عوض میں دیا جانا] نہ ہو اور وہاں ایسی صورت پیش آجائے اور باپ کا شریف اور اچھا انسان ہونا معروف ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ پہلی بار یہ عمل مفعول عنہ ہے دوسری بار میں نکاح باطل ہوگا۔ بہر حال یہاں ایسے رواج کے پائے جانے کے وقت زنا اور قتل کے عوض میں نابالغہ بیٹی کو حوالے کرنا کسی طرح جائز نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ اس بچی کی پوری زندگی داؤ پر لگائی جا رہی ہے، اسے پوری زندگی زنا کے عوض یا قتل کے بدلے حاصل لڑکی کے طعن سننے ہوں گے لہذا یہ نکاح قطعاً باطل ہے۔ بعض فقہاء نے ایک سے زائد مرتبہ ایسی حرکت کرنا معروف بسوء الاختیار ہونے کیلئے شرط قرار دیا ہے جو کہ محل نظر ہے۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”باپ کا سوء اختیار ایسا واضح ہے کہ مشہور بسوء الاختیار ہونے میں بھی ایسا یقین نہیں ہو سکتا اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر کی ایک بحث کے ذیل میں معروف بسوء الاختیار ہونے کی تشریح یہ کی ہے کہ باپ معروف بسوء الاختیار اس صورت میں قرار دیا جائے گا جبکہ ایک مرتبہ اس سے پہلے اس نے یہ حرکت کی ہو کہ ایک لڑکی کا نکاح جانتے بوجھتے ہوئے اس کے مصالح کے خلاف کر چکا ہو پہلی لڑکی کا نکاح صحیح اور نافذ ہو گیا کیونکہ اس وقت وہ سوء اختیار میں مشہور نہیں تھا دوسری لڑکی کا اس طرح نکاح کر دے گا تو اب وہ مشہور بسوء الاختیار ہو گا یہ تشریح جمہور فقہاء کی تصریحات سے مختلف ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے۔“

(منقول از احسن الفتاویٰ، ۵/ ۱۰۹)

اس سے آگے صفحے پر مسئلہ ہذا پر مزید بحث کرنے کے بعد فتاویٰ خیر یہ کی تفصیلی عبارت نقل کر کے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”عبارت مذکورہ میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں ترک شفقت اور مسامحت یقینی ہو جائے تو اس کا کیا ہوا نکاح بھی لازم نہ ہوگا خصوصاً فتح القدیر کے حوالے سے یہ جو لکھا گیا ہے لان ترك النظر ههنا مقطوع به، اس میں یہ کوئی قید نہیں کہ پہلی مرتبہ ایسا کیا ہو یا دوسری مرتبہ، فقط ترک شفقت کا قطعی بلا اشتباہ ہونا کافی قرار دیا



ہے اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ فتح القدیر کی جو بحث علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے وہ محض ایک بحث ہی ہے ابن ہمام کا فتویٰ اور فیصلہ نہیں ہے۔

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ "احسن الفتاویٰ" میں مفصل تحقیق فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"(۶) بطلان نکاح کی علت عدم النظر کا تعلق ہے جس کے لئے سوء اختیار کا محض تحقق و تيقن کافی ہے بس شہرت کی قید کی ضرورت ہے؟

(۷) معروف بسوء الاختیار کو اس میں منحصر کرنا کہ باپ پہلے بھی ایسا کوئی عقد کر چکا ہو نہ کہیں منقول ہے اور نہ معقول

(۸) تزویج بالغین الفاحش اور بغیر الکتب ولو لوکان فاسقا کو علی الاطلاق سوء اختیار قرار دینا صحیح نہیں بلکہ یہ صرف اس صورت میں

سوء اختیار ہوگا جبکہ باپ کی طمع یا سفہ وغیرہ ظاہر ہو۔" (احسن الفتاویٰ ۵/۱۱۷)

آخر میں حضرت مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اب اس تحریر سے یہ مسئلہ بالکل بے غماز ہو گیا کہ سببی الاختیار باپ کا غیر کفو میں کیا ہوا نکاح منعقد ہی نہیں ہو سکتا۔"

لہذا صورت مسئلہ میں مسئلہ فتوے میں اس خطرناک رسم اور کسی اور کے جرم کے عوض معصوم لڑکی کو حوالے کرنے پر یہ دیکھنا کہ

لڑکا کفو ہے یا نہیں بے معنی تھا لہذا علی الاطلاق نکاح کے بطلان کا حکم لگا دیا گیا۔

لمافی الهدایة (۲/۲۳۸): (ویجوز نکاح الصغیر والصغیرة إذا زوجهما بکرا کانت الصغیرة أو ثبیا)۔۔۔

فإن زوجهما الأب أو الجد۔۔۔ (فلا خيار لهما بعد بلوغهما) لأنهما کاملتا الرأی وافرا الشفقة

فیلزم العقد کما إذا باسراهما برضاهما بعد البلوغ۔

وفی منحة الخالق (۲/۲۳۶): قوله (یعنی لو زوج الأب الصاحی) قال الرملى: لو زاد علی هذا الذی لم

يعرف بسوء الاختیار لکان أولى۔۔۔ وما هنا فی نفی الجواز عند فقد الشرط المذكور ومقتضاه

أنه لو کان معروفا بسوء الاختیار فزوج من کفوہ بمهر المثل یصح إذ لم یظهر منه ما ینافی

الشفقة الخ۔

وفی الفتاویٰ الخیرية (ص ۲۳) باب الأولیاء والأکفاء: (سئل) فی الأب إذ اعلم منه سوء الاختیار

وعدم النظر فی العواقب إذا زوج ابنته القابلة للتخلق بالخير والشر بغير کفوہل یصح ام لا

(اجاب) قال ابن فرشته فی شرح المجمع لو عرف من الأب سوء الاختیار لسفهه أو لطمعه لا یجوز

عقده اتفاقا ومثله فی الدرر والغرر وقال فی البحر فی شرح قول الکنز ولو زوج طفله غیر کفوہ أو

بغبن فاحش صح ولم یجز ذلك لغير الاب والجد اطلق فی الأب والجد وقیده الشارحون

وغيرهم بأن لا یكون الأب معروفا بسوء الاختیار حتی لو کان معروفا بذلك مجاناً أو

فسقا فالعقد باطل على الصحيح.

وفي الشامية (٢٦/٣): قوله (مجانة وفسقا) نصب على التمييز وفي المغرب الماجن الذي لا يبالي ما يصنع وما قيل له ومصدره المجون والمجانة اسم منه والفعل من باب طلب اه وفي شرح المجمع حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده إجماعا اه.

## (۴۵۳) نابالغہ بیٹی کے نکاح کا کسی شخص کو وکیل بنانا

### سوال

ہمارے علاقے میں ایک صاحب ہیں ان کی ۷ سال کی ایک بچی ہے انہوں نے اپنی ۷ سال کی بچی کا نکاح کرانے کا وکیل ایک علاقے کے عالم کو بنا دیا وہ صاحب خود دعوت و تبلیغ سے منسلک ہیں۔ علاقے کے لوگوں میں تفر پایا جاتا ہے کہ جب خود موجود ہے تو دوسرے کو وکیل بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کا دعوت و تبلیغ کا کام بھی متاثر ہو رہا ہے۔ آپ حضرات سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا اس شخص کا عمل درست ہے اور اس پر ان سے قطع کلامی کرنا کیسا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب ”ہدایۃ“ میں مصنف علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”کل عقد جاز أن یعقده الإنسان بنفسه جاز أن یوکل بہ غیرہ لأن الإنسان قد یعجز عن المباشرة بنفسه علی اعتبار بعض الأحوال فیحتاج إلى أن یوکل غیرہ“  
 ”ہر وہ عقد جسے انسان خود انجام دے سکتا ہو اس کا وکیل بنانا بھی درست ہے کیونکہ بعض اوقات انسان ایک کام خود کرنے سے عاجز ہوتا ہے تو اسے کسی شخص کو وکیل بنانے (اور اس کی خدمات حاصل کرنے) کی ضرورت پڑتی ہے۔“

(ہدایۃ: ۳/۱۸۵)

لہذا ۷ سال کی بچی کا نکاح کرانا جب خود باپ کیلئے جائز ہے تو وہ کسی بھی شخص کو اس کا وکیل بنا سکتا ہے عین ممکن ہے کہ بوجہ باپ خود اس کا روائی کو انجام تک پہنچانے کی پوزیشن میں نہ ہو، لہذا صرف اس بات پر کہ ”خود موجود ہوتے ہوئے اس نے کسی شخص کو اپنی بچی کے نکاح کا وکیل کیوں بنایا“ اس شخص سے قطع کلامی کرنا جائز نہیں۔

البتہ مسئلے کا ایک دوسرا رخ ہے وہ یہ کہ اتنی چھوٹی بچی جو بلوغت کی عمر تک نہیں پہنچی ہو اس کا نکاح کر دینا بارہ اوقات بلوغت کے بعد بہت سے مسائل کھڑے کر دیتا ہے مثلاً لڑکے، لڑکی کی پسند بدل جانا، باپ کی رائے تبدیل ہو جانا، خاندانی جھگڑے وغیرہ عوارض ہیں جو پیش آسکتے ہیں لہذا باپ کو چاہیے کہ چند سال اور انتظار کرے اور لڑکی کو بلوغ اور شعور کامل کی عمر تک پہنچنے دے پھر کسی شخص کو نکاح کا وکیل بنا دے تو یہ زیادہ مناسب ہے تاکہ بعد میں کسی کشیدگی کا سامنا نہ کرنا پڑے البتہ ۷ سال کی عمر میں جو وکیل بنایا ہے وہ بھی شرعاً درست ہے، وکیل اگر نکاح پڑھا دیتا ہے تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا اور علاقے والوں کو خواہ مخواہ ناراض نہ ہونا چاہیے۔

لمافی مشکوٰۃ المصابیح (ص ۲۲۷): عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: " لا یحل

للرجل أن یمجر أخاه فوق ثلاث لیل یلتقیان فیعرض هذا ویعرض هذا وخیرهما الذی یدأ

بالسلام . متفق علیہ

وفی الشامیة (۲۴/۲): الوکیل فی النکاح سفیر ومعبّر ینقل عبارة الموکل فیذا کان الموکل حاضرًا کان مباشرًا لأن العبارة تنتقل إلیه وهو فی المجلس و لیس المباشر سوی هذا۔

## (۲۵۴) جوان اولاد کا اپنا نکاح خود کرنے کا حکم

### سوال

اولاد جب جوان ہو جائے تو کیا وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا ان کا کیا ہوا نکاح والدین کی اجازت پر موقوف رہے گا یا نہیں؟ ہمارے علاقے میں بعض لوگوں کا رواج ہے کہ والدین لڑکا اور لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیتے ہیں حالانکہ وہ اس پر راضی نہیں ہوتے اور لڑکا تو بسا اوقات صاف انکار بھی کر دیتا ہے مگر لڑکی بیچاری والدین کی عزت کا خیال کرتے ہوئے انکار تو نہیں کرتی، اور دلی طور پر راضی بھی نہیں ہوتی ہاں اگر لڑکی بھی انکار کر دے تو کیا والدین اپنے کئے ہوئے نکاح پر ان کو مجبور کر سکتے ہیں؟ نیز کورٹ میرج میں کیا ہوا نکاح بھی والدین کی اجازت پر موقوف رہے گا یا نہیں جبکہ نکاح بھی کفو میں کیا گیا ہو؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

بالغ اولاد کا نکاح والدین کی اجازت کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے ان کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا، البتہ اولاد کو شادی بیاہ کے معاملہ میں والدین کی رضامندی و چاہت کا خیال رکھنا چاہیے۔ چونکہ والدین اپنی اولاد کے لئے خیر کے فیصلے ہی فرماتے ہیں اور والدین کو بھی بالغ اولاد کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیے اور ان کی پسند و ناپسند کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کرنا چاہیے تاکہ بعد میں پریشانی و بچھتاوے کا باعث نہ بنے اگر والدین بالغ اولاد کا نکاح ان سے پوچھے بغیر کر دیں تو وہ اولاد کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اجازت دیدی تو ہو جائے گا ورنہ نہیں، اور والدین اپنے کئے ہوئے نکاح پر ان کو مجبور بھی نہیں کر سکتے۔

کورٹ میرج (نکاح) اگر شرعی طریقہ کے مطابق کفو (مال و پیشہ میں برابری) میں کیا گیا ہو تو بلا اجازت والدین منعقد ہو جائے گا البتہ اگر لڑکی کورٹ میرج کرے تو پھر لڑکے کا کفو ہونا بھی ضروری ہے ورنہ ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا بہر حال علی الاعلان برادری کے سامنے نکاح کرنا شریعت میں پسندیدہ ہے۔

لمافی الہندیة (۲۸۷/۱): نفذ نکاح حرّة مکلفة بلا ولی عند أبی حنیفة وأبی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ فی ظاہر الروایة کذا فی التبیین۔۔۔ لا یجوز نکاح أحد علی بالخة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها بکرا کانت أو ثیبا فإن فعل ذلك فالنکاح موقوف علی إجازتها فإن أجازته جاز وإن ردتہ بطل۔

وفی الدرالمختار (۵۵/۳): (فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا) رضا (ولی) والأصل أن کل من تصرف فی ماله تصرف فی نفسه وما لا فلا (وله) أي للولی --- (الاعتراض فی غیر الکفء) فیفسخه القاضي ویتجدد بتجدد النکاح --- (ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان) --- (ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ..

وفی الشامیة (۸۶/۳): ونظم العلامة الحموی ما تعتبر فیہ الکفاءة فقال:

إن الکفاءة فی النکاح تكون فی ست

لها بیت بدیع قد ضبط

نهب وإسلام كذلك حرفة

حرية وديانة مال فقط

## (۴۵۵) کورٹ میرج کے وقت باپ کا خاموش رہنا اور سال بعد انکار کر دینا

### سؤال

ایک عورت نے غیر کفوہ میں نکاح کیا اور اس کے ولی نے کوئی اعتراض نہ کیا یہاں تک کہ اس عورت کا ایک بچہ بھی ہو گیا۔ پھر بچہ کے پیدا ہونے کے بعد ولی کہتا ہے کہ میں اس نکاح کو نسخ کرتا ہوں آیا اس طرح نکاح نسخ ہوگا اور جب ولی نے سکوت اختیار کیا تو یہ اسکے راضی ہونے کی دلیل تھی یا نہیں؟ اس مسئلہ کا حل قرآن و حدیث کی روشنی میں فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں مذکورہ ولی کو حق نسخ نکاح حاصل تھا لیکن ولی نے علم ہونے کے باوجود سکوت اختیار کیا۔ یہاں تک کہ عورت کا بچہ پیدا ہوا تو اب اگرچہ ولی نے صراحتاً اجازت نہیں دی ہے لیکن ولی کی طرف سے اتنی تاخیر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی دلالتاً راضی ہے اب اس کو حق نسخ نکاح حاصل نہیں ہے لہذا نکاح منعقد ہوگا اور بچہ ثابت النسب ہوگا۔

لمافی الدرالمختار، باب الولی (۵۶/۳): (وله) أي للولی --- (الاعتراض فی غیر الکفء) --- (ما لم یسکت حتی) (تلد منه) (لثلا یضیع الولد) وینبغي إلحاق الحبل الظاهر به (ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان)۔

وفی الشامیة تحتہ: قوله (ما لم یسکت حتی تلد) زاد لفظ یسکت للإشارة إلى أن سکوته قبل الولادة لا یکون رضا وأن هذه لیست من المسائل التي نزل فیها السکوت منزلة القول كما

ستأتي الإشارة إليها ويفهم منه أنه لو لم يسكت بل خاصم حين علم فكذلك بالأولى فافهم  
لكن يبقى الكلام فيما لو لم يعلم أصلاً حتى ولدت فهل له حق الاعتراض ظاهر المتن لا وظاهر  
الشرح نعم تأمل قوله (لثلا يضيع الولد) أي بالتفريق بين أبويه فإن بقاءهما مجتمعين على  
تربيته أحفظ له بلا شبهة فافهم -

## (۲۵۶) مذکورہ فتوے پر ایک مفتی صاحب کے اشکال کا جواب

### سؤال

مفتی صاحب! آپ کے دارالافتاء کا مذکورہ مسئلہ مجھے موصول ہوا سوال میں ذکر تھا کہ لڑکا غیر کفو ہے اور جہاں تک میری  
معلومات ہیں (میں ایک مدرسے کا فاضل ہوں اور کتب فقہ میں یہ مسئلہ پڑھا ہے) کہ غیر کفو میں تو عند الحنفیہ نکاح کا عدم ہوتا ہے جبکہ  
فاضل مفتی صاحب نے نکاح کو منعقد ہی نہیں بلکہ بعد از ولادت لڑکی کے باپ کے حق فسخ کو بھی ختم کر دیا ہے جو کہ بندے کو درست معلوم  
نہیں ہوتا اس طرح تو بہت سے مفاسد کھڑے ہو جائیں گے آپ حضرات بڑے ہیں اور صاحب فتویٰ ہیں اس لئے آپ کی خدمت  
میں یہ استفتاء پیش کر رہا ہوں ازراہ کرم کتب فقہ کی روشنی میں اس مسئلے کو حل فرمائیں اور مسئلہ ہذا سے متعلق تفصیل کو مستح فرمادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ ذیل میں (یعنی لڑکی کا بغیر رضامندی ولی کے غیر کفو میں نکاح سے متعلق) دو طرح کی روایتیں

ہیں۔

(۱) پہلی روایت یہ ہے کہ نکاح صحیح اور منعقد ہے البتہ ولی کو اعتراض کر کے قاضی کے ذریعے یہ نکاح فسخ کرانے کا حق ہے یہ  
ظاہر الروایۃ ہے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"ثم المرأة اذا زوجت نفسها من غير كفوء صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة وهو قول أبي  
يوسف آخر او هو قول محمد آخر أيضاً..... ولكن للأولياء حق الاعتراض" (التاتارخانية، ۶۳/۳)  
"عورت اگر غیر کفو میں خود نکاح کر لے تو یہ نکاح امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ظاہر الروایۃ کے مطابق درست ہے یہی  
امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا آخری قول ہے..... لیکن اولیاء کو اعتراض کرنے کا حق محفوظ رہے گا۔"

(۲) دوسری روایت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں یہ ہے کہ یہ نکاح سرے سے غیر منعقد ہے اور اسے فسخ وغیرہ

کرانے کی ضرورت ہی نہیں اسے حسن ابن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ تاتارخانیہ میں ہی ہے "وروی  
الحسن عن أبي حنيفة أن النكاح لا ينعقد" (تاتارخانية ۶۳/۳) حسن رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا

ہے کہ یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔

عام اوقات میں اگر لڑکی کو رٹ میرج وغیرہ کر لے تو اسی دوسری روایت پر فتویٰ دیا جاتا ہے کتب فقہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں اور ساتھ اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ زمانہ رفتہ رفتہ فساد کی طرف بڑھتا جا رہا ہے اس لئے یہ دوسری روایت (جس کے مطابق لڑکی کا از خود غیر کفو میں نکاح کا عدم ہے) ہی فتوے کیلئے متعین ہے۔ درمختار میں ہے:

"(ویفتی) فی غیر الکفاء (بعدم جوازہ اصلاً) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان)"

(الدر المختار ۵۶/۳)

"غیر کفو میں (لڑکی کے از خود نکاح کی صورت میں) سرے سے عدم انعقاد پر فتویٰ دیا جائے گا اور یہی فتوے کیلئے پسندیدہ (قول) ہے زمانہ میں پیدا شدہ فساد کی وجہ سے۔"

اس قول پر فتویٰ دینے میں یہ مصلحت بھی ہوتی ہے کہ اگر نکاح کو قول اول (ظاہر الروایت) کے مطابق منعقد کر کے اولیاء کو حق فسخ دیا جائے تو اس میں بہت سے ولی عدالت تک رسائی حاصل کرنا نہیں جانتے اور ہر حج انصاف نہیں کرتا اور اگر ولی بھی ہوشیار ہو اور حج بھی عادل مل جائے تو بسا اوقات عدالتوں کے چکر لگانے سے ایک طبعی ناگواری بھی اولیاء کو مانع بن جاتی ہے، ان تمام مصلحتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے سد اللباب (فحاشی کا دروازہ سرے سے بند کرنے کیلئے) فقہاء نے حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو مفتی بہ قرار دے کر ایسے نکاح کو سرے سے کالعدم قرار دیا ہے۔

لیکن ہمارا فتویٰ (جس پر مسائل کو اشکال ہوا) عام اوقات سے متعلق نہیں ہمارے مسئلے میں اس عورت کا ایک بچہ بھی ہو چکا ہے اور ولی بچہ ہونے تک خاموش رہا ہے اور اب بعد از ولادت فسخ کرنا چاہتا ہے اس لئے مخصوص حالات میں حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت (جو کہ ظاہر الروایت نہیں) کے بجائے اگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ظاہر الروایت جو کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا بھی مذہب آخر ہے کے مطابق فتویٰ دے کر اس نکاح کو منعقد قرار دے دیا جائے اور بعد از ولادت حق اعتراض کے ختم کا حکم لگایا جائے تو یہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ شامیہ میں ظاہر الروایت سے متعلق یہ عبارت ہے:

قال المحصفي: " (مالم) يسكت حتى (تلد منه) لئلا يضيع الولد وينبغي إلحاق الحمل الظاهر به - "

وقال ابن عابدين تحت قوله: " (لئلا يضيع الولد) أي بالتفريق بين أبيه فإن بقاءهما مجتمعين على تربيته أحفظ له بلا شبهة فافهم " (شامية ۵۶/۳)

"درمختار میں ہے: (ولی کو حق اعتراض رہے گا) جب تک کہ ولادت تک خاموش نہ رہے (اس کے بعد حق اعتراض ختم ہو جائے گا ایسا) اس لئے کہ وہ بچہ ضائع نہ ہو جائے۔ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ درمختار کے قول (لئلا يضيع الولد) سے متعلق فرماتے ہیں: یعنی ان کے والدین کے درمیان تفریق (بچے کے ضیاع کا سبب بنے گی) ان دونوں کا یکجا رہنا اور بچے کی تربیت کرنا بچے کیلئے زیادہ بہتر ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔"

اس عبادت میں دن کو نماز موقت اور جہاز ولادت رضامندی شمار کرنے پر یہ دلیل دینی گئی ہے کہ وہی کا بعد از ولادت احترام ہی ہے حق میں مستحق ہے کسی طرح بہارے مسئلے میں اس نکاح کو کا حکم قرار دینا (روایت حسن کے مطابق) بچے کے خیانت کا سبب ہے گا کیونکہ جو کہ زوجین میں تفریق کرائی جائے گی۔ ان کے درجہ بالا اخصیات کو ملحوظ رکھے ہوئے اس صورت میں ظاہر الروایہ پر فتویٰ دیا گیا تھا اور یہی باتیں ماننے پر ہے کہ اس صورت حال میں جب بچہ پیدا ہو جائے تو ظاہر الروایہ کے مطابق نکاح کو معتقد قرار دینا اور بچے کے نسب کو صحیح اور جاہلیت کو نیا زوجین کا مستثنیٰ میں ایک ساتھ رکھتا ہی منشی پر ہونا چاہیے، کیونکہ متاخرین کا حضرت حسن بن زیاد رضی اللہ عنہما کی روایت پر فتویٰ دینا معصیت فسوزمان ہے جو خود بتا ہے کہ وہ ایک زخمہ و انتظام کا فتویٰ ہے، نہ یہ کہ حلت و حرمت اور نسب کے حکمت و فسوہاں پر قائم کی جائے۔ حضرت منشی کفایت اللہ دہلوی رضی اللہ عنہ نے کفایت المنشی (۵/ ۱۹۷) اور حضرت منشی اعظم پاکستان منشی محمد شفیع عثمانی رضی اللہ عنہما نے امداد المستعین (۲/ ۵۲۸) میں بعض اصحاب کو بنیاد بنا کر ہی ظاہر الروایہ کے مطابق فتویٰ دیتے ہوئے ایسے نکاح کو معتقد قرار دیا ہے۔

نہ اس میں یہ باتیں ماننے پر ہے اس سے متعلق دیگر اہل فتاویٰ سے بھی رجوع کر لیا جائے۔

## (۲۵۷) غیر کفوہ میں تجدید نکاح کے لئے دوبارہ اجازت لینا ضروری ہے

### سوال

ایک شخص نے باخترائی سے نکاح کیا وہ شخص اس لڑکی کا کفوہ نہیں تھا عمر Love Marriage جو لڑکی کے ماں باپ بھی چاہے چاہے نہیں ہوئے اور اجازت دے دینی تین تین سال بعد لڑکے نے ایک خلاق باجن ویری جس سے نکاح ختم ہو گیا اب وہ دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں تین تین مسئلہ یہ ہو رہا ہے کہ مولوی صاحب نکاح نہیں پر بھارے ان کا کہنا ہے کہ یہ لڑکا کفوہ نہیں تو والدین کی اجازت ضروری ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں پہلے نکاح میں اجازت تو دینی تھی اب برابر کیوں اجازت لیں، منشی صاحب یہ لڑکا لڑکی جانتے ہیں کہ لڑکی کے والدین اب اجازت نہیں دیں گے پوچھنا یہ ہے کہ کیا برابر غیر کفوہ میں والدین کی اجازت ضروری ہے یا پہلی اجازت کافی ہے؟

### الجواب بعون الملک الوحاب

صورت مسئلہ میں اولیٰ یہ سمجھیں کہ باخترائی اگر کفوہ میں اپنا نکاح خود کر رہی ہے تو اسے کسی دوسرے شخص کی اجازت کی ضرورت نہیں وہ خود اپنے نکاح کر سکتی ہے لیکن اگر بال غیر کفوہ میں نکاح کرتی ہے تو وہ اس میں خود مختار نہیں بلکہ اسے وہاں کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

اگر وہ عقد پر راضی ہے تو یہ رضامندی اس کی عقد پر ہے نہ کہ اس شخص پر اگر فی الوقت حالات کے پیش نظر باوجود عار کے وہی غیر کفوہ میں نکاح پر راضی ہو جاتا ہے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس شخص کو اپنا داماد بنانے پر راضی ہے لہذا اگر



طلاق بائن سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے تو لازماً ان دونوں کو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا اور یہ اصول ہے کہ عقد نکاح جب بھی پایا جائے گا تو اس میں نکاح کی تمام شرائط گواہ، مہر، ایجاب و قبول، لڑکی کی اجازت وغیرہ سب لازم ہوں گے۔ تو جس طرح یہ تمام شرائط ہیں ویسے ہی غیر کفو میں نکاح کے لئے ولی کی اجازت بھی شرط ہے، اس کا پایا جانا بھی لامحالہ ضروری ہوگا۔ جس طرح پہلے عقد کے گواہ، مہر، لڑکی کی اجازت دوبارہ نکاح میں کافی نہیں ہوتے اسی طرح پہلے عقد میں ولی کی رضامندی اس دوسرے عقد میں کیسے کافی ہو سکتی ہے!!!

لہذا صورت مسئلہ میں اگر یہ لڑکا اور لڑکی دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں تو اس نکاح میں دیگر شرائط کے ساتھ لڑکی کے ولی سے دوبارہ اجازت کا حصول بھی ضروری ہوگا۔ وہ پہلی اجازت کافی نہ ہوگی۔ اگر بغیر اجازت لئے دوبارہ غیر کفو میں نکاح کیا گیا تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔

لمافی فتح القدیر (۲/۲۹۴) (کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة) (ط دار الفکر): ولو زوجها الولی یا ذمها من غیر کفو فطلقها ثم زوجت نفسها منه ثانياً کان لذلك الولی التفریق ولا یکون الرضا بالأول رضا بالثانی لأن الإنسان لا یبعد رجوعه عن خلة دنیة۔

وفی الشامیة (۲/۵۶) کتاب النکاح، باب الولی: قوله (فی غیر الکفو) أي فی تزویجها نفسها من غیر کفو۔۔۔ قوله (ویتیجدد) أي اعتراض الولی بتجدد النکاح كما لو زوجها الولی یا ذمها من غیر کفو فطلقها ثم زوجت نفسها منه ثانياً کان لذلك الولی التفریق ولا یکون الرضا بالأول رضا بالثانی فتح وقید بتجدید النکاح لأنه لو طلقها رجعیاً ثم راجعها فی العدة لیس للولی الاعتراض كما ذکره فی الذخیرة۔

## (۲۵۸) دو چچا ایک لڑکی کا نکاح مختلف جگہ کر دیں تو نکاح کا حکم

### سوال

ایک لڑکی کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اس کے دو چچا زندہ ہیں ایک چچا نے اس لڑکی کا نکاح اپنے پوتے سے کر دیا یہ لڑکی نابالغ ہے لیکن دوسرے چچا نے اپنے بیٹے سے اس لڑکی کا نکاح کر دیا اب ان میں سے کون سا نکاح درست ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

جب ایک چچا نابالغ کا نکاح اپنے پوتے سے کر دے تو یہ نکاح درست ہو گیا۔ اب دوسرا چچا اس لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے وغیرہ سے نہیں کر سکتا کیونکہ جب پہلے والا نکاح نافذ ہو گیا تو دوسرا نکاح باطل ہے۔ فقہاء کرام کی تصریحات موجود ہیں کہ جب برابر کے اولیاء میں سے کسی ایک نے نابالغ کا نکاح کسی لڑکے سے کر دیا تو دوسرے کا اختیار ختم ہو جاتا ہے وہ دوسرا راضی ہو یا نہ ہو البتہ صورت مسئلہ میں

لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ ملے گا۔

لمافی البحر الرائق (۱۱۹/۳): إذا اجتمع فی الصغير والصغيرة ولیان فی الدرجة علی السواء فزوج أحدهما جاز أجاز الأول أو فسخ بخلاف الجارية إذا كانت بین اثنين فزوجها أحدهما لا يجوز إلا بإجازة الآخر۔

وفی الدر المختار (۵۷/۳): (و) بناء (علی الأول) وهو ظاهر الرواية (فرضا البعض) من الأولیاء قبل العقد أو بعده (كالكل) لثبوتہ لكل کملا کولایة أمان وقود وسنحقیقہ فی الوقف (لو استووا فی الدرجة وإلا فلأقرب)۔

وفی الرد تحتہ: قوله (لثبوتہ لكل کملا) لأنه حق واحد لا یتجزأ لأنه ثبت بسبب لا یتجزأ۔  
وفی الشامیة (۵۹/۳): قوله (فلو تعدد المزوج الخ) عبارة البحر ولو زوجها ولیان متساویان کل واحد منهما من رجل فأجازتهما معا بطلا لعدم الأولیة وإن سکتت بقیا موقوفین حتی تجیز أحدهما بالقول أو بالفعل وهو ظاهر الجواب كما فی البدائع اه

## (۳۵۹) ماں کی موجودگی میں بہن کا نکاح کروادینے کا حکم

### سوال

ماں کی موجودگی میں بہن اپنی صغیرہ بہن کا نکاح کروا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کروادے اور ماں خوش نہ ہو تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اولاً لڑکی کے عصبہ یعنی باپ پھر دادا وغیرہ بالترتیب نکاح کے ولی ہوتے ہیں اور اگر عصبہ موجود نہ ہوں تو نکاح کی ولایت ماں کو حاصل ہوتی ہے لہذا صورت مذکورہ میں اگر لڑکی کا کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو اس کی ماں ولی ہے ماں کی موجودگی میں بہن اپنی صغیرہ بہن کا نکاح ماں کی اجازت سے کروا سکتی ہے، البتہ اگر بہن نے نکاح کروادیا اور ماں راضی نہیں تو نکاح نہیں ہوگا۔

لمافی الہندیة (۲۸۳/۱): کتاب النکاح، الباب الرابع فی الاولیاء: وعند عدم العصبہ کل قریب یرث الصغير والصغيرة من ذوی الأرحام یملک تزویجہما فی ظاهر الروایة عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لا ولایة لذوی الأرحام وقول أبی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ مضطرب والأقرب عند أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ الأم ثم البنت ثم بنت الابن ثم بنت البنت ثم بنت ابن الابن ثم بنت بنت البنت ثم الأخت لأب وأم ثم الأخت لأب ثم الأخ

والأخت لأم-الخ-

وفیه أيضاً (۲۸۵/۱): ولو زوجها الأبعد حل قیام الأقرب حتی توقف علی إجازة الأقرب-  
وفی الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی (۷۸/۲): (فإن لم یکن عصبه فالولاية للأمر ثم لأمر  
الأب وفی القنیة عکسه ثم للبنت ثم لبنت الابن ثم لبنت البنت ثم لبنت ابن الابن ثم لبنت  
بنت البنت وهكذا ثم للجد الفاسد) ثم للأخت لأب وأم ثم للأخت لأب ثم لولد الأم  
الذکر والأنثی سواء-

(۴۶۰) دادا کے کئے نکاح پر باپ کی رضامندی کے بعد قسم کھا کر منع کرنے کا حکم

### سوال

ہمارے گاؤں میں دادا نے اپنی ایک پوتی کا نکاح دوسرے پوتے سے کرا دیا یعنی اس طرح بات کی افشاء کرائی کہ یہ لڑکی میں  
نے فلاں لڑکے کو دے دی۔ لڑکی کے والدین بھی اس بات پر راضی تھے اور انہوں نے بھی اس بات کو لوگوں میں مشہور کرا دیا کہ ہمارے  
والد صاحب نے یہ لڑکی فلاں لڑکے کو دی۔ کافی عرصہ گزرنے کے بعد کسی گھریلو جھگڑے و اختلاف کی وجہ سے لڑکی کے والد نے قسم  
اٹھائی اور کہا کہ اگر یہ لڑکی میں فلاں لڑکے کو دوں تو میرے اوپر بیوی طلاق۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب اگر اس لڑکی کی اسی لڑکے  
کے ساتھ رخصتی ہو جاتی ہے تو اس شخص پر بیوی طلاق ہو جائے گی یا نہیں؟ نیز طلاق کی صورت میں اگر کوئی حیلہ ہو کہ بیوی کو طلاق نہ ہو تو  
ضرور تحریر فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر مذکورہ لڑکی کا نکاح دادا نے شرعی اصولوں کے مطابق دو عاقل، بالغ، مسلمان، آزاد، آدمیوں کی موجودگی میں کرایا تھا تو اب  
اگر لڑکی کا والد مذکورہ لڑکے کے ساتھ مذکورہ لڑکی کی رخصتی کر دے گا تو لڑکی کی والدہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور اگر مذکورہ لڑکی  
کا باقاعدہ نکاح نہیں ہوا تھا، صرف بات چلی ہو گئی تھی تو اب اگر مذکورہ لڑکی کا والد اپنی لڑکی کا نکاح مذکورہ لڑکے کے ساتھ کر دے گا تو  
نکاح کے ہوتے ہی لڑکی کی والدہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ پھر لڑکی کے والد کو عدت کے اندر نکاح جدید کے بغیر، اور عدت  
گزرنے کے بعد نکاح جدید کے ساتھ رجوع کا اختیار ہوگا، البتہ ایک طلاق رجعی کے بعد اب لڑکی کے والد کے پاس صرف دو طلاق کا  
اختیار رہ جائے گا۔

لمافی الہندیة (۲۱۵/۱): إذا وجد الشرط انحلت الیمین وانتهت لأنها تقتضی العموم والتکرار

فبوجود الفعل مرة ثم الشرط وانحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعده۔

وفی الدرالمختار (۳۵۵/۲) کتاب الطلاق، باب التعلیق: (وتنحل) الیمین (بعد) وجود (الشرط مطلقاً) لکن ابن وجد فی الملك طلقت وعتق وإلا لا۔

وفی الشامیة (۳۵۵/۲): وفيها تنحل الیمین إذا وجد الشرط مرة لأن المقصود هناك الانحلال بسرة فی غیر کلماتنا وهنا مجرد الانحلال اھ۔

## (۳۶۱) بلوغت سے قبل باپ کا کیا ہوا نکاح نافذ ہو جاتا ہے

### سوال

میرے بہنوئی حبیب الرحمن اور میری حقیقی بہن نے مجھ سے اپنی بیٹی یعنی میری بھانجی کیلئے میرے بیٹے کا رشتہ مانگا مگر میں خاموش رہا، لیکن ان کے تیسری مرتبہ اصرار پر چند آدمی لے کر ان کے گھر پر گیا مجلس نکاح منعقد ہوئی لڑکی کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی اور لڑکے کی عمر گیارہ سال تھی اور روبرو جرگہ (پنجائیت) کے حبیب الرحمن نے رشتے کا اختیار اپنے بڑے بھائی کو دیا انہوں نے آگے اپنے دادا کے بھائی کو وکیل بنایا محمد سلمان نے بعض پندرہ ہزار مہر کے لڑکی والوں کی طرف سے رشتہ قبول کیا اور روبرو جرگہ کے مولوی غلام نبی صاحب نے نکاح پڑھوایا۔ جرگہ کے گواہان مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سید خان، (۲) صابر، (۳) نذیر۔ نکاح کے کچھ عرصہ کے بعد حبیب الرحمن انتقال کر گیا اس کے بعد اب میری بہن بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کر رہی ہے بیٹی کے بالغ ہونے کے ایک سال بعد اس کے باپ کا انتقال ہوا ہے میری بہن کے انکار کرنے کے باوجود یہ نکاح قائم رہا یا نہیں؟ اس بارے میں ہماری شرعی راہنمائی فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوھاب

منعقد نکاح منعقد ہو چکا ہے اور لڑکی کی والدہ کا انکار نکاح کو ختم نہیں کر سکتا، بلکہ عقد نکاح تا حال برقرار ہے۔

لہذا فی القرآن الکریم (النور: ۳۲): وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

وفی المصنف عبدالرزاق (۱۶۳/۶): عبدالرزاق عن معمر عن الحسن، والزهری، وقتادة، قالوا: اذا أنکح الصغار آباؤهم جاز نکاحهم۔ قال عبدالرزاق وبه نأخذ۔

وفی الشامیة (۶۸/۲): وأما إنکاح الأب والجد الصغیر الصغیرة فالکفاءة فیہ لیست بشرط عند أبی حنیفة لصدوره ممن له کمال النظر لکمال الشفقة۔

وفیہ أيضاً (۶۸/۲): وقال فی شرحہ أبی لو فعل الأب أو الجد عند عدم الأب لا یکون للصغیر

والصغيرة حق الفسخ بعد البلوغ۔

## (۴۶۲) نابالغہ لڑکی کی ماں کا نکاح کیلئے مشروط ہاں کر دینے کا حکم

## سوال

آج سے تقریباً نو سال پہلے ہماری خالہ زاد بہن (مرحومہ) جو پنڈی میں رہائش پذیر ہیں، میری چھوٹی بہن اختر النساء کے رشتے کیلئے آئیں۔ ہم ان کے ماحول اور طور اطوار سے بالکل ناواقف تھے۔ لڑکے والوں نے ہمیں بتایا کہ لڑکے کا اپنا گاڑیوں کا کاروبار ہے، ذاتی مکان ہے اور لڑکا گریجویٹ اور عمر میں لڑکی کا ہم جوڑ ہے۔ لڑکی کی ماں نے مشروط ہاں کر دی اس موقع پر لڑکے والوں نے ایک عدد سونے کی انگوٹھی، سوٹ اور مٹھائی تحفہ دی اور چند لوگوں کے درمیان منگنی کی رسم ادا کی گئی اور کسی قسم کی کوئی کاغذی کارروائی نہیں ہوئی۔ ایک سال بعد جب لڑکی کی والدہ نے پنڈی جا کر دیکھا تو وہاں کے حقائق بتائے پس منظر سے بالکل الگ تھے، نہ تو لڑکا برسروزگار تھا نہ ہی اپنا ذاتی گھر تھا، نیز وہ انگوٹھا چھاپ تھا۔ لڑکی اور لڑکے کی عمروں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ لڑکے کے والد محمد ایوب جس نے دوسری شادی کر لی تھی سے پوچھا تو لڑکے کے باپ نے کہا کہ یہ خود لڑکا ہے میں اس کی ذمہ داری نہیں لیتا۔ اس واقعہ کے ایک ہال بعد لڑکی کے والدین لڑکے کے خالو کے پاس گئے تو انہوں نے بھی ذمہ داری اٹھانے سے منع کر دیا کہ اگر یہ لڑکا اچھا ہوتا تو میں اپنی بیٹی اسے دے دیتا۔ لڑکے کی والدہ، بہن، نانی، خالہ اور خالو (خطیب عزیز الرحمن) کو ایک جگہ اکٹھا کر کے اس رشتہ سے انکار کر دیا گیا۔ اس بات کو ختم ہونے چھ سال سے زائد عرصہ ہو گیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

(۱)..... لڑکی نابالغہ تھی، صرف والدہ کی اس طرح زبان دینے سے نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(۲)..... رشتہ توڑنے کے اتنے عرصے بعد لڑکی کا کسی دوسری جگہ نکاح ہو سکتا ہے یا پہلے والی جگہ پر نکاح مانا جائے گا؟

(۳)..... اگر ہم دوسری جگہ لڑکی کا نکاح کر دیں تو پہلی مرتبہ جہاں رشتہ ہوا تھا ان کو کوئی رقم یا سامان وغیرہ دینا ہوگا یا نہیں؟

برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے کا شرعی حل تفصیلاً بتائیے۔

لڑکی کی والدہ نے لڑکے کی والدہ اور بہن سے کہا تھا کہ اگر آپ لوگ ہمارے معیار پر پورا اترتے تو ہم رشتہ کریں گے ورنہ ختم کر دیں گے۔ اس واقعہ کے بعد میری والدہ پنڈی گئیں وہاں کا ماحول اور لڑکے کا چال چلن دیکھ کر رشتہ ختم کر کے آئیں اس واقعہ کو چھ سال گزر چکے ہیں۔ اس واقعہ کے چار سال بعد لڑکے کی والدہ فوت ہو گئیں۔ اب لڑکا اور اس کی بہن اور ماموں ہم سے سو ادو لاکھ (2,25,000) روپے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

واضح رہے کہ صرف لڑکی کی والدہ کا لڑکے کی والدہ اور بہن کو ہاں کر دینے سے نکاح نہیں ہوا، اولاً اس لئے کہ لڑکی کے باپ یا

دادا وغیرہ کی موجودگی میں ماں نکاح کی ولی نہیں لہذا اگر باپ، دادا یا دیگر کوئی بھی عصبہ موجود ہو تو وہ نکاح کا ولی ہے البتہ اگر کوئی موجود نہ ہو تو ماں نکاح کی ولی ہوگی لیکن تب بھی یہ نکاح منعقد نہ ہوگا بلکہ نکاح کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول پایا جائے۔ نابالغ لڑکی کی والدہ نے جو مشروط ہاں کی تھی کہ اگر وہ لڑکا ہمارے معیار پر اترتا تو ہم رشتہ کریں گے ورنہ ختم کر دیں گے یہ وعدہ نکاح تھا جب وہ لڑکا معیار پر نہیں اترتا تو اس وعدہ کا پورا کرنا بھی ضروری نہیں۔

(۲)..... لڑکی کا کسی دوسری جگہ پر نکاح ہو سکتا ہے۔

(۳)..... لڑکے والوں نے منگنی کے وقت جو چیزیں دیں تھیں ان چیزوں کا واپس کرنا ضروری ہے۔ اس سے زیادہ کا اگر وہ

مطالبہ کرتے ہیں تو ان کا مطالبہ شرعاً و اخلاقاً ناجائز ہے جس کا پورا کرنا ضروری نہیں۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء: ۵۸): إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا... الآية۔

وفی مشکوٰۃ (ص ۴۱۶): وعن زید بن أرقم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: " إذا وعد الرجل

أخاه ومن نیته أن یفیی له فلم یف ولم یجئ للمیعاد فلا یم علیہ". رواہ أبو داود والترمذی۔

وفی البحر الرائق (۳/۴۸): وركنه الإیجاب والقبول حقیقة أو حکما كاللفظ القائم مقامهما من

متولی الطرفين شرعا۔

وفی الشامیة (۳/۱۱): هب ابنتك لفلان أو لابني أو أعطها مثلا لأنه ظاهر في الطلب وأنه

مستقبل لم یرد به الحال والتحقیق فلم یتم له العقد بخلاف زوجني ابنتك بكذا بعد الخطبة

ونحوها فإنه ظاهر في التحقیق والإیجاب الذي هو معنى الإیجاب اه فتأمل۔۔۔ قال فی شرح

الطحاوی لو قال هل أعطیتنیها فقال أعطیت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان

للعقد فنكاح اه۔

(۴۶۳) نابالغہ سے جبراً نکاح قبول کرانے کا حکم

سؤال

ایک ایسی لڑکی ہے کہ جو بالغہ ہونے کے قریب ہے ابھی تک بالغہ نہیں ہوئی تو اس لڑکی کا ولی کون ہو سکتا ہے؟ آیا اس لڑکی پر جبر

کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کا نکاح کر دیا جائے اور وہ اس کی اجازت نہ دے یعنی راضی نہ ہو تو نکاح کا کیا حکم ہے؟ تسلی بخش جواب

عنایت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

نابالغہ لڑکی جو قریب البلوغ ہو، اس کا ولی باپ یا باپ نہ ہو تو دادا ہوتا ہے اگر یہ نہ ہوں تو پھر اس کے بھائی یا چچا وغیرہ ولی ہوتے ہیں۔

(۲) نابالغہ لڑکی پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے یعنی ولی جبراً نکاح کر سکتا ہے۔ اگر لڑکی اس پر راضی نہ ہو تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس کا نکاح کون سے ولی نے کرایا تھا اگر باپ یا دادا نے اپنی ولایت میں کرایا تھا تو نکاح ہو گیا۔ اب بالغہ ہونے کے بعد یہ اس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی۔ اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے نکاح کرایا تو اگر یہ نکاح غیر کفو میں یا مہر میں بہت زیادہ کمی کے ساتھ نکاح کیا تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا البتہ اگر کفو میں اور معمول کے مطابق مہر وغیرہ کے ساتھ نکاح کیا تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن بالغہ ہونے کے بعد اس کو نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا مگر اس [فسخ کے حق] میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر حالت صغر میں وہ جانتی تھی کہ اس کا نکاح ہوا ہے تو جیسے ہی بالغہ ہوگی اسی وقت اگر انکار کر دے تو نکاح رد ہو جائے گا۔ اگر تاخیر کی تو پھر نکاح رد کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر حالت صغر میں وہ یہ نہ جانتی ہو کہ اس کا نکاح ہوا ہے تو اب بالغہ ہونے کے بعد جیسے ہی اس کو علم ہوگا کہ میرا تو نکاح ہوا تھا تو اب اگر انکار کیا تو نکاح رد ہو جائے گا۔ اگر اس میں بھی تاخیر کی تو یہ اختیار ختم ہو جائیگی اور اسمیں ایک شرط یہ بھی ہے کہ قاضی فسخ کرے گا تو نکاح فسخ ہوگا۔

لمافی صحیح البخاری (۷۷۱/۲)، باب انکاح الرجل ولده الصغار: عن عائشة رضي الله عنها: أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين، وأدخلت عليه وهي بنت تسعة، ومكث عنده تسعا۔

وفی فتح الباری (۱۵۶/۹): (قوله: لقول الله تعالى واللأني لم يجضن) فجعل عدتها ثلاثة اشهر قبل البلوغ أي فدل على أن نكاحها قبل البلوغ جائز وهو استنباط حسن۔۔۔ قال المهذب أجمعوا أنه يجوز للأب تزويج ابنته الصغيرة البكر ولو كانت لا يوطأ مثلها۔ الخ۔

وفی الہندیة (۲۸۵/۱): فإن زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى ويشترط فيه القضاء بخلاف خيار العتق كذا في الهداية۔

وفی الدر المختار (۵۵/۳) باب الولی: وولاية إجبار على الصغيرة ولو ثيباً ومعتومة ومرقوقة الخ۔

وفی (ص ۶۵): (وللولي) الآتي بيانه (إنكاح الصغير والصغيرة) جبراً (ولو ثيباً) كمعتوه ومجنون شهراً (ولزم النكاح ولو بغين فاحش) بنقص مهرها وزيادة مهره (أو) زوجها (بغير كفاء إن

كان الولي) المزوج بنفسه بغين (أبا أو جدًا) وكذا المولى وابن المجنونة (لم يعرف منهما سوء الاختيار) مجانية وفسقا (وإن عرف لا) يصح النكاح اتفاقا --- (وإن كان المزوج غيرهما) --- (لا يصح) النكاح (من غير كفاء أو بغين فاحش) أصلا) وما في صدر الشريعة صح ولهما فسخه وهم (وإن كان من كفاء وبمهر المثل صح و) لكن (لهما) أي لصغير وصغيرة وملحق بهما (خيار الفسخ) ولو بعد الدخول (بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده) لقصور الشفقة --- (بشرط القضاء) للفسخ -

وفي الشامية (٢٩/٣): قوله (بالبلوغ) أي إذا علما قبله أو عنده قهستاني --- قوله (لقصور الشفقة) أي ولقصور الرأي في الأمر وهذا جواب عن قول أبي يوسف إنه لا خيار لهما اعتبارا بما لو زوجها الأب أو الجد -



رسالة

## الجيرة

عن

## نكاح الصغيرة

بچپن میں اولاد کا نکاح کر دینے اور بعض بڑی عمر کے اشخاص کا

چھوٹی عمر کی لڑکیوں سے نکاح کی قباحت اور مخدوش استدلال کے جواب

## (۴۶۴) بڑی عمر کے اشخاص کا چھوٹی عمر کی لڑکیوں سے نکاح کا حکم

### سوال

ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح بڑی عمر کے آدمی سے کر دیتا ہے مثلاً آج کل کے بعض مہتمم حضرات اپنے سے انتہائی چھوٹی عمر کی لڑکی سے شادی کر لیتے ہیں۔ جبکہ لڑکی کا باپ تیر کا نکاح کر دیتا ہے، لیکن لڑکی کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ کیا بڑے حضرات کا چھوٹی عمر کی لڑکی سے نکاح جائز ہے؟ ہم نے سنا تھا کہ فقہاء نے منع کیا ہے کہ باپ، چھوٹی عمر کی لڑکی کا بوڑھے شخص سے نکاح نہیں کر سکتا۔ کیا یہ درست ہے؟ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا چھوٹی عمر میں نکاح ہوا ہے۔ اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

فقہاء کرام نے کفایت میں جن چیزوں کا اعتبار کیا ہے اس میں عمر کی برابری کا ذکر نہیں لہذا اصولی طور پر کفایت میں عمر کی برابری ضروری نہیں البتہ بعض احادیث اور فقہی نصوص سے نکاح کے وقت عمر میں برابری کا لحاظ رکھنا قرین مصلحت اور مصالحت نکاح کے حصول میں معاون ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً شیخین رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام دیا تھا، جسے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان الفاظ میں منع فرمادیا:

وعن بريدة بن الحنفية قال: خطب أبو بكر وعمر رضي الله عنهما فاطمة رضي الله عنها، فقال رسول

الله صلى الله عليه وسلم: "إنها صغيرة" ثم خطبها علي فزوجها منه. رواه النسائي -

"حضرت بريدة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجا آپ ﷺ نے فرمایا

فاطمہ چھوٹی ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی ان سے

(مشکوٰۃ ۵۶۵/۲)

کرادی۔"

اس حدیث کے تحت محدثین نے یہ تصریح فرمائی ہے:

"أو المراد أنها صغيرة بالنسبة إليهما لكبر سنهما وزوجها من علي لمناسبة سنه لها"

"اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنسبت حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے چھوٹی تھیں کیونکہ ان دونوں حضرات

کی عمر زیادہ تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رشتہ طے فرمادینے کی وجہ یہی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر حضرت فاطمہ

(مرقاۃ ۲۵۹/۱۱)

رضی اللہ عنہا کے ساتھ مناسب تھی۔"

اسکے علاوہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر واضح الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ولا يزوج ابنته الشابة شيخا كبيرا ولا رجلا دميما ويزوجها كفوًا" (شامية ۹/۳)  
 "اور اپنی جوان بیٹی کا نکاح بوڑھے شخص سے یا گھٹیا انسان سے نہ کرائے اور شادی کیلئے کفو کا رشتہ منتخب کرے"

اسی طرح علامہ دہبہ زحلی اپنی کتاب الفقہ الاسلامی میں تحریر فرماتے ہیں:

"لكن الاولى مراعاة التقارب بين هذه الأوصاف وبخاصة السن والعقافة لان وجودهما أدعى لتحقيق الوفاق والوئام بين الزوجين وعدمها يحدث بلبلة واختلافا مستعصيا"

(الفقه الاسلامي وادلته ۴/۲۴۷)

"بہتر یہ ہے کہ ان اوصاف میں برابری کا لحاظ رکھا جائے، خصوصاً عمر اور ثقافت کے معاملے میں کیونکہ ان دونوں میں برابری زوجین میں اتفاق اور محبت کے پیدا کرنے میں زیادہ کارگر ہوگی اور ان میں برابری کا لحاظ نہ رکھنا پیچیدہ جھگڑوں اور اختلافات کو جنم دے گا"

اسکے علاوہ عقلی طور پر بھی دیکھا جائے تو اس میں بہت سے مفاسد ہیں:

(۱) بوڑھا شخص جلدی وفات پا جائیگا لڑکی تنہا بیوگی کی زندگی گزارے گی۔

(۲) بوڑھا شخص چند سالوں میں ہی جوان لڑکی کی خواہش پورا کرنے کے قابل نہ رہے گا۔ ایسی لڑکی کے فتنے میں مبتلا ہونے کے قوی امکانات پیدا ہو جائیں گے۔

(۳) بوڑھے عمر کے شخص کے اگر بچے پیدا ہوتے ہیں تو باپ اور بچوں میں فحش تفاوت تربیت کے معاملے میں اثر انداز ہوگا۔

(۴) سب سے بڑا مفسدہ تو یہی ہے کہ نکاح کا اصل مقصد (جو کہ معاشرتی زندگی میں سکون کا حصول اور دوام ہے وہ) اور دیگر مصالح نکاح کا حصول اس نکاح میں بعید ہے بلکہ یہ نکاح بعد میں مشکلات کا سبب بنے گا۔

اس لئے نکاح میں زوجین کی عمر میں تناسب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہمارا یہ مقصد نہیں کہ دونوں کی عمریں بالکل برابر ہوں بلکہ لڑکے کی عمر اگر آٹھ، دس سال تک زیادہ ہو تب بھی کوئی بات نہیں لیکن لڑکے کا لڑکی سے عمر میں دگنا تفاوت مضر ہے مثلاً لڑکی بیس سال اور لڑکا چالیس سال یا پچاس سال کا ہے تو یہ تفاوت بعد میں مصالح نکاح کے حصول میں مانع بنے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوٹی عمر میں نکاح بیان جواز پر محمول ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم مصالح نکاح برقرار رکھنے کی صلاحیت تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح فرمایا لہذا صورت مسئلہ میں بڑی عمر کا شخص (چاہے وہ جو بھی ہو) اگر شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ بیوہ یا اپنے سے قریب عمر کی عورت سے شادی کرے۔ چھوٹی عمر کی لڑکیوں سے شادی کر کے ان لڑکیوں کو مشکلات میں نہ ڈالیں اور ایسی لڑکیوں کے والدین کو بھی اپنی بچیوں کے بارے میں اور ان کے مستقبل کے بارے میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔

لما فی سنن النسائی (۶۹/۲): (تزوج المرأة مثلها فی السن) عن عبد الله بن بريدة عن أبيه رضي الله عنه قال: خطب أبو بكر وعمر رضي الله عنهما فاطمة رضي الله عنها فقال رسول الله صلوات الله عليه: إنها صغيرة فخطبها علي فزوجها منه -

وفي فتح الباري (۱۰۱/۹): تزويج الصغار بالكبار: قال ابن بطال: يجوز تزويج الصغيرة بالكبير إجماعاً ولو كانت في المهد لكن لا يمكن منها حتى تصلح للوطء -

وفي بذل المجهود (۲۳۶/۳): حكى ابن حزم عن ابن شبرمة مطلقاً أن الأب لا يزوج بنته البكر الصغيرة حتى تبلغ وتأذن وزعم أن تزويج النبي صلوات الله عليه عائشة رضي الله عنها وهي بنت ست سنين كان من خصائصه -

وفي الشامية (۶۸/۳): وأما إنكاح الأب والجد الصغير الصغيرة فالكفاءة فيه ليست بشرط عند أبي حنيفة رحمه الله لصدوره ممن له كمال النظر لكمال الشفقة -

## (۲۶۵) بچپن میں نکاح کر دینے کا حکم

### سؤال

ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ بچے اور بچی کا نکاح انتہائی کم ۲ یا ۳ سال کی عمر میں پڑھا دیتے ہیں پھر جب بچے بالغ ہو جائیں تو یہ نکاح منعقد کر دیئے جاتے ہیں یعنی رخصتی وغیرہ ہو جاتی ہے پوچھنا یہ ہے کہ شرعاً یہ جائز ہے یا بلوغت کے بعد دوبارہ نکاح پڑھانا پڑے گا؟ ازراہ کرم جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں -

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت مطہرہ میں بچے اور بچی کے نکاح کی کوئی خاص عمر متعین نہیں۔ شرعاً غیر شعوری عمر میں بھی بچے کا نکاح ان کے سرپرست کر دیں تو وہ منعقد ہو جاتا ہے البتہ اگر کوئی خاص مجبوری نہ ہو تو بچے اور بچی کا نکاح بالغ ہو جانے کے بعد ہی کرنا چاہئے یہی بہتر اور قرین مصلحت ہے۔ قرآن پاک کی آیت اس پر دلالت کرتی ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء: ۶)

”اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) تک پہنچ جائیں“

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

”نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں (یعنی بالغ ہو جائیں کیونکہ نکاح کی قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے“

نیز بچپن میں کئے گئے نکاح میں بہت سے مفاسد کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(۱) لڑکے اور لڑکی کی بلوغ کی عمر تک پہنچ جانے کے بعد ان کی ترجیحات کا بدل جانا۔

(۲) سرپرستوں کی رائے تبدیل ہو جانا۔

(۳) خاندان کے آپس کے جھگڑے بعد میں اس نکاح پر بھی اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔

(۴) لڑکا آوارہ نکل جائے یا لڑکی کے رہن سہن سے لڑکے والے مطمئن نہ ہوں۔

دیگر بھی بہت سے مفاسد ہیں جو بلوغ کی عمر تک پہنچنے میں ظاہر ہوتے ہیں، لیکن اس وقت پھر طلاق کے علاوہ کوئی راستہ موجود نہیں ہوتا لہذا بہتر اور حکمت کے عین مطابق یہ ہے کہ بچوں کے بالغ ہو جانے کے بعد اچھی طرح دیکھ بھال کر زندگی کے اس اہم معاملے کا فیصلہ کیا جائے اور اس وقت لڑکے اور لڑکی کی رائے کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے البتہ اگر کوئی مجبوری ہو یا اولیاء اسی کو زیادہ تر مصلحت سمجھیں کہ چھوٹی عمر میں نکاح کر دیا جائے تو یہ نکاح بہر حال منعقد ہو جائے گا۔

لہذا صورت مسئلہ میں آپ کے علاقے کا یہ رواج درست معلوم نہیں ہوتا۔ علاقے کے بااثر لوگوں کو چاہیے کہ اس کے بجائے بچوں کا نکاح بعد از بلوغ جلد از جلد کرانے کا رواج ڈالیں کیونکہ یہ شریعت کے تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ ہے البتہ اگر شاذ و نادر مجبوری کی وجہ سے بچپن میں نکاح کا انعقاد کیا جائے تو وہ نکاح منعقد ہوگا، معمول اور رواج بنانے سے پرہیز کریں۔

لمانی مشکوٰۃ المصابیح (ص ۲۷۰): وعن عائشة رضی اللہ عنہا أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجها وهي بنت سبع سنین وزفت إلیہ وهي بنت تسع سنین ولعبها معها ومات عنها وهي بنت ثمانی عشرة. رواہ مسلم

وفیہ أيضاً (ص ۲۷۱): وعن أبي سعيد وابن عباس رضی اللہ عنہم قالاً: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من ولد له ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثمًا فإنما إثمہ علی أبیہ"

وعن عمر بن الخطاب وأنس بن مالک رضی اللہ عنہم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "فی التوراة مکتوب: من بلغت ابنتہ اثنتی عشرة سنة ولم یزوجها فأصاب إثمًا فإنما ذلك علیہ". رواہما البیہقی فی "شعب الإیمان"

وفی المفصل فی احکام المرأة والبيت المسلم: (۲۹۱/۶): الأولى عدم تزویج الصغار الا لمصلحة: ومع جواز تزویج الصغیر والصغیرة، ولكن الأولى عدم تزویجہما ان لم تکن هناك مصلحة ظاهرة فی التعجیل فی تزویجہما وهما صغیران، لأن تزویجہما غیر واجب وانما هو جائز، ولأن الزواج تتعلق به حقوق وواجبات، كما أننا لا ندری ما یؤول الیہ هذا النکاح بعد أن

تبلغ الصغيرة ويبلغ الصغير، وقد يكون لكل منهما رأى فيه يؤثر في بقاء النكاح، وقد يعجل في زواله وانقطاعه.

## (۴۶۶) چھوٹے بچے کا نکاح پڑھانے والے کو سزا دینا

### سوال

اگر ایک قاضی دو یا تین سال کے بچے کا نکاح پڑھادے تو اس قاضی کو زد و کوب کرنا یا عدالت سے سزا دلوانے کی کوشش کرنا کیسا ہے؟ ہمارے علاقے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا تو یہ ہنگامہ کھڑا ہو گیا ہے۔ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

بچے کا ولی کسی بھی عمر میں بچے کا نکاح کر سکتا ہے چاہے بچہ بالغ ہو یا نابالغ۔ جس طرح باپ نکاح کر سکتا ہے اسی طرح اس نکاح کا وکیل بھی کسی دوسرے شخص کو بنا سکتا ہے اور کسی قاضی کو اس نکاح پڑھانے کا اختیار بھی دے سکتا ہے لہذا صورتِ مسئلہ میں جس قاضی نے دو یا تین سال کے بچے کا نکاح پڑھایا ہے تو اگر باپ کی اجازت سے پڑھایا ہو تو یہ نکاح منعقد ہے اور اس پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار ایک نامعقول حرکت ہے کیونکہ ذمہ دار باپ ہے نہ کہ قاضی صاحب۔

البتہ باپ کو اتنی چھوٹی عمر میں اپنی بچی کا نکاح کر دینا مناسب نہیں شرعاً اگرچہ نکاح کی کوئی خاص عمر متعین نہیں لیکن قرآن و حدیث کے نصوص میں ایسے اشارات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح بلوغت کے بعد کرنا ہی اصل ہے اس لیے بچے یا بچی کی پسند اور ناپسند کا بھی صحیح ادراک ہو جاتا ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۶): **وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ**

وفی مشکوٰۃ المصابیح (ص ۲۴۱): **وعن أبي سعيد وابن عباس رضي الله عنهما قالوا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثمًا فإنما إثمہ على أبيه "**

وفیه ایضاً (ص ۳۶۷): **عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " ثلاثة. حق على الله عونهم: المكاتب الذي يريد الأداء والناكح الذي يريد العفاف والمجاهد في سبيل الله "** . رواه الترمذي والنسائي وابن ماجه۔

وفی الدر المختار (۳/۲۶۰، ۲۶۱): **(وللولى) الآتى بيانه (انكاح الصغير والصغيرة) جبراً --- (ولزم النكاح)۔**

## (۴۶۷) نابالغہ کا کورٹ میرج کرنا

## سؤال

ایک بچی نے جس کی عمر ساڑھے تیرہ سال ہے ایک جوان سے والدین سے پوچھے بغیر نکاح کیا ہے۔ نکاح نامہ میں اس کی عمر اٹھارہ سال لکھوائی گئی ہے کچھ وقت تک والدین کو بھی خبر نہیں تھی دو یا ڈھائی سال بعد لڑکائی کو بھگا کر لے گیا۔ والدین ناراض ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ والدین کو فسخ نکاح کا حق ہے یا نہیں؟ جبکہ بچی اس وقت تک حائضہ نہیں ہوئی تھی۔ خاندان کے اعتبار سے بھی وہ لوگ مالدار ہیں اور شریف ہیں جبکہ لڑکے والے چوراہے کے ہیں۔ والدین کو حق فسخ اس صورت میں ہے کہ نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

نابالغہ لڑکی کو ولی (باپ، دادا) کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں اگر وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں چونکہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوا، اس لئے مذکورہ لڑکی کے والدین پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو واپس لے آئیں اور جہاں نکاح کرنا چاہیں وہاں کر سکتے ہیں البتہ اگر مذکورہ لڑکے نے لڑکی کے ساتھ حق زوجیت ادا کیا ہے تو لڑکے کو پورا مہر بھی دینا ہوگا۔

لمافی مشکوٰۃ المصابیح (ص ۲۷۰): عن أبي موسى رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " لا نکاح إلا بولي ". رواه أحمد والترمذي وأبو داود وابن ماجه والدارمي۔

وعن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " أيما امرأة نکحت بغیر اذن وليها فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له ". رواه أحمد والترمذي وأبو داود وابن ماجه والدارمي۔

وفي مرقاة المفاتیح (۲۶۹/۶): قلت: المراد منه النکاح الذي لا یصح الا بعقد ولی بالاجماع کعقد نکاح الصغیرة والمجنونة۔ وفي (ص ۲۷۱) (بغیر اذن وليها فنکاحها باطل)۔۔۔ وفي شرح جمع الجوامع حمله الحنفية على الصغیرة والأمة والمکاتبة۔

وفي الدرالمختار (۵۵/۳): (وهو) أي الولي (شرط) صحة (نکاح صغیر ومجنون ورقیق) لا مکلفة (فنفذ نکاح حررة مکلفة بلا) رضا (ولي)۔

وفي الرد تحتہ: قوله (فنفذ الخ)۔۔۔ واحترز بالحررة عن المرقوقة ولو مکاتبة أو أمر ولد وبالکلفة



عن الصغیرة والمجنونة فلا یصح إلا بولی كما قدمه۔

## (۴۶۸) شوہر کے انتقال کے بعد دیور سے شادی کرنا ضروری نہیں

### سؤال

ایک عورت کا خاوند مر گیا اور اس شخص کا بھائی مرحوم کی بیوی سے نکاح کرنا چاہتا ہے حالانکہ عورت اس کے ساتھ نکاح کرنے پر راضی نہیں ہے۔ گاؤں کے بڑے بڑے لوگ (جن کو عرف میں حاکمین کہتے ہیں) نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر اس عورت نے نکاح کرنا ہے تو اس شخص (مرحوم کے بھائی) سے نکاح کرے گی ورنہ یہ عورت گھر ہی پر رہے گی۔ اب عورت نکاح کی بھی خواہش رکھتی ہے لیکن اس فیصلے کی وجہ سے نکاح نہیں کر سکتی لہذا اس فیصلے اور فیصلہ کرنے والوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

یہ فیصلہ کرنا درست نہیں اس لئے کہ عاقلہ بالغہ عورت نکاح میں خود مختار ہے لہذا گاؤں کے بڑے لوگ یا دیگر حضرات حتیٰ کہ ولی بھی عورت کی رضا کے بغیر زبردستی نکاح نہیں کر سکتے، لہذا اس طرح فیصلہ کرنا شریعت کے احکامات کو پامال کرنے کے مترادف ہے اور یہ فیصلہ کرنے والے عند اللہ مجرم اور گناہ گار ہوں گے، یہ عورت جہاں چاہے اپنی مرضی سے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔

لہافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۲): وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ۔

وفی الهدایة (ص ۳۱۳): ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغة علی النکاح۔۔۔ ولنا أنها حرة فلا ینکحون للغیر علیها ولایة الاجبار۔

وفی الدر المختار (۵۸/۲): (ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ۔

## (۴۶۹) مجنونہ کا نکاح کیسے کرایا جائے

### سؤال

میری ایک لڑکی ہے جس کی عمر اکیس (۲۱) برس ہے اس کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے اس سے کوئی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا ایک غریب شخص جس کو کسی جگہ سے رشتہ نہیں مل رہا تھا وہ اس سے نکاح کرنے پر راضی ہو گیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس لڑکی کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے، اجازت وغیرہ کا کچھ پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہی ہے اور اب لڑکی کا نکاح کر رہے ہیں تو اس کے نکاح کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟ اور اس کی

اجازت کا شرعاً کیسے اعتبار کیا جائے گا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صغیر، صغیرہ اور مجنونہ پر ولی اقرب یعنی باپ، دادا وغیرہ کو ولایت اجبار حاصل ہے یعنی اگر یہ حضرات نکاح کرادیں تو ان کا نکاح منعقد ہو جائے گا اور ان حضرات کا نکاح کرانا ایسا ہی ہے جیسا کہ مجنونہ وغیرہ کی رضا سے ہو رہا ہو اور مجنونہ وغیرہ کو بعد میں خیار بھی حاصل نہیں ہوگا پس صورت مسئلہ میں جیسا کہ واضح ہے کہ لڑکی کا باپ نکاح کر رہا ہے تو نکاح صحیح ہوگا اور منعقد ہو جائے گا اور اس صورت میں ولی کی اجازت اس کی اجازت کے قائم مقام ہوگی ہاں اگر ولی البعد جیسے بھائی وغیرہ نکاح کرائے تب بھی نکاح تو منعقد ہو جائے گا البتہ مجنونہ کو افاقے کے بعد خیار حاصل ہوگا۔

لمافی ملتقى الأبحر (۲۳۳/۱): وللولى إنكاح المجنونة والصغير والصغيرة ولو ثيباً فإن كان أباً أوجدا  
لزم۔

وفى الدر المختار (۵۵/۳): وولاية إجبار على الصغيرة ولو ثيباً ومعتوهة ومرفوقة كما أفاده بقوله  
(وهو) أي الولي (شرط) صحة (نكاح صغير ومجنون ورقيق) لا مكلفة (فنفذ نكاح حرة  
مكلفة)۔

وفيه أيضاً (۶۶/۳): (إنكاح الصغير والصغيرة) جبراً (ولو ثيباً) كمعتوه ومجنون شهراً (ولزم  
النكاح)۔

وفى الرد تحتہ: وللولى إنكاح غير المكلف والرقيق لشمّل المعتوه ونحوہ۔۔۔ فإن علة الإجبار عنده  
البكارة وعندنا العجز بعدم العقل أو نقصانه وتوضيحه في كتب الأصول قوله (كمعتوه و  
مجنون) أي ولو كبيرين والمراد كشخص معتوه الخ فيشمّل الذكر والأنثى۔۔۔ وفي منية المفتي  
بلغ مجنوناً أو معتوها تبقى ولاية الأب كما كانت فلوجن أو عته بعد البلوغ تعود في الأصح وفي  
الحانية زوج ابنه البالغ بلا إذنه فجن قالوا ينبغي للأب أن يقول أجزت النكاح على ابني لأنه  
يملك إنشاءه بعد الجنون قوله (ولزم النكاح) أي بلا توقف على إجازة أحد وبلا ثبوت خيار في  
تزويج الأب والجد والمولى وكذا الابن على ما يأتي۔

## (۴۷۰) مجنونہ کو نکاح کے بعد جنون سے افاقہ ہو جائے

## سوال

ایک شخص نے اپنی بالغہ مجنونہ بچی کا نکاح ایک مجنون لڑکے سے کر دیا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ لڑکی خدا کی شان صحیح ہو گئی اور جب اس کو پتہ چلا کہ میرا نکاح فلاں مجنون شخص سے ہوا ہے تو اس نے اس نکاح کا انکار کر دیا تو مفتی صاحب کیا اس عورت کا نکاح جو اس کے والد نے اس کے مجنونہ ہونے کی حالت میں کیا تھا درست ہے یا نہیں اور لڑکی کو اس نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب دیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

مجنونہ بالغہ لڑکی کا نکاح ان کے اولیاء کرامیں تو یہ نکاح درست ہے نیز وہ نکاح اگر باپ یا دادا نے کرایا تھا تو اس کو فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا البتہ باپ یا دادا کے علاوہ دیگر کوئی شخص اگر ولی ہو اور وہ یہ نکاح کرائے تو مجنونہ کو افاقے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار ملتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں یہ نکاح درست ہو گیا ہے اور اس نکاح کے صحیح ہونے کے بعد اب اس لڑکی کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اس کا نکاح اس کے باپ نے کروایا ہے لہذا اس نکاح کو یہ لڑکی فسخ نہیں کر سکتی البتہ اگر یہ لڑکی قاضی کی عدالت میں درخواست دے اور خاوند کا خطرناک مجنون ہونا ثابت کرے، قاضی واقعہ کی تحقیق کرے، اگر صحیح ثابت ہو تو مجنون کو علاج کیلئے ایک سال کی مہلت دیدے، اور بعد اختتام سال اگر زوجہ پھر درخواست کرے اور شوہر کا مرض جنون موجود ہو تو عورت کو اختیار دیدیا جائے اور اگر عورت اسی مجلس تخییر میں فرقت طلب کرے اور قاضی تفریق بھی کر دے تو یہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔

لمافی الہندیۃ (۲۸۵/۱): المعتوه والمعتوہة والمجنون والمجنونۃ كالصغیر والصغیرۃ فللولی

إنکاحهما إذا كان الجنون مطبقاً۔

وفیہ ایضاً (۵۲۶/۱) باب العنین: إذا كان بالزوجة عیب فلا خيار للزوج وإذا كان بالزوج

جنون أو برص أو جذام فلا خيار لها كذا فی الكافی قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ إن كان

الجنون حادثاً یؤجلہ سنة كالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول إذا لم یدرأ وإن كان مطبقاً فهو

كالجب وبہ نأخذ۔

وفی الشامیۃ (۲۶/۳): قوله (كمعتوه ومجنون) أي ولو كبیرین والمراد كمشخص معتوه الخ فیشمل

الذكر والأنثی قال فی النهر فللولی إنکاحهما إذا كان الجنون مطبقاً وهو شهر علی ما علیہ

الفتویٰ۔

وفيه أيضا (٣٩٤/٢): قوله ( ولا عبرة بتأجيله غير قاضي البلدة ) لأن هذا مقدمة أمر لا يكون إلا عند القاضي وهو الفرقة فكذا مقدمته ولو الجية -

## فصل فی خیار البلوغ

### (خیار بلوغ کا بیان)

(۴۷۱) لڑکے اور لڑکی کی مدت بلوغ کیا ہے؟

#### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ لڑکا اور لڑکی کب بالغ ہوتے ہیں؟ مفتی بہ قول سے مستفید فرمائیں۔

#### الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکے کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کو احتلام یا انزال ہونے لگے شرعاً ایسی حالت کے بعد اس کو بالغ تصور کیا جائے گا اور لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کو احتلام ہونا یا حیض آنا شروع ہو جائیں ایسی صورت میں لڑکی کو شرعاً بالغ تصور کیا جائے گا البتہ اگر لڑکے کو احتلام یا انزال نہ ہوتا ہو اور لڑکی کو حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، ایسی صورت میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں جب پندرہ سال کی عمر تک پہنچ جائیں تو اس وقت دونوں کو شرعاً بالغ شمار کیا جائے گا۔

لمافی الہندیۃ (۶۱/۵): الفصل الثانی فی معرفۃ حد البلوغ بلوغ الغلام بالاحتلام أو الإحبال أو الإنزال والجاریۃ بالاحتلام أو الحيض أو الحمل کذا فی المختار والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریۃ إذا انتہیا إلیہ خمس عشرة سنة عند أبي یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ وهو رواية عن أبي حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وعلیہ الفتوی۔

وفی الدر المختار (۱۵۲/۶): (بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجاریۃ بالاحتلام والحيض والحمل) ولم يذكر الإنزال صریحاً لأنه قلما یعلم منها (فإن لم یوجد فیہما) شیء (فحتى یتم لكل منهما خمس عشرة سنة به یفتی) لقصر أعمار أهل زماننا۔

## (۴۷۲) بالغ ہونے کے بعد خیارِ بلوغ حاصل ہوتا ہے

## سوال

ایک لڑکی جس کی عمر تقریباً چار یا پانچ سال تھی۔ اس لڑکی کی والدہ نے ایک دس سال کے لڑکے سے اس کا نکاح کر دیا لڑکی کا والد ملک سے باہر کاروبار کے سلسلے میں گیا ہوا تھا، وہ تقریباً نکاح میں موجود نہیں تھا اب لڑکی جوان ہو گئی ہے تو کیا لڑکی پر اس نکاح کو برقرار رکھنا لازم ہے یا اس کو اختیار حاصل ہوگا؟

## الجواب بعون الملک الوحاب

صورت مسئلہ میں اولاً یہ بات واضح رہے کہ نابالغ بچے یا بچی کا نکاح اگر اس کے والد یا والدہ نہ ہو تو دادا کر دیں اس صورت میں بلوغ کے بعد کسی قسم کا خیارِ بلوغ حاصل نہیں ہوتا نیز اگر کوئی شخص ان کی اجازت کے بغیر نابالغ کا نکاح کرادے اور پھر یہ اجازت دے دیں تب بھی یہی حکم ہے البتہ والد اور دادا کے علاوہ کوئی شخص نابالغ کا نکاح کرائے (چاہے وہ شخص ولی بھی ہو) تو بلوغ کے بعد نکاح کو "فسخ" کرنے کا اختیار ملتا ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں نابالغہ کا نکاح چونکہ والدہ نے کرایا ہے لہذا اگر باپ نے اس نکاح کی اجازت دیدی ہو (بذریعہ ٹیلیفون یا دیگر کسی بھی ذریعے سے) تو بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو خیارِ بلوغ نہ ملے گا لیکن اگر باپ سے کوئی رابطہ نہ ہو، اور اس نے اجازت نہ دی ہو تو پھر بلوغ کے بعد لڑکی کو یہ اختیار ملے گا کہ وہ والدہ کے کئے نکاح کو "فسخ" کر دے البتہ یہ یاد رہے کہ بالغ ہونے کے فوراً بعد اس خیار کو استعمال کرنا ضروری ہے اگر ذرا بھی تاخیر کی گئی تو یہ خیار باطل ہو جائے گا۔

لمافی التاتارخانیة (۲۶/۳): واذا زوج الصغير أو الصغيرة غير الأب والجد ثم بلغا فلهما الخيار عند

أبي حنيفة ومحمد ولو زوجها أمها فبلغت فلها الخيار عند أبي حنيفة رحمه الله خلافا لهما۔

وفي الدر المختار (۴۳/۳): (وبطل خيار البكر بالسكوت) لو مختارة (عامة ب) أصل (النكاح)

فلو سألت عن قدر المهر قبل الخلوة أو عن الزوج أو سلمت على الشهود لم يبطل خيارها فھر

جثا (ولا يمتد إلى آخر المجلس) لأنه كالشفعة۔

وفيه أيضا: (۴۸/۳) فإن لم يكن عصة فالولاية للأمر ثم لأمر الأب وفي القنية عكسه ثم للبنت

بلوغ سے متعلق یہی بات محقق اور مدلل ہے کہ نابالغی میں دادا کے کئے نکاح کو بعد بلوغ فسخ نہ کر سکنے کا حکم اس وقت ہے جب دادا نے باپ کی غیر موجودگی میں نابالغ کا نکاح کرایا ہو ورنہ دادا کے کئے نکاح میں بھی بعد بلوغ خیار ہوگا۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل اور حوالہ جات کیلئے منجما الفتاویٰ کی اسی جلد خاص میں فتویٰ "القضية السالبة اذا نكح الجد في غير الكفوء البالغة" کو ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب فرحان حسن

ثم لبنت الابن ثم لبنت البنت ثم لبنت ابن الابن ثم لبنت بنت البنت وهكذا ثم للجد  
الفاسد ثم للأخت --- الخ

## (۲۷۳) خیارِ بلوغ سے فسخ نکاح کیلئے گواہ ضروری نہیں

### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کسی لڑکی کا ولی البعد نے حالت نابالغی میں غیر کفو سے نکاح کر دیا اب لڑکی کہتی ہے کہ اس نکاح کو عدم کفایت کی بناء پر میں نے بالذہ ہونے کے ساتھ ہی رد کر دیا ہے لیکن لڑکی نے اس پر کوئی گواہ قائم نہیں کیا لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں بغیر گواہ صرف لڑکی سے حلف لے کر قاضی نکاح کو فسخ کر سکتا ہے یا نہیں، اگر فسخ کر دے تو یہ فسخ شرعاً معتبر ہوگا یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر لڑکی بالذہ ہوتی ہے نکاح کو رد کر دے اور گواہ نہیں ہوں تو اس صورت میں عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ قاضی یہ نکاح فسخ کر سکتا ہے۔

لمافی الہندیۃ (۲۸۵/۱): فإن زوجہما الأب والجد فلا خیار لہما بعد بلوغہما وإن زوجہما غیر الأب والجد فلکل واحد منہما الخیار إذا بلغ إن شاء أقام علی النکاح وإن شاء فسخ ومذا عند أبي حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ ویشرط فیہ القضاء بخلاف خیار العتق کذا فی الہدایۃ۔

وفیہ ایضاً (۲۸۶/۱): ویبطل هذا الخیار فی جانبہا بالسکوت إذا كانت بکرا ولا یتمد إلی آخر المجلس حتی لو سکتت کما بلغت وہی بکر بطل الخیار۔۔۔ الخ۔

وفی الدر المختار (۶۴/۳): قال ( الزوج للبکر البالغة ) بلغث النکاح فسکت وقالت رددت ( النکاح ) ولا بینة لہما ( علی ذلک ) ولم یکن دخل بها طوعاً ( فی الأصح ) فالقول قولہا ( بیمنہا علی المفتی بہ وتقبیل بینتہ علی سکوتہا لأنه وجودی بضم الشفتین ولو برہنا فبینتہا أولى إلا أن یرهن علی رضاها أو إجازتہا۔

## (۳۷۳) والد کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ کا حکم

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ”بشری“ کا نکاح اُس کے والد زید نے ساڑھے چھ سال کی عمر میں بکر سے کر دیا تھا۔ اس وقت بکر بھی بچہ تھا۔ دونوں کی طرف سے ایجاب و قبول دونوں کے والد نے کیا۔ پھر جب یہ دونوں بڑے ہو گئے تو رخصتی سے پہلے پہلے دونوں خاندانوں کے درمیان ناچاقی ہو گئی جس کے بعد لڑکی والوں کی طرف سے عدالت سے رجوع کیا گیا تو عدالت نے فیصلہ دیا کہ یہ نکاح ہوا ہی نہیں لہذا دوسری جگہ نکاح کر دیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا وہ نکاح جو دونوں کے والد نے باہمی رضامندی سے کیا تھا جبکہ بچے دونوں نابالغ تھے اور انہوں نے خود ایجاب و قبول نہیں کیا تو کیا وہ نکاح ہو گیا یا نہیں ہوا؟

(۲) عدالت نے جو فیصلہ دیا ہے کہ یہ نکاح ہوا ہی نہیں تو کیا عدالت کے فیصلہ کی روشنی میں یہ نکاح نہیں سمجھا جائے گا یا نکاح اب بھی قائم ہے؟ برائے مہربانی شرعی نقطہ نظر سے ہماری راہنمائی فرمائیں تاکہ ہم کوئی صحیح فیصلہ کر سکیں۔  
(نوٹ: لڑکی کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور یہ دونوں آپس میں دور کے رشتہ دار بھی ہیں۔)

## الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت مطہرہ میں والد کو اپنی نابالغ اولاد کا بچپن میں نکاح کر دینے کا حق حاصل ہے، لہذا اگر والدین اپنی نابالغ اولاد کا نکاح شرعی ایجاب و قبول اور گواہوں کے ساتھ کر دیں تو یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور بالغ ہونے کے بعد جب تک خاوند طلاق نہ دے یا عورت خاوند کی رضامندی سے خلع نہ لے تو یہ نکاح ختم نہیں ہوتا لہذا صورتِ مسئلہ میں ”بشری“ کا نکاح چونکہ بکر کے ساتھ ان کے والدین کے ایجاب و قبول کرنے کی وجہ سے منعقد ہو چکا تھا لہذا جب تک ”بشری“ کے خاوند ”بکر“ سے طلاق نہ لی جائے یا خاوند کی رضامندی سے خلع نہ لیا جائے اس وقت تک یہ نکاح ختم نہیں ہو سکتا نیز طلاق کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا بھی جائز نہیں اور اس بارے میں عدالت کا فیصلہ شریعت کے خلاف ہے لہذا یہ فیصلہ قابلِ عمل نہیں ہے۔

لسانی مشکوٰۃ المصابیح (ص ۲۷۰): عن أبي موسى عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " لا نکاح إلا بولي ". رواه أحمد والترمذي وأبو داود وابن ماجه والدارمي۔

وفي البحر الرائق (۲/۲۰۸): قوله ( وللوي انکاح الصغیر والصغيرة والولي العصبۃ بترتیب الإرث)

--- وفي (۲/۲۰۸): ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط القضاء۔

وفيه أيضا (۲/۳۲۶): ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ لصدوره من أهله۔

وفي الدر المختار (۲/۶۵): ( وللوي) الآتي بيانه ( إنکاح الصغیر والصغيرة) جبرا ( ولو ثيبا ) كمعتوه



ومجنون شهراً (ولزم النكاح ولو بغبن فاحش) بنقص مهرها وزيادة مهره (أو) زوجها (بغير كفاء إن كان الولي) المزوج بنفسه بغبن (أباً أو جداً) -

وفي الرد تحتها (٦٤/٣): ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفاء إن كان الولي أباً أو جداً -  
وفيه أيضاً (٥١٦/٣): أما نكاح منكوحه الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونها زناً كما في القنية وغيرها اهـ



رسالة

إعلام الأذكياء

بأن عدم استحقاق الفسخ لنكاح الأب

ثابت من الأحاديث الصحاح

”نابالغة لا تبيح الأب إذا تزوجها بعد از بلوغ اس نكاح كوفسح نهس كر سكتي“

اس حكم كا احاديث سے ثبوت اور بعض حضرات كے شبهات كا ازالہ

مسئلہ ہذا پر مفصل تحقیق

## (۳۷۵) نابالغہ کا نکاح فسخ نہ کر سکنے کا حدیث سے ثبوت

### سؤال

اگر کوئی آدمی اپنی چھوٹی بچی کا نکاح بچپن میں کر دیتا ہے تو بالغ ہونے کے بعد اس لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا یہ کس حدیث سے ثابت ہے؟ حالانکہ حدیث میں تو یہ آتا ہے کہ ایک لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا اس نے آپ ﷺ کے پاس آ کر شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھے اختیار ہے پھر نابالغہ کو اختیار نہ دینے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی؟

### الجواب بعون الملک الوھاب

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"عن أبي موسى عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " لا نکاح إلا بولي ". رواه أحمد والترمذي وأبو داود وابن ماجه والدارمي " (مشکوٰۃ ص ۲۷۰)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ولی کے بغیر نکاح کا عدم ہے"

اسی طرح ایک اور حدیث میں نہایت واضح الفاظ میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:

وعن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " أيما امرأة نکحت بغیر إذن ولیها

فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل "

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس عورت نے بھی اپنے سرپرست کی اجازت کے

بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔"

یہ اور ان جیسی دیگر احادیث کا تقاضہ تو یہ ہے کہ لڑکی چاہے بالغ ہو یا نابالغہ اس کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کا عدم قرار دیا

جائے اور بہت سے فقہاء کی یہی رائے ہے کہ بغیر اجازت ولی کے باکرہ عورت مطلقاً اپنا نکاح نہیں کر سکتی البتہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قرآن

وحدیث کے مختلف نصوص کی دلالت کی وجہ سے اس عموم سے بالغہ کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

ان نصوص میں سب سے پہلے تو قرآن پاک کی آیت ہے:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرة: ۲۳۳)

پھر جب وہ اپنی میعاد ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کیلئے کچھ کاروائی کریں قاعدے کے موافق۔ (ترجمہ از بیان القرآن)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کیلئے اپنی ذات کے بارے میں کسی بھی فیصلے کو عورت کی طرف ہی منسوب کیا ہے نہ کہ یہ شرط لگائی ہے کہ وہ بھی ضروری ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (البقرة: ۲۳۰)

یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند سے نکاح کر لے۔ (ترجمہ از بیان القرآن)

اس آیت میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بالغہ عورت اپنا نکاح کرنے میں خود مختار ہے۔

(حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۷۰)

نیز سوال میں ذکر کردہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں مکمل

حدیث یوں منقول ہے:

"عن أبي سلمة بن عبد الرحمن قال كانت امرأة من الأنصار تحت رجل من الأنصار فقتل عنها يوم أحد وله منها ولد فخطبها عم ولداها ورجل إلى أبيها فأنكح الرجل وترك عم ولداها فأتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت أنكحنى أبي رجلا لا أريده وترك عم ولدى فيؤخذ منى ولدى فدعا النبي صلى الله عليه وسلم أباهما فقال أنكحت فلانا فلانة قال نعم قال أنت الذى لا نكاح لك اذهبى فانكحى عم ولدك"

"حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ ایک انصاری عورت کا نکاح ایک انصاری مرد سے ہوا تھا وہ انصاری احد کے دن شہید ہو گئے ان سے اس عورت کا ایک بچہ تھا اس عورت کے باپ کے پاس سابقہ شوہر کے بھائی اور ایک اور شخص دونوں نے پیغام نکاح بھیجا باپ نے اس دوسرے شخص سے نکاح کر دیا اور اس عورت کے دیور کو منع کر دیا وہ عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا میرے والد نے میرا نکاح ایک ایسے شخص سے کر دیا جس سے میں نکاح نہیں کرنا چاہتی اور میرے بچے کے چچا کا رشتہ منع کر دیا (جس کے نتیجے میں پہلے شوہر سے میرے بچے کو بھی مجھ سے جدا کر دیا جائے گا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے باپ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: تم نے فلاں کا فلانہ سے نکاح کیا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں نکاح کرانے کا حق نہیں اس عورت سے فرمایا جاؤ اور اپنے بچے کے چچا سے نکاح کر لو۔"

اس حدیث میں "لا أريدها" کے الفاظ آئے ہیں یعنی میں اس شخص سے نکاح نہیں کرنا چاہتی اور کسی چیز کو پسند یا ناپسند کرنا بالغہ کی صفات میں سے ہے اسی طرح کی ایک اور حدیث بخاری شریف میں ہے کہ ایک عورت کا نکاح اس عورت کے باپ نے کر دیا "فكرهت" اس عورت کو وہ نکاح ناپسند تھا لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو کالعدم قرار دے دیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث

پر باب باندھا ہے ”باب اذا زوج الرجل ابنته وهي كارهة فنكاحها مردود“ (یہ باب ہے اس شخص کے بیان میں جو اپنی بچی کا نکاح کر دے درآنحالیکہ وہ بچی اس نکاح کو ناپسند کرتی ہو تو وہ نکاح رد ہوگا)۔

اس کے تحت شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”المراد بنته البالغة يدل عليه قوله وهي كارهة لأن هذه الصفة للبالغات“

حدیث میں بنت سے مراد بالغ لڑکی ہے اس پر یہ قول ”وہی کارہہ“ کہ وہ ناپسند کرتی تھی دلالت کرتا ہے کیونکہ کسی چیز کو پسند

یا ناپسند کرنا بالغ عورت کی صفات میں سے ہے۔ (عمدة القاری علی صحیح البخاری ۱۲۹/۲۰)

اس کے علاوہ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح

البكر حتى تستأذن". قالوا: يا رسول الله وكيف إذن؟ قال: "أن تسكت"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (بالغہ ثیبہ) عورت کا نکاح اس کی زبانی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا اور (باکرہ بالغہ) لڑکی

کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا کہ اس (بالغہ کنواری لڑکی) کی اجازت

کیسے معلوم ہو؟ ارشاد فرمایا: وہ خاموش رہے (تو یہ بھی اجازت ہے)۔

اس حدیث کے ذیل میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

”(حتى تستأذن) وهذا باطلاقة حجة لأبي حنيفة في عدم جواز إجبار البكر البالغة“

” (لڑکی سے اجازت لی جائے) حدیث کے یہ الفاظ اپنے عموم کے ساتھ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہیں کہ ان کا مذہب

ہے کہ بالغہ باکرہ لڑکی پر نکاح کے معاملہ میں جبر نہیں کیا جاسکتا۔“

لہذا مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اصلاً تو لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد ہی نہیں ہونا چاہیے

البتہ ان دیگر نصوص کی موجودگی میں بالغہ لڑکی کو مستثنیٰ کرنا ضروری تھا لہذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ بالغہ لڑکی اپنے

نکاح کے معاملے میں خود مختار ہوگی۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ بالغہ بھی اپنا معاملہ ولی کے سپرد کر دے تاکہ معاشرے میں بدنامی اور عیب کا سبب

نہ ہو نیز بالغہ لڑکی تو اصل کے مطابق ولی کے تابع ہے اس کے تمام معاملات ولی کے سپرد ہیں۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ بالغہ کے ساتھ یہ معاملہ اس وقت ہے جبکہ اس کا نکاح باپ یا دادا (باپ کی عدم موجودگی میں) کرائیں

لیکن اگر نکاح کا ولی ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ہو اور وہ بالغہ کا نکاح کراتا ہے تو جواب یہ نہ ہوگا بلکہ دیکھا جائے گا اگر باپ یا دادا کے

علاوہ نے غیر کفو میں نکاح کرایا ہو تو یہ نکاح کا عدم ہوگا اور اگر کفو میں کیا ہو تو بلوغ کے بعد لڑکی کو اختیار ملے گا چاہے نکاح کو باقی رکھے یا

رد کر دے کیونکہ باپ یا دادا کے علاوہ کوئی بھی ولی ہو اس کی شفقت تام نہیں، چاہے وہ ماں ہی کیوں نہ ہو ماں کی شفقت تام نہ ہونا یہ ہے

کہ اس کی سوچ اور قوت فیصلہ ناقص ہے لہذا بالغہ لڑکی کو اختیار نہ ملنا باپ اور دادا کے نکاح کی صورت میں ہے۔ غیر باپ دادا کی صورت

میں خیارِ بلوغ حاصل ہوتا ہے اور یہ فرق حدیث سے بھی ثابت ہے:

"وفی الحدیث أن قدامة بن مظعون زوج بنت أخیه عثمان بن مظعون من ابن عمر فردھا صلی اللہ علیہ وسلم وقال إنها یتیمہ... [قال ابن الہمام: ] تأویلہ أنه خیرھا صلی اللہ علیہ وسلم فاختارت الفسخ ألا ترى إلا ما ماروی عن ابن عمر أنه قال واللہ لقد انتزعت منی بعد أن ملکتها۔"

(فتح القدیر، ۲۷۵/۳)

"حدیث میں قدامہ بن مظعون کا واقعہ ذکر ہے انہوں نے اپنی بھتیجی (عثمان بن مظعون کی بیٹی) کا نکاح ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کر دیا لیکن آپ ﷺ نے اس نکاح کو رد کر دیا..... ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث کی حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دیا اور اس لڑکی نے فسخ نکاح کو اختیار کر لیا۔ اس بات پر یہ دلیل ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا وہ لڑکی مجھ سے بعد اس کے کہ میں اس کا مالک بن گیا تھا جدا ہو گئی"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باپ یا دادا کے علاوہ کا کیا ہوا نکاح لڑکی بعد از بلوغ فسخ کر سکتی ہے لہذا صورتِ مسئلہ میں مسائل کا اشکال خلاف حقیقت ہے قرآن و حدیث کے نصوص کی روشنی میں جو تفصیل مسئلہ کی تھی وہ تحریر کر دی گئی لہذا یہ کہنا کہ "نا بالغہ کو اختیار نہ دینے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی" درست نہیں بلکہ اصل یہی ہے کہ کسی بھی لڑکی کو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کا اختیار نہ ہوا البتہ بالغہ کو دیگر نصوص کی وجہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

لمافی عمدة القاری (۱۲۹/۲۰): وقد احتج أصحابنا بحدیث الباب وبہذہ الأحادیث علی أنه لیس للولی إجبار البکر البالغة علی النکاح۔

وفی اعلاء السنن (۶۹/۱۱): ومنها مافی زیلعی وعن مستدرک حاکم مرفوعا لانکاح الابولی فہذا الحدیث محمول علی نکاح الصغیرة والأمة۔

وفی الفقہ الاسلامی وادلتہ (۶۵۷۸/۹): ودلیل أبی حنیفة ومحمد: ما روی أن قدامة بن مظعون زوج بنت أخیه: عثمان بن مظعون، من عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، فخرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد البلوغ، فاختارت نفسها، حتی روی أن ابن عمر قال: إنما انتزعت منی بعد ما ملکتها۔

## (۳۷۶) نابالغی کی حالت میں ماں کے کئے نکاح کو فسخ کرنے کا حکم

### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی کی شادی نابالغی میں اس کی ماں نے اپنی مرضی سے کر دی تھی اب لڑکی بالغ ہے رخصتی نہیں ہوئی تھی اور اب وہ شوہر کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورتِ مسئلہ میں اگر ماں کے علاوہ دوسرا کوئی ولی عصبہ نہ تھا تو ماں کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے لیکن لڑکی کو بالغ ہونے کے ساتھ اختیار ملتا ہے کہ نکاح قائم رکھے یا فسخ کر دے۔ اگر لڑکی نے بالغ ہوتے ہی نکاح کا انکار کیا یا بالغ ہونے کے وقت اسے نکاح کا علم ہی نہ ہو اور پھر جس مجلس میں نکاح کی خبر ملی ہو اسی مجلس میں نکاح کا انکار کر دیا تو نکاح قاضی کے فیصلے کے ذریعے فسخ کرایا جاسکتا ہے بصورت دیگر نکاح منعقد ہے۔

لمافی الہندیۃ (۲۸۵/۱): وإن زوجہما غیر الأب والجد فلکل واحد منهما الخیار إذا بلغ إن شاء أقام علی النکاح وإن شاء فسخ۔۔۔ ویبطل هذا الخیار فی جانبها بالسکوت إذا کانت بکرا۔  
 وفی الدر المختار (۶۷/۳): (وإن کان المزوج غیرهما) أي غیر الأب وأبیه ولو الأمر أو القاضي۔۔۔ (وإن کان من کفاء وبمهر المثل صح و) لکن (لہما) أي لصغیر وصغیرة وملحق بہما (خیار الفسخ) ولو بعد الدخول (بالبلوغ أو العلم بالنکاح بعدہ) لقصور الشفقة۔۔۔ (بشرط القضاء) للفسخ۔

وفی الرد تحتہ (۶۹/۳): قوله (لقصور الشفقة) أي ولقصور الرأي فی الأمر۔۔۔ (۷۰/۳): وحاصلہ أنه إذا کان المزوج للصغیر والصغیرة غیر الأب والجد فلہما الخیار بالبلوغ أو العلم بہ فإن اختار الفسخ لا یثبت الفسخ إلا بشرط القضاء۔

## (۳۷۷) نابالغ لڑکا لڑکی کا بغیر اجازت ولی کے اپنا نکاح کرنا

### سؤال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:



- (۱)..... اگر لڑکے اور لڑکی میں علامات بلوغ نہ پائی جائیں تو شرعاً کس عمر میں ان کو بالغ شمار کیا جائے گا؟
- (۲)..... نیز اگر علامات بلوغ کے پائے جانے میں اختلاف ہو، لڑکی اور لڑکا اقرار کرتے ہیں اور اس کے والدین انکاری ہیں تو کس کا قول معتبر ہے؟ مثلاً تیرہ برس کی عمر میں اپنا نکاح خود کیا تو لڑکا اور لڑکی بلوغ کا اعتراف کرتے ہیں اور والدین منکر ہیں تو کس کا قول معتبر ہے؟
- (۳)..... صغیر و صغیرہ اپنا نکاح بغیر اپنے ولی کی اجازت کے خود کر سکتے ہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

- (۱)..... شرعاً کسی لڑکے کو اس وقت سے بالغ اور مکلف سمجھا جاتا ہے جب اس کو احتلام یا انزال ہو جائے اسی طرح اگر لڑکی کو حیض آجائے یا حاملہ ہو جائے یا احتلام ہو جائے تو وہ شرعاً بالغ سمجھی جاتی ہے البتہ اگر لڑکے، لڑکی میں مذکورہ علامات بلوغ نہ پائی جائیں تو بنا بر قول اصح پندرہ سال کی عمر میں ان کو شرعاً بالغ تصور کیا جائے گا۔
- (۲)..... علامات بلوغ کے پائے جانے میں اختلاف واقع ہو جائے تو لڑکے، لڑکی کا قول معتبر ہوگا بشرطیکہ ان کی عمر اتنی ہو جس میں علامات بلوغ پائی جانے کا امکان ہو، اور وہ لڑکے کے حق میں بارہ سال اور لڑکی کے حق میں نو سال ہے۔
- (۳)..... صغیر اور صغیرہ کا نکاح بغیر ولی کے انعقاد کے صحیح نہیں ہے۔

لمافی الہندیة (۲۱/۵): الفصل الثانی فی معرفة حد البلوغ: بلوغ الغلام بالاحتلام أو الإحبال أو الإنزال والجارية بالاحتلام أو الحيض أو الحمل كذا في المختار والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعليه الفتوى -- وأدنى مدة البلوغ بالاحتلام ونحوه في حق الغلام اثنتا عشرة سنة وفي الجارية تسعة سنين -- فإن أخبرا به ولم يكذبهما الظاهر قبل قولهما كما قبل قول المرأة في الحيض۔

وفي الدر المختار (۵۵/۳): (وهو) أي الولي (شرط) صحة (نكاح صغیر ومجنون ورقیق) لا مكلفة (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا) رضا (ولي)۔

## (۴۷۸) لالچی چچا نابالغہ کا نکاح کرادے تو اس نکاح کا حکم

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر ولی باپ، دادا کے علاوہ چچا ہو اور اس نے نابالغہ بچی کا

نکاح طمع و لالچ میں کہیں کر دیا اور اس کا طمع و لالچ یقینی ہو، اس کے اعمال سابقہ سے اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہو تو یہ عقد نکاح ہو گا یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کسی نابالغ بچہ و بچی کا نکاح باپ دادا کے سوا دوسرا ولی مثلاً چچا وغیرہ کرائے تو اگر ولی نے غیر کفو میں نکاح کیا ہے تو وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہو اور اگر کفو (مال اور پیشے وغیرہ کے اعتبار سے برابر میں) کرائے تو بلوغت کے بعد نابالغ کو اختیار ہے، چاہے نکاح کو باقی رکھے یا فسخ کرے۔

لہذا صورت مسئلہ میں مذکورہ بچی کا نکاح اگر غیر کفو میں ہوا ہے تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہو اور اگر کفو میں ہوا ہے تو بعد از بلوغت اس کو اختیار ہے چاہے نکاح کو برقرار رکھے یا عدالت کے ذریعہ اپنے نکاح کو ختم کرائے۔

لمافی الہندیۃ (۲۸۵/۱): فإن زوجہما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وإن زوجہما غیر الأب والجد فلکل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام علی النکاح وإن شاء فسخ ومذا عند أبي حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ ویشترط فیہ القضاء بخلاف خيار العتق کذا فی الہدایۃ۔

وفی الدر المختار (۶۷/۳) باب الولی: (وإن کان المزوج غیرہما) أي غیر الأب وأبیہ ولو الأمر أو القاضی۔۔۔ (لا ینصح) النکاح (من غیر کفو أو بغین فاحش) أصلاً۔۔۔ (وإن کان من کفو وبمہر المثل صح و) لکن (لہما) أي لصغیر وصغیرۃ وملحق بہما (خيار الفسخ) ولو بعد الدخول (بالبلوغ أو العلم بالنکاح بعدہ) لقصور الشفقة۔۔۔ (بشرط القضاء) للفسخ۔

وفی الشامیۃ (۶۸/۳): نعم رأیت فی البدائع مثل ما فی الكنز حیث قال وأما إنکاح الأب والجد الصغیر الصغیرۃ فالکفاءة فیہ لیست بشرط۔۔۔ بخلاف إنکاح الأخ والعمر من غیر کفو فإنه لا یجوز بالإجماع لأنه ضرر محض اھ۔

## فصل فی استئذان المرأة قبل النکاح

(نکاح سے قبل لڑکی سے اجازت لینے کا بیان)

(۳۷۹) بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا

### سوال

محترم مفتی صاحب! چند مسائل کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں:

(۱) وٹہ سٹ کے نکاح والدین نے کر دیئے ایک لڑکی ابھی ۵ سال کی تھی جبکہ دوسری طرف والی لڑکی کی رخصتی کر دی گئی اس شادی کو ۱۵ سال گزر چکے، اب یہ دوسری لڑکی بھی شادی کی عمر کو پہنچ گئی ہے لیکن لڑکی کہتی ہے کہ میں اس جگہ شادی نہیں کروں گی لڑکی کا باپ سختی کر رہا ہے، عزت کا مسئلہ ہے، لڑکی کے سسرال والے کہتے ہیں اگر تم رشتہ نہیں دیتے تو ہم اپنی بیٹی کو واپس لے جا رہے ہیں اس مسئلہ کا حل بتائیں۔

(۲) ایک لڑکا ہے اس کی شادی کو تقریباً ۶، ۷ سال گزر چکے ہیں دو تین سال کے بعد بیوی سے بھگڑا ہو گیا پوری دنیا سے کہتا ہے میں نے بیوی کو چھوڑ دیا۔ ایک دو دفعہ راضی ہو گئے تھے پھر دوبارہ وہی لڑائی ہو گئی اب لڑکی اپنی ماں کے ساتھ ہے۔ لڑکے نے دوسری شادی کر لی لیکن وہ لڑکی بھاگ گئی۔ اب وہ پہلی بیوی کو لانا چاہتا ہے۔ لڑکی واپس نہیں جانا چاہتی اس کا حل بتادیں۔

(۳) ایک لڑکے کی شادی کو ۳ سال گزر چکے ہیں لڑکی والوں نے لڑکے کو کچھ نہیں بتایا۔ لڑکی کو مرگی کی بیماری تھی۔ لڑکی میاں کی بات نہ سنتی تھی۔ کام کچھ نہیں کرتی تھی۔ میاں کو بہن سے کھانا منگوانا پڑتا کپڑے بھی بہن دھوتی۔ بیوی نے دوسری یا تیسری رات حق مہر معاف کر دیا۔ خاوند بہت پریشان ہے۔ اس کا حل بتادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ کی (۱) پہلی صورت میں بالغہ لڑکی کا نکاح بغیر اس کی رضامندی کے کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے بلکہ نکاح کیلئے بالغہ کی رضامندی ضروری ہے البتہ اگر سسرال والے اس پر اصرار کریں تو انہیں آرام سے سمجھادیں کہ شرعاً بغیر رضامندی کے نکاح کرنا صحیح نہیں ہے چنانچہ بلا ضرورت اصرار نہ کریں لہذا فی الوقت نکاح نہیں ہو سکتا۔ صرف اس وجہ سے اپنی بیٹی کو گھر لیجانا اور طلاق دلوانا کہ

آپ نے ہمیں اپنی بیٹی نہیں دی شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ طلاق مبغوض ترین چیز ہے جو صرف ضرورت کے موقع پر ہی دی جاسکتی ہے۔ البتہ اگر ان کے ماں باپ نے دسٹہ کے طور پر رشتہ طے کرتے وقت ہی انکا ایجاب و قبول کر لیا ہو، باقاعدہ نکاح ہو گیا ہو اور لڑکی اس وقت نابالغ تھی تو اب بالغہ ہونے کے بعد اپنے باپ کا کیا ہو نکاح توڑنے کا اس کو شرعاً اختیار نہیں ہے۔

(۲) دوسری صورت میں اگر اس لڑکے نے تین مرتبہ لفظ ”چھوڑ دیا“ کہا ہو تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اب اس لڑکی کا بغیر حلالہ شرعی کے اپنے اس شوہر کے ساتھ رہنا شرعاً جائز نہیں ہے اور اگر اس نے ایک یا دو مرتبہ لفظ ”چھوڑ دیا“ کہا ہو تو یہ طلاق رجعی ہے عدت طلاق کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد طلاق بائن ہو جائے گی۔ اب نئے سرے سے نکاح کئے بغیر وہ لڑکی اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ نکاح جدید کیلئے لڑکی کی رضامندی ضروری ہے۔

(۳) تیسری صورت میں اگر آپس میں نباہ مشکل ہو تو طلاق کی گنجائش ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ وہ لڑکا دوسری شادی کر لے اور اس بیوی کو بھی ساتھ رکھے۔

لمافی الدر المختار (۵۸/۳): (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ (فإن استأذنها هو) أي الولي وهو السنة (فسكتت) عن رده مختارة (أو ضحكت غير مستهزئة أو تبسمت أو بكت بلا صوت) فلو بصوت لم يكن إذنا۔

وفيه أيضا (۶۵/۳-۶۶): (وللولي) الآتي بيانه (إنكاح الصغير والصغيرة) جبرا (ولو ثيبا) كمعتوه ومجنون شهرا (ولزم النكاح ولو بغبن فاحش)۔

وفي الرد تحتہ: قوله (ولزم النكاح) أي بلا توقف على إجازة أحد وبلا ثبوت خيار في تزويج الأب والجد والمولى وكذا الابن على ما يأتي۔

وفي الشامية (۲۹۹/۳): فإن سرحتک کنایة لکنه فی عرف الفرس غلب استعماله فی الصریح فإذا قال رها کر دم أي سرحتک یقع به الرجعی مع أن أصله کنایة أيضا وما ذاک إلا لأنه غلب فی عرف الناس استعماله فی الطلاق۔

(۲۸۰) نابالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کیا جاسکتا ہے

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بشری کی عمر ۹ سال ہے ابھی وہ بالذ نہیں ہوئی۔ اس کے ایک سرپرست نے اس کا نکاح کرادیا۔ بشری کو سمجھ بوجھ ہے لیکن اس سے کچھ پوچھا نہیں گیا بشری کی ماں بھی نکاح پر راضی نہیں اور

مستقبل میں بشریٰ کی رضامندی بھی مشکل لگتی ہے اس طرح لڑکی اور اس کی ماں کی ناراضگی کے ساتھ نابالغہ کا نکاح پڑھا دینا درست ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

حد بلوغ (لڑکی کو حیض آنا وغیرہ) تک پہنچنے سے پہلے لڑکی کا نکاح بغیر اسکی رضامندی کے اس کے ولی کر سکتے ہیں لیکن باپ، دادا اور دیگر اولیاء میں کچھ فرق ہے وہ تحریر کیا جا رہا ہے۔

(۱) اگر باپ، دادا [باپ کی عدم موجودگی میں] نابالغہ لڑکی کا نکاح کرواتے ہیں تو بلوغ کے بعد لڑکی کو کسی قسم کا اختیار نہ ملے گا اور یہ نکاح فی الحال لازم ہو جائے گا۔

(۲) اگر باپ، دادا کے علاوہ کوئی دیگر ولی (چاہے باپ، دادا زندہ ہوں یا نہ ہوں) نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دیتا ہے تب بھی یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے لیکن لڑکی کو بالغہ ہوتے ہی اختیار بلوغ حاصل ہوتا ہے چاہے تو اس نکاح کو باقی رکھے یا کالعدم قرار دے۔ لہذا صورت مسئلہ میں بشریٰ کے سرپرست کا ذکر نہیں کیا گیا اگر وہ باپ یا دادا ہیں تو یہ نکاح لازم ہے لڑکی اور اس کی ماں کی ناراضگی کا اعتبار نہیں لیکن اگر یہ نکاح باپ، دادا کے علاوہ مثلاً چچا یا بھائی وغیرہ نے کرایا ہے تو پھر بشریٰ کو بالغہ ہونے کے بعد اختیار بلوغ ملے گا وہ چاہے تو اس نکاح کو برقرار رکھے یا چاہے کالعدم کر دے۔

لمافی القدوری (ص ۱۷۴): ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغة العاقلة -- و اذا استأذنها الولی فسکت أو ضحکت أو بکت بغیر صوت فذلک اذن منها وان أبت لمریزوجها۔  
وفی الدر المختار (۵۸/۲): (ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ (فإن استأذنها هو) أي الولی وهو السنة۔

وفیه ایضاً (۶۵/۲): (وللولی) الآتی بیانہ (إنکاح الصغیر والصغیرة) جبراً (ولو ثیباً) کمعتوه ومجنون شهراً (ولزم النکاح ولو بغین فاحش)۔  
وفی الرد تحتہ: قوله (ولزم النکاح) أي بلا توقف علی إجازة أحد وبلا ثبوت خیار فی تزویج الأب والجد والمولی وكذا الابن علی ما یأتی۔

### (۴۸۱) اجازت لیتے وقت لڑکی کے انکار کر دینے سے نکاح نہیں ہوتا

#### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر تقریباً ۱۹ سال ہوگی اس کی شادی ایک ۳۵ سال سے زیادہ عمر کے شخص سے ہوئی اس شخص کی پہلی بیوی سے بھی اولاد تھی جو اس لڑکی سے بھی زیادہ عمر کی تھی نکاح کے وقت جب

لڑکی سے اجازت نامہ پر دستخط کروانے گئے تو اس نے انکار کر دیا کیونکہ لڑکی اس شادی پر تیار نہ تھی وہ مسلسل رورو کر انکار کر رہی تھی اور روتے روتے بیہوش ہو گئی اور بیہوشی کی حالت میں اجازت نامہ پر انگوٹھا لگوا یا گیا یعنی گواہوں نے ہاتھ پکڑ کر لگایا۔ آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ یہ نکاح ہو گیا؟ اگر نہیں تو ان کو کیا کرنا چاہیے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

عائقہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر منعقد نہیں ہوتا لہذا صورت مسئلہ میں جب اس لڑکی نے نکاح کرنے سے انکار کر دیا پھر زبردستی اجازت نامہ پر اس کا انگوٹھا لگوا یا گیا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، پس اس آدمی کیلئے اس لڑکی کو اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے اور یہ لڑکی اپنی رضامندی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

لما فی الہندیۃ (۲۸۷/۱): لا یجوز نکاح أحد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها بکرا کانت أو ثیبا فإن فعل ذلك فالنکاح موقوف علی إجازتها فإن أجازته جاز وإن ردتہ بطل۔

وفی الدرالمختار (۵۸/۲): (ولا تجبر البالغۃ البکر علی النکاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ (فإن استأذنها هو) أي الولی وهو السنۃ۔

### (۳۸۲) بالغہ کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح اجازت پر موقوف ہوگا

#### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص باکرہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرادے تو کیا یہ نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر لڑکی اجازت دیدے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اگر یہ درست ہے تو کیا اجازت لینے کی کوئی مدت متعین ہے یا نہیں؟ اگر دو تین مہینوں بعد اس سے اجازت لی جائے تو کیا حکم ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کسی شخص نے بالغہ باکرہ عورت کا نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کرادیا تو یہ نکاح اس باکرہ بالغہ عورت کی اجازت پر موقوف ہے اگر اجازت دے تو نکاح نافذ ہو جائے گا اور اگر اجازت نہیں دیتی تو نکاح باطل ہو جائے گا۔ باکرہ بالغہ عورت سے اجازت لینے کیلئے کوئی مدت متعین نہیں البتہ جب باکرہ بالغہ عورت کو نکاح کا علم ہو جائے تو فی الفور (اسی وقت) اجازت یا عدم اجازت کا اعتبار ہوگا اگر اسی وقت اجازت دے تو نکاح نافذ ہو جائے گا اور اگر اسی وقت اجازت نہ دے تو نکاح کا عدم ہو جائے گا لیکن نکاح کا معاملہ بہت ہی نازک ہے، اس میں مذاق اور سنجیدگی دونوں برابر ہیں لہذا لڑکی کو چاہیے کہ اگر اس کے نکاح کا کوئی معاملہ اس کے

سامنے آئے تو سوچ سمجھ کر فوراً فیصلہ کرے۔

لمافی الهندية (۲۶۹/۱): ووقت حضور الشهود وقت الإيجاب والقبول لا وقت الإجازة حتى لو كان العقد موقوفا على الإجازة ولم يحضرا عند العقد لم يجز هكذا في البدائع۔  
 وفي الشامية (۲۵/۲): قوله (والا لا) أي لم تكن حاضرة لا يكون العقد نافذا بل موقوفا على إجازتها كما في الحموي لأنه لا يكون أدنى حالا من الفضولي وعقد الفضولي ليس يبطل ط عن أبي السعود۔





## رسالة

## الرسالۃ البيضاء

## فی ردّ الاحتجاج

على نقض إجازة المكروهة من حديث خنساء

بالغیر لڑکی سے اگر زبردستی نکاح کی اجازت لی جائے

اور وہ زبانی اجازت دیدے تو اس کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

اس کے برخلاف بعض حضرات کا اس اجازت کو کالعدم قرار دینا

اور اس پر حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے مخدوش استدلال،

اس استدلال کا رد اور بیان محمل، الغرض مسئلہ ہذا پر مبسوط اور مدلل جامع فتویٰ

(۳۸۳) لڑکی سے جبراً اجازت لینے سے انعقادِ نکاح پر حدیثِ خنساء سے

## اشکال اور اس کا جواب

### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر لڑکی سے جبراً ایجاب کرایا گیا تو اس کی رضامندی کے بغیر فقط منہ سے بول دینے سے آپ ایجاب مان لیتے ہیں لیکن وہ تو دل سے راضی نہیں ہے یہ کیسی رضا ہے؟ جبکہ کفر و ایمان میں دل کا اعتبار ہوتا ہے نیز سب سے بڑا سوال تو اس حدیث پر اٹھتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باپ کے پڑھائے نکاح کو "فردنکاحھا" رد کر دیا، اور اس عورت کے کہنے پر نکاح کو فسخ اور کالعدم قرار دیدیا۔ ظاہر ہے ایجاب و قبول تو ہوا ہوگا پھر اس حدیث کا کیا جواب ہے؟ ہم جبراً پڑھائے ہوئے نکاح کو فقط زبان سے لڑکی اجازت دیدے جبکہ دل انکاری ہو، نافذ کہتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ واضح فرمائیں رضامندی سے متعلق ان امور کی ایسی تشریح فرمائیں کہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہے۔

### الجواب بعون الملک الوھاب

صورتِ مسئلہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ ایک ہے دلی رضامندی اور ایک ہے زبانی کلام۔ دلی رضامندی ایک غیر محسوس چیز ہے جس کا پتہ لگانے کا سوائے زبانی کلام کے کوئی ذریعہ نہیں لہذا شریعت زبانی کلام کا اعتبار کرتی ہے اور ظاہر کے مطابق کوئی شخص زبان سے جو بول رہا ہے اس کے مطابق حکم لگا دیتی ہے، دلی رضامندی کے موجود ہونے یا نہ ہونے پر شریعت کے احکام کا مدار نہیں۔ اس اصول کا تقاضہ تو یہ تھا کہ نکاح، طلاق، قسم وغیرہ تمام معاملات کی طرح جبراً کلمات کفر نکالنے سے بھی بندہ کافر ہو جائے لیکن کفر و ایمان کا مسئلہ خلاف قیاس کلام پاک کے نص کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔ وہ نص یہ ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدَدًا  
فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (النحل: ۱۰۶)

اس آیت میں کفریہ کلمات جبراً زبان سے اداء کر دینے بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو تو اسے اللہ کے غضب سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اس خلاف قیاس نص اور چونکہ کفر سے حبیط اعمال یعنی تمام اعمال کا ضیاع لازم آتا ہے نیز اگر حالت ارتداد میں العیاذ باللہ موت آگئی تو اخروی عقاب الغرض ان تمام وجوہ کی بناء پر جبراً کلمات کفر کہنے سے وہ شخص کافر نہ ہوگا۔

اب آجائیں نکاح کے معاملے کی طرف۔ نکاح میں بالغ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ لڑکی کی اجازت از حد ضروری ہے نیز ولی کو بالغ لڑکی پر جبر کرنے کا اختیار نہیں اور آپ ﷺ نے بھی بالغ کو اپنے معاملہ کا ذمہ دار خود قرار دیا ہے البتہ اگر جبراً بالغ لڑکی سے اجازت لے لی گئی اور اس نے زبانی اجازت یا عملاً اجازت دے دی (مثلاً مہر کا مطالبہ کیا یا شوہر کو اپنے اوپر قدرت دیدی وغیرہ) تو پھر شرعاً یہ اجازت شمار ہوگی اور ولی اس کا نکاح کر سکتا ہے خواہ یہ اجازت جبراً لی گئی ہو۔ یہاں نکاح کا انعقاد جبر کی وجہ سے نہیں ہو رہا بلکہ عورت کی زبانی اجازت کی وجہ سے ہو رہا ہے جو ظاہر ہے اس نے خود دی ہے۔

سوال میں آپ نے حضرت خنساء بنت خدام رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی اس پر استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ زبانی اجازت اگر جبراً لڑکی سے لے لی جائے تو بھی اس کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے اور لڑکی کا نکاح منعقد نہ ہو۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی مکمل حدیث یوں ہے:

"وعن خنساء بنت خدام: أن أباهما زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد نكاحها. رواه البخاري"

"حضرت خنساء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا جبکہ وہ ثیبہ تھیں اور انہیں یہ نکاح ناپسند تھا وہ آپ ﷺ کے پاس آئیں (اور واقعہ ذکر کیا) تو آپ ﷺ نے اس نکاح کو رد فرمادیا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۰)

اس حدیث سے اس بات پر استدلال کہ لڑکی جبراً زبانی اجازت بھی دے دے تب بھی نکاح رد ہو سکتا ہے یہ استدلال درست نہیں بلکہ اس حدیث کی شرح میں محدثین اور شراح حدیث میں سے کسی نے بھی اس طرف اشارہ نہیں کیا البتہ اس کے برخلاف تصریحات موجود ہیں۔ مشکوٰۃ کے شارح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"أن أباهما زوجها وهي ثيب ولم يستأذنها وهي بالغة فكرهت ذلك أي العقد أو ذلك الرجل فأتت رسول الله فرد نكاحه أي تزويج الأب أو تزويج الزوج -- وفيه دليل على أنه لا يجوز تزويج الثيب بغير إذنها"

(مرقاۃ المفاتیح ۶/۲۶۸)

"(ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا جبکہ وہ ثیبہ تھیں) یعنی باوجود بالغ ہونے کے ان سے اجازت نہ لی (اور انہیں یہ نکاح پسند نہ تھا) یعنی یہ عقد پسند نہ تھا یا وہ شخص پسند نہ تھا (وہ آپ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے اس نکاح کو رد فرمادیا) یعنی باپ کے کہنے نکاح کو یا اس شخص کے نکاح کرنے کو رد فرمادیا۔..... اس میں دلیل ہے کہ ثیبہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمادی کہ اس عورت سے نکاح کی اجازت لئے بغیر ہی اس کا نکاح باپ نے کر دیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اسے رد کر دیا اور اس کے سب ہی قائل ہیں کہ عورت کی اجازت کے بغیر کیا گیا نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اگر وہ اجازت دیدے تو صحیح ورنہ رد ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں "فرد نکاحها" (یعنی آپ ﷺ نے وہ نکاح رد فرمادیا) کے الفاظ سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ اس عورت کے عقد میں ایجاب و قبول ہوا تھا تب ہی تو اسے نکاح کہا ہے اور پھر اس کو رد کیا گیا ہے، اگر قبول تھا ہی نہیں تو پھر تو نکاح ہی نہ تھا اور جب نکاح ہی نہ ہو تو پھر رد کیسا؟..... یہ بات ایک عقلی استدلال سے زیادہ نہیں اس کے مقابلے میں جب شرح نے تصریح کر دی کہ اس عقد میں لڑکی سے اجازت نہیں لی گئی تھی تو پھر اس طرح کے عقلی استدلال کی حاجت نہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ذکر کر دیا گیا۔ عمدۃ القاری سے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح وغیرہ بھی ذکر کریں گے۔ یہاں صرف اس عقلی استدلال کا جواب دینا مقصود ہے۔

اس عقلی استدلال کا جواب واضح ہے کہ یہاں نکاح اور اس کے رد کا ذکر مجازاً ہے درحقیقت تو نکاح ہوا ہی نہیں لیکن کبھی مجازاً اس طرح ایک شئی کا اگرچہ وجود نہ ہو اسے اس شئی کا نام دیدیا جاتا ہے اور یہ کلام عرب میں شائع و ذائع ہے جیسا کہ قاضی اگر غیر مذہب پر حکم جاری کر دے تو کہا جاتا ہے اس کا فیصلہ منقوض ہے جبکہ درحقیقت نقض تو اس فیصلہ کا ہوتا ہے جو موجود تو ہو اور غیر مذہب پر قاضی کا فیصلہ درحقیقت کالعدم ہے لیکن مجازاً اسے موجود کے حکم میں لے لے کہہ دیا جاتا ہے کہ قاضی کا یہ فیصلہ منقوض ہے۔ اسی طرح یہاں درحقیقت نکاح ہوا ہی نہیں لیکن مجازاً اسے نکاح کا نام دے کر اس پر رد کا حکم جاری کر دیا گیا۔

نیز اگر لڑکی سے اجازت لئے بغیر ہی زبردستی باپ اس کا نکاح کر دے تو اسے آج بھی اس حدیث کے موافق غیر منقعد متوفی علی الاجازة قرار دیا جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں جہاں یہ حدیث خنساء ذکر ہے وہاں بخاری کے عظیم شارح علامہ ابن حجر فتح الباری میں چند اور احادیث اسی سیاق میں لائے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

"أخرج النسائي من طريق الأوزاعي عن عطاء عن جابر أن رجلا زوج ابنته وهي بكر من غير أمرها فانت النبي صلى الله عليه وسلم ففرق بينهما"

"نسائی نے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے عطاء بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنی باکرہ بیٹی کا نکاح

اس سے اجازت لئے بغیر کر دیا وہ آپ ﷺ کے پاس آئی (اور شکایت کی) آپ ﷺ نے ان میں تفریق کر دی۔"

یہاں الفاظ متن میں ہی "من غير أمرها" لڑکی کی اجازت نہ ہونے کی تصریح ہے۔ اسی طرح مشکوٰۃ شریف کی ایک اور

حدیث میں جو کہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے واقعے کی طرح کے ایک واقعے پر مشتمل ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں:

"عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: إن جارية بكرأت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت أن

أباها زوجها وهي كارها فخبرها النبي صلى الله عليه وسلم. رواه أبو داود" (مشکوٰۃ، ص ۲۷۱)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک باکرہ لڑکی آپ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے ذکر کیا کہ اس کے والد

نے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اس کا نکاح کر دیا ہے آپ ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (چاہے قبول کر لے اور چاہے تو

منع کر دے)۔"

اس حدیث میں ایک کنواری لڑکی کے باپ کا اس کی اجازت کے بغیر کئے نکاح میں اختیار دینے کا ذکر ہے کیونکہ یہ فضولی کا

نکاح ہے جو لڑکی کی بلا اجازت ہوا ہے لہذا لڑکی کی اجازت پر مدار ہے چاہے تو قبول کر لے چاہے تو رد کر دے۔  
آخر میں حدیث خنساء پر عمدۃ القاری میں عمدۃ المحققین علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تفصیل نقل کی ہے اس کی چند سطور کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ دراصل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فضولی کے نکاح کے قائل نہیں بلکہ بلا اجازت بالغہ اس کا نکاح اگر کوئی بھی شخص کرتا ہے تو وہ اس نکاح کو موقوف علی الاجازة (حنفیہ وغیرہ کی طرح) نہیں مانتے بلکہ مطلقاً باطل اور لغو حرکت قرار دیتے ہیں اور وہ اپنے اس مذہب پر حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہی استدلال کرتے ہیں لہذا حضرت خنساء کی حدیث سے فضولی کے بطلان پر استدلال اس بات پر واضح دلیل ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث خنساء میں حضرت خنساء کی اجازت کے بغیر ہی باپ کا نکاح مراد لیا ہے ورنہ باپ فضولی نہ بنے گا۔ عمدۃ القاری کی عبارت یوں ہے:

"وقال الشافعي وأحمد وأبو ثور إذا زوجها بغير إذنها فالنكاح باطل وإن رضيته لأنه رد نكاح خنساء ولم يقل إلا أن تجيزه واستدل به الشافعي على إبطال النكاح الموقوف على إجازة من له الإجازة"

"امام شافعی، احمد اور ابو ثور رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں اگر لڑکی کی شادی اس کی اجازت کے بغیر کرادی جائے تو یہ نکاح باطل ہوگا اگرچہ بعد میں لڑکی رضامندی کا اظہار بھی کر دے کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا نکاح رد کر دیا اور یہ نہیں کہا کہ اگر خنساء رضی اللہ عنہا اجازت دے دے تو منعقد ہو جائے گا۔ امام شافعی نے حدیث خنساء رضی اللہ عنہا (کے اس نکتے) سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اجازت پر موقوف نکاح باطل ہے۔" (عمدۃ القاری ۲۰/۱۳۰، دار احیاء التراث)

الغرض حدیث خنساء سے متعلق تحقیق (جس میں اولاً ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا اسے بغیر اجازت نکاح پر محمول کرنا، پھر حدیث خنساء سے ایک عقلی استدلال کا جواب اور پھر فتح الباری سے ایک اور صریح حدیث جس میں بغیر اجازت نکاح کی صراحت متن حدیث میں ہے اور پھر مشکوٰۃ سے حدیث خنساء میں عمدۃ القاری کے حوالے سے امام شافعی کا فضولی کے نکاح کے بطلان پر استدلال) یہ مکمل تحقیق یہ نتیجہ دیتی ہے کہ حدیث خنساء میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا سے اجازت لئے بغیر ہی وہ نکاح کر دیا گیا تھا اور اسے رد کرنے کے الفاظ صرف صورت آئے ہیں جیسا کہ قاضی کے غیر مذہب پر فیصلے کو منقوض کہا جاتا ہے۔

لہذا صورتِ مسئلہ میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر لڑکی زبانی اجازت دے دے تو اس کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے پھر اسے کوئی رد نہیں کر سکتا وہ زبانی اجازت اگرچہ جبراً ہی کیوں نہ لی گئی ہو، حدیث خنساء میں نکاح کا رد اجازت پر کراہت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کی وجہ عدم اجازت تھی نیز یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ آپ ﷺ نے حدیث خنساء میں نکاح اس لئے رد فرما دیا کیونکہ اس عورت کا شکایت لے کر آنا اور اس انداز میں اسے بیان کرنا کہ جس سے اس کا نکاح سے بیزار ہونا معلوم ہو رہا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے اسے اختیار دینے کے بجائے براہِ راست نکاح کو رد کر دیا لہذا حدیث خنساء سے امام شافعی کا یہ استدلال کرنا کہ موقوف نکاح باطل اور کالعدم ہے لڑکی کی اجازت سے بھی منعقد نہ ہوگا، یہ استدلال محل نظر ہے بلکہ مشکوٰۃ کی ہی دوسری کنواری لڑکی والی حدیث جس میں "فخیروها

النبي ﷺ " آپ ﷺ کے اختیار دینے کا ذکر ہے وہ حدیث ہم ذکر کر چکے ہیں وہ اس معاملے میں صریح ہے۔ اسی طرح دیگر نصوص بھی یہ واضح کرتے ہیں کہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح غیر منعقد موقوف علی الاجازة ہوگا البتہ اگر لڑکی کی اجازت دے دیتی ہے تو وہ اجازت چاہے جبراً ہی کیوں نہ لی گئی ہو اس کا نکاح منعقد ہوگا۔ امید ہے درج بالا تفصیلات سے عورت کی رضامندی سے متعلق امور کی قدر تفصیلی وضاحت ہوگئی ہے۔

## (۴۸۴) لڑکی سے زبردستی نکاح نامے پر دستخط کروانا، اجازت نہیں

### سوال

ہمارے پڑوس میں ایک لڑکی رہتی ہے ابھی چند دنوں پہلے اس کا نکاح ہوا ہے اور اگلے ہفتے کو اس کی رخصتی ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جب نکاح ہو رہا تھا تو لڑکی اس نکاح سے راضی نہیں تھی لیکن لڑکی کے باپ نے زبردستی اس سے نکاح نامہ پر دستخط کروائے۔ اب آپ بتائیں مفتی صاحب آیا یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ براہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

### الجواب بعون الملک الوہاب

عاقلاً بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں۔ لہذا صورت مسئلہ میں جب مذکورہ لڑکی یہ نکاح کرنے پر راضی نہیں تھی اور اس سے زبردستی کر کے بغیر زبانی اقرار کے نکاح نامہ پر دستخط کروائے گئے تو اس سے یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لمافی الہندیة (۳۵/۵): وإن حصل الإكراه بالحبس والتقييد على فعل من الأفعال فلا حکم له فيجعل كأنه فعل ذلك الفعل بغیر إكراه ومتى حصل الإكراه بالحبس والتقييد على قول إن كان قولاً لا يستوي فيه الجد والهزل فحكمه فساد ذلك القول وإن كان قولاً يستوي فيه الجد والهزل فلا حکم له فيجعل كأن المکره باشر ذلك القول باختياره كذا في النهاية۔

وفي الشامية (۵۸/۳): قوله (ولا تجبر البالغة) ولا الحر البالغ والمکاتب والمکاتبة ولو صغيرين ح عن القهستاني قوله (البکر) أطلقها فشمّل ما إذا كانت تزوجت قبل ذلك وطلقت قبل زوال البکارة فتزوج كما تزوج الأبکار نص عليه في الأصل بحر قوله (وهو السنة) بأن يقول لها قبل النکاح فلان يخطبك أو يذكرك فسکت وإن زوجها بغیر استئذان فقد أخطأ السنة وتوقف على رضاها۔

وفيه أيضا (۲۱/۳): وأما ما ذكر من أن نکاح المکره صحيح إن كان هو الرجل وإن كان المرأة فهو فاسد فلم أر من ذكره وإن أوهم كلام القهستاني السابق ذلك بل عبارة تهمر مطلقة في أن نکاح المکره صحيح كطلاقه وعقده مما يصح مع الهزل ولفظ المکره شامل للرجل والمرأة فمن ادعى التخصيص فعليه إثباته بالنقل الصريح۔

## (۲۸۵) غیر ولی کی صورت میں لڑکی کا زبانی اجازت دینا ضروری ہے

## سؤال

ہمارے خاندان میں شادی کے موقع پر یہ رسم ہے کہ دلہن کو دو لہا کے گھرا کر پھر نکاح پڑھا جاتا ہے کیا شرعاً دلہن کے گھر سے ہی نکاح پڑھ کر دلہن لانا چاہیے یا چاہے دلہن کے گھر سے نکاح پڑھ کر لائیں یا دو لہا کے گھرا کر پڑھیں دونوں درست ہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ نیز لڑکی سے اجازت نکاح لڑکے والے لیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

بہتر تو یہی ہے کہ دلہن کے گھر نکاح پڑھ لیا جائے اگر دلہن کو دو لہا کے گھرا کر بعد میں نکاح پڑھا گیا تو یہ بھی جائز ہے البتہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ دلہن سے نکاح کی اجازت لینے والا دلہن کا ذی رحم محرم ہو۔ تاہم اگر ولی کے علاوہ کوئی اجازت لیتا ہے تو اس صورت میں دلہن کا محض سکوت کافی نہیں ہوگا بلکہ زبان سے اجازت کا تلفظ ضروری ہوگا البتہ اجنبی شخص کا نکاح کی اجازت لینا خلاف مروت ہے۔

لمافی الطبقات الكبرى، میمونۃ بنت الحارث (۹۸/۶): کان مسعود بن عمرو بن عمیر العقیقی تزوج میمونۃ فی الجاہلیۃ ثم فارقها --- فتزوجها رسول اللہ ﷺ زوجہ ایہا العباس بن عبدالمطلب و کان یلی امرها وہی أخت أم ولده أم الفضل بنت الحرث الہلالیۃ لأبیہا وأمہا وتزوجها رسول اللہ ﷺ بسرف علی عشرة أمیال من مکة وکانت آخر امرأة تزوجها رسول اللہ ﷺ وذلك سنة سبعة فی عمرة القضية۔

وفی بدائع الصنائع (۳۶۰/۳): بخلاف ما إذا زوجها أجنبي أو ولي غيره أولى منه لأن هناك ازداد احتمال السخط لأنها یحتمل أنها سکتت عن جوابه مع أنها قادرة علی الرد تحقیرا له وعدم المبالاة بكلامه وهذا أمر معلوم بالعادة فبطل رجحان دلیل الرضا ولأنها إنما تستحي من الأولیاء لا من الأجانب والأبعد عند قیام الأقرب وحضوره أجنبي فكانت فی حق الأجانب كالثیب فلا بد من فعل أو قول يدل علیہ ولأن المزوج إذا كان أجنبیا أو كان الولی الأبعد كان جواز النکاح من طریق الوكالة لا من طریق الولاية لانعدامها والوكالة لا تثبت إلا بالقول۔

وفی الدرالمختار (۶۲/۳): (فإن استأذنها غیر الأقرب) كأجنبي أو ولي بعيد (فلا) عبرة لسكوها (بل لا بد من القول كالثیب)۔



وفی الشامیة تحتہ (۶۲): قوله (أولى بعيد) كالأنخ مع الأب إذا لم يكن الأب غائباً غيبة منقطعة كما فی الخانیة۔

## (۲۸۶) قبول کے وقت لڑکی کے خاموش رہنے کا حکم

### سوال

ایک لڑکی کی شادی ہوئی اس طور پر کہ اسے یہ شادی پسند نہ تھی وہ خود کہیں اور شادی کرنا چاہتی تھی چنانچہ جب اس سے نکاح کے وقت پوچھا گیا کہ آپ کو یہ نکاح قبول ہے وہ نظریں نیچے کئے خاموش بیٹھی رہی بعد میں کہنے لگی کہ میرا نکاح نہیں کیونکہ میں نے انکار کی بنا پر جواب نہیں دیا تھا۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلائیں کہ کیا یہ نکاح نہیں ہوا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

جس لڑکی کی شادی کی جا رہی تھی اگر یہ لڑکی کنواری ہے اور اس کی شادی ولی اقرب (جس سے زیادہ قریب کا کوئی دیگر ولی نہ ہو) یا ولی کے قاصد کے ذریعے سے کی گئی ہے تو نکاح کے وقت جب اس سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟ وہ نظریں نیچے کئے خاموش بیٹھی رہی تو اس کا یہ عمل شرعاً قبول شمار ہوگا۔ نکاح کے بعد اس کا یہ کہنا ”میرا نکاح نہیں ہوا ہے کیونکہ میں نے انکار کی بنا پر جواب نہیں دیا تھا“ قابل قبول نہیں ہے۔

اگر مذکورہ لڑکی کی شادی کسی اجنبی (غیر ولی) کے ذریعے سے کی گئی ہے تو نکاح کے وقت اس کا خاموشی اختیار کرنا رضامندی پر دلالت نہیں کرتا ہے نکاح کے بعد اس کا یہ کہنا کہ ”میرا نکاح نہیں ہوا ہے کیونکہ میں نے انکار کی بنا پر جواب نہیں دیا تھا“ شریعت میں اس کی بات کا اعتبار ہے۔ اگر مذکورہ لڑکی کنواری نہ ہو (یعنی مطلقہ یا بیوہ ہو) تو اپنی رضامندی کو زبان سے ظاہر کرنا ضروری ہے اس کی خاموشی رضامندی پر دلالت نہیں کرتی ہے۔

لمافی صحیح البخاری (۷۷۱/۲): عن أبي سلمة أن أبا هريرة رضی اللہ عنہ حدثهم: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا: يا رسول الله، وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت۔

وفیه أيضاً: عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: البكر تستأذن قلت: إن البكر تستحي؟ قال: إذنها صماؤها۔

وفیه أيضاً: عن خنساء بنت خدام الأنصارية، أن أباهما زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك، فأنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد نكاحها۔

وفی التاتارخانیة (۲/۲۳۲): اعلم بأن السکوت من البکر البالغة جعل رضا بالنکاح سواء استأمرها الولی قبل النکاح أو زوجها الولی قبل الاستیمار فبلغها الخبر فسکتت انما جعل السکوت من البکر البالغة اذنا اذا کان المستأمر ولیاً اما اذا لم یکن ولیاً کالأجنبی أو کان ولیاً الا أن هناك ولیاً آخر أقرب الی المرأة من هذا الولی المستأجر کالجدمع الأب فالسکوت لایکون رضا واذنا فی حق الولی المستأمر الا اذا کان المستأمر رسول الولی۔

وفی الشامیة (۲/۶۲): قوله (أولی بعید) کالأخ مع الأب إذا لم یکن الأب غائباً غیبة منقطعة کما فی الحانیة قوله (فلا عبرة لسکوتها)۔۔۔ قوله (کالثیب البالغة) فتح۔۔۔ قوله (إلا فی السکوت) حیث یكون سکوت البکر البالغة اذنا فی حق الولی الأقرب ولا یكون اذنا فی الثیب البالغة مطلقاً والاستثناء منقطع لأن قول المصنف کالثیب تشبیه بالبکر الی استأذنها غیر الأقرب وهذه لا فرق بینها و بین الثیب البالغة فی السکوت۔

## (۲۸۷) لڑکی سے اجازت لینے کو عار سمجھنے والے کا حکم

### سؤال

ایک آدمی نے اپنی بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر ایک لڑکے کے ساتھ کر دیا اور اس آدمی نے کہا کہ ہمارے ہاں لڑکی سے اجازت لینے کو عار اور عیب سمجھا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں مذکورہ نکاح کا کیا حکم ہے؟ نیز لڑکی سے اجازت لینے کو عیب سمجھنا کیسا ہے اور اس سے اس آدمی کے نکاح و ایمان میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں ذکر کردہ صورت شریعت کے مخالف اور غیر اسلامی ہے شریعت نے بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت سے کرنے کی تلقین کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لا تنکح الایم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن الخ" (مشکوٰۃ ص ۲۷۰)  
 "ثیبیہ (مطلقہ یا بیوہ) کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا اور کنواری کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔"

اولاد کو والدین کی فرمانبرداری کرنا چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شرعی قوانین کو بھی اس فرمانبرداری کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ لڑکی سے اجازت لینے کو عار سمجھنا انتہائی فحش سوچ ہے۔ شریعت نے ہر چیز کے مدارج طے کئے ہیں۔ لڑکی سے اجازت لی جائے

اگر وہ کنواری ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شرمائے گی اور منہ سے بولنا مشکل ہوگا لہذا شریعت اس کی خاموشی کو بھی اجازت تصور کرتی ہے (جبکہ اجازت لینے والا ولی قریب ہو) لہذا صورت مسئلہ میں اگر لڑکی سے بغیر اجازت لئے نکاح کرایا جاتا ہے تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا البتہ ولی قریب کے اس طرح نکاح کر دینے کی صورت میں لڑکی کو علم ہونے کے وقت اگر وہ زبان سے انکار کر دیتی ہے تو یہ نکاح کالعدم ہو جائے گا اور اگر خاموش رہتی ہے اور ہے بھی کنواری تو پھر یہ نکاح منعقد ہوگا چاہے لڑکی سماج اور معاشرے کے دباؤ کی وجہ سے خاموش رہے یا رضامندی کی وجہ سے۔ بہر حال یہ خاموشی اجازت تصور کی جائے گی لیکن زبردستی اور دباؤ کی صورت میں اولیاء گناہ گار ہوں گے۔

آخر میں مکرر ذکر کیا جا رہا ہے کہ ایسا رواج شریعت سے متصادم ہے۔ لڑکی سے اجازت لینے کو رواج کی وجہ سے برا سمجھنا گناہ ہے لہذا اس رواج کو ختم کیا جائے اور سنت نبوی کے مطابق لڑکی سے اجازت لے کر اس کا نکاح کیا جائے۔

لمافی القدوری (ص ۱۵۹): ولا يجوز للولي اجبار البكر البالغة العاقلة واذا استأذنها الولي فسكتت أو ضحكت أو بكت بغير صوت فذلك اذن منها۔

وفی الشامیة (۵۸/۳): قوله (ولا تجبر البالغة) ولا الحر البالغ والمکاتب والمکاتبه ولو صغیرین ح عن القهستانی قوله (البکر) أطلقها فشمّل ما إذا كانت تزوجت قبل ذلك وطلقت قبل زوال البکارة فتزوج كما تزوج الأبکار نص علیه فی الأصل بجر قوله (وهو السنة) بأن يقول لها قبل النکاح فلان یخطبک أو یدکرک فسکتت وإن زوجها بغير استئذان فقد أخطأ السنة وتوقف علی رضاها بجر عن المحيط۔

## (۳۸۸) رواج لڑکی کے خاموش رہنے سے نکاح کا حکم

### سوال

عرصہ تقریباً ایک سال کا ہوا ہے کہ حائلہ کا نکاح اس کے والد کی رضامندی سے ہو گیا حالانکہ شرعاً لڑکی کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار سے کوئی مانع نہیں مگر ہمارے ہاں یہ دستور ہو گیا ہے کہ لڑکی کو اس وقت اپنے والدین کی عزت کا خیال رکھتے ہوئے مجبوراً خاموشی اختیار کرنا پڑتی ہے حائلہ کی عمر ۲۰ سال ہے اور لڑکے کی عمر ۳۲ سال۔ ابھی محض نکاح کی رسم ہوئی ہے رخصتی نہیں ہوئی لڑکی کے باپ کا انتقال ہو چکا ہے اور شوہر طلاق دینے کیلئے تیار نہیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکی کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے سوال میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ لڑکی کے نکاح کے وقت اس سے

اجازت لی گئی تھی یا بالکل تعارض ہی نہیں کیا گیا تھا۔ اگر لڑکی سے اجازت لی گئی ہو اور اجازت لینے باپ خود گیا ہو اور لڑکی خاموش رہی ہو تو یہ خاموشی اجازت شمار ہوگی اور باپ کا کیا نکاح منعقد ہو گیا لیکن اگر باپ موجود تھا اور اجازت لینے کوئی ولی ابعدا گیا ہو تو لڑکی کی خاموشی اجازت نہیں اس لئے یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ لڑکی سے بالکل تعارض ہی نہیں کیا گیا ہو اس صورت میں باپ کے کئے نکاح کا جب لڑکی کو علم ہو تو اگر اسی وقت لڑکی نے زبان سے انکار کر دیا تو یہ نکاح کالعدم ہے اور اگر اس مجلس میں خاموش رہی تو نکاح منعقد شمار ہوگا۔

صورت مسئلہ میں بظاہر لڑکی نے باپ کی زندگی میں خاموشی اختیار کی ہے اور اب رخصتی سے انکار کر رہی ہے لہذا لڑکی کا نکاح منعقد ہو چکا ہے، بغیر طلاق کے وہ کہیں اور نکاح نہیں کر سکتی البتہ لڑکی چونکہ رخصتی پر تیار نہیں لہذا شوہر کو چاہئے کہ اسے مہر کے عوض خلع دے دے تاکہ معاملہ حل ہو سکے نیز یہ بات ملحوظ رہے کہ نکاح میں والد کی رضامندی سے زیادہ عاقلہ بالغہ لڑکی کی رضامندی ضروری ہے۔

لمافی الهندية (۲۸۷/۱): لا يجوز نكاح أحد علی بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بکرا كانت أو ثيبا۔۔۔ ولو ضحكت البکر عند الاستئمار أو بعدما بلغها الخبر فهو رضا۔۔۔ وإن استأذن الولي البکر البالغة فسکت فذلک إذن منها وكذا إذا مکت الزوج من نفسها بعدما زوجها الولي فهو رضا وكذا لو طالبت بصدقها بعد العلم فهو رضا هكذا في السراج الوهاج وإذا قال لها الولي أريد أن أزوجه من فلان بألف فسکت ثم زوجها فقالت لا أرضى أو زوجها ثم بلغها الخبر فسکت فالسکوت منها رضا في الوجهين جميعا إذا كان المزوج هو الولي۔

وفي الدر المختار (۵۹/۳): (فإن استأذنها هو) أي الولي وهو السنة (أو وكيله)۔۔۔ (فسکت) عن رده مختارة۔۔۔ (فهو إذن) أي توكيل۔

وفي الرّدّ تحتہ: (قوله: مختارة) أما لو أخذها عطاس أو سعال حين أخبرت فلما ذهب قالت لا أرضى أو أخذ فمها ثم ترك فقالت ذلك صح ردها لأن سکوتها كان عن اضطرار بجر۔

(۳۸۹) لڑکی سے اجازت لیتے وقت اس کا پانچ منٹ بعد انکار کر دینا

### سؤال

ولی نے جا کر لڑکی سے نکاح کی اجازت مانگی، لڑکی نے فوراً انکار کرنے کے بجائے پانچ منٹ بعد انکار کر دیا جس کا فی الوقت

ولی کو علم نہ ہوا تو کیا یہ انکار صحیح ہے؟ اگر ولی یہ نکاح پڑھادے تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں اولاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ولی کسے کہتے ہیں۔ ولی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ولی قریب (۲) ولی بعید

باب الاولیاء میں اولیاء کی جو ترتیب بیان ہوئی اس میں پہلے عصبات ولی نکاح ہوتے ہیں عصبات میں بیٹا ہے پھر باپ ہے پھر دادا ہے پھر بھائی بھتیجے اور پھر چچا وغیرہ آتے ہیں۔ ان اولیاء میں اسی ترتیب سے جو ولی موجود ہو وہ ولی قریب ہے باقی سارے ولی بعید کہلائیں گے۔ مثلاً اگر باپ موجود ہے تو چچا، بھائی، دادا وغیرہ سب ولی بعید ہیں اور باپ ولی قریب شمار ہوگا۔ اگر باپ موجود نہیں، دادا ہے تو دادا ولی قریب ہے اور باقی چچا، بھائی وغیرہ ولی بعید ہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ولی بعید کی یہ تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"(قوله: ولی بعید) کالآخ مع الاب اذ لم یکن الاب غائباً غیبة منقطعة"

"ولی بعید مثلاً بھائی، باپ کیساتھ جبکہ باپ موجود ہو (تو بھائی ولی بعید شمار ہوگا)" (شامیہ ۶۲/۳)

ثانیاً صورت مسئلہ میں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی پر نکاح کے معاملے میں جبر نہیں کیا جاسکتا وہ اپنے نکاح کے معاملے میں خود مختار ہے اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا۔

ثالثاً یہ سمجھیں کہ بالغہ لڑکی سے اجازت لینے وقت اس کی خاموشی کا کیا حکم ہے؟ تو یاد رکھیں کہ لڑکی کی خاموشی صرف ولی قریب کے حق میں اجازت ہے ولی بعید اگر اجازت لینے آیا ہے تو لڑکی کا منہ سے اجازت دینا ضروری ہے مثلاً باپ موجود ہے لیکن اجازت لینے چچا یا تایا وغیرہ آئے ہوں تو لڑکی کی خاموشی اجازت شمار نہ ہوگی کیونکہ باپ کی موجودگی میں یہ ولی بعید ہیں اسی طرح اگر کوئی بالکل اجنبی شخص اجازت لینے آئے تو بدرجہ اولیٰ خاموشی اجازت شمار نہ ہوگی۔

لہذا صورت مسئلہ میں اجازت لینے والا شخص اگر ولی بعید ہے تب تو لڑکی کی خاموشی اجازت ہی نہیں تو پانچ منٹ بعد انکار کرنا یا نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا البتہ اگر ولی قریب اجازت لینے گیا ہے تو یہ خاموشی رضامندی کی دلیل ہے اور پھر پانچ منٹ بعد لڑکی کا انکار کرنا اس اجازت کو رد کرنا ہے اس میں صرف یہ تفصیل ہے کہ لڑکی کے رد کرنے کا علم اس ولی قریب کو ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ اس کا وکیل ہے (اور وکیل کو فسخ توکیل کا علم ہونا ضروری ہے) البتہ اگر ولی قریب کو علم نہ ہو سکا اور اس نے یہ نکاح کر دیا تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

"ولو قال لها وليها اني أريد أن أزوجه من فلان فقالت يصلح فلما خرج قالت لا أَرْضِي ولم يعلم

الولي بقولها حتى زوجها من فلان صح"

"اگر ولی نے لڑکی سے کہا میں تمہارا نکاح فلاں سے کرانا چاہتا ہوں اس نے کہا ٹھیک ہے پھر جب ولی باہر نکل آیا تو لڑکی

نے کہا میں تو راضی نہیں ہوں لیکن ولی کو اس کا علم نہ ہو سکا یہاں تک کہ اس نے نکاح پڑھا دیا تو یہ نکاح صحیح ہے۔“

(ہندیہ: ۱/۲۸۸)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں اس ساری تفصیل کو ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

”اعلم بأن السکوت من البکر البالغة جعل رضا بالنکاح سواء استأذنها الولی قبل النکاح أو زوجها الولی قبل الاستیمار فسکتت انما جعل السکوت من البکر البالغة اذا اذا کان المستأمر ولیا أما اذا لم یکن ولیا کالأجنبي أو کان ولیا الا أن هناك ولیا آخر أقرب الی المرأة من هذا الولی المستأمر کالجدمع الأب فالسکوت لایکون رضا واذا فی حق الولی المستأمر الا کان المستأمر رسول الولی“

[تاتارخانیہ ۳/۳۴۲]

”جاننا چاہیے کہ بالغہ کنواری لڑکی کی خاموشی کو بھی اجازت شمار کیا گیا ہے جبکہ اس کا ولی اس سے نکاح سے پہلے اجازت لے یا ولی نکاح کرادے اور بعد میں لڑکی کو پتہ چلے اور وہ خاموش رہے (تو یہ خاموشی دونوں صورتوں میں اجازت ہے) اس خاموشی کو بالغہ کنواری لڑکی کی جانب سے اجازت اس وقت سمجھا جائے گا جب اجازت لینے والا ولی ہو پس اگر وہ شخص ولی نہ ہو مثلاً اجنبی ہو یا ولی تو ہو لیکن لڑکی کا اس سے زیادہ قریبی ولی موجود ہو (یعنی ولی بعید ہو) مثلاً دادا اور باپ ہیں (تو دادا ولی بعید ہے دادا کے اجازت لینے کی صورت میں) اب خاموشی رضامندی شمار نہ ہوگی الا یہ کہ اجازت لینے آنے والا شخص ولی (قریب) کی طرف سے بھیجا ہوا ہو۔“

لمافی الدر المختار (۲/۵۹): (فإن استأذنها هو) أي الولی وهو السنة (أو وکیلہ) --- (فسکتت) عن رده مختارة --- (فهو إذن) أي توکیل۔

وفی بدائع الصنائع (۳/۳۶۰): بخلاف ما إذا زوجها أجنبي أو ولي غيره أولى منه لأن هناك ازداد احتمال السخط لأنها یحتمل أنها سکتت عن جوابه مع أنها قادرة على الرد تحقیرا له وعدم المبالاة بكلامه وهذا أمر معلوم بالعادة فبطل رجحان دلیل الرضا ولأنها إنما تستحي من الأولياء لا من الأجانب والأبعد عند قیام الأقرب وحضوره أجنبي فكانت فی حق الأجانب كالثیب فلا بد من فعل أو قول يدل علیه ولأن المزوج إذا كان أجنبیا أو كان الولی الأبعد كان جواز النکاح من طریق الوكالة لا من طریق الولاية لانعدامها والوكالة لا تثبت إلا بالقول۔

## (۳۹۰) لڑکی سے اجازت لیتے وقت اگر وہ ہنس دے

## سوال

ایک نوجوان لڑکی سے جب اس کے نکاح کی اجازت مانگی گئی تو وہ مسکرا دی یا نکاح تو باپ نے کروا دیا لیکن جب اسے خبر پہنچی تو یہ مسکرائی۔ اس کا مسکرانا تقریباً ہنسنے کی طرح تھا لہذا کیا شریعت کی نظر میں یہ نکاح منعقد ہو جائے گا؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

اگر بالغہ باکرہ لڑکی سے نکاح کی اجازت مانگی جائے یا ولی نے نکاح کر دیا ہو، اور اس تک خبر پہنچنے پر یہ ہنس دے تو اگر لڑکی کا یہ ہنسنا استہزاء اور مذاق اڑانے کیلئے ہو تو اسے اجازت شمار نہیں کیا جائے گا لیکن اگر یہ ہنسنا رضامندی کے اظہار کے لئے ہو تو پھر یہ لڑکی کی طرف سے اجازت شمار ہوگی۔

لمافی الہندیۃ (۲۸۷/۱): ولو ضحکت البکر عند الاستئثار أو بعدما بلغها الخبر فهو رضا هكذا ذكر القدوري وشيخ الإسلام كذا في المحيط وهكذا في الكافي وقالوا إن ضحكت كالمستهزئة لما سمعت لا يكون رضا كذا في المبسوط للإمام السرخسي والكافي وعليه الفتوى كذا في البحر الرائق۔

وفي الدر المختار (۵۸/۳): (فإن استأذنها هو) أي الولي وهو السنة (أو وكيله أو رسوله أو زوجها) وليها وأخبرها رسوله أو فضولي عدل (فسكتت) عن رده مختارة (أو ضحكت غير مستهزئة أو تبسمت أو بكت بلا صوت)۔۔۔ (فهو إذن)۔

## (۳۹۱) نکاح کے معاملے میں ماں باپ کی پسند کا انکار نافرمانی نہیں

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شادی کے معاملے میں والدین کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے کیا لڑکی یا لڑکا اپنی مرضی سے نکاح نہیں کر سکتے؟ کیونکہ والدین بعض دفعہ خاندان میں نام کمانے کیلئے ایسی جگہ رشتہ طے کر دیتے ہیں جہاں کسی اعتبار سے جوڑ نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں انسان مشکل میں پھنس جاتا ہے کیا اس وقت والدین کی نافرمانی کرنا جائز ہے؟

## الجواب بعون الملک الوهاب

بالغ اولاد کے شادی کے معاملہ میں والدین کو چاہئے کہ اپنی اولاد سے مشورہ کر لیں۔ اگر وہ راضی ہو جائیں تو بہتر ورنہ زبردستی نہ کی جائے لیکن اگر والدین بالغ اولاد کی ان کی مرضی کے بغیر شادی کرنا چاہیں نیز وہ رشتہ دین داری وغیرہ کے اعتبار سے جوڑ کا نہ ہو اور یہ رشتہ سے انکار کر دیں تو اس صورت میں یہ والدین کی نافرمانی تصور نہ ہوگی البتہ بغیر کسی شرعی عذر کے رشتہ سے انکار نافرمانی ہوگی۔

لہامی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۲): وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ.

وفی المصنف لابن بی شیبہ (۳۲/۹): عن أبي سلمة بن عبد الرحمن قال: جاءت امرأة إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله، إن عمر ولدي خطبني فرده أبي وزوجني وأنا كارهة، قال: فدعا أباهما، فسأله عن ذلك، فقال: إني أنكحتها ولم آلها خيرا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا نكاح لك، اذهبي فانكحي من شئت.

وفی الطحطاوی علی الدر (۲۶/۲): (قوله ولاية ندب) أي استحباب فيستحب في حقها تفويض الأمر إلى وليها كيلا تنسب إلى الوقاحة وإنما لم تشترط الولاية على المكلفة لقوله عليه السلام الأيم أحق بنفسها من وليها وهي من لا زوج لها بكرها كانت أو ثيبا وروى ابن عباس رضي الله عنهما أن فتاة جاءت لرسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله إن أبي زوجني من ابن أخ له وأنا له كارهة فقال ﷺ أجزى ما صنع أبوك فقالت لا رغبة لي فيما صنع أبي قال فاذهي فانكحي من شئت فقالت لا يا رسول الله ولكن أردت أن أعلم النساء أن ليس للآباء من أمور بناتهم شيء وأما ما رواه الترمذي أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فضعيف أو مختلف في صحته فلا يعارض المتفق عليه۔

## (۳۹۲) اجازت کیلئے نکاح نامے پر دستخط کرانے کا حکم

## سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل لڑکی سے نکاح کے وقت اجازت لینے کا جو طریقہ رائج ہے وہ یہ ہے کہ لڑکی سے نکاح نامے پر دستخط لے لئے جاتے ہیں اور نکاح نامے پر تمام تفصیلات تحریر ہوتی ہیں اور لڑکی منہ سے کچھ بولے بغیر صرف دستخط کر کے اپنی اجازت کا اظہار کرتی ہے تو کیا شرعاً یہ دستخط کرنا اجازت کے قائم مقام ہیں؟ ازراہ کرم مسئلے کی مکمل



تفصیلات تحریر فرمادیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

نکاح کے لئے لڑکی سے اجازت لیتے وقت اگر اجازت لینے والا ولی اقرب ہو تو لڑکی کی خاموشی بھی اجازت متصور ہوتی ہے اور ولی البعد یا اجنبی ہونے کی صورت میں لڑکی کا زبانی اجازت دینا ضروری ہوتا ہے۔

جہاں تک تعلق ہے نکاح نامے پر دستخط کرنے کا تو ظاہر ہے یہ زبانی اجازت تو نہیں لیکن وکالت کیلئے اگر تحریراً بھی اجازت دے دی جائے اور مؤکل تحریراً کسی شخص کو اپنا وکیل بنا دے تب بھی وکالت ثابت ہو جاتی ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں لڑکی اگر اس نکاح نامے کو پڑھ لے یا زبانی اسے بتا دیا جائے کہ نکاح کا وکیل کون بن رہا ہے نیز مہر کتنا ہے وغیرہ اور پھر لڑکی اس نکاح نامے پر دستخط کر دے تو چاہے اجازت لینے والا کوئی بھی ہو یہ دستخط لڑکی کی طرف سے نکاح کی اجازت شمار ہوں گے اور بطور وکیل وہ شخص لڑکی کا نکاح پڑھا سکتا ہے۔

لمافی البحر الرائق (۲۳۷/۷): والعلم للوکیل بالتوکیل۔۔۔ ویثبت العلم إما بالمشافهة أو

الکتاب إليه أو الرسول إليه یاخبار رجلین فضولین أو واحد عدل أو غیر عدل۔

## باب فی الوکالة بالنکاح ونکاح الفضولی

(نکاح میں وکالت اور فضولی کے نکاح کا بیان)

(۴۹۳) نکاح کا وکیل بنانے کیلئے گواہ شرط نہیں

### سؤال

- نکاح کے وقت قاضی وکیل سے ایجاب کراتا ہے اور دولہا سے قبول کراتا ہے۔ اس وقت دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔
- (۱) پوچھنا یہ ہے کہ جب باپ، بھائی، دادا یا کوئی غیر محرم عورت سے اجازت لینے جائیں تو کیا اس وقت بھی دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ اجازت دینا بظاہر تو کیل ہے تو کیل کیلئے تو عام طور سے گواہ شرط نہیں ہوتے۔
- (۲) اگر باپ نے نکاح کرنے سے ایک دن پہلے اپنی لڑکی سے اجازت لے لی اس وقت کوئی گواہ نہیں تھا دوسرے دن قاضی کے پاس دو گواہوں کے سامنے نکاح کر دیا تو کیا حکم ہے؟ شرع شریف کی روشنی میں بندہ کی راہنمائی فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

- (۱) بالذکر لڑکی سے اجازت لیتے وقت دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ لڑکی کا اجازت دینا تو کیل بالنکاح ہے تو کیل بالنکاح میں گواہ کا ہونا ضروری نہیں۔
- (۲) اس صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔

لما فی البحر الرائق (۸۸/۳): أن الشهادة تشترط في الموقوف عند العقد لا عند الإجازة كما في المحيط۔

وفی الہندیة (۲۹۴/۱): الباب السادس فی الوکالة بالنکاح وغیرها: یصح التوکیل بالنکاح وإن لم یحضره الشهود کذا فی التتارخانیة ناقلا عن خواهرزادہ۔

وفی الشامیة (۲۱/۳): قوله ( وشرط حضور شاهدين ) أي يشهدان علی العقد أما الشهادة علی التوکیل بالنکاح فلیست بشرط لصحته كما قدمناه عن البحر۔

## (۴۹۴) عاقدین کی طرف سے وکیل بننا نیز وکیل کا موکلہ سے اپنا نکاح کرنے کا حکم

## سوال

ہمارے علاقے میں ایک نکاح اس طرح کیا گیا کہ لڑکا اور لڑکی دونوں غیر ملک برطانیہ میں مقیم تھے وہاں تعلیم کے حصول کیلئے گئے ہوئے تھے لڑکی کا تو باپ وکیل ہوتا ہے لڑکے نے بھی اپنا وکیل بنا دیا لہذا دونوں کے وکیلوں نے یہاں ان کا نکاح ایک تقریب منعقد کر کے اس میں کرادیا، ان دونوں سے بذریعہ ٹیلیفون رابطہ تھا۔ آیا یہ نکاح منعقد ہو گیا؟ کیا دلہا یا دلہن میں سے کسی ایک کا موقع پر موجود ہونا ضروری نہیں؟ وکیل بنانے کی تفصیلات تحریر فرمادیں نیز لڑکی کا وکیل اپنے آپ سے لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

دونوں سوالوں کے جواب درج ذیل ہیں:

(۱) نکاح میں لڑکا اور لڑکی دونوں کو اپنا وکیل بنانے کا اختیار ہے لہذا اگر دونوں کے وکیل عقد نکاح کو انجام دے دیں تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا بلکہ نکاح میں تو اگر لڑکا اور لڑکی دونوں کسی ایک شخص مثلاً سلیم کو وکیل بنا دیں اور وہ شخص (سلیم) لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایجاب و قبول کر دے تو یہ بھی جائز ہے نیز دلہا خود بھی دلہن کا وکیل بن کر اپنے آپ سے اس کا نکاح کر سکتا ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں چونکہ دونوں کے وکیلوں نے یہ عقد کرایا ہے لہذا یہ نکاح صحیح ہے اور دلہا یا دلہن کا موقع پر موجود ہونا ضروری نہیں لیکن ہر جواز کی صورت میں دو گواہوں کا موقع پر موجود ہونا لازمی ہے۔

(۲) آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ وکیل اپنے آپ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ دیکھا جائے گا کہ لڑکی نے وکیل کو کیا الفاظ بولے ہیں اگر لڑکی نے یہ کہا ہو کہ ”آپ اپنے آپ سے میرا نکاح کرادو“ (یا اس جیسا کوئی جملہ جس میں وکیل سے نکاح پر دلالت ہو) تو پھر وکیل اپنے آپ سے نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر لڑکی نے یہ بولا کہ ”کسی شخص سے میرا نکاح کرادو“ یعنی جملہ مطلق ہو اور وکیل کا ذکر نہ ہو تو پھر وکیل اپنے آپ سے نکاح کرانے میں بااختیار نہ ہوگا اور اگر اپنے آپ سے نکاح کرادیتا ہے تو یہ نکاح نافذ نہ ہوگا (بلکہ لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر لڑکی کی اجازت دے دے تو صحیح ہو جائے گا ورنہ کالعدم ہوگا)۔

لمافی البحر الرائق (۲/۲۴۰): لو وکلته بتزویجها من رجل فزوجها من نفسه لم یجز لأنھا أمرته بالتزویج من رجل نکره وهو معرفة بالخطاب والمعرفة لا تدخل تحت النکره۔

وفی الدر المختار (۱۲/۲): ومن شرائط الايجاب والقبول اتحاد المجلس لو حاضرین۔

وفی الدر المختار (۲/۹۶): (ویتولی طرفی النکاح واحد) یایجاب یقوم مقام القبول فی خمس صور

کأن کاب ویا أو وکیلا من الجانبین أو أصیلا من جانب وکیلا أو ویا من آخر أو ویا من

جانب وکیلا من آخر کزوجت بنتی من موکلی۔

## (۴۹۵) بھائی کو نکاح کا وکیل بنایا جاسکتا ہے

### سؤال

ایک صاحب نے اپنی بیٹی کا رشتہ امریکہ میں زیر تعلیم لڑکے کے ساتھ کیا اب دونوں کا نکاح ہوا ہے اس طرح کہ لڑکے نے ٹیلی فون پر اپنے بڑے بھائی کو کہا کہ آپ میری طرف سے ایجاب و قبول کر لیں اور اس کے بڑے بھائی نے ایسا ہی کیا تو آیا یہ نکاح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟ نیز خط کے ذریعے یا ٹیلی فون پر کسی کو وکیل بنا دیا جائے تو اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں، وضاحت کے ساتھ جواب دیں کیونکہ لڑکی والے لڑکے کی طرف سے بھائی کو وکیل بنانے کے معاملے میں شک و شبہ کا اظہار کر رہے ہیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں باپ نے جو بیٹی کا رشتہ کیا ہے اگر لڑکی اس پر راضی ہے تو جائز ہے نیز اگر لڑکے نے بڑے بھائی کو کہا کہ آپ میری طرف سے ایجاب و قبول کر لیں اور بڑے بھائی نے دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا، ٹیلی فون اور خط کے ذریعے بھی وکیل بنا نا جائز ہے، اس میں شک نہ کیا جائے۔

لمافی خلاصة الفتاوی (۲/۳۸): قال محمد اذا كتب اليها ليخطبها فوصل الكتاب اليها فدعت شهودا وقرأت عليهم الكتاب وأشهد قهر بعد ذلك فزوجت نفسها منه كان صحيحا والأصل في ذلك أن الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر الخ۔

وفي الفقه الاسلامي (۳/۲۹۲): إذا كان ولياً من جانب ووكيلاً من جانب، مثل زوجت بنتي من موکلي. والسبب في مشروعية انعقاد الزواج في هذه الأحوال أن العاقد ليس إلا سفيراً عن الأصل ومعبراً عنه، فلا يتحمل شيئاً من التزامات العقد، والواحد يصلح أن يكون معبراً عن اثنين بصفتين مختلفتين.

وفيه أيضاً (۹/۶۷۶): ويصح التوكيل بالعباراة أو الكتابة، ولا يشترط بالاتفاق الإشهاد عند صدور التوكيل، وإن كان يستحسن للتوكيل أن يشهد على التوكيل، للاحتياط خوفاً من الإنكار عند النزاع۔

## (۳۹۶) لڑکے کے خاندان سے نکاح کا وکیل بنانے کا حکم

### سؤال

لڑکی کی طرف سے نکاح کا وکیل لڑکے کے خاندان سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ لڑکی کے نکاح کا وکیل بھی لڑکے کے خاندان سے ہی کسی شخص کو بنا دیا جاتا ہے۔ جواب مرحمت فرمائیں کیا اس طرح نکاح ہو جائے گا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکی اگر بالغہ ہو تو وہ اپنے نکاح کا وکیل کسی کو بھی بنا سکتی ہے اور اگر نابالغہ ہو تو یہ اختیار باپ کے پاس ہوتا ہے کہ وہ جسے چاہے وکیل بنائے لیکن وکیل بنانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ لڑکی کا رشتہ ڈھونڈنے سے لے کر آخر تک تمام معاملات کا وکیل بنانا یہ وکیل تو کسی بھی شخص کو بنایا جاسکتا ہے لیکن دوسرا یہ کہ کسی معین شخص سے نکاح کی اجازت لے کر اس کے نکاح پڑھانے کا وکیل بنانا یہ وکیل بھی اگرچہ ہر شخص کو بنایا جاسکتا ہے لیکن یہ لڑکی کا محرم ہو تو یہ مرؤت اور شرافت کے مطابق ہے۔ نامحرم کا لڑکی کے پاس جا کر لڑکی سے اجازت لینا نامناسب بات ہے۔

لہذا صورتِ مسئلہ میں اگر وہ وکیل (لڑکے کے خاندان والا) لڑکی کا بھی محرم ہو تو وہ لڑکی سے جا کر اجازت لے لے لیکن اگر وہ نامحرم ہو تو بہتر یہ ہے کہ یہ کام لڑکی کے خاندان سے ہی لڑکی کا کوئی محرم انجام دے البتہ نکاح بہر صورت منعقد ہو جائے گا۔

لَمَّا فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ (النور: ۳۰): قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا أْفُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ۔

وفی السنن للامام ابی داود (۲۸۸/۱): عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل أترضی أن أزوجک فلانة قال نعم. وقال للمرأة أترضین أن أزوجک فلانا. قالت نعم. فزوج أحدهما صاحبه۔

وفی القدوری (ص ۱۷۱): کل عقد جاز أن یعقده الانسان بنفسه جاز أن یؤکل به غیره۔۔۔۔۔  
وبعد أسطر۔۔۔ ومن شرط الوکالة أن یکون المؤکل ممن یملک التصرف ویلزمه الاحکام۔  
وفی الدرالمختار (۹۶/۳): (ویتولی طرفی النکاح واحد) بإیجاب یقوم مقام القبول فی خمس صور  
کأن کان ولیا أو وکیلا من الجانبین۔ الخ۔

## (۳۹۷) نکاح کا وکیل نامحرم ہو سکتا ہے

## سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے مجلس نکاح میں موبائل فون پر لڑکی سے ایجاب و قبول کروایا تو کیا موبائل فون پر ایجاب و قبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(۲) لڑکی کیلئے اپنا وکیل اور گواہ محارم میں سے مقرر کرنا ضروری ہے یا غیر محرم کو بھی نکاح کا وکیل اور گواہ بنا سکتی ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ متعاقدین (یعنی نکاح کرنے والے مرد اور عورت) میں سے ہر ایک کے الفاظ (یعنی ایجاب و قبول) کو ایک ساتھ سنیں نیز متعاقدین اور گواہوں کی مجلس بھی ایک ہونی چاہئے اگر مجلس ایک نہ ہو تو نکاح منعقد نہیں ہوتا لہذا فون وغیرہ سے جو ایجاب و قبول کیا جاتا ہے اس سے مجلس ایک نہ ہونے کی وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا چنانچہ اگر متعاقدین دور دراز علاقہ میں ہوں تو نکاح کی بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکا کسی ایسے شخص کو جو لڑکی کے شہر میں رہتا ہو وکیل بنا دے اور وکیل اس کی جانب سے گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کرے نیز لڑکی کے لئے وکیل و گواہ غیر محرم بھی بن سکتے ہیں البتہ نامحرم کو لڑکی سے اجازت لینے کا وکیل بنانا خلاف مروت ہے بہتر یہ ہے کہ لڑکی کا محرم یا ولی اقرب خود جا کر لڑکی سے اجازت لے۔

لما فی الخانیة علی ہامش الہندیة (۳۲۶/۱): ولو أرسل الرجل وسولاً إليها أو كتب إليها كتاباً أني تزوجتك علی كذا فقبلت بحضرة الشاهدين إن سمعا كلام الرسول أو قرأ الكتاب عليهما فقبلت جاز۔

وفي الہندیة (۲۶۸/۱): رجل بعث أقواماً لخطبة امرأة إلى والدها فقال الأب زوجت وقبل عن الزوج واحد من القوم لا يصح النكاح وقيل يصح النكاح وهو الصحيح وعليه الفتوى كذا في محيط السرخسي۔

لما فی فتاویٰ اللجنة الدائمة (۹۰/۱۸): س: إذا توفرت أركان النكاح وشروطه إلا أن الولي والزوج كل منهما في بلد، فهل يجوز العقد تليفونياً أو لا؟

ج: نظراً إلى ما كثر في هذه الأيام من التغرير والخداع، والمهارة في تقليد بعض الناس بعضاً في الكلام وإحكام محاكاة غيرهم في الأصوات حتى إن أحدهم يقوى على أن يمثل جماعة من الذكور والإناث صغارا وكبارا، ويحاكيهم في أصواتهم وفي لغاتهم المختلفة محاكاة تلقى في نفس

السامع أن المتكلمين أشخاص، وما هو إلا شخص واحد، ونظرا إلى عناية الشريعة الإسلامية بحفظ الفروج والأعراض، والاحتياط لذلك أكثر من الاحتياط لغيرها من عقود المعاملات رأيت اللجنة أنه ينبغي ألا يعتمد في عقود النكاح في الإيجاب والقبول والتوكيل على المحادثات التليفونية تحقيقا لمقاصد الشريعة، ومزيد عناية في حفظ الفروج والأعراض حتى لا يعيب أهل الأهواء ومن تحدثهم أنفسهم بالغش والخداع. وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

## (۳۹۸) نابالغ کو نکاح کا وکیل نہیں بنایا جاسکتا

### سؤال

ہمارے بھائی کا نکاح ایک لڑکی سے ہوا جس کا تعلق حیدرآباد سے ہے جب ہم بارات لے کر گئے تو ان لوگوں نے قاضی صاحب کو نکاح کیلئے بلایا جب نکاح ہونے لگا تو لڑکی کے چچا نے ایک لڑکے کو کہا جاؤ خالہ سے پوچھ کر آؤ آپ نکاح سے راضی ہیں یا نہیں اس لڑکے کی عمر تقریباً بارہ سال ہوگی تھوڑی دیر بعد لڑکا واپس آ گیا اس نے کہا خالہ راضی ہیں میرے دل میں یہ بات آئی یہ تو بچہ ہے اس کو کیوں بھیجا۔ بہر حال میں چونکہ جاہل آدمی تھا اس لئے خاموش رہا کہ پہلے اپنے امام صاحب سے مسئلہ معلوم کروں گا بعد میں کچھ بات ہوگی اب آپ سے یہ پوچھنا چاہوں گا نکاح میں نابالغ کو وکیل بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس نکاح کا کیا حکم ہوگا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

نکاح کے انعقاد کیلئے ایجاب و قبول ضروری ہے۔ خواہ یہ ایجاب و قبول عاقدین خود کریں یا ان کی طرف سے مقرر کردہ وکیل ایجاب و قبول کرے۔ صورت مسئلہ میں اگر عورت نے چچا کو وکیل بنایا تھا اور بوقت عقد نکاح چچا نے محض توثیق کیلئے لڑکے کو بھیج کر لڑکی سے نکاح کی رضامندی حاصل کی تو نکاح درست ہوگا اور اگر عورت نے چچا کو وکیل نہیں بنایا تھا اور چچا نے محض لڑکے کے یہ بتلانے سے کہ خالہ نکاح کیلئے راضی ہیں لڑکی کا نکاح کروادیا تو اگر یہ بچہ سمجھدار ہو اور نکاح کے معاملات کو سمجھتا ہو (اگرچہ بالغ نہ ہو) تب بھی یہ نکاح منعقد ہو جائے گا البتہ اگر بچہ نا سمجھ ہے تو یہ نکاح موقوف رہے گا۔ اگر عورت نے بعد میں قبول کر لیا تو نکاح منعقد ہوگا ورنہ نہیں۔

لما فی الهدایة (۱۸۷/۲): ویشرط أن یکون الوکیل ممن یعقل الحقد ویقصدہ لأنه یقوم مقام الموکل فی العبارة فیشرط أن یکون من أهل العبارة حتی لو کان صبیا لا یعقل أو مجنونا کان التوکیل باطلا۔

وفی بدائع الصنائع (۲۰/۶): وأما البلوغ والحرية فلیسنا بشرط لصحة الوكالة فتصح وكالة الصبي

العاقل والعبد مأذونین کانا أو محجورین وهذا عند أصحابنا وقال الشافعی رحمہ اللہ وكالة الصبی غیر صحیحة لأنه غیر مکلف ولا تصح وكالة المجنون ولنا ما روی أن رسول اللہ لما خطب أم سلمة قالت إن أولیائی غیب یا رسول اللہ فقال لیس فیهم من یکرهنی ثم قال لعمر و ابن أم سلمة قم فزوج أمک منی فزوجها من رسول اللہ وكان صبیاً۔

وفی البحر الرائق (۲۳۵/۴): الثالث فی رکنها وهو ما دل علیها من الإیجاب والقبول ولو حکما فلو قال وکلتک فی هذا کان وکیلاً بحفظه لأنه الأدنی فیحمل علیہ۔

## (۳۹۹) لڑکی نے جسے وکیل بنایا فقط وہی نکاح کرا سکتا ہے

### سؤال

ہمارے گاؤں میں نکاح کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص کو لڑکی کا وکیل مقرر کرتے ہیں اور وکالت کے تقرر پر دو گواہ بھی ہوتے ہیں۔ پھر کبھی یہ تینوں بندے لڑکی کے پاس جا کر نکاح کی اجازت لیتے ہیں کبھی صرف گواہ جا کر کہتے ہیں کہ آپ کا نکاح فلاں بن فلاں سے کرنے کی اجازت ہے؟ وہ ہاں کہہ دیتی ہے پھر وکیل نکاح پڑھا دیتا ہے لیکن ظاہر ہے وکیل تو اندر گیا نہیں۔ کیا وہ بطور وکیل لڑکی کی طرف سے عقد کر سکتا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

جو شخص لڑکی کے پاس جا کر اجازت لے گا فقط وہی نکاح کا وکیل شمار ہوگا اور اس وکالت کے وقت گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں لہذا بہتر صورت یہ ہے کہ ایک شخص جو کہ محرم ہو اسے وکالت کیلئے منتخب کیا جائے اور وہ اندر لڑکی کے پاس جا کر لڑکی سے اجازت لے لے اور لڑکی کا نکاح پڑھا دے لہذا صورتِ مسئلہ میں جو شخص (یعنی وکیل) اندر جا کر اجازت لے کر نہیں آیا وہ لڑکی کا نکاح کرانے کا وکیل نہیں اگر وہ شخص نکاح کرانے کا تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف رہے گا البتہ جو گواہ اندر گئے ہیں اور لڑکی نے انہیں اجازت دی ہو تو وہ گواہ شرعاً لڑکی کے وکیل ہوں گے (یا ان دو میں سے ایک گواہ جس کو لڑکی اجازت دے) وہ وکیل بن کر نکاح کرا سکتے ہیں۔

لمافی الہندیة (۲۹۸/۱): إذا وکلت المرأة رجلاً أن یزوجها وکالت ما صنعت من شیء فهو جائز جاز للوکیل أن یوکل غیرہ بتزویجها۔ الخ۔

وفی الشامیة (۹۹/۳): قوله ( فإن له ذلک ) أي تزویجها لنفسه بشرط أن یعرفها الشهود أو یذكر اسمها واسم أبیها وجدها۔

(وفی ص ۹۵): مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح: واعلم أنه لا تشترط الشهادة علی الوکالة



بأنکاح بل علی عقد الوکیل وإنما ینبغی أن یشهد علی الوكالة إذا خیف جحد الموکل إیها فتح۔

## (۵۰۰) مطلق تو کیل کو صحت مند عورت سے نکاح پر حمل کیا جائے گا

### سوال

ایک شخص دوسرے شخص کو وکیل بنا تا ہے کہ میرا نکاح کسی عورت سے کروادو وہ شخص اس کا نکاح ایک نابینا عورت سے کروادیتا ہے یا انگڑی عورت سے کروادیتا ہے تو اس صورت میں نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ برائے مہربانی تشفی بخش جواب دیں۔

### الجواب بعون الملک الوحاب

مذکورہ شخص نے دوسرے کو وکیل بنا کر کہا کہ میرا نکاح کسی عورت سے کروادو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ متعارف نکاح کروانا۔ اب وکیل نے اس کا نکاح کسی نابینا یا انگڑی عورت سے کروادیا تو یہ نکاح موکل کی اجازت پر موقوف ہوگا کیونکہ وکیل نے موکل (جس نے نکاح کیلئے کہا تھا) کی منشاء کی خلاف ورزی کی ہے۔

لما فی البحر الرائق (۳/۲۳۷): و ذکر فی الوكالة أن اعتبار الكفاءة فی هذا استحسان عندهما لأن كل واحد لا یعجز عن التزوج بمطلق الزوجة فكانت الاستعانة فی التزوج بالكفاءة كذا فی الهدایة وظاهره ترجیح قولهما لأن الاستحسان مقدم علی القیاس إلا فی مسائل معدودة لیس هذا منها ولذا قال الأسیجانی قولهما أحسن للفتوی واختاره أبو الیث۔

وفی الهندیة (۱/۲۹۵) (الباب السادس فی الوكالة بالنکاح وغیرها): ولو وكل رجلاً أن یتزوج امرأة فزوجه امرأة عمیاء أو سلاء أو رتقاء أو مجنونة أو صغيرة تجامع أو لا تجامع حررة أو أمة لیست بكفاءة له مسلمة أو کتابیة جاز فی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالی كذا فی فتاوی قاضی خان۔

وفی الشامیة (۳/۹۵) (باب فی الكفاءة): قوله (بتزویج امرأة)۔۔ وما لو كانت عمیاء أو مقطوعة الیدین أو مفلوجة أو مجنونة خلافا لهما أو صغيرة لا تجامع اتفاقاً وقیل علی الخلاف فتح۔۔۔ قوله (وقال لا یصح) أي إذا رده الأمر والأولی التعبير بلا ینفذ لیفید أنه موقوف۔۔۔ قوله (وهو استحسان) قال فی الهدایة و ذکر فی الوكالة أن اعتبار الكفاءة فی هذا استحسان عندهما لأن كل أحد لا یعجز عن التزوج بمطلق الزوجة فكانت الاستعانة فی التزوج بالكفاءة اه قال فی الفتح وفيه إشارة إلى اختیار قولهما لأن الاستحسان مقدم علی غیره إلا فی المسائل المعلومة والحق أن قول الإمام لیس قیاساً لأنه أخذ بنفس اللفظ المنصوص فكان النظر فی

أبی الاستحسانین أولى اھ۔

## (۵۰۱) وکیل کو صرف کفو میں نکاح کرانے کا حق ہوگا

### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے ایک دوسرے شخص کو نکاح میں وکیل بنایا کہ میری شادی کراؤ اور نہیں بتایا کہ کیسی عورت سے نکاح کروانا ہے چنانچہ اس وکیل نے اس کا نکاح ایسی عورت سے کروایا جو اس شخص کے کفو کی نہیں تھی تو اس صورت میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ نکاح درست ہو یا نہیں اور وکیل کا ایسا کرنا کیسا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح مؤکل کی اجازت پر موقوف رہے گا، مؤکل اگر اجازت دے تو وہ نکاح نافذ ہوگا ورنہ نہیں اور وکیل کے لئے ایسا کرنا درست نہیں بلکہ اس کو چاہئے تھا کہ اپنے مؤکل کا نکاح اس کے کفو میں کراتا۔

لمافی الخانیة (۱/۱۶۱، ۱۶۲) کتاب النکاح، فصل فی الوکالة: ولو وکل رجلاً بأن یزوجہ امرأة عمیاء أو شلاء أو رتقاء أو مجنونة أو صغیرة تجامع أو لا تجامع حررة أو أمة کفأ ولیست کفأ بکفء له مسلمة أو کتابیة جاز فی قول أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ۔

وفی الشامیة (۳/۹۵) کتاب النکاح، مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح: قوله (جاز) فی بعض النسخ نفذ وهي أنسب لأن الكلام فی النفاذ لا فی الجواز ح قوله (وقالا لا یصح) أي إذا رده الأمر والأولی التعبیر بلا ینفذ لیفید أنه موقوف -- قوله (وهو استحسان) قال فی الهدایة وذكر فی الوکالة أن اعتبار الکفاءة فی هذا استحسان عندهما لأن کل أحد لا یعجز عن التزوج بمطلق الزوجة فكانت الاستعانة فی التزوج بالکفاء اھ قال فی الفتح وفیه إشارة إلى اختیار قولهما لأن الاستحسان مقدم علی غیره إلا فی المسائل المعلومة والحق أن قول الإمام لیس قیاساً لأنه أخذ بنفس اللفظ المنصوص فكان النظر فی أبی الاستحسانین أولى اھ۔ والمراد باللفظ المنصوص لفظ المؤکل۔

وفی تقریرات الرافعی (۳/۱۹۱): تحت [قوله: والحق ان قول الامام لیس قیاساً الخ] فیہ أن القیاس ما کان دلیله جلیا والاستحسان ما کان دلیله خفیا وهنا لا شک فی ظهور دلیله وخفاء دلیلهما تأمل، علی أن الطحاوی قال قولهما أحسن للفتویٰ۔

## (۵۰۲) وکیل کے کفو میں نکاح کرانے کی شرط پر اشکال کا جواب

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص دوسرے کو وکیل بناتا ہے کہ کسی عورت سے میرا نکاح کرادو وہ شخص موکل خود ایک ٹانگ سے لنگڑا ہے، وکیل نے رشتہ ڈھونڈا اور ایک لنگڑی سے اس کا نکاح کرادیا، موکل کو علم ہوا تو اس نے بولا: ”میں نہیں مانتا لنگڑی سے تو میں خود نکاح کر سکتا تھا وکیل تو صحیح لڑکی سے نکاح کیلئے بنایا تھا“۔ مفتی صاحب مسئلے کا کیا حل ہے؟ یہاں ایک طالب علم ہے اس نے کہا کہ لنگڑا صحیح کہتا ہے کیونکہ مطلق وکالت میں کف اور صحت مند عورت سے نکاح کرانا مراد ہوتا ہے اور وکیل نے اس کی رعایت نہیں کی لہذا یہ نکاح کالعدم ہے۔ ہم بھی دین سے کچھ متعلق ہیں ہم نے سوچا طالب علم کا صحت مند کہنا تو سمجھ آتا ہے لیکن کفو کہنا تو مشکل ہے کیونکہ کفو تو مرد ہوتا ہے عورت تو بھنگی بھی ہو تو پرواہ نہیں کفو مرد سے متعلق مسئلہ ہے، بہر حال طالب کا کہنا تھا کہ یہ استحسان ہے اور صاحبین رحمہم علیہم کا قول ہے۔

اب آپ حضرات اس مسئلے پر مفصل ہر ہر جز پر گہری نظر فرماتے ہوئے جواب مرحمت فرمائیں۔ خصوصاً اس پر کہ کیا وکیل کا کفو میں نکاح کرنا ضروری ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں طالب علم کا قول صحیح ہے۔ یہ صاحبین رحمہم علیہم کا قول ہے اور استحسان ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ تاہم واضح رہے کہ یہ مسئلہ اصطلاحی کفو سے متعلق نہیں بلکہ عرف سے متعلق ہے یعنی اگر کسی کو وکیل بنایا جائے تو عرف یہ ہے کہ وہ موکل کیلئے بے عیب شیء کا انتخاب کرے، چنانچہ صورت مذکورہ میں لنگڑے شخص نے وکیل اس وجہ سے بنایا تھا کہ کسی صحت مند عورت سے نکاح کرایا جائے لہذا اگر وکیل نے کسی لنگڑی عورت سے موکل کا نکاح کرایا تو نکاح نہیں ہوگا۔

لمافی الشامیة (۹۵/۲): مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح: قوله (بتزویج امرأة) أي منكرة ویأتی محترزه وأطلق فی الأمة فشمّل المکاتبة وأمر الولد بشرط أن لا تكون للوکیل للتهمة وما لو كانت عمیاء أو مقطوعة الیدین أو مفلوجة أو مجنونة خلافا لهما۔ الخ۔

## (۵۰۳) وکیل اگر موکل کی شرط کی مخالفت کر دے تو نکاح کا حکم

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا کہ میرا نکاح کسی خوبصورت

گوری لڑکی سے کرادے لیکن وکیل نے بد صورت کالی لڑکی سے اس کا نکاح کرادیا تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئولہ میں چونکہ وکیل نے مؤکل کے امر کی مخالفت کی ہے اس لئے یہ نکاح مؤکل کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر مؤکل نے اجازت دے دی تو یہ نکاح صحیح ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

لمافی الہندیۃ (۲۹۵/۱): أمره أن يزوجه بیضاء فزوجه سوداء أو علی العکس لا یصح۔

وفی الدرالمختار (۹۵/۳): وأجمعوا أنه لو زوجه بنته الصغیرة أو مولیتہ لم یجزم كما لو أسره بمعینة أو بجررة أو أمة فخالف۔

وفی الشامیۃ (۹۶/۳): وفی کل موضع لا ینفذ فعل الوکیل فالعقد موقوف علی إجازة المؤکل وحکم الرسول حکم الوکیل فی جمیع ما ذکرناه۔

### (۵۰۴) نکاح میں دلہا دلہن کا بھی وکیل بن سکتا ہے

#### سوال

عاقل بالغ لڑکے اور لڑکی کی منگنی ہو گئی۔ ان دونوں کے والدین ان کی شادی کرانے کیلئے راضی بھی ہیں مگر فی الوقت نہیں بلکہ ایک سال کے بعد اور فی الوقت نکاح کے مخالف ہیں اور ان دونوں کا کفو یعنی دین داری، حسب و نسب، مال و دولت اور حسن و جمال وغیرہ دونوں برابر ہیں تو اگر اس عاقل بالغ لڑکی نے اس عاقل بالغ لڑکے سے کہا کہ میں آپ کو اختیار دیتی ہوں کہ آپ میرا نکاح اپنے آپ سے کر لیں اور میں آپ سے نکاح کرتی ہوں۔ وہ لڑکا دو عاقل بالغ لڑکوں کے پاس گیا اور ان کو گواہ بنا کر ان کے سامنے اقرار کیا کہ فلانہ لڑکی نے مجھے اپنے آپ سے نکاح کا اختیار دیا ہے ”میں اس لڑکی کو اپنے نکاح میں لیتا ہوں“ آیا کہ شرعی اعتبار سے نکاح ہوایا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکی کا منگیتر جس کو لڑکی نے اپنے آپ سے نکاح کرانے کا وکیل بنایا تھا اس نے جب دو ایسے عاقل بالغ گواہوں کے سامنے جو لڑکی کو پہچانتے تھے، لڑکی کا نام لے کر کہا کہ فلانہ لڑکی نے مجھے اپنے آپ سے نکاح کا اختیار دیا ہے ”میں اس لڑکی کو اپنے نکاح میں لیتا ہوں“ تو نکاح منعقد ہو گیا اور اگر وہ گواہ لڑکی کو پہچانتے نہ تھے تو پھر لڑکی کے باپ، دادا کا نام لینا بھی ضروری ہے۔

لمافی الہندیۃ (۲۹۵/۱): امرأة وکلت رجلا بأن یزوجها من نفسه فقال زوجت فلانة من نفسي یجوز وإن لم تقل قبلت کذا فی الخلاصة۔

وفی الشامیۃ (۲۲/۳): والحاصل أن الغائبة لا بد من ذکر اسمها واسم أبيها وجدها وإن كانت

معروفة عند الشهود علی قول ابن الفضل وعلی قول غیره یکنفی ذکر اسمها إن كانت معروفة عندهم وإلا فلا وبه جزم صاحب الهدایة فی التجنیس وقال لأن المقصود من التسمية التعریف وقد حصل وأقره فی الفتح والبحر -- والظاهر أن المراد بالمعرفة أن يعرفها أن المعقود علیها هی فلانة بنت فلان الفلانی لا معرفة شخصها۔  
وفی الدر المختار (۹۶/۳): أو أصیلاً من جانب ووكیلاً أو ولیاً من آخر۔  
وفی الرد تحتہ: قوله (ووكیلاً أو ولیاً من آخر) كما لو وكلته امرأته أن یزوجها من نفسه -- ولا بد من التعریف بالاسم والنسب۔

## (۵۰۵) بدون اجازت بکتے گئے نکاح کا حکم

### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو کہ عاقل اور بالغ ہے۔ اس کے گھر والوں نے اس کی شادی اس کی خالہ زاد سے کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب اس شخص کے گھر والوں نے اس سے اس کی خالہ زاد کے بارے میں رائے مانگی تو اس نے نہ صرف اپنی خالہ زاد سے شادی سے انکار کیا بلکہ فی الحال شادی نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ وہ فی الحال اس کی شادی کے بارے میں نہ سوچیں۔

دوسری طرف اس نے ایک اور لڑکی کو شادی کے نظریے سے پسند کیا اور بعد ازاں اس لڑکی کے بارے میں اپنے گھر والوں کو بھی بتایا مگر اس کے گھر والوں نے اس بات پر برہمی کا اظہار کیا اور مصررہے کہ اس کی شادی وہ اپنی پسند سے کریں گے۔ ابھی یہ کشمکش جاری تھی کہ اچانک اس کے گھر والوں نے اس شخص کی لاعلمی اور غیر موجودگی میں اور اس سے کسی بھی قسم کی بات چیت، کئے بغیر اس کی منگنی اور نکاح کر دیا۔ نکاح کی اس تقریب میں لڑکی بذات خود موجود تھی اور لڑکے کی طرف سے ایجاب وقبول کے فرائض اس کے بھائی نے سرانجام دیئے۔ اسے اپنی منگنی کی خبر منگنی والے دن ہوئی اور نکاح کے بارے میں اسے تین دن کے بعد پتہ چلا۔ اس نے یہ سب کچھ سن کر اپنے گھر والوں سے باز پرس کی اور ان سے پوچھا کہ اس کے منع کرنے کے باوجود انہوں نے یہ قدم کیسے اٹھایا اور وہ اس بات سے سخت ناخوش ہے اور اسے انکا یہ فیصلہ نامنظور ہے۔ یہاں تک کہ اس شخص نے یہ بات اس لڑکی سے بھی کہی کہ میری غیر موجودگی میں میرا نکاح نہیں ہو سکتا جبکہ میں نے کسی کو بھی اس کام کا اختیار نہیں دیا اور واضح طور پر انکار بھی کیا تھا کہ فی الحال اس بارے میں نہ سوچا جائے مگر اس کے گھر والوں کا اصرار ہے کہ جو ہو چکا ہے وہ درست ہے اور اسے انکا فیصلہ قبول کرنا ہوگا۔ ( واضح رہے کہ لڑکا روزگار کے سلسلے میں کراچی میں مقیم ہے اور اس کے گھر والے صوبہ سرحد میں ہیں)۔ دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) کیا ایک شخص کے واضح طور پر کسی بھی جگہ یا کسی مخصوص جگہ شادی سے انکار کے باوجود اس کے گھر والے اس کی شادی کا فیصلہ یک طرفہ طور پر کر سکتے ہیں؟

(۲) جبکہ وہ شخص واضح طور پر نکاح سے انکاری ہے تو اس کے گھر والوں نے یہ جانتے بوجھتے جو اس کی لاعلمی میں اس کا نکاح کیا ہے انہیں اس کا اختیار تھا؟ اور کیا اس نکاح کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟

(۳) کیا اس طرح لاعلمی میں جبکہ گھر والے اس صورت حال سے واقف ہوں کہ ان کا بیٹائی الحال شادی سے انکار کر رہا ہے اور کہیں شادی کا ارادہ رکھتا ہے اس طرح نکاح کرنا جائز ہے؟ کیا ان کا اقدام درست ہے اور کیا اس نکاح کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ جبکہ اس نے زندگی میں کبھی بھی اس طرح کا کوئی حق کسی کو تفویض نہ کیا ہو (یعنی اس کی طرف سے ایسے کسی فیصلہ کا)۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں مذکورہ شخص نے چونکہ نہ کسی کو اپنا وکیل بنایا ہے اور نہ کسی کو اجازت دی ہے لیکن اس کے باوجود اس کے گھر والوں نے اس کی لاعلمی میں اور بغیر اجازت کے نکاح کروایا ہے اس لئے یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر اجازت دیدی تو صحیح ہے ورنہ یہ نکاح شرعاً معتبر نہیں ہے۔ صورت مسئلہ میں چونکہ لڑکے نے اس نکاح کا انکار کر دیا ہے لہذا یہ نکاح کالعدم ہے۔

لمافی الہندیۃ (۲۸۷/۱): لا یجوز نکاح أحد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من أب أو سلطان بغیر إذناھا بکرا کانت أو ثیباً فإن فعل ذلك فالنکاح موقوف علی إجازتها فإن أجازته جاز وإن ردتہ بطل کذا فی السراج الوہاب۔

وفیہ ایضاً (۲۹۹/۱): کل عقد صدر من الفضولی وله قابل یقبل سواء کان ذلك القابل فضولیا آخر أو وکیلاً أو أصیلاً انعقد موقوفاً کذا فی النہایۃ۔

وفی الشامیۃ (۹۷/۲): قوله (إن لها مجیز الخ) فسر المجیز فی النہایۃ بقابل یقبل الإیجاب سواء کان فضولیا أو وکیلاً أو أصیلاً وقال فیہا فی فصل بیع الفضولی لو باع الصبی ما له أو اشتری أو تزوج أو زوج أمه أو کاتب عبده ونحوه توقف علی إجازة الولی فلو بلغ هو فأجاز نفذ۔

### (۵۰۶) کلمہ کی قسم کے بعد پسند کا کوئی اعتبار نہیں

#### سوال

میرا ایک دوست ایک جگہ انٹرویو کے لئے گیا وہاں اس سے ”کلمہ“ پر قسم لی گئی (یعنی اگر میں نے فلاں فلاں امر کی مخالفت کی تو میں جب کسی لڑکی سے شادی کروں اسے تین طلاق ہوں)، اور اب وہ یہ قسم پوری نہ کر سکا، تو اُسے کسی نے بتایا کہ تم اب کبھی شادی

نہیں کر سکتے جب بھی شادی کرو گے تو بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور وہ تین طلاقیوں سے مغلطہ ہو جائے گی، وہ دوست بڑا پریشان تھا اُسے ایک دوست نے فضولی کے نکاح کرانے کا حیلہ بتایا، اُسے وہ حیلہ بھی سمجھ نہ آیا اور اس میں اس کی پسند ناپسند کا بھی اعتبار مشکل تھا، مفتی صاحب! اب وہ زندگی کی سخت کشمکش میں ہے، مفتی صاحب! اس کی قسم کا کوئی کفارہ نہیں ہو سکتا کہ یہ قسم ختم ہو جائے؟ فقہ حنفی کے علاوہ دوسری فقہ میں بھی کوئی گنجائش نہیں ہے؟ مفتی صاحب! کسی طرح اس بیچارے مظلوم کا مسئلہ حل فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

سائل کی زبانی یہ بات معلوم ہوئی کہ ”کلمہ“ پر قسم لیتے وقت (یعنی یہ کہتے وقت کہ جب جب کسی لڑکی سے النکاح) وکالت کی نفی نہیں کی گئی، لہذا سائل کے دوست کی پریشانی کا حل یہی ہے کہ کوئی فضولی شخص (بغیر صریح یا دلالتہ اجازت کے نکاح کرانے والا شخص فضولی کہلاتا ہے) اُس کا نکاح کرادے، جہاں تک تعلق اس کی پسند ناپسند کا ہے تو اُسے اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ نکاح تو ہو رہا ہے حالانکہ اُس نے خود قسم اٹھا کر اپنے نکاح کے اختیار کو ختم کیا ہے۔

لمافی الدر المختار (۹۷/۳) کتاب النکاح مطلب فی الوکیل والفضولی: (ونکاح عبد وأمة بغیر إذن السید موقوف) علی الإجازة (کنکاح الفضولی)۔

وفی الرد تحتہ: قوله (کنکاح الفضولی) أي الذي باشره مع آخر أصیل أو ولی أو وکیل أو فضولی۔۔۔ قال فی البحر الفضولی من يتصرف لغيره بغیر ولاية ولا وكالة أو لنفسه۔

وفی الشامیة (۳۲۸/۳) کتاب النکاح، مطلب فی فسخ الیمین المضافة: وفي البحر عن البزازیة والتزوج فعلا أو من فسخ الیمین من زماننا وینبغي أن یحییء إلى عالم ویقول له ما حلف واحتیاجه إلى نکاح الفضولی فیزوجہ العالم امرأة ویحییء بالفعل فلا یحیث وكذا إذا قال لجماعة لی حاجة إلى نکاح الفضولی فزوجہ واحد منهم أما إذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یكون توکیلاھ۔

## باب فی الکفایة

### (کفایات کا بیان)

#### (۵۰۷) کفایات کن اشیاء میں معتبر ہے؟

#### سؤال

کفایات کیا ہے؟ اور کن چیزوں میں کفایات معتبر ہے؟ کیا شریعت میں قرآن و حدیث سے اس کا ثبوت ہے؟ ازراہ کرم مفصل جواب عنایت فرمادیں۔

#### الجواب بعون الملک الوحاب

کفایات کہتے ہیں برابری کو۔ یعنی شادی کے وقت لڑکے اور لڑکی کا مخصوص اشیاء میں ہم پلہ ہونا کفایات کہلاتا ہے۔ وہ چیزیں درج ذیل ہیں:

(۱) نسب (۲) آزادی (۳) اسلام (۴) دین داری (۵) مال (۶) پیشہ

علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ نے ان چھ کو عربی کے ان اشعار میں جمع کر دیا ہے:

إن الکفایة فی النکاح تكون فی ست لها بیت بدیع قد ضبط

نسب وإسلام كذلك حرفة حرية وديانة مال فقط

ترجمہ: نکاح میں کفایات کا اعتبار چھ چیزوں میں ہے جسے ایک انمول شعر میں جمع کیا گیا ہے نسب اور اسلام اسی

طرح پیشہ، آزادی اور دین داری، مال صرف (یہ چھ ہیں)

ان چھ چیزوں میں شرعاً لڑکے کا لڑکی کے برابر یا اعلیٰ ہونا ضروری ہے اسے ہی کفایات کہا جاتا ہے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ کفایات کا اعتبار لڑکے کی طرف سے ہے لڑکی کی جانب میں نہیں۔ لڑکی اگر کفایات میں لڑکے سے کمتر ہو تو یہ احکام جاری نہ ہوں گے کیونکہ حق کفایات لڑکی کو (یا اس کے اولیاء کو) عار سے بچانے کیلئے ہے اور جب لڑکا ان اشیاء میں برتر ہے تو وجہ عار موجود نہیں۔

الغرض لڑکی اگر اپنے سے کم درجہ کے لڑکے سے نکاح کر لیتی ہے اور اولیاء اس پر راضی نہ ہوں تو یہ نکاح عدم کفو میں کہلائے گا



اور علی التحقیق مفتی بہ قول کے مطابق یہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا، چاہے نکاح کے بعد اولیاء راضی بھی ہو جائیں کیونکہ بوقت عقد ایجاب و قبول جب لغو ہوں تو بعد از عقد اولیاء کی رضامندی کارگر نہیں ہو سکتی۔

نیز ان اشیاء میں برابری کا اعتبار بوقت عقد ہے اگر لڑکی اپنے ہم پلہ لڑکے سے بغیر رضامندی اولیاء کے نکاح کر لیتی ہے تو یہ نکاح منعقد ہوگا چاہے عقد کے بعد لڑکا کفو نہ رہے مثلاً لڑکے کا مال ضائع ہو جائے یا وہ گھٹیا پیشہ اختیار کر لے تو بعد از عقد سقوط کفاءة کا اعتبار نہیں۔ مسئلہ کفاءة کا ثبوت احادیث مبارکہ اور فقہاء کے استنباطات سے ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے:

"عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال له یا علی ثلاث لا تؤخرها الصلاة إذا اتت والجنابة إذا حضرت والأیمر إذا وجدت لها کفو"

"علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا، اے علی تین چیزوں کو مؤخر نہ کرنا ایک نماز کو جب اس کا وقت ہو جائے دوسرا جنازے کو جب وہ حاضر ہو جائے تیسرا بے نکاحی لڑکی کے نکاح کو جب اس کے کفو کا رشتہ تجھے مل جائے۔"

(جامع الترمذی ۱/۲۰۵)

سنن بیہقی میں یہ روایت ہے:

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لا تنکحوا النساء إلا الأكفاء ولا یزوجهن إلا الأولیاء ولا مہر دون عشرة دراهم"

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورتوں کا نکاح غیر کفو میں نہ کرو اور ان کا نکاح سرپرستوں کے علاوہ کوئی نہ کرے اور مہر دس درہم سے کم مقرر نہیں ہو سکتا۔" (بیہقی، ۴/۱۳۳)

مستدرک حاکم کی روایت ہے:

عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "تخیر والنطفکم فانکحوا الأكفاء وانکحوا إليهم"

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے نطفوں (سے پیدا شدہ) کے لئے بہترین انتخاب کرو، کفو میں نکاح کرو اور انہیں سے نکاح کراؤ۔" (مستدرک حاکم ۲/۱۶۳)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن میں اس روایت کو لیا ہے اور فرمایا ہے کہ ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی بناء پر نکاح میں کفاءة کو شرط قرار دیا ہے۔ (اعلاء السنن ۱۱/۸۸ باب مراعاة الکفاءة)

ان مذکورہ بالا روایات نیز کتب حدیث میں مذکور دیگر احادیث سے نکاح میں کفاءة کے ملحوظ رکھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ کفاءة کے معاملے میں مزید تفصیلات اور تعینات فقہاء کے استنباط اور اجتہاد کا نتیجہ ہیں جس میں لڑکی کے سرپرستوں کی عار کو سب سے زیادہ مد نظر

رکھا گیا ہے جو ظاہر ہیں کہ قرآن وحدیث کے نصوص کو سامنے رکھ کر کئے گئے ہیں۔

لمافی الدرالمختار (۸۳/۳) (باب الکفاءة): (الکفاءة معتبرة) فی ابتداء النکاح للزومه أو لصحته (من جانبہ) أي الرجل لأن الشریفة تأتي أن تكون فراشا للذیء ولذا (لا) تعتبر (من جانبها) لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل فی الصحیح كما فی الحجازیة۔

وفی ص (۵۶/۳): (ویفتی) فی غیر الکفاء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان)۔

وفیه ایضا (۸۶/۳): (وتعتبر) الکفاءة للزوم النکاح خلافا لمالک (نسبا فقریش) بعضهم (أكفاء) بعض (و) بقیة (العرب) بعضهم (أكفاء) بعض۔۔۔ (و) أما فی العجم فتعتبر (حرية وإسلاما)۔۔۔ (وأبوان فیهما كالآباء)۔۔۔ (و) تعتبر فی العرب والعجم (دیانة)۔۔۔ (وما لا)۔۔۔ (وحرقة)۔۔۔ (و) الکفاءة (اعتبارها عند) ابتداء (العقد فلا یضر زوالها بعده) فلو کان وقته كفؤا ثم فجر لم یفسخ وأما لو کان دباغا فصار تاجرا فإن بقی عارها لم یکن كفؤا وإلا لا۔

## (۵۰۸) نسب میں کفایت کے مسئلہ کی تحقیق

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح کے اندر کفو میں نسب کا اعتبار کیا جاتا ہے، کیا یہ صرف عرب والوں کے ساتھ خاص ہے یا عجم میں بھی اس کا اعتبار کیا جاتا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوهاب

نکاح کے اندر کفو کا اعتبار جس طرح عرب میں ہے ویسے ہی عجم میں بھی ہے البتہ کفو کے اعتبار سے عرب اور عجم میں کچھ فرق ہے۔ اس میں سب سے اہم ”نسب“ ہے کہ عرب میں کفو میں نسب کا اعتبار کیا جاتا ہے بخلاف عجم کے کہ ان میں نسب میں کفو کا اعتبار نہیں ہاں اگر کوئی لڑکی سیدزادی ہے یعنی جس کا سلسلہ نسب واقعتہ اہل بیت تک پہنچتا ہو یا عرب قبائل میں سے کسی قبیلہ کی طرف اس کا سلسلہ نسب معروف ومشہور اور ثابت ہو تو ایسی لڑکی کا ایک غیر سید شخص کفو نہ ہوگا اور ولی کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح منعقد نہیں ہو سکتا البتہ اگر لڑکی کا ولی خود اس نکاح پر راضی ہو تو اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا۔

لما فی البحر الرائق (۳/۱۳۰): قوله ( الکفاءة تعتبر نسبا فقريش أكفاء والعرب أكفاء وحرية وإسلاما وأبوان فيهما كالآباء وديانة ومالا وحرفة ) لأن هذه الأشياء يقع بها التفاخر فيما بينهم فلا بد من اعتبارها -- وقد ذكر المصنف اعتبارها في ستة أشياء الأولى النسب وهو معروف وأما العرب فهم خلاف العجم -

وفي (ص ۱۳۱/۳): والحاصل أن النسب المعتبر هنا خاص بالعرب وأما العجم فلا يعتبر في حقهم ولذا كان بعضهم كفتا لبعض -- وأما الثاني والثالث أعني الحرية والإسلام فهما معتبران في حق العجم لأنهم يفتخرون بهما دون النسب -

وفي الشامية (۳/۸۷): قوله ( وأما في العجم ) المراد بهم من لم ينتسب إلى إحدى قبائل العرب ويسمون الموالي والعتقاء كما مر وعامة أهل الأمصار والقرى في زماننا منهم سواء تكلموا بالعربية أو غيرها إلا من كان له منهم نسب معروف كالمنتسبين إلى أحد الخلفاء الأربعة أو إلى الأنصار ونحوهم -

## (۵۰۹) نسب میں کفایت کا حکم

### سوال

میرے ایک کزن نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ اسلام میں دین داری کے علاوہ نسب میں بھی لڑکا لڑکی کے برابر ہونا ضروری ہے۔ میں بہت حیران ہوا کہ یہ تو ممکن نہیں اسلام تو نام و نسب کو مٹا کر تقویٰ کو معیار بناتا ہے پھر یہ کیا بات ہے کہ نسب اچھا ہوا البتہ مسئلہ کی صحیح وضاحت آپ حضرات کا میدان ہے تو بتائیں کہ یہ بات ٹھیک ہے؟ اور آج کل جو برادریوں کا چکر ہے کہ ایک برادری دوسری کو اپنے سے کم ہی نہیں بلکہ ذلیل ترین سمجھتے ہیں تو کیا یہ کفو ہوں گے؟ ان برادریوں میں عار اور تفاخر کا سلسلہ بھی واضح ہے تو اگر اسلام میں نسب کی وجہ سے کفو اور غیر کفو میں فرق ہو تو اس میں بھی فرق معتبر ہونا چاہیے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت مطہرہ نے لڑکے اور لڑکی کے درمیان نسب میں کفایت کا اعتبار کیا ہے اور یہ بات مختلف احادیث اور فقہاء کرام کی عبارات سے ثابت ہوتی ہے مگر یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ نسب میں کفایت اہل عرب کے درمیان معتبر ہے اہل عجم میں وہ لوگ جو حقیقی معنوں میں عرب خاندان کی طرف منسوب ہیں اور ان کو اپنا شجرہ معلوم ہے تو ان میں بھی نسب میں کفایت کا اعتبار ہے یہ بات صحیح ہے کہ عزت و مرتبہ کا اصل دار و مدار اللہ کے ہاں دین داری و تقویٰ ہی پر ہے مگر نسب کا بھی شرافت و کرامت میں دخل ضرور ہے اور خود

شریعت نے بھی اس کا لحاظ کیا ہے۔ البتہ اعلیٰ نسب کی بناء پر فخر، تکبر کرنا جائز نہیں۔ جہاں تک برادری کا تعلق ہے تو برادری کا نسب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ برادری تو میت کی بناء پر ہوتی ہے جس کی بناء پر نہ تقاضا جائز ہے اور نہ تکبر کرنا بلکہ یہ شرعاً ایک مذموم حرکت ہے اور اس کا کفایت میں کوئی اعتبار نہیں۔

لمافی الہندیۃ (۲۹۰/۱) کتاب الکفائة: الکفائة تعتبر فی اشیاء منها النسب --- والصحیح أن العرب کلهم أكفاء کذا ذکرہ أبو الیسر فی مبسوطہ کذا فی الکافی والموالی وهم غیر العرب لا یكونون أكفاء للعرب والموالی بعضهم أكفاء لبعض کذا فی العتایۃ۔  
وفی الشامیۃ (۸۷/۳): قوله (وهذا فی العرب) أي اعتبار النسب إنما یكون فی العرب فلا یعتبر فیهم الإسلام كما فی المحيط والنهاية وغیرهما --- قوله (وأما فی العجم) المراد بهم من لم ینتسب إلى إحدى قبائل العرب ویسمون الموالی والعتقاء كما مر وعامة أهل الأمصار والقری فی زماننا منهم سواء تکلموا بالعربیۃ أو غیرها إلا من كان له منهم نسب معروف کالمنتسبین إلى أحد الخلفاء الأربعة أو إلى الأنصار ونحوهم۔

## (۵۱۰) کفایت میں پیشے سے متعلق برابری پر تحقیقی فتویٰ

### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح میں کفو کے معاملے میں پیشے کے اندر بھی برابری ضروری ہے؟ آج کل تو بعض قصائی کروڑ پتی ہوتے ہیں تو کیا ایسا شخص ایک ڈاکٹر کی بیٹی کا کفو ہوگا یعنی پیشے میں کفو کا کیا مطلب ہے؟ بعض اچھے پیشوں والے غریب ہوتے ہیں اور بعض جاہل قصائی اور دیگر پیشوں والے امیر ہوتے ہیں لہذا آپ اس مسئلے کی صحیح تشریح کر دیں نیز ایک کمپنی میں اگر ایک شخص ملازم اور ایک کلرک ہے تو کیا کلرک ملازم کی بیٹی کا کفو ہوگا نیز صرف لڑکے کا پیشہ دیکھا جائے گا یا باپ دادا کا بھی؟ مسئلے کی ہر پہلو سے وضاحت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت اسلامیہ میں نکاح کے معاملے میں کفایت یعنی برابری کا لحاظ رکھنا ایک بہت ہی اہم امر ہے۔ برابری کا لحاظ رکھنے کی بنیادی وجہ لڑکی کے سر پرستوں کو لاحق ہونے والی عار ہے کیونکہ نکاح ایک ایسا معاملہ ہے جو دو اجنبی خاندانوں کو بھی ایک نسبت، ایک پہچان دیتا ہے لڑکی کا رشتہ جس قسم کے لڑکے سے ہو اس اعتبار سے لڑکی والوں کی وجاہت اور لیاقت کا اندازہ لگایا جاتا ہے اس کفایت کے سلسلے میں شرعاً چھ چیزوں میں برابری کا لحاظ رکھا گیا ہے جس میں سے ایک پیشہ بھی ہے کیونکہ انسان کا پیشہ اس کی زندگی میں بہت اہم

کردار ادا کرتا ہے بعض پیشے معاشرے میں انتہائی معیوب سمجھے جاتے ہیں۔ لڑکی کا از خود کسی گھٹیا پیشے والے سے نکاح لڑکی کے اولیاء کی معاشرے میں ذلت اور رسوائی کا سبب بنتا ہے۔

پیشے میں اصل مدار عار کا ہے نہ کہ پیسوں کا، چاہے اس پیشے والے کے پاس لاکھوں روپے ہوں لیکن اگر معاشرے میں وہ پیشے عار کا سبب ہے تو ایسا شخص کفو نہیں کہلائے گا اور اگر معاشرے میں عار کا سبب نہیں تو وہ شخص کفو ہے اگرچہ اس پیشے میں مال زیادہ نہ ہو۔ پیشے کا اعلیٰ ہونا یا نہ ہونا یہ ہرزمانے کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کبھی ایک جگہ کے عرف میں ایک پیشہ اعلیٰ ہوتا ہے تو کبھی وہی پیشہ دوسری جگہ کے عرف میں ذلت اور عار کا سبب ہوتا ہے لہذا ہر جگہ کے اپنے عرف کا لحاظ ہوگا البتہ ایک عالم اپنی علمی شرافت کی بناء پر سب کا کفو ہے کیونکہ عالم کا علم اس کی وجاہت اور لیاقت کے بیان کیلئے خود ہی کافی و وافی ہے۔ قصائی اور ڈاکٹری کا پیشہ اگر کسی عرف میں برابر ہوں تو انہیں کفو شمار کیا جائے گا اور اگر قصائی کے پیشے کو گھٹیا سمجھا جاتا ہو تو پھر یہ دونوں آپس میں کفو نہ ہوں گے اسی طرح کلرک اور ملازم سے متعلق بھی عرف میں معیوب سمجھنے پر مدار ہوگا۔

پیشے میں اصل اعتبار لڑکے کا ہے البتہ پیشہ تب ہی کہا جاتا ہے جب وہ آباء سے چلا آ رہا ہو، اور اس پر التزام کیا گیا ہو، اور اگر کوئی شخص ہر کام کرتا ہو کوئی خاص کام اس کا نہ ہو تو ایسے شخص کا کوئی پیشہ نہیں اور اگر بیٹے نے باپ کا پیشہ چھوڑ دیا لیکن لوگ باپ کے پیشے کو بھولے نہیں بلکہ وہ بیٹے کو اسی کی طرف منسوب کرتے ہیں تو باوجود کام بدل لینے کے عار باقی رہے گی اور اگر بھول گئے ہوں تو پھر فی الحال لڑکے کا جو کام ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

کفایت سے متعلق ایک اہم بات یہ ملحوظ رہے کہ لڑکی اگر بغیر سر پرستوں کی اجازت کے از خود اپنا نکاح کرے تو ان مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے البتہ اگر لڑکی کے سر پرست لڑکی کا نکاح کراتے ہیں تو وہ کسی بھی قسم کے لڑکے سے نکاح کر سکتے ہیں۔ جہاں ان کی صوابدید ہو، اس میں کفو ہونا بہتر تو ہے لیکن ضروری نہیں۔ کسی خاص مصلحت یا حکمت کے پیش نظر سر پرست کا کیا نکاح منعقد ہوگا۔

لہافی القرآن الکریم (الحجرات: ۲۶): يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

وفی مبسوط السرخسی (۲۳/۵): والرابع: الکفاءة فی الحرف والمروي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن ذلك غير معتبر أصلاً وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه معتبر حتى أن الدباغ والحجام والحائك والكناس لا يكون كفوًا لبنت البزاز والطار.

وفی المحيط البرهانی (۱۲۴/۳): والسادس: الکفاءة فی الحرف فقد اعتبرها أبو يوسف ومحمد رحمهما الله وهو إحدى الروایتین عن أبي حنيفة رحمه الله، وعن أبي هريرة رضي الله عنه أن الناس بعضهم أكفاء لبعض إلا حائك أو حجام، وفي رواية أو دباغ. قال مشايخنا: ورابعهم الكناس، فواحد من هؤلاء الأربعة لا يكون كفوًا للصيرفي والجوهري وعليه الفتوى۔

وفي بدائع الصنائع (٥٨٠/٣): وذكر أن أبا حنيفة بنى الأمر فيها على عادة العرب أن مواليهم يعملون هذه الأعمال لا يقصدون بها الحرف فلا يعيرون بها وأجاب أبو يوسف على عادة أهل البلاد أنهم يتخذون ذلك حرفة فيعيرون بالذي من الصنائع فلا يكون بينهم خلاف في الحقيقة.

وفي البحر الرائق (٢٢٢/٣): وكل ما اشتغل الإنسان به وهي تسمى صنعة وحرفة لأنه ينحرف إليها اهـ. فأفاد أنهما سواء وقد حقق في غاية البيان أن اعتبار الكفاءة في الصنائع هو ظاهر الرواية عن أبي حنيفة وصاحبيه لأن الناس يتفاخرون بشرف الحرف ويتعيرون بدناءتها وهي وإن أمكن تركها يبقى عارها كما في المجتبى.

وفي الشامية (٩٠/٣): قوله (فمثل حائك الخ) قال في الملتقى وشرحه فحائك أو حجام أو كناس أو دباغ أو حلاق أو بيطار أو حداد أو صفار غير كفاء لسائر الحرف كعطار أو بزاز أو صواف وفيه إشارة إلى أن الحرف جنسان ليس أحدهما كفوًا للآخر لكن أفراد كل منها كفاء لجنسها وبه يفتى زاهدي اه أي إن الحرف إذا تباعدت لا يكون أفراد إحداها كفوًا للأفراد الأخرى بل أفراد كل واحدة أكفاء بعضهم لبعض وأفاد كما في البحر أنه لا يلزم اتحادهما في الحرفة بل التقارب كاف فالحائك كفاء لحجام والدباغ كفاء لكناس والصفار كفاء لحداد والبطار كفاء لبزاز، قال الحلواني وعليه الفتوى وفي الفتح أن الموجب هو استنقاص أهل العرف فيدور معه وعلى هذا ينبغي أن يكون الحائك كفوًا للعطار بالإسكندرية لما هناك من حسن اعتبارها وعدم عدها نقصا البتة اللهم إلا أن يقترن بها خساسة غيرها اه فأفاد أن الحرف إذا تقاربت أو اتحدت يجب اعتبار التكافؤ من بقية الجهات فالعطار العجمي غير كفاء لعطار أو بزاز عربي أو عالم. بقي النظر في نحو دباغ أو حلاق عربي هل يكون كفوًا لعطار أو بزاز عجمي والذي يظهر لي أن شرف النسب أو العلم يجبر نقص الحرفة بل يفوق سائر الحرف فلا يكون نحو العطار العجمي الجاهل كفوًا لنحو حلاق عربي أو عالم ويؤيده ما في الفتح أنه روي عن أبي يوسف أن الذي أسلم بنفسه أو عتق إذا أحرز من الفضائل ما يقابل نسب الآخر كان كفوًا له اهـ فليتأمل.

وفيه أيضاً (٩٢/٣): قوله (وأما لو كان دباغاً الخ) هذا فرعه صاحب البحر على ما تقدم بأنه ينبغي أن يكون كفوًا ثم استدرك عليه بمخالفته لقوله إن الصنعة وإن أمكن تركها يبقى

عارها ووقوف في النهر بقوله ولو قيل إنه إن بقي عارها لم يكن كفؤا وإن تناسى أمرها  
لتقادم زمانها كان كفؤا لكان حسنا اهـ





رسالة

# أداء الأمانة

بیان

أن الكفاءة تعتبر فيها عند الامام الديانة

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسئلہ کفایت میں دیانت کے اعتبار

سے متعلق مختلف اقوال کا بیان اور اس میں راجح کا تعین

## (۵۱۱) امام صاحب کے نزدیک کفایت میں دینداری کے اعتبار سے متعلق تحقیق

### سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک نیک صالح لڑکی فاسق شخص کا کفو بن سکتی ہے یا نہیں؟ اگر یہ نکاح منعقد نہ ہو تو قاضی خان میں موجود اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

"قال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالى لم ينقل عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى في ظاهر الرواية في هذا شيء والصحيح أن عنده الفسق لا يمنع الكفاءة" (الحنافية ۱/۱۶۳)

آیا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے یا نہیں؟ نیز اگر یہ امید ہو کہ عورت کے نیک ہونے کی وجہ سے اس کا خاوند بھی توبہ کر لے گا تو اس صورت میں ان کا نکاح کرنا درست ہو گا یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

دینداری اور تقویٰ کا کفایت میں اعتبار ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دو طرح کی روایتیں منقول ہیں ایک روایت یہ ہے کہ دینداری کا کفایت میں کوئی دخل نہیں جیسا کہ مبسوط سرخسی میں ہے:

"ولم ينقل عن أبي حنيفة رحمه الله شيء من ذلك والصحيح عنده أنه غير معتبر لأن هذا ليس بلازم حتى لا يمكن تركه" (المبسوط ۲۵/۵)

"امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے (دینداری کے بارے میں) کچھ منقول نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دینداری غیر معتبر ہے کیونکہ یہ کوئی ایسی لازم چیز نہیں کہ اسے چھوڑا نہ جاسکے۔"

اسی طرح خانیہ میں ہے:

"قال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالى لم ينقل عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى في ظاهر الرواية في هذا شيء والصحيح أن عنده الفسق لا يمنع الكفاءة"

(الحنافية على هامش الهندية ۳۵۰/۱)

"شمس الأئمة سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ظاہر الروایۃ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ منقول نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فسق کفو ہونے سے مانع نہیں۔"

یہ تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت تھی دوسری روایت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ فسق کا کفاءة میں اعتبار ہے اور غیر فاسق شخص صالح کا کفو نہیں جیسا کہ محیط برہانی میں ہے:

"والخامس: التقوی والحسب حتی لا یكون الفاسق كفوًا للعدلة عند أبي حنيفة رحمه الله سواء كان معلمن الفسق أو لم یکن، هکذا ذکر شیخ الإسلام رحمه الله "پانچواں تقوی اور حسب ہے یہاں تک کہ فاسق عادلہ کا کفو نہ ہوگا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چاہے وہ علانیہ فاسق ہو یا غیر علانیہ یہی شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے۔" (محیط برہانی ۳/۲۸)

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

"قال وتعتبر أيضا في الدين أي الديانة وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله هو الصحيح لأنه من أعلى المفاخر والمرأة تعير بفسق الزوج فوق ما تعير بضعة نسبه"  
(هداية على صدر فتح القدير، ۳/۲۹۹)

"کفاءة کا دینداری میں اعتبار کیا جائے گا یہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ دینداری تو اعلیٰ ترین مفاخر میں سے ہے اور عورت کو شوہر کے فاسق ہونے پر اپنے نسب کے ضائع ہونے سے زیادہ عار دلائی جاتی ہے۔"

فتح القدير میں علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"(قوله هو الصحيح) أي أن الصحيح اقتران قولی أبي حنيفة وأبي يوسف فإنه روى عن أبي حنيفة أنه مع محمد ورجحه السرخسي وقال الصحيح من مذهب أبي حنيفة أن الكفاءة من حيث الصلاح غير معتبرة."  
(فتح القدير ۳/۲۹۹)

"(صاحب ہدایہ کا قول: یہی صحیح ہے) یعنی صحیح یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہی مسلک ہے (کہ دیانت کا کفاءة میں اعتبار ہے) ماتن نے یہ اس لئے کہا کیونکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں (یعنی کفاءة میں دینداری کا اعتبار نہیں کرتے) سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ کفاءة میں صلاح کا کوئی اعتبار نہیں۔"

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

"ومنها الديانة تعتبر الكفاءة في الديانة وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى وهو الصحيح كذا في الهداية فلا يكون الفاسق كفوًا للصالح كذا في المجمع سواء كان معلمن الفسق أو لم یکن كذا في المحيط و ذکر السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة رحمه الله

تعالیٰ أن الكفاءة من حيث الصلاح غير معتبرة كذا في السراج الوهاج.

"انہی میں سے ایک دینداری میں کفائت ہے اور یہ (دینداری میں کفائت کا اعتبار) امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے پس فاسق شخص صالحہ کا کفو نہ ہوگا، یہی مجمع میں ہے، چاہے علانیہ فاسق ہو یا غیر علانیہ، یہی محیط میں ہے اور سرخسی نے ذکر کیا ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ کفائت صلاح کے اعتبار سے غیر معتبر ہے۔"

(الھند یہ ۱/۲۹۱)

درج بالا عبارات میں ذکر کردہ حوالوں سے واضح ہو گیا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں اور صحیح اور مفتی بقول کے درمیان فقہاء کا اختلاف ہے۔ محیط برہانی میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول (کہ کفائت میں دینداری کا کوئی اعتبار نہیں اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے) پر ان الفاظ میں فتویٰ منقول ہے:

"قیل وعلیہ الفتویٰ" (المحیط، ۲۸/۳)

"کہا گیا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہی فتویٰ ہے۔"

نیز علامہ ابن الہمام نے بھی فتح القدیر میں محیط کے حوالے سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے لیکن البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم نے ان تمام تفصیلات کو سامنے رکھ کر دوسری روایت (جس کے مطابق کفائت میں دینداری کا اعتبار ہے) پر فتویٰ نقل کیا ہے کیونکہ متون میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول اسی روایت کو لے کر دیانت کو کفائت میں معتبر قرار دیا گیا ہے تو یہ (اصحاب متون کا اس روایت کو لینا) اس روایت کے صحیح اور مفتی بہ ہونے کی دلیل ہے صاحب بحر کی عبارت درج ذیل ہے:

"واعتبار التقویٰ فیہا قول أبی حنیفة وأبی یوسف وهو الصحیح لأنه من أعلى المفاجر والمرأة تعیر بفسق الزوج فوق ما تعیر بضعة نسبه وقال محمد لا تعتبر لأنه من أمور الآخرة فلا تبنتی أحكام الدنیا علیہ إلا إذا كان یصفع ویسخر منه... لأنه مستخف به، کذا فی الهدایة۔ وفي فتح القدير معزياً إلى المحيط إن الفتویٰ علی قول محمد ولعله المحيط البرہانی فإنه لم أجده فی المحيط الرضوی وهو موافق لها صححه فی المبسوط من أنها لا تعتبر عند أبی حنیفة وتصحیح الهدایة معارض له فالإفتاء بما فی المتون أولى فلا یكون الفاسق كفاءة للصالحة بنت الصالحین۔"

(البحر الرائق، ۳/۲۳۲)

"کفائت میں تقویٰ کا اعتبار امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہ اعلیٰ ترین مفاخر میں سے ہے اور عورت کو شوہر کے فاسق ہونے پر اپنے نسب کے ضائع ہونے سے زیادہ مارد لانی جاتی ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دینداری کا اعتبار نہیں کیونکہ یہ تو آخری امور میں سے ہے تو دنیاوی احکام اس پر مرتب نہ ہوں گے الا یہ کہ اسے تھپڑ مارے جاتے ہوں اور مذاق بنایا جاتا ہو..... کیونکہ وہ حقیر انسان بن چکا ہے (اب ایسا شخص بہر حال امام

محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی کفو نہ ہوگا) یہی ہدایہ میں ہے اور فتح القدر میں ہے محیط کے حوالے سے کہ فتویٰ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے شاید مراد محیط البرہانی ہے کیونکہ محیط رضوی (جو کہ میرے پاس ہے) میں مجھے یہ مسئلہ نہیں ملا اور یہ موافق ہے اس روایت کے جس کی تصحیح سرخسی نے کی ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفاءة میں دینداری کا اعتبار نہیں لیکن ہدایہ کی تصحیح اس (محیط کی تصحیح یا نقل فتویٰ) کے معارض ہے پس جو متون میں ہے اس پر فتویٰ دینا اولیٰ ہوگا اور ایک فاسق صالح بنت صالح کا کفو نہ ہوگا۔

اسی طرح خاتمۃ المحققین علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں اس ساری بحث کو ذکر کر کے البحر الرائق کی طرح کفاءة میں دینداری کے اعتبار والے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت درج ذیل ہے:

"قوله (ديانة) أي عندهما وهو الصحيح وقال محمد لا تعتبر إلا إذا كان يصفح ويسخر منه .... ونقل في الفتح عن المحيط أن الفتوى على قول محمد لكن الذي في التاتر خانية عن المحيط قيل وعليه الفتوى وكذا في المقدسي عن المحيط البرهاني ومثله في الذخيرة قال في البحر وهو موافق لما صححه في المبسوط وتصحيح الهداية معارض له فالإفتاء بما في المتون أولى۔"

"(در مختار کا قول دیانتہ) یعنی امام صاحب اور امام بویوسف کے نزدیک (دینداری کا اعتبار ہے) اور یہی صحیح ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دینداری کا اعتبار نہیں الا یہ کہ اسے طمانچے مارے جائیں اور مذاق بنایا جاتا ہو..... فتح القدر میں محیط سے نقل ہے کہ فتویٰ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے لیکن تاتارخانیہ میں محیط کے حوالے سے (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بارے میں ہے کہ) کہا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور بحر میں ہے کہ یہ مبسوط والی روایت کے تو موافق ہے لیکن ہدایہ کی تصحیح اس کے معارض ہے پس جو متون میں ہے (کہ دینداری کا کفاءة میں اعتبار ہے) اسی پر فتویٰ دیننا بہتر ہے۔"

(رد المحتار علی الدر المختار ۳/۸۹)

نیز سوال میں قاضی خان کے حوالے سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول پہلی روایت کو صحیح قرار دیا گیا ہے اس کا جواب علامہ رافعی نے "التحریر المختار" میں یہ دیا ہے:

"الافتاء بما في المبسوط أولى الا أن يقال ان تصحيح ما فيه قد ضعف بما في المحيط والذخيرة حيث عبر عنه بقيل"

(التحرير المختار ۳/۱۹۰)

"مبسوط (یا خانہ وغیرہ کی روایت) پر فتویٰ دینا اولیٰ ہوتا مگر یہ کہا جائے گا کہ مبسوط کی تصحیح کردہ روایت کو محیط اور ذخیرہ (میں موجود) قیل وعلیہ الفتویٰ" کہا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے) کے الفاظ نے ضعیف کر دیا (کیونکہ کہا گیا ہے کہنا قول کے ضعف پر دال ہوتا ہے)۔"

لہذا صورت مسئلہ میں تحریر کردہ دلائل اور بحر اور شامیہ کی دوسری روایت کو ترجیح دینے اور اصحاب متون کا بھی امام صاحب

رحمۃ اللہ علیہ سے منقول دوسری روایت (کہ کفاءة میں دینداری) کو لیتا نیز پہلی روایت پر محیط برہانی میں ”قیل“ (کہا گیا ہے) کے الفاظ سے ضعف کی طرف اشارہ اور آخر میں شامیہ کا یہ کہہ دینا ”فالافتاء بما فی المتون اولی“ (متون میں موجود روایت پر فتویٰ دینا اولیٰ ہے) یہ سب باتیں یہ نتیجہ دیتی ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول دونوں روایتوں میں سے صحیح ترین اور مفتی بہ دوسری روایت ہے اور کفاءة میں دینداری کا اعتبار ہے اور فتویٰ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے لیکن اس روایت پر نہیں جو سوال میں ذکر ہے بلکہ دوسری روایت پر جس کے مطابق کفاءة میں دینداری کا اعتبار کیا گیا ہے اور امام ابو یوسف بھی اس مسئلے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

البتہ سوال میں سائل کا یہ کہنا ”صالحہ لڑکی فاسق شخص کا کفو بن سکتی ہے یا نہیں“ درست نہیں کیونکہ کفاءة کا اعتبار مردوں میں ہوتا ہے عورتوں میں نہیں لہذا سوال یوں ہونا چاہیے ”کیا فاسق شخص صالحہ لڑکی کا کفو بن سکتا ہے یا نہیں؟“ نیز سوال میں یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ اس نیت سے نکاح کرانا کہ شوہر نکاح کے بعد فسق و فجور سے تائب ہو جائے کیسا ہے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ مسئلہ شوہر کے تائب ہونے یا نہ ہونے سے نہ بدلے گا اصل مدارس پرستوں کی اجازت پر ہے اگر سرپرست اپنی بیٹی کا نکاح کسی فاجر شخص سے کراتا ہے چاہے توبہ کی امید سے کرائے یا کوئی اور نیت ہو لڑکی کی رضامندی کے ساتھ یہ نکاح درست ہے اور اگر لڑکی خود سرپرستوں کی رضامندی کے بغیر فاسق سے نکاح کرتی ہے تو وہ نکاح مفتی بہ قول کے مطابق غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے چاہے اس نیت سے کرے کہ لڑکا توبہ کر لے گا یا کسی بھی نیت سے، بغیر اجازت ولی غیر کفو میں نکاح بہر حال کالعدم ہے البتہ اتنا ہے کہ اگر سرپرست خود اس نیت سے کہ لڑکا گناہوں سے توبہ تائب ہو جائے اپنی بیٹی کا نکاح کراتے ہیں تو یہ ایک خیر کا کام ہوگا۔

لمافی الدر المختار (۵۴/۳): (ویفتی) فی غیر الکفاءة (بعدم جوازہ أصلاً)۔

وفی اللجنة الدائمة (۱۸۸/۱۸): ج: تشریح مساعدته فی الزواج لأن هذه المذكورات لا تمنع ذلك، وتنصحہ بتوفیر لحيته وإعفائها، وترک التدخين، ونرجو أن يكون تزويجك له من أسباب صلاحه وطاعته لك لأن الخير يأتي بالخير وباللہ التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

## (۵۱۲) لڑکی میں دین داری کو ترجیح دینے کا مطلب

## سوال

مجھے ایک حدیث کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔ شریعت کا حکم ہے کہ دین دار لڑکی کو نکاح کیلئے ترجیح دی جائے نیز جمال کی رعایت سے زیادہ دین کی رعایت کی جائے میں ایک طرف یہ حکم دیکھتا ہوں دوسری طرف صحیح حدیث کہ ”جب تم میں سے کوئی پیغام نکاح بھیجے تو اگر وہ دیکھ سکتا ہے لڑکی کے اس حسن و جمال کو جو اسے نکاح کی طرف دعوت دے تو وہ دیکھ لے“ (مفہوم حدیث)

مفتی صاحب! (۱) جب اصل دین کی رعایت ہے تو حسن و جمال دیکھنے کا کیا فائدہ؟

(۲) کیا دین کی رعایت چھوڑ کر فقط جمال دیکھتے ہوئے نکاح کیا جائے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟

(۳) شادی سے قبل جب اس لڑکی کو دیکھنا بصراحت نص جائز ہے تو اس کے بارے میں کہ وہ کیسی ہے دین دار ہے جمیل ہے سگھڑ ہے الخ یہ سوچنا بھی قبل النکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ براہ کرم تمام پہلوؤں کا شافی جواب عنایت فرمائیں تاکہ میرے ذہن کی تشویش دور ہو کیونکہ مذکورہ بالا امور سے تو منگنی کے بعد لڑکی سے بات کرنا اور سوچنا جائز لگتا ہے۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

(۱) شریعت مطہرہ میں نکاح کیلئے عورت کے دین دار ہونے کا زیادہ اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ اصل دین ہی ہے جس لڑکی کو پیغام نکاح بھیجنے کا ارادہ ہو تو جہاں تک اس کے دیکھنے کی اجازت کا تعلق ہے وہ ایک عارض کی وجہ سے تھا کہ انصار کی بعض عورتیں بھینگی ہوا کرتی تھیں لہذا نبی کریم ﷺ نے دیکھنے کی اجازت دی کہ بعد میں نہ دیکھنے کی وجہ سے کوئی عارض از دو اجی زندگی کو متاثر نہ کرے جس کی وجہ سے آپس کی محبت میں کمی آئے۔ ہاں عورت کو پہلے دیکھ لینا اگر وہ خوبصورت ہو تو اس سے محبت بڑھ جاتی ہے اور یہ دیکھنا محبت کے بڑھنے کا ذریعہ ہوگا تو اگر ایک طرف خوبصورتی کے ساتھ دین داری بھی ہے اور دوسری طرف صرف خوبصورت ہے یا صرف دین دار ہے تو اس تقابل میں جو عورت خوبصورت اور دین دار ہو، اس سے نکاح کرنا بہتر ہے لیکن اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ دوسری عورت کی تذلیل نہ ہو، اور اس عورت کے احساس کمتری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو نیز یہ نیت کرے کہ میں خوبصورت دین دار عورت سے جو نکاح کر رہا ہوں وہ محض اس وجہ سے نہیں کہ وہ خوبصورت ہے بلکہ میرا دل چاہتا ہے اور دل میں عفت و پاکدامنی کا عزم رکھے۔

(۲) اگر فقط جمال کو دیکھتے ہوئے نکاح کیا جائے باوجود اس کے کہ وہ دین دار نہ ہو تو اس عمل سے گناہ گار تو نہ ہوگا البتہ یہ فعل

خلاف اولیٰ ہے اس لئے کہ بعض احادیث میں اس سے نہی وارد ہے۔

(۳) حدیث مبارکہ میں صرف دیکھنے کی اجازت ہے مقصود اس سے حاصل ہو جاتا ہے جہاں تک بات ہے سوچنے کی تو اگر خود

ذہن میں خیال آئے تو حرج نہیں ورنہ ذہن میں بتکلف خیال لانا درست نہیں۔

مکئی نکاح نہیں بلکہ وعدہ نکاح ہے لہذا یہ اجنبیہ ہی ہوئی جو حکم عام اجنبیہ کا ہے وہی اس کا ہے۔

لما فی المشکوۃ (۲/۲۶۷): وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"  
 وفي مرقاة المفاتيح (۶/۲۵۵): [فإن استطاع أن ينظر إلى ما] أي عضو [يدعوه] أي يجمله ويبحثه [إلى نكاحها فليفعل] فإنه مندوب لأنه سبب تحصيل النكاح وهو سنة مؤكدة والتحسين المطلوب بالنكاح لا يحصل إلا بالرغبة في المنكوحه والنهي أن يكون المقصود الجمال فقط. كذا ذكره ابن الملك وفيه إن قصد الجمال مباح والنهي لأنه خلاف الأولى لأن الأولى أن يقصد بالمباح نية حسنة ليصير عبادة -- وأن ما روي أن المرأة لا تنكح لجمالها ليس زجرا عن رعاية الجمال بل هو زجر عن النكاح لأجل الجمال المحض مع الفساد في الدين۔

وفي عون المعبود (۳/۱۵۱): (ولجمالها) يؤخذ منه استحباب تزوج الجميلة إلا أن تعارض الجميلة الغير دينية والغير الجميلة الدينية نعم لو تساوت في الدين فالجميلة أولى ويلتحق بالحسنة الذات الحسنة الصفات۔

وفي الشامية (۳/۱۱): قال في شرح الطحاوي لو قال هل أعطيتها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح اه  
 وفي الفقه الاسلامي (۹/۶۵۸) كتاب النكاح (ادارة الفكر): بينا أن الخطبة ليست زواجا وأن هي مجرد وعد بالزواج۔

## (۵۱۳) غیر کفو میں نکاح کا عدم ہے

### سؤال

زید کی ایک خوبصورت دیندار بیٹی ہے لیکن اس نے والد کی رضامندی کے بغیر ایک جو اکیلے والے فاسق آدمی سے نکاح کر لیا ہے اور والد چاہتا ہے کہ اس نکاح کو فسخ کر دے تو کیا والد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ یہ نکاح فسخ کر دے۔ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو مفتی یہ قول کی مطابق اس کا نکاح منعقد نہیں ہوتا لہذا صورت



مذکورہ میں عورت کا شخص مذکور کے ساتھ نکاح ہوا ہی نہیں البتہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

لما فی الدر المختار (۵۷/۳): (ویفتی) فی غیر الکفاء (بعدم جوازہ أصلاً) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان)۔

وفی الرد تحتہ: هذا القول المفتی به خاص بغير الكفاء كما أشار إليه الشارح --- قوله (بعدم جوازہ أصلاً) هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضا بعده بجر۔

وفی ص (۹۳/۳): قوله (الاعتراض) أفاد أن العقد صحيح وتقدم أنها لتزوجت غير كفاء فالمختار للفتوی رواية الحسن أنه لا يصح العقد۔

122

## رسالة

## الدليل الجاذب

على

أن نكاح المرأة في غير الكفو، نكاح فاسد

عورت کا بغیر ولی کی اجازت کے خود غیر کفو میں کیا نکاحامام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی مفتی بہ روایت کے مطابق غیر منعقد قرار دیا جاتا ہے۔لیکن یہ نکاح فاسد ہے یا باطل؟ اس میں نکاح فاسد کے احکام(بعد از وطی مہر، عدت نسب وغیرہ) آئیں گے یا یہ نکاح باطل اور زنا ہے؟مسئلہ ہذا سے متعلق تحقیق اور بعض اردو فتاویٰ میں پائے جانے والے تراجم کا بیان

## (۵۱۳) غیر کفو میں نکاح کے فاسد یا باطل ہونے کی تحقیق

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک لڑکی کا از خود غیر کفو میں نکاح کا عدم ہے تو یہ نکاح فاسد ہوگا یا نکاح باطل؟ نیز اس پر تفریق، متارکت اور عدت وغیرہ احکام لازم ہوں گے یا یہ زنا محض اور نکاح باطل ہے؟ نکاح فاسد اور باطل میں کیا فرق ہے؟ اگر فقہاء نے تعیین کی ہو تو ازراہ کرم تحریر فرمادیں۔ نیز میں نے اس مسئلہ کیلئے فتاویٰ کی مراجعت کی تو مجھے احسن الفتاویٰ میں یہ بات ملی کہ غیر کفو میں نکاح مفتی بہ روایت کے مطابق کالعدم اور باطل ہے مفتی صاحب اس پر غور فرمائیں کہ کیا یہ نکاح باطل ہے احسن الفتاویٰ میں یہ بھی ہے کہ اس میں کسی قسم کی تفریق یا متارکت کی ضرورت نہیں؟ ازراہ کرم مسئلہ کی مفصل تشریح فرمادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکی کا از خود غیر کفو میں کیا گیا نکاح منعقد ہوگا یا نہیں، اس سلسلے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دو طرح کی روایتیں منقول ہیں ایک ظاہر الروایۃ اس کے مطابق غیر کفو میں اولیاء کی رضامندی کے بغیر نکاح منعقد تو ہو جائے گا لیکن اولیاء کو حق اعتراض ملے گا اور وہ بذریعہ عدالت نکاح فسخ کر سکتے ہیں اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اس روایت کے مطابق لڑکی کا از خود غیر کفو میں کیا نکاح سرے سے غیر منعقد ہوتا ہے نیز زمانے میں پیدا ہو جانے والے بگاڑ کی وجہ سے حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ والی روایت پر ہی فتویٰ دیا جاتا ہے اور فقہاء نے اپنی کتب میں تصریح کی ہے کہ مسئلہ کفو میں ظاہر الروایۃ کے بجائے مختلف مصالح کی بناء پر حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا اور یہ نکاح سرے سے غیر منعقد ہوگا لہذا اولیاء کو بھی عدالت سے فسخ کرانے کی ضرورت نہ پڑے گی گویا حنفیہ کا مفتی بہ مذہب نکاح کے عدم انعقاد کا ہے۔

البتہ یہ نکاح، نکاح فاسد کہلائے گا یا نکاح باطل اور اس پر کیا احکام جاری ہوں گے؟ تو اس سلسلے میں نکاح فاسد اور باطل کی تعریف نیز فقہاء کی تصریحات اور نکاح غیر منعقد ہونے کے باوجود اس پر مختلف احکام کا اجراء کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ یہ نکاح فاسد شمار ہوگا اسے نکاح باطل قرار دینا درست نہیں۔

## نکاح فاسد اور باطل میں فرق

أولاً: نکاح فاسد اور باطل میں کیا فرق ہے اسے ملحوظ رکھا جائے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"(قوله: وهو الذي فقد شرطاً من شرائط الصحة) ومثله تزوج الأختين معا ونكاح الأخت في عدة الأخت ونكاح المعتدة... وفي المحيط تزوج ذمی مسلمة فرق بينهما لأنه وقع فاسداً. فظاهرة أنهما لا يحدان وأن النسب يثبت فيه والعدة إن دخل، بحر. قلت: لكن سيدنا شارح في آخر فصل في ثبوت النسب عن مجمع الفتاوى نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نكاح باطل. وهذا صريح فيقدم على المفهوم فافهم. ومقتضاة الفرق بين الفاسد والبطل في النكاح... والظاهر أن المراد بالبطل ما وجوده كعدمه ولذا لا يثبت النسب ولا العدة في نكاح المحارم أيضاً كما يعلم مما سيأتي في الحدود... وسيأتي في باب العدة أنه لا عدة في نكاح باطل وذكر في البحر هناك عن المجتبی أن كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخل فيه موجب للعدة... قال فعلى هذا يفرق بين فاسدة وباطله في العدة."

"(صاحب دز مختار کا قول: نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحت کی کوئی ایک شرط غیر موجود ہو) مثلاً گواہ نہ ہوں یا اسی طرح دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا یا ایک بہن سے اس حال میں نکاح کرنا کہ اس کی بہن اس کی عدت میں ہو یا معتدہ عورت سے نکاح کرنا (تو یہ تمام نکاح، نکاح کی صحت کی کوئی ایک شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے فاسد ہیں)..... اسی طرح محیط میں ہے کہ ایک ذمی نے مسلمان عورت سے شادی کر لی تو ان دونوں میں تفریق کرائی جائے گی کیونکہ یہ نکاح فاسد ہے بظاہر اس میں عدت لگے گی اور نسب ثابت ہوگا اور دخول کی صورت میں عدت گزارنا ہوگی، بحر۔ میں کہتا ہوں: شارح صاحب دز مختار عنقریب ثبوت نسب کی فصل کے اختتام پر ذکر کریں گے مجمع الفتاویٰ کے حوالے سے کہ کافر اگر مسلمہ عورت سے نکاح کر لے اور بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا اور نہ عدت لازم آئے گی کیونکہ یہ نکاح باطل ہے اہ یہ صریح ہے تو مفہوم سے سمجھ آنے والی بات پر مقدم ہوگا، اسے ذہن نشین کر لو اس کا مستقضى یہ ہے کہ نکاح میں فاسد اور باطل کے درمیان فرق کیا جائے..... بظاہر باطل سے مراد ایسا نکاح ہوگا جس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو اسی لئے محارم سے نکاح کی صورت میں نہ نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ عدت لازم ہوتی ہے جیسا کہ حدود کے باب میں معلوم ہو جائے گا..... اور عدت کے باب میں آرہا ہے کہ نکاح باطل میں کوئی عدت نہیں۔ یہاں بحر نے مجتبیٰ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ہر وہ نکاح جس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہو وہ نکاح فاسد ہے جیسا کہ بغیر گواہ کے نکاح پس اس کے مرتکب پر عدت گزارنا لازم ہوگا..... پس نکاح فاسد اور باطل کے درمیان (ہتیادی) فرق عدت کے اعتبار سے ہوگا۔"

شامیہ کے اس طویل اقتباس سے نکاح فاسد اور باطل کے درمیان دو طرح کے فرق ثابت ہوتے ہیں:

(۱) ہر وہ نکاح جس میں صحت کی کوئی ایک شرط نہ پائی جائے وہ نکاح فاسد ہے۔

(۲) یا ہر وہ نکاح جس کے جواز میں کسی فقیہ کا اختلاف ہو وہ نکاح فاسد ہے اور اگر سب کا اس کے عدم جواز پر اتفاق ہو تو وہ

نکاح باطل ہے۔ مثالیں عبارت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

یہاں مقصودی بات یہ ذکر کرنی ہے کہ بغیر گواہ کے نکاح نیز دو بہنوں کے ساتھ ایک ساتھ نکاح ان کی حرمت اتنی زیادہ سخت

ہونے کے باوجود چونکہ ان میں صرف شرائط صحت میں سے ایک ایک شرط مفقود ہے تو انہیں باطل کے بجائے فاسد قرار دیا گیا ہے نیز بغیر

گواہ کے نکاح میں امام مالک کا اختلاف ہے اس غیر مذہب کے اختلاف کی وجہ سے عند الحنفیہ اس بالاتفاق حرام نکاح کو فاسد قرار

دیا جا رہا ہے تو غیر کفو میں لڑکی کا نکاح از خود کرنا بدرجہ اولیٰ نکاح فاسد ہوگا کیونکہ ظاہر الروایۃ جو کہ اصل مذہب احناف ہے اس کے مطابق

یہ نکاح منعقد ہے نیز اس میں صرف ایک شرط کفاءة (جو کہ خود مختلف فیہ ہے) مفقود ہے تو بغیر گواہ کے نکاح جس میں صرف امام مالک

جواز کے قائل ہیں اس وجہ سے حنفیہ کے نزدیک وہ فاسد ہو رہا ہے تو یہاں غیر کفو میں نکاح جس کے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود اصل

مذہب کے اعتبار سے قائل جواز ہیں، حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق نکاح فاسد شمار ہوگا اسے نکاح باطل کہنے کی کوئی وجہ

نہیں۔

## مسئلہ ہذا سے متعلق فقہاء حنفیہ کی تصریحات

ثانیاً: اب تک ہم نے نکاح فاسد و باطل کی تعریف کے ذریعے غیر کفو میں لڑکی کے از خود نکاح کے فاسد ہونے کی وضاحت

کی۔ اب فقہاء حنفیہ کی تصریحات ذکر کی جا رہی ہیں

(۱) البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

نکاح فاسد اور باطل سے متعلق یہ بات ملحوظ رہے کہ ان کی تعریفات اور فروق سے متعلق عبارات مغلط اور متعارض ہیں یہاں صرف مقصودی بات

کو ذکر کیا گیا ہے۔ نکاح فاسد اور باطل کی مختلف تعریفات اور ان پر ہونے والے اعتراضات، فقہاء کے اپنے تحفظات، نیز نکاح فاسد اور

باطل کی ایسی جامع، مانع تعریف جس پر اشکال نہ ہو اور ان دونوں میں فرق کا معیار۔ الغرض مسئلہ ہذا میں پائے جانے والے اعتناق کا مکمل

دفع، مختلف النوع اور کتب میں بکھری عبارات کا جمع اور نکاح فاسد اور باطل کی مدلل تشریح سے متعلق تحقیقی فتویٰ نجم الفتاویٰ ۳/ ۵۱۸ پر

بنام "المحد الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل" ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

نکاح میں گواہ سے متعلق مذہب مالکیہ کی مکمل تنقیح اور مدلل توضیح کیلئے ملاحظہ ہو نجم الفتاویٰ جلد رابع کا فتویٰ "العقود الدریۃ فی تحقیق

حکم النکاح بدون الشہود عند المالکیۃ" اس فتویٰ میں مذہب مالکیہ کی مدلل تفصیل موجود ہے۔ از مرتب

"(قوله: من نکحت غیر کفاء فرق الولی) وإذا فرق القاضی بینہما فإن کان بعد الدخول فلہا المسمی وعلیہا العدة ولہا النفقة فیہا... وهو تفریح علی انعقادہ وأما علی المفتی بہ فینبغی أن یمجب الأقل من المسمی ومن مہر المثل وأن لا نفقة لہا فی ہذا العدة کما لا ینغی.... وینبغی أن یمجب تفریحاً علی ظاہر الروایة أما علی المفتی بہ فإنہ لا یمجب المہر الثانی بالاتفاق لأنه نکاح فاسد کما صرح بہ فی الخانیة فیما إذا کان النکاح الثانی فاسداً."

"(ماتن کا قول جو لڑکی غیر کفو میں خود نکاح کر لے تو ولی تفریح کر دے)..... جب قاضی ان دونوں کے درمیان تفریح کر دیکے تو اگر یہ تفریح دخول کے بعد ہو تو اسے مہر مسمی ملے گا اور عدت گزارنا ضروری ہوگی اور نفقہ بھی ملے گا..... یہ تفریح نکاح کے انعقاد کے اعتبار سے ہے اور مفتی بہ حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق مہر مسمی اور مہر مثل میں جو کم ہو وہ ملے گا اور اس عدت میں عورت کیلئے نفقہ نہ ہو گا یہ مخفی بات نہیں..... (چند سطر بعد لکھتے ہیں) اور یہ تفریح ظاہر الروایہ کے مطابق ہے اور مفتی بہ روایت کے مطابق دوسرا مہر شوہر پر ضروری نہ ہو گا اور اس پر سب ہی کا اتفاق ہے کیونکہ یہ نکاح فاسد ہے اور خانیہ میں تصریح ہے جبکہ دوسرا نکاح اگر فاسد ہو (تو مہر ثانی نہ ملے گا)۔" (المحررات شرح کنز الدقائق، ۳/۲۲۶)

اس عبارت میں صاحب بحر نے روایت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق نکاح کے فاسد ہونے کی تصریح کی ہے نیز اس نکاح پر عدت، مہر مثل اور مہر مسمی میں سے اقل وغیرہ کے احکام مرتب کئے ہیں جبکہ نکاح باطل میں نہ عدت ہوتی ہے اور نہ دیگر احکام مرتب ہوتے ہیں بلکہ اس کا وجود اور عدم برابر ہے۔

(۲) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی رد المحتار میں روایت حسن کے مطابق اس نکاح کے فاسد ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ در مختار میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جن میں فسخ کیلئے قضاء قاضی ضروری ہے اس میں سے ایک [صورت ظاہر الروایہ کے مطابق] غیر کفو میں لڑکی کے نکاح کی صورت میں ولی کا اعتراض کر کے قاضی سے نکاح فسخ کرانے کی بھی ہے، لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت فرماتے ہیں:

"(وفقد الکفاء) أي إذا نکحت غیر الکفاء فللأولیاء حق الفسخ وهذا علی ظاہر الروایة أما

علی روایة الحسن فالعقد فاسد ط. وتقدم أنها المفتی بہا"

"(اور کفو نہ پائا جانا) یعنی جب لڑکی از خود غیر کفو میں نکاح کر لے تو اولیاء کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا حق ہے اور یہ ظاہر

الروایہ کے مطابق ہے اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق یہ عقد فاسد ہے اور پیچھے گزر چکا کہ یہ ہی مفتی بہ ہے۔"

(رد المحتار علی الدر المختار، ۳/۷۲)

اس عبارت میں علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس عقد کے فاسد ہونے کی تصریح کی ہے۔

(۳) علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے طحاوی علی الدر میں در مختار کے اسی قول کے تحت فرمایا ہے:

"(قوله وفقد الكفاءة) أي اذا نكحت غير الكفاء فللاولياء حق الفسخ وهذا على ظاهر الرواية اما على رواية الحسن فالعقد فاسد"

"(اور کف کا غیر موجود ہونا) یعنی لڑکی از خود غیر کفو میں نکاح کر لے تو اولیاء کو فسخ کرانے کا حق رہے گا اور یہ ظاہر الروایہ کے مطابق ہے اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق یہ عقد فاسد ہے۔"

نیز علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسری جگہ روایت حسن پر نکاح فاسد کے احکام کا اجراء ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"(ویفتی فی غیر الکفاء) وعلى هذا القول يحرم عليها تمكينه من الوطى كما يحرم عليه الوطى لعدم العقادة وينبغي بعد الدخول ان يجب الاقل من المسهي ومهر المثل وان لا نفقة لها في هذه العدة"

"(اور غیر کفو میں فتویٰ دیا جائے گا) اور اس (روایت حسن) کے مطابق لڑکی کو اپنے اوپر لڑکے کو قدرت دینا حرام ہوگا جیسا کہ لڑکے پر وطی کرنا حرام ہے کیونکہ یہ نکاح غیر منعقد ہے اور دخول کے بعد مهر مثل اور مہر مسہی میں سے کم لازم ہوگا اور عدت میں عورت کو نفقہ نہ ملے گا۔"

ظاہر ہے کہ یہ تمام احکام نکاح فاسد پر لاگو ہوتے ہیں نکاح باطل کا لعدم اور محض زنا ہے اس میں نہ عدت ہے اور نہ مہر مثل اور ہر سہی میں سے کم کا حق۔

## مسئلہ زیر بحث میں اکابرین علماء دیوبند کی آراء

زیر بحث مسئلے میں جب ہم علماء دیوبند کے فتاویٰ اور تحریرات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں دونوں طرح کی آراء نظر آتی ہیں ایک تو یہ کہ لڑکی کا از خود غیر کفو میں نکاح باطل ہے اور دوسری یہ کہ یہ نکاح فاسد ہے۔ اس نکاح کو باطل قرار دینے والی آراء درج ذیل ہیں:

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں مفتی اعظم ہند حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک فتویٰ بعنوان "ولی کی بلا رضامندی بالغہ نے غیر کفو میں نکاح کر لیا درست ہوا یا نہیں" کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"فتاویٰ سراجیہ میں جو اعتراض کا حکم لکھا ہے یہ اصل مذہب حنفیہ کا ہے لیکن متاخرین حنفیہ کا فتویٰ بطلان نکاح مذکور کا ہے یعنی غیر کفو میں نکاح بالغہ کا بلا اجازت ولی کے باطل ہوتا ہے ولی کو فسخ کرانے کی ضرورت نہیں ہے یہ سب تفصیل درمختار اور رد المحتار میں ہے۔" (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۳۰)

درمختار اور رد المحتار کی عبارت کی وضاحت حاشیہ پر مخرج و مرتب علامہ ظفیر احمد مفتاحی صاحب نے یہ کی ہے:

"ویفتی فی غیر الکفاء بعدم جوازہ اصلا وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان۔" (شامیۃ ۵۶/۳)

(۲) حضرت مولانا علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری (۳/۲۸۳) پر فرماتے ہیں:



"لو نکحت فی غیر کفء بغير اذن الولی بطل نکاحها فی روایة الحسن بن زیاد عن ابی حنیفة وان کان ظاہر الروایة خلافه"

"اگر عورت غیر کفو میں نکاح کر لے اور ولی کی اجازت نہ ہو تو حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کے مطابق یہ نکاح باطل ہے اگرچہ ظاہر الروایة اس کے خلاف ہے۔" (فیض الباری ۲۸۳/۳)

(۳) حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ احسن الفتاویٰ میں ایک فتویٰ بعنوان "بلا اذن ولی غیر کفو سے نکاح میں

طلاق یا متارکت کی حاجت نہیں" کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"طلاق یا متارکت کی ضرورت نکاح فاسد میں ہوتی ہے بلا اذن ولی غیر کفو سے نکاح فاسد نہیں بلکہ یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا اس لئے اس میں طلاق یا متارکت کی حاجت نہیں قال فی العلائیة ویفتی فی غیر الکف بعدہ جوازہ اصلاً وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان..... (احسن الفتاویٰ ۱۰۴/۵)

جبکہ مسئلہ زیر بحث میں اس نکاح کو فاسد قرار دینے والی آراء درج ذیل ہیں:

(۱) فتاویٰ محمودیہ میں ایک فتوے بعنوان "غیر کفو میں نکاح اور نکاح فاسد میں عدت" کے تحت حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ تحریر

فرماتے ہیں:

"اس نکاح کے جواز میں اختلاف ہوا کہ ظاہر الروایت کے مطابق جائز ہے روایت حسن کے مطابق ناجائز ہوا اور جس نکاح کے جواز میں علماء کا اختلاف ہو وہ نکاح فاسد ہوتا ہے نیز روایت حسن (مفتی بہا) کے موافق شرط صحت (کفاءة) مفقود ہے اور جس نکاح میں کوئی شرط مفقود ہو وہ نکاح فاسد ہوتا ہے اور نکاح فاسد میں مدخولہ پر عدت واجب ہوتی ہے..... جمیع علماء حنفیہ اور امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہم متفق ہیں کہ بلا شہادت نکاح صحیح نہیں ہوتا صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے کہ وہ صحت کے قائل ہیں (گو اشاعت کو وہ بھی ضروری کہتے ہیں) لیکن اس اختلاف کا اعتبار کرتے ہوئے بھی حنفیہ عدت کو واجب کہتے ہیں نماز صورت مسئلہ میں تو حنفیہ کا خود اختلاف ہے تو یہاں وجوب عدت کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے..... لہذا اس نکاح کو باطل کہنا بھی درست نہیں پھر اس کو زنا کہنا بالکل بدیہی البطلان ہے اور انتہائی جرأت ہے۔"

(فتاویٰ محمودیہ ۶۱۸/۱۱)

(۲) کفایت المفتی میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال بعنوان "غیر کفو کے ایک شخص نے لڑکی کو اغواء کر کے

اس سے نکاح کر لیا یہ فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟" کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر اغواء عورت سے بدون اجازت اولیاء کے نکاح کر لیا اور عورت بالغ تھی تو نکاح ظاہر الروایہ کی بناء پر منعقد ہو گیا پھر اگر یہ شخص عورت کے خاندان سے اس قدر کم درجے کا ہو کہ عام طور پر ان میں مناکحت نہ ہوتی ہو، اور عار سمجھی جاتی ہو تو اولیائے عورت کو اعتراض کا حق ہے وہ نکاح کو بذریعہ حاکم مجاز کے یا ایسی پچائیت کے جس کے فیصلے اس بارے میں نافذ و مقبول

ہوں فسخ کر سکتے ہیں..... فیصلہ فسخ سے پہلے وہ زنا کا مرتکب نہیں ہے متاخرین کا فتویٰ کہ نکاح منعقد نہیں ہوتا معلل بعلت فساد زمان ہے جو خود بتاتا ہے کہ وہ ایک زبرد انتظام کا فتویٰ ہے نہ یہ کہ حلت و حرمت کی بنیاد اس پر قائم کی جاسکتی ہے۔

(مفاتیح المفتی ۵/۱۹۷)

(۳) مفتی اعظم پاکستان شفیع رحمۃ اللہ علیہ امداد المفتین میں ایک فتویٰ بعنوان ”لڑکی کا نکاح والد کی رضامندی کے بغیر کرنا“ کے

تحت فرماتے ہیں:

”سوال: زید مع چند شخصوں کے رات کے وقت بکر کے مکان پر جا کر بکر کی چودہ سالہ لڑکی کو اپنے دکان پر لے آیا اور راتوں رات قاضی کو بلا کر باقاعدہ عدم موجودگی لڑکی کے والد کے نکاح پر ہوا آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر لڑکی بوقت نکاح بالغ تھی اور اس نے اپنے نکاح کی اجازت بھی اپنی زبان سے دی تھی اگرچہ جبر و اکراہ کی وجہ سے دی ہو تو نکاح منعقد ہو گیا کہا صریح بہ الشاہی من انعقاد النکاح مع الاکراہ اور اگر نابالغ تھی یا اجازت نہ دی تھی تو نکاح منعقد نہیں ہو اقال فی الدر المختار: فعقد نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضا ولی۔ اگر زید کا لڑکا جس سے نکاح ہوا ہے بکر کی لڑکی کیلئے کفو نہ ہو تو اس کا باپ اور دوسرے اولیاء قاضی یا مسلمان حاکم یا مسلمانوں کی پچائیت میں اپنا معاملہ پیش کر کے فسخ نکاح کر سکتے ہیں صریح بہ الہدایۃ والدر المختار (امداد المفتین ۲/۵۲۸)

اس فتوے میں مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ روایت حسن کی بناء پر نکاح کو فاسد قرار نہیں دیا لیکن حضرت والا کا مختلف مصالِح کی بنیاد پر ظاہر الروایہ کے مطابق فتویٰ دیکر اس نکاح کو منعقد قرار دینا اور روایت حسن مفتی بہا کو ترک کر دینا اس بات پر صریح دال ہے کہ غیر کفو میں لڑکی کے از خود نکاح کا مسئلہ اتنا سخت نہیں کہ اسے بالکل باطل اور زنا محض قرار دے دیا جائے بلکہ بوقت ضرورت ظاہر الروایہ پر فتویٰ دینے کی بھی گنجائش ہے۔

## نکاح کو باطل قرار دینے والے حضرات کے دلائل کا جائزہ

لڑکی کے از خود غیر کفو میں نکاح کو جن حضرات نے باطل قرار دیا ہے بظاہر وہاں کوئی صریح دلیل یا عبارت موجود نہیں جس میں اس نکاح کے بطلان کا ذکر ہو البتہ روایت حسن کے مطابق جہاں کتب فقہ میں مطلقاً عدم انعقاد کا حکم مذکور ہے وہاں یہ الفاظ درج ہیں:

” (ویفتی) فی غیر الکفاء (بعدم جوازہ أصلاً) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان) ”

غیر کفو میں نکاح کی صورت میں اصلاً عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے گا یہی فتویٰ کیلئے پندیدہ ہے زمانے میں پیدا شدہ بگاڑ کی وجہ سے۔

(الدر المختار ۳/۵۷)

اس عبارت میں موجود ”بعدم جوازہ أصلاً“ یعنی اصل کے اعتبار سے عدم جواز کے الفاظ یہ ایہام دیتے ہیں کہ روایت حسن کے مطابق یہ نکاح کا عدم اور باطل ہو اور بظاہر یہی قائلین بطلان کا محل استشہاد ہے لیکن یہ استشہاد بوجہ مخدوش ہے۔

۱۔ شامی (۳/۷۲) پر علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود تصریح فرمائی ہے کہ یہ عقد فاسد ہے تو ایک مبہم عبارت کے بجائے صریح عبارت کو ترجیح دی جائے گی۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت گزر چکی ہے۔

۲۔ ”بعدم جوازہ اصلاً“ میں عدم جواز کو اصلاً یعنی سرے سے ناجائز ہونے کے ساتھ صرف اس لئے مقید کیا گیا ہے کیونکہ ظاہر الروایۃ کے مطابق یہ نکاح منعقد صحیح اور نافذ ہے البتہ بعد میں اولیاء فسخ کر سکتے ہیں تو اس کے مقابلے میں سرے سے ناجائز کا مطلب یہ ہوا کہ اولیاء کو فسخ کی ضرورت نہیں اور یہ نکاح غیر منعقد ہے۔ اس لفظ سے نکاح کے فاسد یا باطل ہونے پر استدلال درست نہیں۔

۳۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے دو جگہ شامیہ میں یہ عبارت ذکر کی ہے:

”قوله (وتعتبر الکفاءة للزوم النکاح) أى على ظاهر الرواية ولصحته على رواية الحسن المختارة للفتوى“

” (صاحب درمختار کا قول اور کفاءة کا اعتبار نکاح کے لازم ہونے میں کیا جائے گا) یعنی ظاہر الروایۃ کے مطابق اور حسن بن زیاد

کی روایت کے مطابق صحت کیلئے کفاءة شرط ہوگی اور یہی فتوے کیلئے پرندیدہ ہے۔“ (شامیہ ۳/۸۶)

اسی طرح ایک اور جگہ شامیہ میں عبارت ہے۔

”قوله الکفاءة معتبرة فى ابتداء النکاح للزومه أو لصحته) الأول بناء على ظاهر الرواية والثانى على رواية الحسن وقدمنا أول الباب السابق اختلاف الإفتاء فیہما وأن رواية الحسن أحوط“

(شامیہ ۳/۸۴)

” (کفاءة کا اعتبار ابتداء نکاح میں نکاح کے لازم یا صحیح ہونے کے اندر کیا جائے گا) پہلا (یعنی لازم ہونا) ظاہر الروایۃ کے مطابق اور دوسرا (یعنی صحیح ہونے میں) روایت حسن کے مطابق (کفاءة کا اعتبار ہوگا)۔“

اس سے واضح ہوا کہ روایت حسن کے مطابق کفاءة فقط صحت نکاح کی شرط ہے اور کفاءة کی عدم موجودگی میں نکاح کی ایک شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے یہ نکاح فاسد ہوگا (جیسا کہ فتوے کی ابتداء میں نکاح فاسد و باطل کی تصریح گزر چکی ہے) اسے ہی غیر صحیح نکاح کہا جاسکتا ہے البتہ اسے باطل کہنا محل نظر اور مشکل امر ہے۔

نیز فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے ذکر کردہ حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اور فیض الباری سے نقل کردہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ان حضرات نے نکاح کو فقط لفظاً باطل قرار دیا ہے ورنہ حقیقتاً یہ بھی اس نکاح کو فاسد قرار دیتے ہوں کیونکہ فاسد اور باطل کا اطلاق ایک دوسرے پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ ان ہر دو حضرات نے اس پر نکاح باطل کے مطابق کوئی حکم نہیں لگایا اور عدت وغیرہ کی نفی نہیں کی ہے فقط باطل کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ ان حضرات کی عبارات میں فاسد مراد لینے کا احتمال بہر حال موجود ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں ذکر کردہ دلائل [نکاح فاسد کی تعریف اور نکاح باطل اور فاسد میں فرق، نیز فقہاء کبار کی تصریحات کہ

یہ نکاح بروایت حسن فاسد ہے نیز اس پر نکاح فاسد کے احکام کا اجراء اور علماء دیوبند میں سے بعض کا اسے نکاح فاسد قرار دینا اور بعض کا ظاہر الروایہ کے مطابق اسے نافذ ہی قرار دے دینا یہ سب دلائل [یہ نتیجہ دیتے ہیں کہ لڑکی کا از خود غیر کفو میں کیا گیا نکاح حسن بن زیاد کی مفتی بروایت کے مطابق نکاح فاسد ہے اسے نکاح باطل یا زنا محض قرار دینا درست نہیں اور فقہاء کا اسے سرے سے کالعدم کہنا بھی اسی معنی میں ہے کہ یہ نکاح فاسد ہے جسے فسخ کرانے کیلئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں نہ یہ کہ اس معنی میں کہ یہ نکاح باطل قرار دیا جائے لہذا اس غیر کفو میں لڑکی کے از خود نکاح پر روایت حسن کے مطابق فساد کا حکم لگایا جائے گا اور نکاح فاسد کے تمام احکام اس پر لاگو ہوں گے جن میں سے بڑے بڑے احکام درج ذیل ہیں:

(۱) اگر اس نکاح میں بہستری ہو جائے تو مہر مثل اور مہر سہمی میں سے جو کم ہو وہ لڑکی کو دینا ضروری ہوگا اور اگر بہستری نہ ہوئی ہو تو پھر لڑکی کسی قسم کے مہر کی مستحق نہیں۔

(۲) اگر لڑکی سے بہستری ہو جائے تو تفریق (متارکت یا فسخ) کے بعد لڑکی کو ۳ حیض بطور عدت گزارنا ضروری ہوں گے بدون عدت گزارے دوسری جگہ لڑکی کا نکاح درہمت نہ ہوگا۔

(۳) اگر نکاح فاسد میں بہستری سے بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نسب لڑکے سے ثابت ہوگا۔

(۴) نکاح فاسد میں لڑکے کا لڑکی سے بہستری کرنا حرام ہے اور لڑکی کا لڑکے کو اپنے اوپر قدرت دینا حرام ہے دونوں پر بذریعہ فسخ وغیرہ علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہے۔

(۵) نکاح فاسد میں تفریق کی مختلف صورتیں ہیں ایک یہ کہ لڑکا متارکت کے الفاظ مثلاً میں نے تجھے چھوڑ دیا وغیرہ زبان سے کہہ دے دوسرا یہ کہ لڑکی یا لڑکے میں سے کوئی ایک بھی اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے یعنی یہ کہہ دے کہ میں یہ نکاح فسخ کرتا ہوں یا کرتی ہوں تب بھی یہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے تیسری صورت یہ کہ لڑکا لڑکی کا از خود فسخ وغیرہ نہ کر رہے ہوں تو قاضی پر ضروری ہوتا ہے کہ ان کے درمیان تفریق کر دے۔

نکاح فاسد کے یہ وہ بڑے بڑے احکام ہیں جو ہر نکاح فاسد پر جاری ہوتے ہیں نیز دلائل کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ غیر کفو میں نکاح فاسد ہے لہذا روایت حسن کے مطابق اسے کالعدم قرار دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ نکاح فاسد ہے اور اس پر نکاح فاسد کے تمام احکام جاری ہوں گے۔ تفریق سے قبل لڑکی کا کہیں اور نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

لمافی الدر المختار (۳/۱۳۲): (ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد) وهو الذی فقد شرطاً من شرائط

الصحة كشهود (بالوطء) في القبل (لا بغيره) كالخلوة لحرمة وطئها (ولم یزد) مہر المثل (علی

نکاح فاسد کے تفصیلی احکام نیز تفریق کیلئے متارکت یا فسخ کا حکم جاننے کیلئے نجم الفتاویٰ کی اسی جلد کے فتویٰ "تحریب الکاتب فی بیان احکام النکاح الفاسد" کو ملاحظہ فرمائیں۔ از مرتب فرحان حسن عقی عنہ

المسمى) لرضاها بالخط ولو كان دون المسمى لزم مهر المثل لفساد التسمية بفساد العقد ولو لم يسم أو جهل لزم بالغاً ما بلغ (و) يثبت ( لكل واحد منهما فسخه ولو بغير مضر عن صاحبه ودخل بها أو لا ) في الأصح خروجاً عن المعصية فلا ينافي وجوبه بل يجب على القاضي التفريق بينهما (وتجب العدة بعد الوطء) لا الخلوة للطلاق لا للموت (من وقت التفريق) أو متاركة الزوج وإن لم تعلم المرأة بالمتاركة في الأصح (ويثبت النسب) احتياطاً بلا دعوة -

## (۵۱۵) کفو و غیر کفو میں کئے ہوئے نکاح کا حکم

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر لڑکا یا لڑکی نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں لیکن والدین یا ان کے اولیاء نکاح نہ کرائیں تو لڑکا یا لڑکی از خود نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر انہوں نے از خود نکاح کر لیا تو ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

بالغ اولاد کو چاہئے کہ وہ کسی بھی طریقے سے اپنے والدین کو نکاح کے لئے آمادہ کر لیں لیکن اگر پھر بھی وہ توجہ نہ دیں تو اولاد کو از خود نکاح کا حق حاصل ہے جبکہ وہ عاقل بالغ ہوں۔ لڑکا تو اپنا نکاح خود ہر جگہ کر سکتا ہے البتہ اگر لڑکی غیر کفو میں نکاح کر لے تو وہ نکاح منعقد نہ ہوگا نیز غیر کفو سے مراد یہ ہے کہ لڑکا لڑکی سے مال، دیانت اور حرفت وغیرہ میں کم حیثیت کا ہو البتہ لڑکی اگر از خود کفو میں نکاح کرتی ہے تو نکاح درست ہوگا۔

لمافی الشامیة (۵۷/۳): قوله (بعدم جوازہ أصلاً) هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة -- قوله (وهو المختار للفتوى) وقال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتياط كذا في تصحيح العلامة قاسم لأنه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاض يعدل۔

وفي الدر المختار (۸۶/۳): (وتعتبر الكفاءة للزوم النكاح -- (نسباً) -- (و) -- (حرية وإسلاماً)۔

وفي الرد تحتہ: قوله (نسباً) أي من جهة النسب ونظم العلامة الحموي ما تعتبر فيه الكفاءة فقال [إن الكفاءة في النكاح تكون في] [ست لها بيت بديع قد ضبط] [نسب وإسلام كذلك حرفة] [حرية وديانة مال فقط]۔

## (۵۱۶) لڑکا کفو ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا

## سوال

میں اپنی سگی بیٹی کا مسئلہ بیان کرنا چاہتی ہوں ایک لڑکے نے میری بیٹی سے محبت کی اور ایک ملاقات میں اس نے کہا کہ کیا میں

تمہیں قبول ہوں؟ تو میری بیٹی نے نا سمجھی میں کہہ دیا کہ ہاں میں قبول کرتی ہوں، تم مجھے قبول ہو اور دوسرا مرد گواہوں کے سامنے یہ بات ہوئی جو کہ لڑکے کے جاننے والے تھے۔ بہر حال لڑکا اب ہمیں کہتا ہے کہ میرا اس سے نکاح ہو چکا ہے اس کی شادی مجھ سے کریں جبکہ میں کسی بھی صورت میں اپنی بیٹی کی شادی اس لڑکے سے نہیں کرنا چاہتی۔ لڑکے کے گھر والے بھی کسی طرح راضی نہیں ہیں۔ لڑکا کہتا ہے کہ میں اس لڑکی کو الگ جگہ کرایہ کے گھر میں رکھوں گا اور میں اپنی بیٹی کی شادی وہاں نہیں کرنا چاہتی۔ میری بیٹی بھی یہ معاملہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ ہم کسی صورت بھی اس لڑکے سے رشتہ نہیں کرنا چاہتے۔

آپ بتائیے کہ ہم اپنی بیٹی کا کہیں دوسری جگہ رشتہ کر کے شادی کر سکتے ہیں؟ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ نکاح کے الفاظ بولتے وقت لڑکی کا ارادہ نکاح کرنے کا قطعاً تھا اور نہ ہی اس کی کوئی کاغذی کارروائی ہوئی ہے۔ لڑکی کی عمر ۱۷ سال ہے۔  
نوٹ: مستفتی سے معلوم کرنے پر مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) لڑکی انٹر میں ہے اور لڑکا میٹرک پاس بھی نہیں۔

(۲) لڑکی والے دیوبندی عقائد کے حامل ہیں جبکہ لڑکے والے بریلوی عقائد کے حامل ہیں۔

(۳) لڑکا کوئی کام وغیرہ نہیں کرتا۔

(۴) بوقت عقد لڑکی کی عمر ۱۶ سال تھی۔

(۵) لڑکا خود "جماعت اسلامی" کا کارکن ہے۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

آپ کی بیٹی کا نکاح اس لڑکے سے منعقد ہو چکا ہے کیونکہ عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح کفو میں والدین کی اجازت کے بغیر دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کرنے سے منعقد ہو جاتا ہے، چاہے وہ سمجھ کر قبول کرے یا نا سمجھی میں، چاہے نکاح کے الفاظ بولتے وقت اس کی نیت نکاح کی ہو یا ویسے ہی مذاق وغیرہ کی کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"ثلاث جدهن جد وھزلھن جد: النکاح والطلاق والرجعة" (الجامع للامام الترمذی، ۱/۲۲۵)۔

یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی (شمار ہوتا ہے) اور وہ تین چیزیں نکاح، طلاق اور رجعت ہیں۔

لہذا آپ کو چاہیے کہ آپ اپنی بیٹی کی رخصتی اس لڑکے کے ساتھ کر دیں اگر آپ اور آپ کی بیٹی اس پر رضامند نہیں ہیں تو چھٹکارے کی صورت صرف یہ ہے کہ لڑکا طلاق دیدے یا لڑکی اس لڑکے کی رضامندی سے خلع لے لے، اس کے بغیر آپ اپنی بیٹی کی شادی دوسری جگہ نہیں کر سکتیں۔

لہافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۸۲): وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ

فَرَجُلٌ وَأَمْرًا تَانِ مِمَّنْ تَرَضُّونَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى

وفي الجوهرة النيرة (١٢٢/٢) : قوله ( والكفاءة في النكاح معتبرة ) قال في الفتاوى تعتبر عند ابتداء النكاح ولا يعتبر استمرارها بعد ذلك حتى لو تزوجها وهو كفاء ثم صار فاجرا لا يفسخ النكاح ثم الكفاءة إنما تعتبر لحق النساء لا لحق الرجال فإن الشريف إذا تزوج وضيعة دنيئة ليس لأوليائه حق الاعتراض ؛ لأنه مستفرش لا مستفرش والحسيب كفاء للنسيب حتى إن الفقيه يكون كفاءا للملوي ؛ لأن شرف العلم فوق شرف النسب حتى إن العالم العجمي كفاء للعربي الجاهل والعالم الفقير كفاء للغني الجاهل -

وفي الشامية (٤٢/٣) : ( وفقد الكفاء ) أي إذا نكحت غير الكفاء فلأولياء حق الفسخ وهذا على ظاهر الرواية أما على رواية الحسن فالعقد فاسد ط وتقدم أنها المفتى بها -



رسالة

# أداء الفريضة

بيان

أن محمداً الكفاءة لا تصادم الشريعة

کیا مسئلہ کفایت شریعت سے متصادم ہے؟

بعض لوگوں کے اس شبہ پر تفصیلی استدراک

## (۵۱۷) کیا مسئلہ کفاءة شریعت سے متصادم ہے؟

## سؤال

ہمارے علاقے میں ایک صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ کفو کا مسئلہ شریعت سے متصادم ہے کیونکہ یہ نصوص کے مخالف ہے شریعت تو تقویٰ کو معیار بتاتی ہے حسب و نسب وغیرہ کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں، اسی طرح حدیث میں "فاظفر بذات الدین" دینداری کو مدار بتانے کی ترغیب ہے نیز قرون اولیٰ کے واقعات ہیں کہ ایک کم حسب و نسب والے نے ایک اعلیٰ نسب لڑکی سے نکاح کر لیا بلکہ غلاموں کے نکاح امیرزادیوں سے ہوئے ہیں چنانچہ یہ حضرت اس معاملے میں بہت تشدد کرتے ہیں اور مسئلہ کفو پر عمل کرنے والے کو کافر تک کہہ دیتے ہیں لہذا آپ سے مسئلہ کا تفصیلی حل مطلوب ہے ازراہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلہ کی صحیح کیفیت اور مسلک اعتدال تحریر فرمادیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

شرعی مسائل میں حد سے تجاوز اور ایک دوسرے پر کفر و ضلال کا اطلاق نہایت جرات اور حماقت کا مظاہرہ ہے ہم سب کو مسائل شرعیہ میں علماء اور مفتیان کرام سے معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے نہ کہ اپنے ذہن سے ہی ایک مسئلہ تجویز کر کے اسے شریعت کا جزء بنانے کی کوشش کرنا۔ یہ انتہائی خطرناک اقدام ہے جس کے عواقب برے ہیں۔

کفو کا مسئلہ روایت اور درایت دونوں طرح ثابت ہے ترمذی شریف کی حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا "ثلاث لا توخرها..... والأیم اذا وجدت لها کفو" (ترمذی، ۱/۲۰۵) تین چیزوں کو مؤخر نہ کرو ان میں سے ایک یہ کہ بے نکاح لڑکی کا نکاح کرنے میں جب اس کے کفو کا رشتہ مل جائے۔

نیز بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ منقول ہیں "لا تنکحوا النساء الا الا کفاء" (بیہقی، ۷/۱۳۳) عورتوں کا نکاح غیر کفو میں نہ کرو۔

نیز ابن ماجہ، مستدرک حاکم، اعلیٰ السنن اور دیگر کتب میں مسئلہ کفاءة سے متعلق اور احادیث بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ شریعت نے کفاءة میں چند اوصاف کا لحاظ کیا ہے بہتر یہی ہے کہ نکاح کفو میں کیا جائے کیونکہ غیر کفو کے اولاً اخلاق و عادات میں موافقت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ہمیشہ آپس میں ناچاقی رہتی ہے۔ میاں بیوی کے معاملات اتنے وسیع نوعیت کے ہوتے ہیں کہ اس میں بہت سے مواقع پر ایک دوسرے کی باتوں کا تحمل کرنا ضروری ہوتا ہے اور غیر کفو میں انسان تحمل نہیں کر سکتا، نتیجتاً ایسے افعال اس

سے سرزد ہوتے ہیں جو گناہ اور اذیت کا سبب بنتے ہیں لہذا شریعت نے نکاح جیسے معاملے میں ابتداء ہی برابری کو ملحوظ رکھا ہے۔ سوچنے کا مقام ہے ایک لڑکی ناز و نعم میں پلی ہو اس کے گھر میں تمام سہولیات زندگی وافر ہوں اور اس کا نکاح کسی غریب اور گھٹیا پیشے کے انسان سے کر دیا جائے تو کیا وہ لڑکی نباہ کر سکے گی؟ اور کیا لڑکی کے از خود ایسے لڑکے سے نکاح کر لینے کی صورت میں سرپرست قعر مذلت میں نہیں دھنس جائیں گے؟

اس سے آگے اگر یہ نکاح منعقد قرار دیا جائے تو بعد میں اس سے پیدا شدہ اولاد کی شادی ایک مسئلہ بن جائے گی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا الْعُبُودَةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَسِيقُونَ

(سورة الحديد: ۲۶)

”اور تحقیق ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو بھیجا اور نبوت اور کتاب کو ان کی اولاد میں رکھ دیا۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے بعد نبوت اور کتاب کو ان کی اولاد میں منحصر کر دیا گیا اور یہ شرف پھر کسی غیر ابراہیمی کو نہ مل سکا، اسی طرح ایک حدیث میں ہے:

”الناس معادن كمعادن الفضة والذهب خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا“

(مسلم ۳۳۱/۲، کتاب البر والصلة)

یعنی سونے چاندی کی کانوں کی طرح انسانوں کی بھی مختلف کانیں ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو جاہلیت (قبل از اسلام) اچھے شمار ہوتے تھے وہی اسلام کے بعد بھی اچھے ہیں جب کہ ثقہ [علم] حاصل کر لیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال اس سلسلے میں واضح ہے آپ رضی اللہ عنہ جاہلیت میں بھی بہادر، دلیر اور امتیازی شان کے مالک تھے اسی طرح اسلام میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کا درجہ امتیازی رہا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

”الائمة من قریش“ (مسند احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک، ۴/۰۰) یعنی ائمہ صرف قریش سے ہوں گے۔

اس حدیث سے متعلق حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”کوئی تو وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے امامت کو قریش کے ساتھ مخصوص فرمایا (یعنی) امامت کبریٰ میں قریشیت کو شرط ٹھہرایا اور امامت صغریٰ میں خاندانی شرافت کو مرجحات میں سے کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اہل انساب میں شانِ قبوعیت (سرمداری کی شان) دوسروں سے زیادہ ہے الائمة من قریش ایک انتظامی مصلحت ہے قدرتی طور سے اللہ تعالیٰ نے قریش کو فضیلت دی ہے تو جب ائمہ اور امراء ان میں سے ہوں گے تو اوروں کو ان کی اتباع سے عار نہ ہوگا اور ان کو دوسروں کی اتباع سے عار ہوتا۔“

(اسلامی شادی، حب و نسب کا بیان، ص ۶۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حسب نسب بھی کرم سے مطلق خالی نہیں البتہ اتنا ہے کہ صاحب نسب کا کریم ہونا لازم بھی نہیں کیونکہ

اکرمیت کا اصل مدار تقویٰ پر ہے (ایضاً تغیر ص ۶۲)

نیز آیت "ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" میں مدار کرامت تقویٰ کو بنایا گیا ہے لیکن شادی کا معاملہ ایسا نہیں کہ اس میں صرف تقویٰ کو دیکھا جائے دیگر اشیاء (پیشہ، رہن سہن، مال وغیرہ) کا دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کیونکہ یہ معاملہ ایک یا دو دن کا نہیں بلکہ دو زندگیوں کا تاحیات بندھن ہے۔ اسی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا پیغام اولاً سیدنا و سیدالمتقین جناب ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے بھیجا تھا، روایت میں ہے:

وعن بریدة قال: خطب أبو بکر وعمر فاطمة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنها صغيرة" ثم خطبها على فزوجها منه. رواه النسائي

"حضرت بریدہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے پیغام نکاح بھیجا آپ ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد ہوا کہ نہیں فاطمہ چھوٹی ہیں۔" (مشکوٰۃ، ۲/۵۶۵)

ظاہر ہے شیخین رضی اللہ عنہما کا تقویٰ و طہارت میں درجہ علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر تھا لیکن آپ ﷺ نے دیگر مصالحوں کو مد نظر رکھتے ہوئے (جن میں سے عمر کا تفاوت بھی ہے) یہ نکاح منع فرمایا۔

مسئلہ کفاءة کو بالکل کلیتہً نہ ماننا بہت سے مصالحوں کو فوت کر دیتا ہے جس کا نتیجہ لازماً تلخ نکلے گا لڑکی کو برداشت کرتے کرتے مہلک امراض کا سامنا کرنا پڑے گا، لڑکا طلاق کی دھمکیاں دیتا رہے گا البتہ اتنا ہے کہ بسا اوقات لڑکے میں کوئی ایک صفت (مثلاً عالم ہونا) وغیرہ ایسی ہوتی ہے کہ جو باقی تمام صفات کو پس پشت ڈالنے کیلئے کافی ہوتی ہے لہذا لڑکا اگر کسی ایسی صفت کا مالک ہے تو پھر وہ کفو ہے اور اولیاء کے لئے باعث غار نہیں۔

سوال میں ذکر کردہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں مکمل یوں منقول ہے:

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدینها فاظفر بذات الدین تربت یداک"

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے نکاح چار چیزوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے اس کے مال، حب، حن اور دین کی وجہ سے (اور اسے ابو ہریرہ) دیندار کو ترجیح دو تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔"

(مشکوٰۃ، ص ۲۶۷)

اس حدیث میں رشتہ کے وقت لڑکی میں دینداری کو ترجیح دینے کا ذکر ہے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری (۱۱۰/۹) میں اس حدیث سے متعلق فرماتے ہیں "وہذا الحدیث تمسک من اعتبار الکفاءة بالمال" اس حدیث سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو کفاءة میں مالدار کی اعتبار کرتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں "والمعنی ان اللائق بذی الدین والمرءة أن یکون الدین مطمح نظرہ فی کل شیء لا سیما فیما تطول صحبتہ" یعنی دیندار صاحب مروت شخص کیلئے بہتر یہ ہے کہ دین اس کا مقصود ہو ہر

چیز میں بالخصوص جس سے طویل صحبت ہوتی ہے۔ نیز سوال میں ذکر کردہ واقعات بظاہر اولیاء کی اجازت سے ہوئے ہیں یا لڑکا باوجود غریب ہونے کے علم و فضل میں لائق ہے اس لئے ہوئے ہیں اور یہ دونوں نکاح منعقد ہیں لأن شرف الصلح فہو شرف النسب وغیرہ۔

لہذا صورت مسئلہ میں اس بات کا انکار ناممکن ہے کہ ہر برادری کا رہن سہن، مزاج، سوچ، عادتیں اور معاشرت سب مختلف ہوتی ہیں ان کی رعایت نہ کرنا لڑکی کے ساتھ انصاف نہیں بلکہ ظلم ہے لہذا اسلام نے ان چیزوں کو ملحوظ رکھا ہے البتہ حسب و نسب کی بناء پر تکبر کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس میں شک نہیں لیکن شادی میں زبان، نسل وغیرہ کا دیکھنا عین مصلحت ہے یہی شریعت کا حکم ہے اور یہی قرآن و حدیث نیز فقہاء کے استنباطات سے ثابت ہے۔ امید ہے کہ اتنی تفصیل سے بات سمجھ آگئی ہوگی لیکن اگر مزید تفصیل مطلوب ہو تو مسئلہ کفاءة (فی ضمن مسائل النکاح) سے متعلق اکابر کی کتابوں کا مطالعہ کریں، امید ہے تشفی نصیب ہوگی۔

## (۵۱۸) کیا مسئلہ کفایت لڑکی پر ظلم ہے؟

## سوال

میں کراچی یونیورسٹی میں ماسٹرز کا طالب علم ہوں عنقریب میری شادی ہونے والی ہے لیکن ایک مسئلہ میرے ذہن میں اٹکا ہوا ہے وہ یہ کہ ہمارے ہاں برابری (کفو) کا اعتبار باپ کیلئے تو کیا جاتا ہے کہ باپ کو عارضہ ہو اس لئے لڑکی کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اگر وہ باپ کی رضا کے بغیر غیر کفو میں اپنا نکاح کرنا چاہے، لیکن دوسری طرف باپ اگر نابالغہ کا نکاح کر دے تو وہ ہر حالت میں منعقد کر دیتے ہیں، چاہے وہ غیر کفو میں کر دے یا کہیں بھی کر دے اور بالغہ میں بھی لڑکی کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے کہ باپ کی بات مان لے۔ کیا یہ عورت پر ظلم نہیں کہ جس کو وہ غیر کفو یا عار سمجھ رہی ہے آپ اس کی شادی میں اس کی ہی نہیں سن رہے لیکن باپ کی حد سے زیادہ سنی جا رہی ہے۔ یہ تفریق دل کو نہیں لگ رہی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح پر اعتراض کرنا مقصود نہیں لیکن وہاں بھی ادباؤہ خاموش رہیں لیکن کفو نہ ہونے کے سبب نوبت طلاق تک آگئی تو یہ بہتر نہ تھا کہ لڑکی کو بھی کفو میں کچھ اختیار دیا جاتا۔

## الجواب بعون الملک الوحاب

مسئلہ کفایت عورت پر ظلم ہرگز نہیں بلکہ عورت اپنے افعال میں ایک حد تک خود مختار ہے یہاں تک کہ کفو میں اپنا نکاح خود کروا سکتی ہے، البتہ غیر کفو میں نکاح کرنے سے چونکہ باپ کو عار کا خدشہ ہے اسلئے یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا اور یہ نص صریح سے ثابت ہے۔

باوجود اس آزادی کے عورت کو اتنا بے مہار اور بے لگام بھی نہیں چھوڑا گیا کہ وہ سارے معاملات از خود ہی طے کرتی پھرے اس لئے کہ یہ اپنی عقل اور دین کے ناقص ہونے کی وجہ سے ولی کے مشورے کے بغیر جو کام بھی کرے گی، اس میں خیر اور پائیداری کی امید بہت کم ہے، فساد کے امکانات زیادہ ہیں، تو وجہ ہے کہ باپ کو (باوجود غیر کفو کا علم ہونے کے) بیٹی کا نکاح غیر کفو میں کرانے کا اختیار حاصل ہے کیونکہ ممکن ہے کہ باپ غیر کفو میں بیٹی کیلئے وہ مصلحتیں اور حکمتیں دیکھ رہا ہو جو کہ کفو میں نہیں پائی جا رہی ہوں۔ ہاں اگر باپ فاسق و بددیانتی میں مشہور ہو بیٹی کی زندگی تباہ کرنے پر مائل ہو تو پھر اس کی ولایت کا اعتبار بھی نہیں کیا جائے گا۔ نیز باپ کو اتنے اختیارات دینے کے باوجود بھی شریعت جبراً بالغہ لڑکی کا نکاح کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیتی۔

باقی جہاں تک بات ہے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے طلاق کی سو وہ عدم کفو کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک تکوینی امر تھا جس سے عرب کی بہت سے غلط رسومات کو تارتار کرنا مقصود تھا، منجملہ ان رسوم کے ایک رسم یہ تھی کہ عرب منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا قرار دے کر اس کے لئے حقیقی بیٹے کے احکامات ثابت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے (حضرت زید رضی اللہ عنہ) کی بیوی تھیں ان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروا کر اس رسم کو باطل کیا۔ اسی طرح حسب و نسب، خاندانی تقاضا اور غلامی آزادی

کی تفریق کو ختم کر کے فضیلت کی بنیاد صرف اور صرف تقویٰ پر رکھی۔ یہ مقاصد بغیر اس امر کے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

لما فی فتح الملهم (۶/۵۶۸) (باب استئذان الثیب فی النکاح) (دار احیاء التراث العربی): ان لها فی النکاح حقاً ولولیها حقاً وحقها أوکد من حقه فإنه لو أراد تزویجها کفوًا وامتنعت لم تجبر ولو ارادت أن تتزوج کفوا فامتنع الولی أجبر فإن أضر زوَّجها القاضی تدل علی تأکید حقها ورجحانه۔

وفیه أيضاً: ”ایما امرأة نکحت بغیر إذن ولیها فنکاحها باطل“ لأن الولی انما یرد لیختار کفوا لدفع العار وذلك یحصل بأذنه۔

وفی الہندیة (۱/۲۹۲) (الباب الخامس فی الاکفاء): ثم المرأة إذا زوجت نفسها من غیر کفاء صح النکاح فی ظاہر الروایة عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ۔۔۔ وروی الحسن عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ أن النکاح لا ینعقد وبه أخذ کثیر من مشایخنا رحمہم اللہ تعالیٰ کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتویٰ روایة الحسن۔

وفیه أيضاً (ص ۲۸۵): فإن زوجهما الأب والجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما۔

وفی الدر المختار (۳/۵۵): فنقد نکاح حرّة مکلفة بلا رضا الولی۔

وفی الشامیة (۳/۸۲) (باب الکفاءة): قوله (من جانبہ الخ) أي یعتبر أن یرجل مکافئاً لها فی الأوصاف الآتیة بأن لا یرجل دونها فیها ولا تعتبر من جانبها بأن تكون مکافئة له فیها بل یجوز أن تكون دونہ فیها۔۔۔ فإن حاصلہ أن المرأة إذ زوجت نفسها من کفاء لزم علی الأولیاء وإن زوجت من غیر کفاء لا یلزم أو لا یصح بخلاف جانب الرجل فإنه إذا تزوج بنفسه مکافئة له أو لا فإنه صحیح لازم۔

وفیه أيضاً (۳/۹۲): لو تزوجت غیر کفاء فالمختار للفتویٰ روایة الحسن أنه لا یصح العقد۔

وفیه أيضاً (ص ۸۵): الأب یصح تزویجه الصغیرة من غیر الکفاء لمزید شفقتہ وأنه إنما فوت الکفاءة لمصلحة تزید علیها وهذا إنما یصح إذا علمہ غیر کفاء۔

## رسالة

## ضوء المنار

## فی أن علة الكفاءة هي دفع العار

کفایت کی علت دفع عار ہونے پر ایک اشکال اور اس کا جواب

(۵۱۹) کفایت کی علت دفع عار ہونے پر ایک اشکال اور اس کا مفصل جواب

## سؤال

بندہ کو ایک مسئلہ میں الجھن ہے امید ہے کہ آپ حضرات راہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ بعض مخصوص چیزوں میں کفو یعنی برابری کی علت کیا ہے؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ اسکی علت دفع العار عن الاولیاء ہے [جیسا کہ اکثر کتب میں اس کو علت قرار دیا گیا ہے] تو بظاہر یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ مال میں کفو اور برابری کی جو تفصیل فقہائے احناف نے فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علت یہ نہ ہو کیونکہ فقہاء نے کفایت فی المال کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ أن یکون قادر أعلى المهر والنفقة اور بعض کتابوں میں یہ بھی تصریح ہے کہ اگر اتنا مال ہو تو وہ کفو ہوگا اور اس قول کو تقریباً تمام فقہاء نے ظاہر الروایۃ اور مذہب کا صحیح قول قرار دیا ہے۔

اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ایک کروڑ پتی باپ کی بیٹی چوکوں پر بیٹھے تین چار سو روپے کمانے والے مزدور سے نکاح کر لیتی ہے تو فقہاء کرام کی تفصیل کے مطابق یہ نکاح درست ہوگا (کیونکہ روزانہ کے چار پانچ سو روپے میں وہ بیوی کا نان نفقہ ادا کر سکتا ہے) جبکہ علت یعنی عار موجود ہے اس لئے کہ ایک کروڑ پتی باپ کیلئے موجودہ زمانے میں اس سے بڑی کیا عار ہوگی کہ اس کی بیٹی



ان کے سامنے ایک نوکر کی حیثیت رکھنے والے آدمی سے شادی کر لے۔ یہاں عار ہے لیکن پھر بھی فقہاء کی تصریحات کے مطابق نکاح درست ہے معلوم ہوا کہ علت عار نہیں ہے ورنہ اس صورت میں نکاح جائز نہیں ہونا چاہیے اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ ہی علت ہے تو اس صورت میں پھر عار کے باوجود نکاح کیوں جائز قرار دیا جا رہا ہے؟

جبکہ علت انتہائی قوت کے ساتھ پائی جا رہی ہے اور اگر آپ یہ کہیں کہ نکاح منعقد نہیں ہوا ہے تو فقہاء کرام نے کفایت فی المال کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کا کیا جواب ہوگا؟ کیونکہ ان کی تفصیل کے مطابق یہ نکاح منعقد ہونا چاہیے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جمہور فقہاء کرام حضرت امام خصاص رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیوی کے نفقہ میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہوگا اور دوسری طرف اس مزدور سے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں تو کیا یہ اس مزدور کے ساتھ ظلم اور نا انصافی نہیں ہے، کیا وہ اپنی جان بیچ کر اسے اعلیٰ نفقہ میسر کرے گا یا ڈاکے اور چوریاں کر کے اس کیلئے اعلیٰ کھانوں کا انتظام کرے گا؟ اور اگر ادھار لینے کی بات کی جائے تو کیا اس زمانہ میں اس مزدور کو کوئی ہزاروں اور لاکھوں کا قرض دے گا؟ جبکہ اس سے واپس ملنے کی امید بھی نہ ہو۔ برائے مہربانی محقق اور مدلل جواب دیکر مشکور فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوحاب

کفایت کی علت "دفع العار عن الاولیاء" ہی ہے۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الكفایة فی النكاح معتبرة قال علیہ الصلاة والسلام ألا لا یزوج النساء إلا الاولیاء ولا یزوجن إلا من الأكفاء ولأن انتظام المصالح بین المتكافئین عادة لأن الشریفة تأتي أن تكون مستفرشة للخسیس فلا بد من اعتبارها بخلاف جانبها لأن الزوج مستفرش فلا تغیظه دناءة الفراش وإذا زوجت المرأة نفسها من غیر كفء فلأولیاء أن یفرقوا بینهما دفعا لضرر العار عن أنفسهم"

(الهدایة ۳/۳۲، فصل فی الكفایة، کتاب النكاح، مکتبه البشری)

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ مال کی وہ کون سی مقدار یا حد ہے کہ جس سے مال والے کے ساتھ شادی کی وجہ سے عورت کے اولیاء کو ضرر عار لاحق ہوتا ہے؟ اس سے پہلے یہ بات سمجھنی چاہیے "کفایت فی المال" اور "کفایت فی الغنی" دو الگ الگ اصطلاحات ہیں۔ فقہاء نے "کفایت فی المال" کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ مرد عورت کا مہر اور نفقہ اداء کر سکتا ہو تو وہ اس کا کفو ہے۔ یعنی "کفایت فی المال" میں عورت کے اولیاء کو عار لاحق ہونے کا اعتبار اس وقت ہوگا جب وہ ایسے مرد کے ساتھ شادی کر لے کہ جو اس کے نفقے اور مہر پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو چونکہ شریعت نے مال کو "قوام الحیاء" اور "قوام الازدواج" کی حد تک اہمیت دی ہے لہذا فقہاء نے عدم "کفایت فی المال" (نفقے اور مہر پر عدم قدرت) کی وجہ سے اولیاء کو لاحق ہونے والی عار کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ "کفایت فی المال" ضروری ہے۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والثالث: الكفاءة من حيث المال فإن من لا يقدر على مهر امرأة ونفقتها لا يكون كفوًا لها لأن المهر عوض بضعها والنفقة تندفع بها حاجتها وهي إلى ذلك أحوج منها إلى نسب الزوج فإذا كانت تنعدم الكفاءة بضعه نسب الزوج فبعجزه عن المهر والنفقة أولى"

(المبسوط للسرخسي ۲۵/۵ کتاب النکاح باب الکفایۃ، دار الفکر)

دوسری اصطلاح "کفایۃ فی الغنی" کا معنی فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ مرد عورت کے ساتھ کثرت مال میں برابر ہو، چونکہ شریعت نے کثرت مال کی حوصلہ افزائی نہیں کی لہذا فقہاء نے "کفایۃ فی الغنی" کا اعتبار نہیں کیا، اور عدم کفایۃ فی الغنی (عدم برابری در کثرت مال) کی وجہ سے لاحق ہونے والی عار کا اعتبار نہ کرتے ہوئے فتویٰ اس بات پر دیا ہے کہ "کفایۃ فی الغنی" ضروری نہیں چنانچہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں:

"وبعض المتأخرین اعتبروا الكفاءة في كثرة المال لحديث عائشة رضي الله عنها رأيت ذا المال مهيبا ورأيت ذا الفقر مهينا وقالت ان أحساب ذوي الدنيا المال والأصح أن ذلك لا يعتبر لأن كثرة المال في الأصل مذموم قال صلى الله عليه وسلم: "هلك المكشرون إلا من قال بماله هكذا وهكذا"، يعني تصدق به"

(المبسوط للسرخسي ۲۵/۵ کتاب النکاح باب الکفایۃ، دار الفکر)

البتہ یہ بات فقہاء نے اپنے عرف کے مطابق لکھی ہے جسمیں مادیت کا اتنا اعتبار نہیں تھا جیسا کہ آج کل ہے چونکہ آج کل مادیت کا غلبہ ہے اور شادی بیاہ میں مرد کی معاشی حیثیت کو سب سے زیادہ ترجیح دی جاتی ہے تو آج کل کفایۃ فی المال (محض نفقہ اور مہر پر قدرت) کافی نہ ہوگی بلکہ ضروری ہے کہ دونوں کی معاشی حیثیت میں بہت زیادہ فرق نہ ہو کیونکہ آج کل اس بات کو بھی عار سمجھا جاتا ہے کہ اپنے سے کم معاشی حیثیت کے لوگوں میں لڑکی دی جائے۔

"کفایۃ فی المال" کے علاوہ دوسری چیزوں جیسے دین داری، حرفت وغیرہ میں عموماً کفایۃ ہو ہی جاتی ہے کہ لڑکا اور لڑکی کا باپ دینداری میں کفو ہوں اور دینی لحاظ سے ان کی سطح برابر ہو اسی طرح حرفت میں بھی برابری ہو جاتی ہے کہ دونوں کسی بھی ادارے میں ملازم ہوں، یا کسان ہوں، اسکول ٹیچرز ہوں وغیرہ۔ جبکہ آج کل اصل دار و مدار کفایۃ فی الغنی پر ہوتا ہے یعنی مال داری کے اعتبار سے دونوں میں کتنا تفاوت ہے؟ اسی اعتبار سے عار محسوس کی جاتی ہے لہذا اگر لڑکی والوں کے پاس مال کم ہو تو اس صورت میں "عار" قوت کے ساتھ پائی جائیگی اور یہ مذکورہ مثالوں میں بھی ہوگا کہ مثلاً دونوں کسی ادارے میں ملازم ہوں لیکن لڑکی کا باپ اعلیٰ عہدے پر ہے اور اس کی تنخواہ دو لاکھ ہے اور لڑکا ادنیٰ عہدے پر ہے اور اس کی تنخواہ تیس ہزار روپے ہے تو دونوں کی تنخواہوں میں بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے۔ گویا لڑکی کا والد لاکھوں کی مالیت رکھتا ہے جبکہ لڑکا چند ہزار کی۔ یہی صورت حال کسان، اسکول ٹیچرز وغیرہ

ہونے کی صورت میں بھی ہوگی۔ لہذا اگر "کفایة فی الغنی" (یعنی معاشی حالت اور مال داری میں کفایة) کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو یہ لڑکا اس شخص کا کفو ہے کیونکہ کفایة میں معتبر تین چیزیں، اسلام، نسب اور آزادی تو پہلے ساقط ہیں، دین داری اور پیشے میں یہ کفو ہے باقی فقط مال اور غنی میں کفایة تھی اسے بھی اگر ہم فقط مال یعنی نان و نفقہ اور مہر تک مقید کریں تو یہ لڑکا اس شخص کا کفو بن جائیگا جو کہ علت کفایة یعنی عار کے بھی منافی ہے۔

لہذا اس ضرورت کو سامنے رکھ کر علامہ اسکاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیا جائے گا اور وہ یہ کہ "مرد کی معاشی سطح عورت کی معاشی سطح سے بہت زیادہ متفاوت نہ ہو" تو دونوں کا نکاح درست ہو جائے گا ورنہ نہیں اور "کفایة فی الغنی" کے اعتبار کا قول کیا جائے گا۔

"وأما الخامس فالمال أطلقه فأفاد أنه لا بد من التساوي فيه وهو قول أبي بكر الإسكاف قال في النوازل عنه إذا ان للرجل عشرة آلاف درهم يريد أن يتزوج امرأة لها مائة ألف وأخوها لا يرضى بذلك قال: لأخيها أن يمنعها من ذلك ولا يكون كفواً وجعله في المجتبى قول أبي حنيفة وقيدته في الهداية بأن يكون مالكا للمهر والنفقة وهذا هو المعتمد في ظاهر الرواية حتى إن من لا يملكهما أو لا يملك أحدهما لا يكون كفواً لأن المهر بدل البضع فلا بد من إيفائه وبالنفقة قوام الازدواج ودوامه والمراد بالمهر قدر ما تعارفوا تعجيله لأن ما وراءه مؤجل عرفا هو صححه في التبيين. ودخل في النفقة الكسوة كما في المعراج والعناية"

(البحر الرائق ۲/۲۲۲)

آپ کی دوسری بات (کہ جمہور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیوی کے نفقہ میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہوگا) محل نظر ہے۔ امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ نہیں کہ بیوی کے نفقہ میں بیوی کی جاہلیت کا اعتبار ہوگا، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا، چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وأما الثاني وهو بيان من يقدر به هذه النفقة فقد اختلف فيه أيضا ذكر الكرخي أن قدر النفقة والكسوة يعتبر بحال الزوج في يساره وإعساره لا بحالها وهو قول الشافعي أيضا وذكر الخصاف أنه يعتبر بحالهما جميعا حتى لو كانا موسرين فعليه نفقة اليسار وإن كانا معسرين فعليه نفقة الإعسار وكذلك إذا كان الزوج معسرا والمرأة موسرة ولا خلاف في هذه الجملة وأما إذا كان الزوج موسرا والمرأة معسرة فعليه نفقة اليسار على ما ذكره الكرخي. وعلى قول الخصاف عليه أدنى من نفقة الموسرات وأوسع من نفقة المعسرين حتى لو كان الزوج مفرطا في اليسار يأكل خبز الحواري ولحم الجمل والدجاج والمرأة مفرطة في الفقر تأكل في بيتها خبز الشعير لا

يجب عليه أن يطعمها ما يأكله ولا يطعمها ما كانت تأكل في بيت أهلها أيضا ولكن يطعمها خبز الحنطة ولحم الشاة وكذلك الكسوة على هذا الاعتبار"

(بدائع الصنائع ۲/۲۳، كتاب النكاح، باب النفقة، رشديه)

سو کسی بہت غریب شخص کا نکاح (ولی کی رضامندی کے ساتھ) بہت امیر عورت سے ہو جائے، تو عورت کو مالدار عورت اور غریب عورت کے نفقے کے درمیان جو فرقہ بنتا ہو وہ ملے گا۔ پھر اگر زوج میں اتنا نفقہ دینے کی صلاحیت نہ ہو تو جتنا دے سکتا ہے دے گا باقی اس کے ذمہ دین ہوگا جب کشادگی ہو جائے گی تو وہ بھی ادا کرے گا۔ چنانچہ علامہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فتستحق النفقة (بقدر حالهما) به يفتى، ويخاطب بقدر وسعه والباقي دين إلى الميسرة، ولو موسرا وهي فقيرة لا يلزمه أن يطعمها مما يأكل بل يندب"

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"قوله (به يفتى) كذا في الهداية وهو قول الخصاص وفي الولوالجية وهو الصحيح وعليه الفتوى وظاهر الرواية اعتبار حاله فقط وبه قال جمع كثير من المشايخ ونص عليه محمد وفي التحفة والبدائع أنه الصحيح بجر لكن المتون والشروح على الأول وفي الخانية وقال بعض الناس يعتبر حال المرأة قال في البحر وتفوقوا على وجوب نفقة الموسرين إذا كانا موسرين وعلى نفقة المعسرين إذا كانا معسرين وإنما الاختلاف فيما إذا كان أحدهما موسرا والآخر معسرا فعلى ظاهر الرواية الاعتبار لحال الرجل فإن كان موسرا وهي معسرة فعليه نفقة الموسرين وفي عكسه نفقة المعسرين وأما على المفتي به فتجب نفقة الوسط في المسألتين وهو فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة اهـ (تنبیه) صرحوا ببيان اليسار والإعسار في نفقة الأقارب ولم أر من عرفهما في نفقة الزوجة ولعلمهم وكلوا ذلك إلى العرف والنظر إلى الحال من التوسع في الإنفاق وعدمه ويؤيده قول البدائع حتى لو كان الرجل مفرطا في اليسار يأكل خبز الحواري ولحم الدجاج والمرأة مفرطة في الفقر تأكل في بيت أهلها خبز الشعير يطعمها خبز الحنطة ولحم الشاة. قوله (ويخاطب الخ) صرح به في الهداية وقد غفل عنه في غاية البيان فقال إذا كان معسرا وهي موسرة وأوجبنا الوسط فقط كلفناه بما ليس في وسعه قوله (والباقي) أي ما يكمل نفقة الوسط."

(شامية ۲/۵۷۳، كتاب النكاح باب النفقة)

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیش کردہ مثال کو درج بالا قواعد کی روشنی میں دیکھا جائے، سو آپ نے جو یہ کہا کہ چند سو

کمانے والے مزدور کے ساتھ کروڑ پتی باپ کی بیٹی کی شادی کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ آپ نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ فقہاء نے مزدور کو کروڑ پتی باپ کی بیٹی کا کفو مان کر یہ نکاح جائز قرار دیا ہے، حالانکہ بات یوں نہیں۔ بلکہ فقہاء نے یہ نکاح اس وقت جائز قرار دیا ہے کہ جب (باوجود عدم کفءت کے) ولی نکاح کو نافذ کر دے، کیونکہ مزدوری کرنے والا شخص دو وجہ سے کروڑ پتی باپ کی بیٹی کا کفو نہیں ہے، ایک یہ کہ وہ ایسی عورت کے مہر مثل کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتا (لہذا کفءت فی المال نہیں)۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دیاڑھی دار مزدور کروڑ پتی شخص کے ساتھ پیشے میں بھی برابر نہیں ہوتا (سو کفءت فی الحرۃ بھی مفقود ہے)۔ نیز ایک اور بڑی وجہ کفءت فی الغنی مالدار میں تساوی کا نہ پایا جانا بھی ہے لہذا یہ آدمی کفو نہیں۔

اب اگر اس کی ممکنہ صورت لے لی جائے (یعنی ولی نے اس نکاح کو نافذ کر دیا) تو بھی آپ کا اشکال (کہ نفقے میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہوگا جو مزدور اپنی جان بیچ کر بھی اداء نہیں کر سکتا) درست نہیں۔ کیونکہ یہ بات باحوالہ بیان ہو چکی کہ نفقے میں مرد اور عورت دونوں کا اعتبار ہوگا۔ اب اگر آپ یہ کہیں کہ مزدور تو درمیانہ نفقہ بھی ادا نہیں کر سکتا تو فقہاء نے اس کا بھی یہ حل لکھا ہے کہ جتنا ابھی دے سکتا ہے دے دے باقی اس کے ذمے دین ہوگا۔ نیز اگر (بالفرض) یہ بھی مان لیا جائے کہ نفقے میں عورت ہی کا اعتبار ہوگا تو بھی آپ کا یہ کہنا کہ شریعت نے ظلم کیا ہے، درست نہیں، کیونکہ شریعت نے مزدور کو اس بات پر مجبور نہیں کیا کہ وہ کروڑ پتی باپ کی بیٹی سے شادی کرے۔

لما فی الدر المختار (۲/۹۰) (وما لا) بأن یقدر علی المعجل ونفقة شهر لو غیر محترف، وإلا فإن کان یکتسب کل یوم کفایتها لو تطیق الجماء (وحرقة) فمثل حائل غیر کفء لمثل خیاط ولا خیاط لبزاز وتاجر ولا ہما لعالم وقاض۔

وفی الرد تحتہ: قوله (وما لا) أي فی حق العری والعجمی كما مر عن البحر لأن التفاخر بالمال أكثر من التفاخر بغيره عادة وخصوصا فی زماننا هذا، بدائع قوله (بأن یقدر علی المعجل الخ) أي علی ما تعارفوا تعجیلہ من المهر وإن کان کلہ حالا فتح، فلا تشتط القدرة علی الكل ولا أن یساویها فی الغنی فی ظاہر الروایة وهو الصحیح زیلعی۔۔۔ قوله (ونفقة شهر) صححہ فی التجنیس وصح فی المجتبی الاکتفاء بالقدرة علیها بالکسب فقد اختلف التصحیح واستظهر فی

۱۔ ایک یا ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں ادائیگی نفقہ شوہر کی حالت کے بقدر ہوگا یا میاں اور بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا، مسئلہ ہذا سے متعلق فقہی عبارات، شرعی نصوص، دلالت النص یا قیاس سے اثبات، کتب فقہ کی روشنی میں ظاہر الروایۃ کی ترجیح اور متعلقہ اجاث پر تفصیلی اور تحقیقی فتویٰ نجم الفتاویٰ کی اسی جلد میں "القول بالمساواة فی ان الفتویٰ علی ظاہر الروایۃ فی نفقة الزوجات" کے نام سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

البحر الثاني ووفق في النهر بينهما بما ذكره الشارح وقال إنه أشار إليه في الخاتمة --- قوله (وحرفة) ذكر الكرخي أن الكفاءة فيها معتبرة عند أبي يوسف وأن أبا حنيفة بنى الأمر فيها على عادة العرب أن مواليهم يعملون هذه الأعمال لا يقصدون بها الحرف فلا يعيرون بها وأجاب أبو يوسف على عادة أهل البلاد وأهم يتخذون ذلك حرفة فيعيرون بالذي منها فلا يكون بينهما خلاف في الحقيقة بدائع فعلى هذا لو كان من العرب من أهل البلاد من يحترف بنفسه تعتبر فيهم الكفاءة فيها وحينئذ فتكون معتبرة بين العرب والعجم - قوله (فمثل حائك الخ) قال في الملتقى وشرحه فحائك أو حجام أو كناس أو دباغ أو حلاق أو ييطار أو حداد أو صفار غير كفاء لسائر الحرف كعطار أو بزاز أو صواف وفيه إشارة إلى أن الحرف جنسان ليس أحدهما كفوًا للآخر لكن أفراد كل منها كفاء لجنسها وبه يفتى، زاهدي اه أي إن الحرف إذا تباعدت لا يكون أفراد إحداها كفوًا لأفراد الأخرى بل أفراد كل واحدة أكفاء بعضهم لبعض وأفاد كما في البحر أنه لا يلزم اتحادهما في الحرفة بل التقارب كاف فالخائلك كفاء لحجام والدباغ كفاء لكناس والصفار كفاء لحداد والعطار كفاء لبزاز قال الحلواني وعليه الفتوى - وفي الفتوح أن الموجب هو استنقاص أهل الحرف فيدور معه وعلى هذا ينبغي أن يكون الخائلك كفوًا للعطار بالإسكندرية لما هناك من حسن اعتبارها وعدم عدها نقصا البتة اللهم إلا أن يقترن بها خساسة غيرها اه -

## (۵۲۰) لڑکے کا کفو ہونا شرط ہے

## سوال

میرے ایک دوست نے ایک لڑکی سے بیرون ملک میں نکاح کیا۔ نکاح میں دونوں کا کوئی رشتہ دار اور کوئی بھی عزیز نہیں تھا بلکہ عام آدمیوں نے اس نکاح میں بطور گواہ شمولیت کی اور گواہوں میں دو عدد عورتیں تھیں اور دو ہی مرد تھے اور قاضی صاحب تھے۔ لڑکی نیپال ملک کی رہنے والی ہے لڑکی کے باپ کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے نیپال کے کسی عالم سے رجوع کیا، اُس عالم نے اس نکاح کو غیر شرعی قرار دیا اور طرح طرح کے عیب نکالے۔ براہ مہربانی مجھے اس مسئلے کا شرعی حل بتائیے۔ نیز یہ بھی بتائیے کہ کتنے گواہوں پر شادی یا نکاح ہو جاتا ہے؟ میں نے تو سنا ہے کہ لڑکا اور لڑکی اگر اللہ کو حاضر و ناظر جان کے اور اللہ کے خوف کو مد نظر رکھتے ہوئے آپس میں صدق دل سے اقرار کر لیں تو نکاح ہو جاتا ہے (واللہ اعلم)۔ براہ مہربانی تفصیلی طریقے سے میری راہنمائی کریں۔ اللہ عزوجل آپ کو اس کا اجر دے۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

کسی مسلمان کے نکاح کے منعقد ہونے کیلئے ضروری ہے کہ دو عاقل بالغ آزاد مسلمان گواہوں کے سامنے یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے مرد و عورت ایجاب و قبول کریں جب بطریقہ مذکورہ مرد و عورت کا ایجاب و قبول پایا جائے تو یہ نکاح شرعاً درست ہے گواہوں کیلئے رشتہ دار ہونا ضروری نہیں ہے البتہ جب عورت اپنی مرضی سے نکاح کرے تو مرد کا کفو ہونا ضروری ہے۔ کفو ہونے سے مراد یہ ہے کہ مرد دین داری، پیشے اور مال داری میں عورت کے خاندان کے مساوی ہو، اگر مرد مذکورہ شرائط میں عورت کے خاندان کے مساوی نہ ہو، تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا لہذا صورت مسئلہ میں جس عورت نے اپنی مرضی سے نکاح کیا ہے اگر وہ مرد اس عورت کا کفو ہو، تو یہ نکاح شرعاً درست ہے ورنہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، اور اولیاء کی اجازت کے ساتھ دوبارہ نکاح کئے بغیر آپس میں ازدواجی طور پر ساتھ رہنا حرام ہے۔ نیز آپ کا یہ سننا ”کہ لڑکا اور لڑکی اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اور اللہ کے خوف کو مد نظر رکھتے ہوئے آپس میں صدق دل سے اقرار کر لیں تو نکاح ہو جاتا ہے“ قطعاً غلط بات ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ ہر صورت میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

لمافی الترمذی (۲۱۰/۱): وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "البغایا اللاتی ینکحن أنفسهن بغیر بینة"

وفی الدرالمختار (۲۲، ۲۱/۲): (و) شرط (حضور) شامدین (حرین) أو حر وحر تین (مکلفین سامعین قولهما معا) (علی الأصح) فاهمین أنه نکاح علی المذهب بحر (مسلمین لنکاح مسلمة ولو

فاسقین أو محدودین فی قذف۔

وفیه أيضاً (۵۷، ۵۶، ۵۵/۳): (فنفذ نکاح حرّة مکلفۃ بلا) رضا (ولی) والأصل أن کل من تصرف فی ماله تصرف فی نفسه وما لا فلا (ولہ) أي للولی (إذا کان عصبۃ)۔۔۔ (الاعتراض فی غیر الکفاء) فیفسخه القاضی ویتجدد بتجدد النکاح (مالہ) یسکت حتی (تلد منه) لثلا یضیع الولد وینبغی إلحاق الحبل الظاهر به (ویفتی) فی غیر الکفاء (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان)۔

## (۵۲۱) کفایت کا اعتبار صرف عقد کے وقت ہوتا ہے

### سؤال

ایک لڑکی ہے اس کا رشتہ ایک لڑکے کے ساتھ اس شرط پر ہوا کہ لڑکی کی ڈیمانڈ تھی کہ شوہر، نمازی، پرہیزگار اور برسر روزگار ہو۔ لڑکے کے والدین نے رشتے سے پہلے کہا کہ ہمارا لڑکا حافظ قرآن ہے اور نمازی پرہیزگار اور محنتی ہے لیکن نکاح کے بعد پتہ چلا کہ لڑکا نہ تو حافظ قرآن ہے اور نہ نماز کا پابند ہے بلکہ نشہ بھی کرتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکا آوارہ گردی بھی کرتا ہے اور اس کا چال چلن صحیح نہیں ہے۔ جب منکوحہ لڑکی کو پتہ چلا تو اس نے رخصتی سے انکار کیا اور ان کو کہا کہ مجھے طلاق دیدو کیونکہ لڑکی خود بہت دیندار ہے اور جن شرائط پر رشتہ طے کیا تھا وہ پوری نہیں ہو رہیں لیکن شوہر نے اس بات پر توجہ نہیں دی تو لڑکی نے عدالت سے رجوع کیا اور عدالت نے تین بارشن بھی جاری کیا اور لڑکا عدالت میں حاضر نہیں ہوا تو عدالت نے اپنے لوازمات پورا کرنے کے بعد لڑکی کو خلع کی ڈگری جاری کر دی اور عدالت نے لڑکے کی طرف جتنے پیغامات بھیجے وہ لڑکے نے وصول بھی کر لئے مگر خود عدالت میں حاضر نہیں ہوا۔

(نوٹ: عدالت جب شوہر کو طلب کرتی ہے تو ساتھ یہ نوٹس بھی دیتی ہے کہ اگر آپ مقررہ تاریخ پر عدالت نہ آئے تو یہ آپ کی طرف سے آپ کی بیوی کو طلاق سمجھی جائے گی۔)

اب عدالت نے جو خلع کی ڈگری جاری کی ہے اس سے اس لڑکی کو قانوناً طلاق مل چکی ہے، وہ لڑکی اب دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح لڑکا جو کہ لڑکی کا کفو نہیں ہے اس سے نکاح منع ہوا یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

جب عقد سے قبل لڑکی نے یہ شرط رکھی تھی کہ لڑکا نمازی، پرہیزگار اور برسر روزگار ہو اور لڑکے کے والدین نے اس کی یاد دہانی کرائی تھی اور نکاح کے بعد لڑکا ان صفات کا حامل ظاہر نہ ہوا بلکہ بالعکس نشہ وغیرہ بھی کرتا ہے اور لڑکی دیندار ہے لہذا لڑکا غیر کفو ہے (یعنی لڑکی کا ہمسر نہیں) اور لڑکی کو دھوکہ میں رکھ کر نیز اس کی شرائط کی مخالفت میں یہ عقد کیا گیا ہے لہذا یہ عقد منعقد تو ہو گیا لیکن لڑکی اور لڑکی کے



اولیاء دونوں اس عقد کو فسخ کر سکتے ہیں، دھوکے کی وجہ سے ان کو یہ حق فسخ ملے گا۔

البتہ اگر بوقت عقد لڑکا نمازی، پرہیزگار اور برسر روزگار ہو، اور عقد کے بعد لڑکے نے بری صفات کو اختیار کیا ہو تو پھر وہ عقد منقذ ہو چکا ہے کیونکہ لڑکے کا کفو ہونا (یعنی لڑکی کا ہمسر ہونا) صرف بوقت عقد ضروری ہے اگر عقد کے بعد حالات بدل جائیں تو اس سے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس صورت میں لڑکی اور اس کے اولیاء کو یکطرفہ حق فسخ نہ ملے گا کیونکہ دھوکا نہیں ہوا، اس صورت میں نکاح کو عدالت سے فسخ کرانے (یعنی خلع لینے) کیلئے جانین میاں، بیوی کی رضامندی ضروری ہے۔

لمافی الہندیۃ (۲۹۱/۱): ثم الکفاءة تعتبر عند ابتداء النکاح ولا يعتبر استمرارها بعد ذلك حتی لو تزوجها وهو کفء ثم صار فاجرا داعرا لا یفسخ النکاح کذا فی السراج الوہاج۔  
وفی تنویر الابصار (۳۳۱/۲): هو لغة الازالة وشرعا ازالة ملک النکاح المتوقفة علی قبولها بلفظ الخلع۔

وفی الشامیۃ تحتہ: قوله (وشرطہ كالطلاق) وهو أهلیۃ الزوج وكون المرأة محلا للطلاق منجزا أو معلقا علی الملک وأما رکنہ فهو کما فی البدائع إذا کان بعوض الإيجاب والقبول لأنه عقد علی الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا یستحق العوض بدون القبول۔

وفیہ أيضا (۸۵/۳): هی حق لها أيضا۔۔۔ لو انتسب الزوج لها نسبا غیر نسبه فإن ظهر دونہ وهو لیس بکفء فحق الفسخ ثابت للکل وإن کان کفوًا فحق الفسخ لها دون الأولیاء وإن کان ما ظهر فوق ما أخبر فلا فسخ أحد وعن الثانی أن لها الفسخ لأنہا عسی تعجز عن المقام معہ ۵۔

## (۵۲۲) دھوکے سے غیر کفو میں نکاح کرانے کا حکم

### سوال

ایک لڑکی سے کہا گیا کہ تمہارا نکاح عبدالودود بن عبدالغفور سے کیا گیا، اور لڑکی پر یہ ظاہر کیا گیا کہ یہ وہ ”عبدالودود“ ہے جو کہ تعلیم یافتہ اور شریف ہے، نیز لڑکی کے اولیاء بھی یہی سمجھتے رہے۔ نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ یہ دوسرا ”عبدالودود بن عبدالغفور“ ہے جو کہ جاہل اور بے دین شخص ہے۔ آیا اس طرح دھوکے سے لڑکی کا نکاح اس شخص کے ساتھ صحیح ہوا یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورتِ مسئلہ کے سمجھنے سے قبل چند باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ دھوکے سے کئے ہوئے نکاح میں بالذکر لڑکی

کو حق فسخ نکاح حاصل ہوتا ہے اور اگر لڑکا کفو نہ ہو تو لڑکی کے اولیاء کو بھی حق فسخ ملتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جاہل اور بے دین (فاسق) آدمی صالح لڑکی کا کفو نہیں۔

لہذا صورت مسئلہ میں چونکہ لڑکی اور اس کے اولیاء کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے جس نے بھی یہ دھوکہ کیا ہے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہے وہ شخص چونکہ لڑکی کا کفو بھی نہیں لہذا لڑکی اور لڑکی کے اولیاء دونوں کو فسخ نکاح کا حق ہے۔

لمافی الہندیۃ (۲۹۱/۱): فلا یکون الفاسق کفئاً للصالحۃ کذا فی المجمع سواء کان معلن الفسق أو لم یکن کذا فی المحيط۔

وفیہ ایضاً (۲۹۳/۱): ولو تزوج امرأۃ علی أنه فلان بن فلان فإذا هو أخوه لأبیہ أو عمہ لأبیہ کان لها حق الفسخ کذا فی فتاوی قاضی خان۔

وفی الشامیۃ (۵۷/۳): قوله ( بعدم جوازہ أصلاً ) هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وهذا إذا کان لها ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضا بعده بجر وأما إذا لم یکن لها ولی فهو صحیح نافذ مطلقاً اتفاقاً كما یأتی لأن وجه عدم الصحة علی هذه الروایة دفع الضرر عن الأولیاء أما هی فقد رضیت بإسقاط حقها فتح وقول البحر لم یرض بہ یشمل ما إذا لم یعلم أصلاً فلا یلزم البصریح بعدم الرضا بل السکوت منه لا یکون رضا كما ذکرنا فلا بد حیثئذ لصحة العقد من رضا صریحاً وعلیه فلو سکت قبله ثم رضی بعده لا یفید فلیتأمل۔

وفیہ ایضاً (۸۵/۳): ہی حق لها ایضاً بدلیل أن الولی لو زوج الصغیرة غیر کفء لا یصح ما لم یکن أباً أو جداً غیر ظاہر الفسق ولما فی الذخیرة قبیل الفصل السادس من أن الحق فی إتمام مهر المثل عند أبي حنيفة للمرأة وللأولیاء حق الکفاءة وعندہما للمرأة لا غیراھ وظاہر قوله کحق الکفاءة الاتفاق علی أنه حق لكل منهما وكذا ما فی البحر عن الظہیریۃ لو انتسب الزوج لها نسباً غیر نسبه فإن ظہر دونہ وهو لیس بکفء فحق الفسخ ثابت للکل وإن کان کفوفاً فحق الفسخ لها دون الأولیاء وإن کان ما ظہر فوق ما أخیر فلا فسخ أحد وعن الثانی أن لها الفسخ لأنها عسی تعجز عن المقام معہ اھ

وفی الفقہ الاسلامی (۶۳۳۳/۹): اتفق الفقہاء علی أن الکفاءة حق لكل من المرأة وأولیائها، فإذا تزوجت المرأة بغير کفاء، کان لأولیائها حق طلب الفسخ، وإذا زوجها الولی بغير کفاء کان لها ایضاً الفسخ؛ لأنه خيار لنقص فی المعقود علیہ، فأشبهه خيار البیع۔

## (۵۲۳) باپ کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح جائز ہے

### سؤال

ہمارے علاقے کے ایک معزز آدمی نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح اپنے غریب نوکر سے کیا ہے اور لڑکی بھی راضی ہے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ بظاہر دونوں کے درمیان مساوات نہیں ہے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر ولی اپنی اور بیٹی کی رضامندی کے ساتھ غیر کفو میں بیٹی کا نکاح کرتا ہے تو نکاح درست ہوتا ہے لہذا جب اس آدمی نے بیٹی کا نکاح اس کی رضامندی کے ساتھ اپنے غریب نوکر سے کیا تو یہ نکاح درست ہے۔

وفی الشامیة (۸۵/۳) باب الکفاءة: قوله (فلو نکحت الخ) تفریع علی قوله لا حقها وفيه أن التقصیر جاء من قبلها حیث لم تبحت عن حاله كما جاء من قبلها وقبل الأولیاء فیما لو زوجوها برضاها ولم یعلموا بعدم الکفاءة ثم علموا رحمتی وفي کلام لولول الحیة ما یفیده كما یأتی قریبا وعلى ما ذکرناه من الجواب فالتفریع صحیح لأن سقوط حقها إذا رضیت ولو من وجه وهما كذلك ولذا لو شرطت الکفاءة بقی حقها۔

وفی الموسوعة الفقهیة (۲۶۲/۳۳): حکم التزویج من غیر کفاء: لا یجوز للولی غیر المجرر تزویج مولیتہ بغير کفاء دون رضاها باتفاق الفقهاء. فأما إذا زوجها بغير کفاء برضاها جاز النکاح لأن الکفاءة حق المرأة والأولیاء، فإذا اتفقت معهم علی ترکها جاز۔

## (۵۲۴) بالغہ کا از خود کفو میں کیا نکاح مناسب نہیں

### سؤال

ایک بالغ لڑکا اور ایک بالغ لڑکی کفو ہیں اور یہ دونوں گواہوں کی موجودگی میں بھاگ کر بغیر والدین کی رضامندی کے نکاح کر لیں آیا یہ نکاح مانا جائے گا یا نہیں؟ اور کیا اس طرح کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

دین اسلام اس نظام حیات کا نام ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہر فرد کے حقوق کا خیال رکھتا ہے جن کا دائرہ اسلام میں داخل



## (۵۲۵) کورٹ میرج کرنے والے لڑکے کو قتل کرنے کا حکم

## سوال

لڑکا اور لڑکی دونوں جوان ہیں دونوں آپس میں راضی ہوں۔ موجودہ حکومت جو پاکستان میں ہے اس کی حرکات کسی آدمی پر مخفی نہیں، جس کی لائٹھی اس کی بھینس۔ یہاں شرعی عدالتیں نہیں ہیں اگر ان دونوں کا نکاح عدالت میں ہو گیا تو کیا یہ نکاح ہو جائے گا؟ ان دونوں کے والدین ان کے نکاح پر راضی نہ ہوں نہ ان کے بھائی اس پر راضی ہوں تو والدین کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ فسخ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا لڑکے سے زبردستی طلاق کہلوائے؟ اگر لڑکی کے بھائی نے لڑکے کو جان سے مار دیا تو کیا وہ شہید ہے؟ قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ہر سوال کا الگ الگ جواب عنایت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

آیات قرآنیہ، احادیث مبارکہ اور کتب فقہ کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب مرد، عورت عاقل، بالغ ہوں اور وہ اپنی رضامندی سے گواہوں کی موجودگی میں نکاح کر لیں تو اگر لڑکا لڑکی کا کفو (جوڑ) کا ہے تو اس صورت میں یہ نکاح منعقد ہے اور والدین کو نکاح منسوخ کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا اور اگر لڑکی نے اپنے جوڑ کے لڑکے کے علاوہ سے شادی کر لی تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا، اس صورت میں طلاق کی ضرورت ہی نہیں البتہ چونکہ یہ نکاح فاسد ہوگا جس میں ہم بستری کرنا قطعاً حرام ہے لہذا شوہر اور بیوی کے درمیان متارکت یا کسی ایک جانب سے فسخ کا پایا جانا ضروری ہوگا۔ فسخ لڑکا ہی نہیں بلکہ لڑکی کی جانب سے بھی ہو سکتا ہے فقط یہ الفاظ کہہ دیئے جائیں کہ میں یہ نکاح فسخ کرتا یا کرتی ہوں۔

اگر لڑکی کے بھائی نے لڑکے کو قتل کر دیا تو یہ لڑکا حکماً شہید ہوگا اور اس لڑکی کے بھائی (قاتل) کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

لما فی البحر الرائق (۲/۱۹۶): (باب الشہید): (هو من قتله أهل الحرب أو البغی أو قطاع الطريق أو وجد فی المعركة وبه أثر أو قتله مسلم ظلماً ولم یجب بقتله دية)۔۔۔ وقید بقوله ظلماً لأن من قتله مسلم حقاً كالمقتول جحد أو قصاص أو عدا علی قوم فقتلوه فلیس بشہید۔

وفی الشامیة (۲/۸۲): قوله (الكفاءة معتبرة) قالوا معناه معتبرة فی اللزوم علی الأولیاء حتی أن عند عدمها جاز للولی الفسخ اه فتح وهذا بناء علی ظاہر الروایة من أن العقد صحیح وللولی الاعتراض أما علی روایة الحسن المختارة للفتوی من أنه لا یصح فالمعنی معتبرة فی الصحة۔

## (۵۲۶) لڑکی کے غیر کفو میں نکاح کی صورت میں طلاق کا حکم

### سؤال

میں مسمی خالد نے ایک عورت مسماة رخسار کے ساتھ آپس کی رضامندی سے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کیا جس کی خبر لڑکی کے گھروالوں کو نہیں ایک سال کے بعد لڑکی کے گھروالوں کو اس نکاح کا علم ہوا تو لڑکی کو خوب مار کر جبراً اس سے یہ تحریر لکھوائی کہ ”خالد نے مجھ سے زبردستی اسلمہ کے زور پر نکاح کیا ہے اور میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں“ بعد ازاں مجھے ایک جگہ دھوکے سے لڑکی کے بھائی وغیرہ نے بلوایا اور دھمکی دے کر طلاق کا مطالبہ کیا کہ میں اپنی زبان سے اپنی بیوی کو طلاق دیدوں اور یوں کہوں ”کہ رخسار میں نے تمہیں طلاق دیدی“ چنانچہ میں نے اپنی جان بچانے کیلئے ایسے مہمل الفاظ استعمال کئے کہ میرے زعم کے مطابق ان الفاظ سے طلاق نہ ہوتی ہو۔ وہ الفاظ یہ تھے جن کو میں نے اپنی زبان سے اپنی بیوی رخسار کو موبائل فون پر کہے کہ ”رخسار یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ تمہیں یوں کہوں کہ رخسار میں نے تمہیں طلاق دی“ اور یہی الفاظ میں نے تین دفعہ دہرائے۔ اب حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ

- (۱)..... محض دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟
- (۲)..... لڑکی کا ولی اس نکاح کو کفو میں نہ ہونے کی وجہ سے فسخ کر سکتا ہے یا نہیں؟
- (۳)..... اگر کر سکتا ہے تو اس کا طریقہ کار کیا ہوگا ولی عدالت میں مقدمہ کے ذریعے فسخ کروا سکتا ہے یا بیٹھے بیٹھے فسخ کر دے؟
- (۴)..... مذکورہ بالا الفاظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتی تو لڑکی کے گھروالے اگر لڑکی کا دوسرا نکاح کروادیں تو ایسے نکاح کا کیا حکم ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں پوچھے گئے سوالوں کے جواب ترتیب وار درج ذیل ہیں:

- (۱)..... دو عاقل بالغ آزاد مسلمان گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے البتہ اگر لڑکی ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو یہ نکاح مفتی بقول کے مطابق منعقد نہ ہوگا۔
- (۲)..... غیر کفو میں ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔
- (۳)..... جو نکاح غیر کفو میں بلا اجازت و رضامندی ولی کے کیا گیا ہو وہ اصلاً ہی غیر منعقد ہے لہذا اس کے فسخ کیلئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں البتہ یہ نکاح فاسد ہے جس میں علیحدگی کے لئے فسخ یا متارکت ضروری ہے فسخ لڑکی کی جانب سے بھی ہو سکتا ہے اس سے قبل لڑکی کا دوسری جگہ نکاح درست نہیں۔
- (۴)..... الفاظ طلاق کو بلا نیت و ارادہ طلاق کے صرف حکایتاً ادا کرنے کی صورت میں (جیسا کہ مذکورہ بالا سوال میں پوچھا گیا ہے)

طلاق واقع نہیں ہوتی اور جب طلاق نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں عورت کا کہیں اور نکاح کرنا یا کرانا حرام ہے۔ صورت مسئلہ میں نکاح چونکہ بظاہر غیر کفو میں ہوا ہے جیسا کہ شق نمبر ۲ میں ہے اور غیر کفو میں اولیاء کی رضامندی کے بغیر لڑکی کا نکاح مفتی بہ روایت کے مطابق کالعدم اور فاسد ہے اور نکاح فاسد میں کسی دوسری جگہ نکاح کرنے کیلئے اولاً لڑکے سے متارکت کرنا یا لڑکے اور لڑکی میں سے کسی ایک کا نکاح کو فسخ کرنا ضروری ہوتا ہے بصورت دیگر لڑکی کسی دوسرے لڑکے سے عقد کرنے کی اہل نہیں۔ نیز اگر دخول ہوا ہو تو پھر متارکت یا فسخ کے بعد عدت تین حیض کا گزارنا بھی حلت نکاح کیلئے ضروری ہے۔

لمافی الہندیۃ (۲۹۲/۱): ثم المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفاء صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى --- وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن النكاح لا ينعقد وبه أخذ كثير من مشايخنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن وقال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رواية الحسن أقرب إلى الاحتياط كذا في فتاوى قاضي خان في فصل شرائط النكاح۔

وفيه أيضا (۲۵۳/۱): حكى يمين رجل فلما بلغ إلى ذكر الطلاق خطر بباله امرأته إن نوى عند ذكر الطلاق عدم الحكاية واستئناف الطلاق وكان موصولا بحيث يصلح للإيقاع على امرأته يقعه لأنه أوقع وإن لم ينوشيثا لا يقعه لأنه محمول على الحكاية كذا في الفتاوى الكبرى۔

وفي الشامية (۵۷/۲): قوله (بعدم جوازه أصلا) هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضا بعده بجر۔۔۔ قوله (وهو المختار للفتوى) وقال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتياط كذا في تصحيح العلامة قاسم۔

وفي الشامية (۱۳۲/۲): ولكل وضمير وحده لكل أي يثبت لكل منهما وحده قوله (بل يجب على القاضي) أي إن لم يتفرقا قوله (وتجب العدة) ظاهر كلامهم وجوبها من وقت التفريق قضاء وديانة۔

وفي الشامية (۷۲/۲): قوله (وفقد الكفاء) أي إذا نكحت غير الكفاء فللأولياء حق الفسخ وهذا على ظاهر الرواية أما على رواية الحسن فالعقد فاسد ط۔

وفيه أيضا (۲۵۰/۲): لو كرر مسائل الطلاق بجزئتها أو كتب ناقلا من كتاب امرأتی طالق مع التلفظ أو حكى يمين غيره فإنه لا يقعه أصلا ما لم يقصد زوجته۔ الخ۔

## (۵۲۷) رخصتی سے قبل شوہر کا وطی کرنا

## سوال

ایک ماقدہ بالغہ عورت اگر اپنی مرضی سے نکاح کر لے تو یہ احناف کے ہاں معتبر ہے؟ نیز نکاح کے بعد شوہر کو رخصتی سے قبل وطی کا حق حاصل ہے یا رخصتی کا انتظار کرے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکی کے نکاح کا معاملہ انتہائی نازک اور احتیاط کا متقاضی ہے یہ معاملہ ایسا نہیں کہ لڑکی خود یا اس کی ماں وغیرہ اس سلسلے میں خود کوئی قدم اٹھائیں شریعت نے لڑکی کو اپنے نکاح کا معاملہ اپنے اولیاء کے سپرد کرنے کی تلقین کی ہے۔ آپ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے: "لا نکاح الا بولی" (مشکوٰۃ ص ۲۷۰) "ولی کے بغیر نکاح نہیں (یعنی نکاح کے کامل شرائط حاصل نہیں ہو سکتے)۔ اسی طرح فتاویٰ شامیہ میں ہے:

"قولہ (ولایۃ نذب) ائی یستحب للمراة تفویض امرها الی ولیها کئی لا تنسب الی الوقاحة"  
 "(استجابی ولایت) یعنی لڑکی کیلئے مستحب ہے کہ اپنے نکاح کا معاملہ ولی کے سپرد کر دے تاکہ بے حیائی کا عیب نہ لگایا جائے۔"  
 (شامیہ ۳/۵۵)

بند شریعت کی نظر میں یہ پسندیدہ امر نہیں کہ لڑکی خود اپنے نکاح کے معاملے میں کوئی اقدام کرے البتہ بالغ لڑکی کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے یعنی وہ خود بالغ اور باشعور ہے اگر وہ ایسا کوئی اقدام کر لیتی ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا (بشرطیکہ لڑکا کفو ہو یعنی مال، پیشہ، دینداری وغیرہ میں برابر کا ہو ورنہ نکاح کا اہدم ہوگا) لیکن لڑکی کو ایسے ہر اقدام سے بہر حال اجتناب کرنا چاہیے تاکہ سرپرستوں کی رسوائی کا سبب نہ بنے۔

آپ کے سوال کا دوسرا جزء یہ ہے کہ رخصتی سے قبل وطی کرنا تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ جو لڑکی سرپرستوں کی اجازت کے بغیر بھاگ کر کورٹ وغیرہ میں نکاح کرتی ہے تو کفو میں اس کا نکاح اگرچہ منعقد تو ہے لیکن اس کے بارے میں یہ سوال بے معنی سا ہے البتہ ایک باحیاء، شریف لڑکی جس کے اولیاء اس کا نکاح کرادیں اور ابھی رخصتی نہ ہوئی ہو تو اس سے وطی کرنا جائز تو ہے کیونکہ شرعاً وہ لڑکی اس کی بیوی ہے لیکن رخصتی تک انتظار کرنا بہتر ہے اور اگر شوہر صبر نہیں کر پارہا ہو تو لڑکی والوں سے جلد از جلد رخصتی کا مطالبہ کرے، لڑکی والوں کا بغیر کسی شرعی عذر کے رخصتی میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی المصنف عبدالرزاق (۶/۱۹۵): عبدالرزاق عن ابن جریر۔۔۔ سألت الزهري عن الرجل

یتزوج بغیر ولی؟ قال ان کان کفو المریرق بینہما۔



وفي الهندية (۲۷۰/۱): وأما أحكامه فحل استمتاع كل منهما بالآخر على الوجه المأذون فيه شرعا كذا في فتح القدير-

وفي الدر المختار (۵۶/۳): (ويفتى) في غير الكفاء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان)-

وفي الفقه الاسلامي (۶۵۸۹/۹): للزواج اللازم أو التام الذي استوفى أركانه وشروطه كلها آثار هي: حل استمتاع كل من الزوجين بالآخر على النحو المأذون فيه شرعاً، ما لم يمنعه منه مانع.

## (۵۲۸) دیندار لڑکے سے نکاح کے وکیل کا فاسق سے نکاح کرادینا

### سؤال

ایک شخص نے ایک آدمی کو اپنی بیٹی کے نکاح کیلئے وکیل بناتے ہوئے کہا کہ میری بیٹی کا نکاح کسی دیندار شخص سے کرادو اور باپ خود دیندار باشرع آدمی ہے۔ وکیل نے ایک فاسق شخص سے اس کا نکاح کرادیا۔ کیا یہ نکاح منعقد ہو گیا کیونکہ اب والد اس فاسق کے نکاح پر راضی نہیں ہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

وکیل نے جب غیر کفو (فاسق شخص) سے نکاح کرادیا تو یہ نکاح موقوف رہے گا اگر لڑکی اور اس کے سرپرست اجازت دے دیں تو نافذ ہوگا وگرنہ کالعدم ہو جائے گا۔

لمافی الهندية (۲۹۱/۱): فلا يكون الفاسق كفتا للمصلحة كذا في المجمع سواء كان معلن الفسق أو لم يكن كذا في المحيط -

وفي الشامية (۹۵/۳) (مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح): قوله (جاز) في بعض النسخ نفذ وهي أنسب لأن الكلام في النفاذ لا في الجواز ح قوله (وقالا لا يصح) أي إذا رده الأمر والأولى التعبير بلا ينفذ ليفيد أنه موقوف -- قوله (وهو استحسان) قال في الهداية وذكر في الوكالة أن اعتبار الكفاءة في هذا استحسان عندهما لأن كل أحد لا يعجز عن التزوج بمطلق الزوجة فكانت الاستعانة في التزوج بالكفاء اه قال في الفتح وفيه إشارة إلى اختيار قولهما لأن الاستحسان مقدم على غيره إلا في المسائل المعلومة والحق أن قول الإمام ليس قياساً لأنه أخذ بنفس اللفظ المنصوص فكان النظر في أي الاستحسانين أولى اه

وفی تقریرات الرافعی (۱۹۱/۲): تحت قول ابن عابدین "والحق أن قول الامام لیس قیاسا" فیہ أن القیاس ما کان دلیله جلیا والاستحسان ما کان دلیله خفیا وهنالا شکت فی ذلهور دلیله وخفاء دلیلهما تأمل علی أن الطحاوی قال قولهما أحسن للفتوی۔

## (۵۲۹) گزشتہ فتوے پر ایک فاضل کے استدراک کا جواب

### سوال

محترم مفتی صاحب! دارالافتاء دارالعلوم یسین القرآن کا متصلہ فتویٰ بندہ نے حاصل کیا۔ آنجناب نے بندے کے سوال کا جو جواب دیا وہ بوجہ اختصار بندہ پوری طرح سمجھ نہیں پایا آپ حضرات سے درج ذیل باتوں کی مفصل تشریح مطلوب ہے:

(۱) وکیل بالنکاح اگر غیر کفو میں نکاح کر رہا ہے تو یہ نکاح کس وجہ سے موقوف ہو رہا ہے؟ مخالفت مؤکل کی وجہ سے یا غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے؟

(۲) اگر لڑکی کا باپ جو لڑکی کے نکاح کا وکیل بنا رہا ہے خود فاسق ہو لیکن لڑکی دیندار ہو تو پھر کیا وکیل کا غیر کفو میں کیا گیا نکاح منعقد ہوگا؟

(۳) کفایت کے اندر دینداری اور فسق میں لڑکی کا اعتبار ہے یا لڑکی کے باپ، دادا کا؟

(۴) اگر مؤکل یہ تصریح نہیں کرتا کہ دیندار لڑکے سے میری بچی کا نکاح کرانا پھر وکیل نے فاسق (غیر کفو) کیساتھ نکاح کر دیا تو یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ ازراہ کرم ان تمام جزئیات کی مفصل تشریح فرما کر بندے کے ذہن کی تشویش دور فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

فاضل مفتی کو گزشتہ فتوے میں موجود اختصار کے باعث تشویش کا سامنا کرنا پڑا اور سائل نے دوبارہ سوال کی زحمت کی اس پر ہم سائل کے شکر گزار ہیں۔ آپ کے ذکر کردہ سوالات کے جواب دینے سے پہلے چند باتیں تحریر کی جا رہی ہیں انہیں مد نظر رکھا جائے تو بات سمجھنا آسان ہو جائے گی۔

اڈالایہ کہ کسی بھی شخص کو نکاح کا وکیل بناتے ہوئے اگر لڑکے کے کفو ہونے یا نہ ہونے کی شرط نہ لگائی جائے تو اس سے کفو میں نکاح کرنا ہی مراد ہوتا ہے اور وکیل غیر کفو میں نکاح کرانے میں بااختیار نہیں ہوتا اگر غیر کفو میں نکاح کرائے گا تو وہ نکاح لڑکی اور اس کے اولیاء کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

ثانیاً یہ کہ مؤکل وکیل بناتے وقت کوئی خاص شرط لگائے مثلاً لڑکا کفو ہو یا گورا ہو یا دیگر کوئی بھی شرط لگا دے تو اب بہر حال وکیل کو مؤکل کی شرط کی رعایت کرنا ضروری ہے ورنہ یہ نکاح مخالفت مؤکل کی وجہ سے موقوف ہو جائے گا۔ تا تاریخانیہ میں ہے:

"وكله أن يزوجه امرأة من قبيلة فزوجها من قبيلة أخرى لم يجز وهذا ظاهر، وكله أن يزوج"

امرأة سوداء فزوجه امرأة بيضاء أو على العكس لا يجوز" (التاتار خالية ۴۵/۳)  
 "ایک شخص کو معین قبیلے کی لڑکی سے نکاح کا وکیل بنایا اور اس نے دیگر کسی قبیلے کی لڑکی سے نکاح کر دیا تو یہ جائز نہیں اور یہ ظاہری بات ہے۔ ایک شخص کو کالی عورت سے نکاح کا وکیل بنایا اور اس نے گوری عورت سے نکاح کر دیا یا اس کے برعکس معاملہ ہو تو یہ نکاح جائز نہیں ہوگا۔"

اسی طرح شامیہ میں ہے:

"لو امرأة بمعينة أو بحرة أو أمة فخالف أو أمرته بتزويجها ولم تعين فزوجها غير كفاء لم يجز اتفاقاً... للمخالفة" (الدر المختار، ۹۵/۳)

"اگر حکم دیا معین عورت یا آزاد یا باندی سے نکاح کا یا ایسی طرح عورت حکم دے نکاح کرانے کا لیکن متعین نہ کرے اور وکیل غیر کفو میں نکاح کر دے تو بالاتفاق یہ نکاح جائز نہیں کیونکہ یہ مؤکل کی مخالفت ہے۔"  
 الغرض مطلق توکیل سے کفو میں نکاح مراد ہوگا اور اگر کوئی خاص شرط بھی لگا دی تو اس کا لحاظ رکھنا بھی وکیل کیلئے ضروری ہے۔

ثالثاً یہ کہ کفاءة میں لڑکی کے دیندار ہونے کا اعتبار ہوگا یا لڑکی کے باپ کا؟ اس بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔ علامہ ابن عابدینؒ نے رد المحتار المعروف بـ "الفتاویٰ الشامیة" میں تمام آراء کو جمع فرما کر جو آخری فیصلہ فرمایا ہے وہ یہ ہے:

"قلت والحاصل أن المفهوم من كلامهم اعتبار صلاح الكل وإن من اقتصر على صلاحها أو صلاح آباءها نظر إلى الغالب من أن صلاح الولد والوالد متلازمان فعلى هذا فالفاسق لا يكون كفواً للصالحة بنت صالح بل يكون كفواً للفاسقة بنت فاسق وكذا الفاسقة بنت صالح كما نقله في اليعقوبية فليس لأبيها حق الاعتراض لأن ما يلحقه من العار ببنته أكبر من العار بصهره وأما إذا كانت صالحة بنت فاسق فزوجت نفسها من فاسق فليس لأبيها حق الاعتراض لأنه مثله وهي قدر ضيبت به"

(الشامیة: ۸۹/۳)

"میں کہتا ہوں کہ فقہاء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک (لڑکی اور آباء و اجداد) کی دینداری کا اعتبار کیا جائے گا اور جس نے لڑکی یا اس کے آباء میں سے کسی ایک کی دینداری کو لیا ہے اس نے غالب کا اعتبار کیا ہے کیونکہ بچے اور والدین کی دینداری لازم و ملزوم ہے پس اس کے مطابق فاسق شخص صالحہ بنت صالح کا کفو نہ ہوگا بلکہ فاسقہ بنت فاسق کا کفو ہوگا اور اسی طرح فاسقہ بنت صالح کا بھی کفو ہوگا کیونکہ جو عار باپ کو اپنی بچی کے فتن سے پہنچ رہی ہے وہ داماد کی وجہ سے پہنچنے والی عار سے کم ہے تو باپ کو اعتراض کا حق نہیں اور اسی طرح صالحہ بنت فاسق اگر از خود فاسق سے نکاح کر لیتی ہے (تو یہ نکاح کفو میں کہلائے گا اور) باپ کو اعتراض کا حق نہ ہوگا کیونکہ وہ شخص باپ کی طرح فاسق ہے اور (نیک) لڑکی اس سے عقد پر راضی ہو چکی ہے۔"

اس عبارت سے درج ذیل امور مستفاد ہوئے:

(۱) ایک فاسق فاجر شخص (۱) صالحہ (دیندار لڑکی) بنت صالح (دیندار باپ) کا کفو نہیں۔

(۲) فاسقہ بنت فاسق، فاسقہ بنت صالح اور صالحہ بنت فاسق کا کفو ہے اور اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا وجوہات عبارت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

لہذا درج بالا تفصیلات کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کے ذکر کردہ سوالات کے جوابات بالترتیب یہ ہیں:

(۱) ہمارے گزشتہ مسئلے میں (جس پر مسائل کو اشکال ہوا) وکیل کا نکاح مخالفت مؤکل کی وجہ سے موقوف ہو رہا ہے کیونکہ یہ لڑکی صالحہ بنت صالح تھی جس کا فاسق شخص کفو نہیں ہوتا اور وکیل نے مؤکل کے امر (دیندار سے نکاح کرانے) کی مخالفت کی ہے لہذا یہ نکاح موقوف ہوا۔

(۲) اگر لڑکی کا باپ فاسق ہوتا اور وہ اپنی بیچی کے نکاح کا وکیل بناتے وقت دیندار رشتہ کی شرط لگاتا تب بھی یہ نکاح موقوف ہو جاتا کیونکہ اب بھی مخالفت مؤکل پائی جاتی ہے البتہ اگر باپ کوئی شرط نہ لگاتا تو یہ نکاح کفو میں ہونے کی وجہ سے منعقد ہو جاتا بشرطیکہ لڑکی نکاح کو قبول کر لے کیونکہ ایک فاسق شخص، صالحہ بنت فاسق کا کفو ہے۔

(۳) کفایت میں دینداری کے اندر لڑکی اور اس کے آباء دونوں کا اعتبار ہے تفصیل اوپر گزر گئی۔

(۴) اگر مؤکل یہ تصریح نہ کرتا کہ دیندار لڑکے سے نکاح کرانا تو اس صورت میں بھی یہ نکاح منعقد نہیں ہوتا کیونکہ اوپر تفصیل گزر چکی کہ مطلق تو وکیل (وکیل بنانے) کی صورت میں وکیل صرف کفو میں نکاح کرانے میں باختیار ہوتا ہے اور ایک دیندار باپ کی دیندار بیٹی کا ایک فاسق و فاجر شخص کفو نہیں ہوتا لہذا یہ نکاح غیر منعقد (اجازت پر موقوف) ہوگا۔

درج بالا تفصیلات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ ہمارے گزشتہ فتوے میں اگر باپ یہ قید (کہ لڑکا دیندار ہو) نہ بھی لگاتا تب بھی نکاح موقوف رہتا لیکن جب باپ نے یہ قید بھی لگا دی تو بدرجہ اولیٰ مخالفت مؤکل کی وجہ سے یہ نکاح موقوف شمار ہوگا۔

(۵۳۰) حلالہ کرنے والے مرد کا کفو ہونا

سوال

ایک مطلقہ ثلاثہ غیر کفو میں اپنا نکاح کر لیتی ہے اور شوہر ثانی دخول کے بعد اسے طلاق دے دیتا ہے اس طرح یہ عورت زورج اول کیلئے حلال ہو گئی یا نہیں؟ مفتی صاحب! ازراہ کرم جواب عنایت فرمائیں لڑکی کے والدین وغیرہ کو اس سبب معاملے کا کچھ علم نہیں سب بے خبر ہیں۔ اگر علم ہو گیا تو بڑی بدنامی کا سبب بنے گا۔ لڑکے نے اپنے طور پر کسی شخص کو راضی کیا تھا۔ اب یہ شک ہو رہا ہے کہ یہ حلالہ ہوا بھی یا نہیں؟ لڑکی کے سر پرستوں کو اگر بتایا جاتا تو وہ قطعاً راضی نہیں ہوتے اور اپنی بیچی کو گھر بلا لیتے۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

در مختار میں ہے:

"(ویفتی) فی غیر الکفاء (بعدم جوازہ أصلاً) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثاً نکحت غیر کفاء بلا رضا ولی بعد معرفتہ ایاً فلیحفظ" (الدر المختار ۵۷/۱)

"اور غیر کفو (میں لڑکی کے از خود نکاح کی صورت) میں اصلاً نکاح کے غیر منعقد ہونے پر فتویٰ دیا جائے گا اور یہی فتوے کیلئے مختار ہے کیونکہ زمانہ بگڑ چکا ہے پس مطلقہ ثلاثہ جو کہ اپنے ولی کی اجازت (ایسی اجازت کہ ولی اس شخص کا غیر کفو ہونا جانتا بھی ہو) کے بغیر نکاح کرنے کی صورت میں شوہر اول کیلئے حلال نہ ہوگی۔"

ردالمحتار میں اس کے ماتحت ہے:

"وانما تحل فی الصورة الرابعة وهی رضا الولی بغیر الکفاء مع علمہ بأنه كذلك"

"صرف ایک صورت ہے عورت کے حلال ہونے کی اور وہ یہ کہ ولی یہ جانتے ہوئے کہ وہ شخص غیر کفو ہے نکاح پر راضی ہو جائے اور کوئی صورت (حلالہ کے درست ہونے کی) نہیں۔"

اسی طرح فقہ کی دیگر تمام متداول اور مشہور کتب میں یہ مسئلہ تحریر ہے کہ حلالہ کرنے والے مرد کا کفو ہونا شرط ہے غیر کفو ہونے کی صورت میں ولی اگر راضی ہو تو نکاح درست ہوگا وگرنہ مفتی بہ قول کے مطابق یہ نکاح سرے سے کالعدم ہوگا۔ ہمارے ذکر کردہ حوالے میں مسئلہ کی علت بھی ذکر ہے اور وہ ہے "لفساد الزمان" یعنی زمانے میں پیدا شدہ بگاڑ کی وجہ سے لڑکی کا غیر کفو ہونا نکاح علی الاطلاق کالعدم قرار دیا جانا مفتی بہ قرار پایا ہے۔

زمانے کا فساد حلالہ کے مسئلے میں یہ ہے کہ لوگ آئے روز طلاقیں دیں گے اور پھر کسی رذیل اور گھٹیا قسم کے انسان کو حلالہ پر خفیہ طور پر راضی کر کے حلالہ کروائیں گے جو کہ معاشرے میں فحاشی پھیلنے کا سبب بنے گا اور حلالہ ایک کاروبار بن کر رہ جائے گا اس لئے شریعت نے غیر کفو میں نکاح کی صورت میں اولیاء کی لڑکے سے باضابطہ جان پہچان اور ان کی رضامندی کو شرط ٹھہرایا ہے کیونکہ لڑکی کے والدین کے علم میں بات لانا ضروری ہوگا تو لوگ طلاق کے معاملے میں سوچ سمجھ کر کوئی اقدام کریں گے۔

یہ تو مسئلے کا ایک رخ تھا لیکن دوسری طرف بعض دفعہ شرفاء کے گھرانوں میں ایسے حادثات پیش آجاتے ہیں اور اس صورت میں اولیاء کو خبر ہونا، خاندان میں بے عزتی کا سبب بنتا ہے۔ اس صورت میں لڑکی کے سرپرست عموماً لڑکی کو گھر بلا لیتے ہیں اور پھر بچوں کا مستقبل داؤ پر لگ جاتا ہے لہذا ایسے گھرانوں کیلئے کوئی جائے خلاصی ہونی چاہیے۔ انہیں مطلقاً غیر کفاء میں بغیر اولیاء کو اعتماد میں لئے نکاح کی اجازت تو نہیں دی جاسکتی کیونکہ وہ تو مذہب مختار کے مطابق کالعدم اور غیر قابل وسعت حکم ہے اس لئے نکاح کیلئے بہر حال کفو کا لڑکا دیکھنا شرط ہوگا۔

البتہ ان کیلئے یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی عالم کے سامنے جا کر اپنا مسئلہ رکھیں اور چونکہ عالم کا علم ہر چیز کا کفو ہے حتیٰ کہ عالم عربیہ کا بھی کفو قرار دیا گیا ہے اس لئے کسی عالم کو تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنا مسئلہ بیان کریں اور انہیں حلالہ کے نکاح کیلئے راضی کریں اور وہ عالم بچوں کی اصلاح اور میاں بیوی کے مستقبل کو بچانے کیلئے نیز دیگر امور کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر یہ سمجھیں کہ یہ خاندان اس امر کا محتاج ہے تو وہ یہ نکاح کر لیں اور بعد از مباشرت بغیر کسی دباؤ کے خود ہی طلاق دے دیں تو وہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائے گی کیونکہ وہ عالم سب کا کفو ہے اور لڑکی کا از خود بغیر اولیاء کی رضامندی کے کفو میں کیا گیا نکاح نافذ اور منعقد ہے اس لئے نکاح درست شمار ہوگا اور وہ عورت شوہر اول کیلئے حلال ہو جائے گی اس طرح فحاشی کا دروازہ بھی نہ کھلے گا اور دوسری طرف شریف خاندانوں میں واقع ایسے نادر واقعات کے سد باب کیلئے حل بھی نکل آئے گا۔

یہ ہماری ذاتی رائے ہے اس فتوے پر عمل سے پہلے دیگر اصحاب فتاویٰ سے بھی رجوع کر لیا جائے نیز صورت مسئلہ میں اگر لڑکا جس سے حلالہ کا نکاح کیا گیا تھا لڑکی کا کفو ہو تو نکاح صحیح ہو اور عورت حلال ہے وگرنہ حلالہ درست نہ ہوگا۔

لمافی الخانیة علی هامش الہندیة (۳۵۱/۱): الفقیہ یكون کفأ للعلویة لأن شرف الحسب فوق شرف النسب۔

وفی الشامیة (۹۲/۳): فالعالم العجمی یكون کفؤا للجاهل العربی والعلویة لأن شرف العلم فوق شرف النسب وارتضاه فی فتح القدير وجزم به البزازی وزاد والعالم الفقیر یكون کفؤا للغنی الجاهل والوجه فیہ ظاہر لأن شرف العلم فوق شرف النسب فشراف المال أولى۔

رسالة

إعلاء السافل

بان

العالم العجمي يكون كفو العربى العالم والجاهل

كفاءت میں ایک عجمی عالم ہر عربی اور عجمی کا کفو ہو گا یا صرف جاہل عربی کا؟

کتب فقہ میں موجود عبارت "العالم العجمي يكون كفو اللجاهل العربي" کی وضاحت،

عالم کے علم کا ہر فضیلت سے افضل ہونے کا بیان

اور مسئلہ ہذا پر مدلل و محقق فتویٰ

## (۵۳۱) عالم کے ہر شخص کے کفو ہونے سے متعلق اشکال کا جواب

### سؤال

مفتی صاحب! کفائت سے متعلق ایک مسئلے کی تحقیق مطلوب ہے ایک عالم ہر شخص کا کفو ہے یہاں تک کہ عربیہ کا بھی کفو ہے مفتی صاحب یہ مطلق حکم ہے یا اس میں جاہل اور عالم کی قید ہے؟ شامیہ کی عبارت یہ ہے:

" فالعالم العجمي يكون كفوًا للجاهل العربي " (الشامية ۹۲/۳)

اس سے تو عرب کا جاہل ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ سے ان دو باتوں کا تحقیقی جواب مطلوب ہے۔

(۱) عالم کا عرب کے کفو ہونے کا قول مفتی بہ ہے یا نہ ہونے کا قول؟ ..... بظاہر بحر میں تو کفو نہ ہونے کے قول کو ظاہر

الروایۃ اور تنویر الابصار میں "وهو الأصح" کہا گیا ہے پھر عالم کے کفو ہونے کے قول کی تصحیح و ترجیح کہاں سے ثابت ہوتی ہے؟

(۲) اگر کفو ہونے کا قول ہی راجح ہو تو مطلقاً کفو ہوگا یا عربی جاہل کا کفو ہوگا نیز اس پر بھی غور کر لیں کہ جاہل کی قید لڑکی سے

متعلق ہے یا لڑکی کے باپ سے؟؟؟..... تحقیق فرمادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں اولاً تو یہ بات ملحوظ رہے کہ مسئلہ کفائت میں نسب کا اعتبار ہے اور نسب میں صاحب بحر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ

شامی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما حضرات فقہاء کی تصریحات کے مطابق ایک عجمی شخص عربی کا کفو نہیں ہو سکتا۔ عرب آپس میں تو کفو ہیں لیکن

احناف کی ظاہر الروایۃ کے مطابق عجمی عربی کا مطلقاً کفو نہیں۔ بحر کی عبارت یہ ہے:

" وظاهر الروایۃ أن العجمي لا يكون كفوًا للعربي مطلقاً " (البحر ۲۳۰/۳)

لیکن اس ظاہر الروایۃ کے اطلاق سے عالم مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور متقدمین و متاخرین فقہاء نے عجمی عالم کو عربیہ وغیرہ کا

کفو قرار دیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اس سلسلے میں بحر، نہر، فتح القدر، طحاوی، شامیہ وغیرہ تمام کتب میں قاضیخان

رحمۃ اللہ علیہ کی جامع الصغیر کی شرح "جامع لقاضیخان" کی عبارت کو مدد بنا لیا گیا ہے اور وہ عبارت یہ ہے:

" الحسب يكون كفوًا للنسب ، فالعالم العجمي كفوًا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف

العلم فوق شرف النسب والحسب " (شرح الجامع لقاضیخان ... مقالة الدكتوراه ۶۳۹/۲)

عجمی کے عربی کے مطلقاً کفو نہ ہونے سے عالم عجمی کے استثناء پر دلائل بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ پہلی دلیل تو نص قرآنی ہے:



(الزمر: ۹)

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

یہ آیت مطلقاً عالم کی افضلیت و منقبت بیان کرتی ہے اسی طرح اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا پر جزوی فضیلت حاصل ہے اور وہ فضیلت علم کے اعتبار سے ہے۔

شامیہ میں ہے:

قال الحصكفي رحمه الله: "ولذا قيل إن عائشة أفضل من فاطمة رضي الله عنهما ذكره القهستاني"  
وقال ابن عابدين رحمه الله تحتها: قوله (ولذا قيل الخ) أي لكون شرف العلم أقوى قيل إن عائشة أفضل لكثرة علمه - الخ -  
(شامیہ ۹۳/۳)

اس کے علاوہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے عالم کے عربیہ کے کفو ہونے پر ایک انتہائی عمدہ دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جیسے عجمی اکابر بلکہ مقتدا وائمہ وقت کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ عربیہ کا کفو ہی نہیں بعید از عقل ہی نہیں بداہتہ غلط ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت یہ ہے:

"ولم يفرق سبحانه بين القرشي وغيره في قوله { هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ } إلى آخر ما أطال به فراجعه فحيث كان شرف العلم أقوى من شرف النسب بدلالة الآية وتصريحهم بذلك اقتضى تقييد ما أطلقوه هنا اعتماداً على فهمه من محل آخر فلم يكن ما ذكره المشايخ مخالفاً لظاهر الرواية وكيف يصح لأحد أن يقول إن مثل أبي حنيفة أو الحسن البصري رحمهما الله وغيرهما ممن ليس بعربي أنه لا يكون كفواً لبنت قرشي جاهل أو لبنت عربي بوال على عقبيه فلا جرم إنه جزم بما قاله المشايخ صاحب المحيط وغيره كما علمت وارتضاه المحقق ابن الهمام وصاحب النهر وتبعهم الشارح فافهم والله سبحانه وتعالى أعلم"

(الشامیہ ۹۳/۳)

یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تنویر الابصار (جو کہ درمختار کا متن ہے) میں عالم کے بھی عربیہ کے کفو نہ ہونے کا قول کیا گیا ہے۔ تنویر کی عبارت یوں ہے:

"العجمي لا يكون كفوءاً للعربية ولو عالمًا وهو الأصح" (التنوير المطبوع مع الشامیة ۹۳/۳)  
تنویر الابصار میں ظاہر الروایۃ کو اپنے اطلاق پر ہی رکھا گیا ہے اور عجمی عالم کو بھی غیر کفو قرار دیا گیا ہے۔ درمختار اور رد المحتار کی تصریح کے مطابق تنویر الابصار میں ینایج کی عبارت کو مدار بنایا گیا ہے اور ینایج میں حسیب (شرف والے انسان) کو عربیہ کا کفو قرار نہیں دیا گیا اور اسے صحیح کہا ہے۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ تنویر الابصار میں اس مسئلہ میں تسامح ہوا ہے یہ صحیح نہیں انہوں نے ینایج میں ذکر حسیب (صاحب شرف)

سے عالم مراد لے لیا جبکہ وہاں حسیب سے مراد عالم نہیں بلکہ ذوالجہاد والمنصب یعنی دنیوی عزت و منصب والا انسان مثلاً بادشاہ وغیرہ مراد ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کہ عجمی چاہے جتنا بڑا ذوالمنصب، عزت و وجاہت والا ہو، بادشاہ ہو یا افسر وہ ایک عربیہ کا کفو نہیں۔ ینابیح میں بھی حسیب کا لفظ اسی سیاق میں ذکر کیا گیا ہے اور اسے اصح قرار دیا ہے اور اگر حسیب کی تفسیر عالم سے کی جائے تو یہ بات درست نہیں کیونکہ فقہاء کے جم غفیر نے عالم کو عربیہ کا کفو قرار دیا ہے۔ تنویر الابصار پر یہ استدراک درمختار، منحة الخالق، طحطاوی علی الدرر اور شامیہ وغیرہ کتب میں کیا گیا ہے۔ شامیہ کی عبارت یہ ہے:

"والعالم الفقير يكون كفوًا للغني الجاهل والوجه فيه ظاهر لأن شرف العلم فوق شرف النسب فشرف المال أولى نعم الحساب قد يراد به المنصب والجاه كما فسره به في المحيط عن صدر الإسلام وهذا ليس كفوًا للعربية كما في الينابيع اه كلام النهر ملخصاً أقول حيث كان ما في الينابيع من تصحيح عدم كفاءة الحسب للعربية مبنيًا على تفسير الحسب بذی المنصب والجاه لم يصح ما ذكره المصنف من تصحيح عدم الكفاءة في العالم وعزوه في شرحه إلى الينابيع وذكر الخیر الرملي عن مجمع الفتاوى العالم يكون كفوًا للعلوية لأن شرف الحساب أقوى من شرف النسب۔ الخ۔"

(الشامية ۹۲/۳)

الغرض خانہ، محیط، خلاصہ، جوہرہ، بنایہ، تمییز، فتح القدر، البحر الرائق، منحة الخالق، انہر الفائق، تاتار خانہ، ہندیہ، طحطاوی، شامیہ وغیرہ معتبرات و معتمد علیہا کتب میں ایک عجمی عالم کو عربیہ کا کفو قرار دیا گیا ہے اور عجمی کے عربی کے کفو نہ ہونے کے قول کو مطلق نہیں رکھا گیا لہذا یہی راجح اور صحیح ہے۔

یہاں تک تو ہم نے عالم کے عربیہ کے کفو ہونے کو مع نصوص و نقول حنفیہ کے ثابت کیا ہے اب ہم اس پر بحث کریں گے کہ کیا یہ عالم مطلقاً عربیہ کا کفو ہے یا یہاں جاہل کی قید احترازی ہے اور عالم صرف جاہل عربی شخص کا کفو ہوگا عالم کا نہیں۔ اس سلسلے میں ایک بات ہم نے ضمناً جواب کی ابتداء میں بھی ذکر کی تھی اور وہ یہ کہ عالم کے کفو ہونے کے سلسلے میں جامع لقاضیخان کی عبارت کو مدار بنایا گیا ہے، بنایہ، فتح القدر، بحر نہر، طحطاوی، شامیہ وغیرہ میں اس استثناء کا مدار قاضیخان کی جامع کی عبارت کو بنایا گیا ہے وہ عبارت یہ ہے:

"الحسب يكون كفوًا للنسب، فالعالم العجمي كفوًا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب" (شرح الجامعة لقاضیخان ۶۳۹/۲)

اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ عالم صرف جاہل عربی کا کفو ہوگا عالم عربی کا نہیں کیونکہ عبارت میں الفاظ یہ ہیں:

"فالعالم العجمي كفوًا للجاهل العربي والعلوية"

ایک عجمی عالم جاہل عربیہ اور علویہ کا کفو ہوگا اور جاہل کی قید کو احترازی لیا جائے تو یہ استدلال واضح ہے۔ بندہ عرض کرتا ہے کہ جاہل کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ ایک عالم مطلقاً ہر انسان کا کفو ہے خواہ وہ عربی عالم ہو یا عربی جاہل اس میں کوئی قید یا احتراز

نہیں۔

راقم اگلی سطور میں متعدد دلائل سے ثابت کرے گا کہ جن کتب میں بھی ظاہر الروایۃ یعنی عجمی کے مطلقاً عربی کے کفو نہ ہونے سے عالم کی تخصیص کرتے وقت جاہل کی قید آئی ہے وہ اتفاقی ہے صرف ترقیاً و تنبیہاً ذکر ہے، فی الحال صرف اتنا ذکر کرنا مقصود ہے کہ جامع قاضیان کے مقابلے میں فتاویٰ قاضیان میں جاہل کی قید نہیں، نیز محیط برہانی، مجمع الفتاویٰ، المفصل، ہندیہ اور التحریر المختار وغیرہ میں بھی جاہل کی قید نہیں نیز "الحسیب کفوہ للنسیب" کو عام ہی ہونا چاہیے اس پر تفریح کرتے وقت "فالعالم السجمی کفوہ للجاهل العربی" کہتے ہوئے جاہل کی قید کا احترازی ہونا محتاج دلیل اور متقاضی منشا فرق ہے اور اگر کوئی دلیل یا عالم اور جاہل عربی میں فرق کا کوئی منشاء اور وجہ نہ ہو (جیسا کہ ہے بھی نہیں) تو پھر اس قید کو قید اتفاقی ماننا ہی راجح ہے، کسی فقیہ نے بھی جاہل کی قید کی کوئی وجہ یا احترازی ہونا بیان نہیں کیا۔ جو نصوص تخصیص کے لئے پیش کئے ہیں وہ مطلق ہیں اور کتب فقہ میں جب علویہ کے ساتھ جاہلہ وغیرہ کی کوئی قید نہیں جو کہ عام عربیہ سے درجے میں افضل ہے لہذا ایک عالم جب علویہ کا مطلقاً کفو ہے جو کہ اعلیٰ ہے تو پھر ایک عربیہ جو کہ علویہ سے ادنیٰ ہے اس کا بدرجہ اولیٰ مطلقاً کفو ہوگا اس میں تفریق درست نہیں اور جاہل کی قید کو اتفاقی ماننا پڑے گا۔ یہ اتفاقاً ذکر ہے اور مقصد تنبیہ اور ترقی ہے یعنی ایک عجمی عالم (بالخصوص ائمہ وقت مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) ایک جاہل عربی کا بھی اس وجہ سے کفو نہ ہوگا کہ وہ جاہل عربی ہے یہ تو عالم کے علم کی تنقیص ہے لہذا عالم ہر عربی کا کفو ہوگا..... یہ قید اسی سیاق میں ہے اور ہم واضح دلائل سے عنقریب ثابت کریں گے کہ یہ قید اتفاقی ہی ہے اسے احترازی نہیں کہا جاسکتا۔

اس قید کے اتفاقی ہونے کی درج ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جامع قاضیان جس پر اس تخصیص کا مدار ہے یعنی ظاہر الروایۃ تو مطلقاً عجمی کے عربی کا کفو نہ بننے کی ہے اس میں تخصیص کے لئے بحر، فتح، شامیہ وغیرہ کتب میں جامع قاضیان کی عبارت کو مدار بنایا گیا ہے۔ جامع قاضیان، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی جامع الصغیر کی شرح ہے اور اس میں عالم کی تخصیص کے وقت "للجاهل العربی" عربی میں جاہل کی قید ذکر ہے لیکن قاضیان کی جانب سے زیادہ معتبر اور متداول و مطبوع کتاب "فتاویٰ قاضیان" میں یہ عبارت مطلق ہے اس میں عربی وغیرہ کے ساتھ کہیں جاہل کی قید نہیں۔ فتاویٰ کی عبارت یہ ہے:

"الفقہیہ یكون کفوہ للعلوی لأن شرف الحسب فوق شرف النسب"

(فتاویٰ قاضیان ۱/۱۶۳)

اور یہ اصول ہے کہ فتاویٰ کی عبارت شرح پر راجح ہوتی ہے لہذا قاضیان کے فتاویٰ میں عالم کی تخصیص مطلق ہے تو اسے عربی

جاہل کی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جائیگا اور جہاں بھی جاہل کی قید ہو اسے اتفاقی قرار دیا جائیگا۔

(۲) فتاویٰ قاضیان کی طرح محیط برہانی، مجمع الفتاویٰ، المفصل، ہندیہ، التحریر المختار وغیرہ میں بھی عالم کی تخصیص مطلقاً ہے بلکہ

المفصل میں یہاں تک ہے:

"أرجح أيضا ما تقرر في المذهب الحنفی من أن العالم العجمی كفوء للعربية بل للعلویة و الفاطمية لأن شرف العلم فوق شرف النسب" (المفصل ۶/۲۲۳)

یہ اطلاق بھی اس پر دال ہے کہ جاہل کی قید جن کتب میں ہے اسے اتفاقی مانا جائے۔

(۳) المفصل کی اس عبارت سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ علویہ اور فاطمیہ عربی سے افضل ہیں نیز جن کتب میں عربیہ میں جاہل کی قید ذکر ہے وہاں راقم نے عرض کیا تھا کہ علویہ میں کوئی قید نہیں لہذا بدھتہ یہ نتیجہ منجھ ہوتا ہے کہ عربیہ میں بھی کوئی قید نہ ہو کیونکہ جب ایک عجمی عالم، علویہ اور فاطمیہ وغیرہ اعلیٰ ترین عرب کا مطلقا کفوء ہے تو پھر عام عرب کے کفوء ہونے میں عرب کے جاہل ہونے کی قید لگانا محل نظر ہے لہذا یہ قید اتفاقی ماننا پڑے گی۔

(۴) ظاہر الروایۃ تو مطلقا "العجمی لا یكون كفوء للعربية" کی ہے یعنی عجمی مطلقا کفوء نہیں ہوتا لیکن اس سے عالم کی تخصیص دلائل کی بنیاد پر کی گئی ہے ان دلائل میں نص قرآنی "هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت اور علت تخصیص یعنی "شرف الحسب اقوی من شرف النسب" (حسب کا شرف نسب کے شرف سے زیادہ قوی ہونا) وغیرہ دلائل سرفہرست ہیں جن کی بنیاد پر ظاہر الروایۃ کے اطلاق سے عجمی عالم کو خاص کیا گیا ہے یہ دلائل عام ہیں اور استنباط کے وقت کسی بھی فقیہ نے یہ نہیں کہا کہ اس سے عالم کی تخصیص تو ہوگی لیکن صرف جاہل عربی کی حد تک باقی عالم عربی اس سے درجے میں زیادہ ہی ہے لہذا عجمی عالم، عربی عالم کا کفوء نہ ہوگا۔ نیز جب دلائل عام ہیں اور ان کی بنیاد پر عالم کو عرب کا کفوء قرار دیا جا رہا ہے اور شرف علم کو یہ اعزاز بخشا جا رہا ہے، چنانچہ اسے مطلقا عرب کا کفوء قرار دینا ہی قرین قیاس ہے لہذا دلائل تخصیص کا عموم بھی جاہل کی قید کے اتفاقی ہونے پر دال ہے۔

(۵) "شرف الحسب فوق شرف النہب" یعنی علم کی شرافت و اعزاز کا نسب سے بڑھ کر ہونا، جو کہ عالم کی تخصیص کی وجہ ہے، یہ وجہ تب ہی کامل ہوگی جب ایک عالم، جاہل اور غیر جاہل عربی، دونوں کا کفوء ہو ورنہ صرف جاہل عربی کا کفوء بنانا عالم کی ایک گونہ تنقیص ہے نیز جن کتب میں "للجاهل العربی" کی قید ہے وہاں "العالم العجمی كفوء للجاهل العربی" وغیرہ عبارت اصل میں اس علت تخصیص "الحسب فوق شرف النسب" پر ہی تفریح ہے۔ جامع قاضیخان کی عبارت یوں ہے:

"الحسب یكون كفؤا للنسب، فالعالم العجمی كفوء للجاهل العربی والعلویة لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب"

(شرح الجامع لقاضیخان ۲/۶۳۹)

بعد کی کتب میں جاہل کی قید جامع کے مدار پر ہی ہے اور اس تفریح کا مدار جس علت "شرف العلم فوق الحسب والنہب ومکارم الاخلاق" پر ہے وہ عموم کی متقاضی ہے اس میں جاہل اور غیر جاہل عربی میں فرق اس علت میں خلل ڈالنے کا لہذا جاہل کی قید اتفاقی ہے۔

(۶) خلاصۃ الفتاویٰ، بزازیہ، شامیہ اور دیگر معتبرات میں اس مقام پر نسب کے علاوہ مال کے مسئلے کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور

اتفاق سے وہاں بھی جاہل کی قید ذکر ہے۔

بزازیہ کی عبارت یہ ہے:

"العجمي العالم كفاء للعربي الجاهل لأن شرف العلم أقوى وأرفع وكذا العالم الفقير للغني

(الفتاویٰ البزازیة ۱/۱۱۶)

الجاهل"

یعنی جس طرح ایک عجمی عالم عربی کا کفو ہوتا ہے اور عالم کا علم نسب میں کفاءة کو کالعدم کر دیتا ہے اسی طرح ایک فقیر عالم مالدار کا کفو ہوگا اور عالم کا علم مالدار میں کفاءة کو کالعدم کر دے گا "والوجه فیہ ظاہر لان شرف العلم فوق شرف النسب، فشرف المال اولیٰ" (شامیہ ۳/۹۲) علم کی شرافت نے جب نسب کی شرافت سے فوقیت حاصل کر لی تو مال کی شرافت اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اب یہاں عبارت میں "للغنی الجاهل" مالدار میں جاہل کی قید ہے جس کو بظاہر قید احترامی لینے کی صورت میں مطلب یہ بنے گا کہ فقیر عالم جاہل مالدار کا تو کفو ہوگا لیکن عالم مالدار کا کفو نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ بدابہت محل نظر ہے۔ گزشتہ پانچوں نکلت بھی اس پر متوجہ ہوتے ہیں نیز عرب میں جاہل اور عالم کا فرق محل نظر تھا لیکن مالدار میں عالم اور جاہل کا فرق زیادہ قابل اشکال ہوگا۔ یوں کہنا کہ ایک عالم صرف جاہل مالدار کا کفو ہوگا عالم مالدار کا نہیں یہ باعث اشکال ہے۔ لہذا مالدار میں عالم (باوجود فقیر ہونے کے) کی مطلق تخصیص (چاہے مالدار عالم ہو یا جاہل) کی جائیگی اور یہ مطلق تخصیص نسب میں بھی عرب کے مطلقاً کفو ہونے پر دال ہوگی اور جاہل کی قید کو اتفاقی قرار دیا جائیگا۔

(۷) ایک وجہ ظاہر الروایۃ سے اس عالم کی تخصیص کے مطلق ہونے کی یہ بھی ہے کہ اصلاً تو کوئی عجمی عربیہ کا کفو نہیں البتہ عالم کی

تخصیص مشائخ کے تفقہات ہیں، صاحب بحر فرماتے ہیں:

"فالعالم العجمي يكون كفوًا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف

النسب والحسب ومكارم الأخلاق وفي المحيط عن صدر الإسلام الحسيب الذي له جاه وحشمة

ومنصب وفي الينايبع الأصح أنه ليس كفوًا للعلوية -- وكله تفقہات المشايخ وظاهر الرواية

(البحر الرائق ۳/۱۳۰)

أن العجمي لا يكون كفوًا للعربية مطلقاً۔"

اور مشائخ نے دلائل کی بنیاد پر علم کے شرف کو نسب کے شرف سے افضل جانا لہذا عالم کی تخصیص کی گئی۔ یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ یہ تخصیص جاہل عربی کے کفو ہونے کی حد تک قرار دی جائے اور عالم عربی کا کفو نہ مانا جائے باقی جن کتب میں جاہل کی قید ہے وہ قید اتفاقی اور ظاہر الروایۃ سے تخصیص کے لئے استعجاباً معلوم ہوتی ہے۔

(۸) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ کہ:

"وكيف يصح لأحد أن يقول إن مثل أبي حنيفة أو الحسن البصري وغيرهما ممن ليس بعربي أنه

لا يكون كفوًا لبنت قرشي جاهل أو لبنت عربي بوال علي عقبه۔" (الشامیہ ۳/۹۳)

اس میں "لبنت عربی بوال علی عقبیہ" (ایڑیوں کے بل پیشاب کرنے والے کی بیٹی) کے الفاظ اس طرف مشیر ہیں کہ عبارت میں جاہل کی قید عالم کے مقابلے میں نہیں بلکہ اس جاہل سے مراد گنوار دیہاتی اور اجڈ انسان ہے جو ایڑی کے بل پیشاب کرتا ہو اور یہ قید صرف ترقیانہ تنبیہ کے لئے ہے کہ کیا عجمی علماء اور ائمہ اتنے نچلے درجے میں ہوں گے کہ ایک عربی اجڈ دیہاتی کے بھی کفو نہ بن سکیں؟ اس کا یہ مطلب لینا مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ ایک عالم صرف "اجڈ دیہاتی" کا ہی کفو بنے گا باقی عالم عربی کا کفو نہ ہوگا۔ گویا اس قید کی تشریح "لبنت قرشی جاہل اول بنت عربی بوال علی عقبیہ" سے کرنا اس طرف مشیر ہے کہ یہ جاہل عالم کے مقابلے میں نہیں اور نہ عالم سے احتراز مقصود ہے بلکہ استیجاباً بطور استدلال کے ذکر ہے اور اتفاقی ہے۔

ان دلائل کثیرہ کی بنیاد پر یہ بات واضح ہوگئی کہ عجمی عالم عرب کا کفو ہے اور اس کفو ہونے میں عربی کے عالم یا جاہل ہونے کی کوئی قید نہیں باقی عجمی عالم مطلقاً عربیہ کا کفو ہے صرف عربیہ کا ہی نہیں علویہ اور فاطمیہ کا بھی کفو ہے اور مالدار سے مالدار شخص کا بھی ایک غریب عالم کفو ہے گویا عالم کا علم نسب اور مال دونوں سے بڑھ کر ہے اور عالم کو علم کے بعد نسب یا مالدار کی کنہ ہونے کی بنیاد پر غیر کفو نہیں قرار دیا جائیگا "لکون شرف الصلح اقوی من جمیع الاشراف..."

بندہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ یہی بات قرین عقل، موافق نصوص، قریب از علل اور استنباط و تفقہ سے نزدیک تر ہے اس میں کوئی فرق یا احتراز و استثناء بجائے علم کی شرافت کے تنقیص کا سبب بنے گا لہذا درج بالا کلام کی روشنی میں آپ کے دونوں سوالوں کے جواب واضح ہیں۔

(۱) عجمی عالم مطلقاً عربیہ کا کفو ہے۔ یہی راجح ہے تنویر اور دیگر کتب میں جہاں عالم کے لئے عرب کے کفو نہ بننے کی تصریح ہے وہ محل نظر ہے اور متاخرین حنفیہ نے اس پر استدراک کیا ہے ان حضرات سے تسامح کیوں ہوا؟ اس پر تفصیلی کلام کر دیا گیا ہے۔

(۲) عجمی عالم مطلقاً عرب کا کفو ہے چاہے عرب عالم ہو یا جاہل، ہر قسم کے عرب کا کفو ہے۔ علوی خاندان سے ہو یا فاطمی اس میں کوئی استثناء نہیں اور کتب میں ذکر جاہل کی قید اتفاقی اور تنبیہا ہے۔ اس سے عالم عربی سے احتراز مقصود نہیں۔

مختلف دلائل سے ہم نے یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے مفصل کلام ہم نے تحریر کر دیا ہے اس پر نظر کرتے ہوئے ہر صاحب دانش فیصلہ کر سکتا ہے۔ باقی یہ مسئلہ ہذا میں ہماری ناقص رائے ہے جو طویل جستجو اور تحقیق کے بعد بنی ہے دیگر مفتیان کرام سے بھی مسئلہ ہذا میں رجوع کر لیا جائے۔

لما فی المحيط البرہانی (۲۷/۳): والعالم یکون کفو اللعلویة لأن للعالم شرف الکسب یعنی بہ کسب العلم وللعلویة شرف النسب، وشرف الکسب أولى، وعن هذا قیل: إن عائشة أفضل من فاطمة رضي الله عنهما؛ لأن لعائشة شرف کسب العلم، قال علیه السلام: تأخذون ثلثي دينکم من عائشة وفاطمة شرف النسب۔

وفي فتح القدير (۲۹۷/۳): وفي الجامعة لقاضيخان قالوا الحسب یکون کفو للنسب فالعالم

العجمي كفاء للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب ومكارم الأخلاق وفي المحيط عن صدر الإسلام الحسيب هو الذي له جاه وحشمة ومنصب وفي الينايع والأصح أنه ليس كفوًّا للعلوية وأصل ما ذكره المشايخ من ذلك ما روي عن أبي يوسف أن الذي أسلم بنفسه أو أعتق إذا أحرز من الفضائل ما يقابل به نسب الآخر كان كفوًّا له ولا يعتبر بالبلاد.

وفي البحر الرائق (٢٣٠/٣) وأفاد المصنف أن غير العربي لا يكافئ العربي وإن كان حسيبا أو عالما لكن ذكر قاضيخان في جامعه قالوا الحسيب يكون كفوًّا للنسب فالعالم العجمي يكون كفوًّا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب ومكارم الأخلاق وفي المحيط عن صدر الإسلام الحسيب الذي له جاه وحشمة ومنصب وفي الينايع الأصح أنه ليس كفوًّا للعلوية وأصل ما ذكره المشايخ من ذلك ما روي عن أبي يوسف أن الذي أسلم بنفسه أو أعتق إذا أحرز من الفضائل ما يقابل به نسب الآخر كان كفوًّا له كذا في فتح القدير وكله تفقهات المشايخ وظاهر الرواية أن العجمي لا يكون كفوًّا للعربية مطلقا.

وفي الخانية (١٠١٢٣/١): وقال الشيخ الإمام الزاهد فخر الإسلام علي بن محمد البزدوي رحمه الله تعالى الفقيه يكون كفوًّا للعلوية لأن شرف الحسب فوق شرف النسب.

وفي الدر المختار (٩٢/٣): (العجمي لا يكون كفوًّا للعربية ولو) كان العجمي (عالما) أو سلطانا (وهو الأصح) فتح عن الينايع وادعى في البحر أنه ظاهر الرواية وأقره المصنف لكن في النهران فسّر الحسيب بذي المنصب والجاه فغير كفوًّا للعلوية كما في الينايع وإن بالعالم فكفاء لأن شرف العلم فوق شرف النسب والمال كما جزم به البزازي وارتضاه الكمال وغيره والوجه فيه ظاهر ولذا قيل: إن عائشة أفضل من فاطمة رضي الله عنهما ذكره القهستاني.

وفي الشامية (٩٢/٣) باب الكفاءة: قوله (لكن في النهر الخ) حيث قال ودل كلامه على أن غير العربي لا يكافئ العربي وإن كان حسيبا لكن في جامعه قاضيخان قالوا الحسيب يكون كفوًّا للنسب فالعالم العجمي يكون كفوًّا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب وارتضاه في فتح القدير وجزم به البزازي وزاد والعالم الفقير يكون كفوًّا للغني الجاهل والوجه فيه ظاهر لأن شرف العلم فوق شرف النسب فشرف المال أولى نعم

الحسب قد يراد به المنصب والجاه كما فسره به في المحيط عن صدر الإسلام وهذا ليس كفوًا  
للحريية كما في الينايبه اه كلام النهر ملخصا-

أقول حيث كان ما في الينايبه من تصحيح عدم كفاءة الحسيب للحريية مبنيا على تفسير الحسيب  
بذي المنصب والجاه لم يصح ما ذكره المصنف من تصحيح عدم الكفاءة في العالم وعزوه في شرحه  
إلى الينايبه وذكر الخير الرملي عن مجمع الفتاوى العالم يكون كفوًا للعلوية لأن شرف  
الحسب أقوى من شرف النسب وعن هذا قيل إن عائشة أفضل من فاطمة رضي الله عنهما لأن  
لعائشة شرف العلم كذا في المحيط وذكر أيضا أنه جزم به في المحيط والبزازية والفيض وجامع  
الفتاوى وصاحب الدرر ثم نقل عبارة المصنف هنا ثم قال فتحرر أن فيه اختلافًا ولكن  
حيث صح أن ظاهر الرواية أنه لا يكافئها فهو المذهب خصوصا وقد نص في الينايبه أنه  
الأصح اه-

أقول قد علمت أن ما صححه في الينايبه غير ما مشى عليه المصنف وأما ما ذكره من ظاهر  
الرواية فقد تبع فيه البحر وقول الشارح وادعى في البحر الخ يفيد أن كونه ظاهر الرواية  
مجرد دعوى لا دليل عليها سوى قولهم في المتون وغيرها والعرب أكفاء أي فلا يكافئهم غيرهم  
ولا يخفى أن هذا وإن كان ظاهره الإطلاق ولكن قيده المشايخ بغير العالم وكم له من  
نظير فإن شأن مشائخ المذهب إفادة قيود وشرائط لعبارات مطلقة استنباطا من قواعد كلية  
أو مسائل فرعية أو أدلة نقلية وهنا كذلك فقد ذكر في آخر الفتاوى الخيرية في قرشي جاهل تقدم  
في المجلس على عالم أنه يحرم عليه إذ كتب العلماء طافحة بتقدم العالم على القرشي ولم يفرق  
سبحانه بين القرشي وغيره في قوله { هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون } إلى آخر  
ما أطال به فراجعه فحيث كان شرف العلم أقوى من شرف النسب بدلالة الآية وتصريحهم  
بذلك اقتضى تقييد ما أطلقوه هنا اعتمادا على فهمه من محل آخر فلم يكن ما ذكره المشائخ  
مخالفا لظاهر الرواية وكيف يصح لأحد أن يقول إن مثل أبي حنيفة أو الحسن البصري  
وغيرهما ممن ليس بعربي أنه لا يكون كفوًا لبنت قرشي جاهل أو لبنت عربي بوال على عقبه  
فلا جرم إنه جزم بما قاله المشائخ صاحب المحيط وغيره كما علمت وارتضاء المحقق ابن  
الهمام وصاحب النهر وتبعهم الشارح فافهم والله سبحانه وتعالى أعلم -



## (۵۳۲) عالم کون ہے؟ مسئلہ کفاءة میں ذکر عالم کے مصداق کا بیان

### سوال

مفتی صاحب! عالم سے شرعاً کیا مراد ہے؟ یہ جو کہا جاتا ہے کہ عالم ہر شخص کا کفو ہوگا چاہے وہ عربی بھی ہو، اس عالم سے کیا مراد ہے؟ درس نظامی کا فاضل ہی عالم کہلائے گا؟ نیز اس عالم کی ضد میں جاہل سے کیا مراد ہے؟ اجڈ گنوار ہی جاہل کہلائے گا یا عصری تعلیم یافتہ بھی جاہل ہے؟ نیز اسلامیات میں ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کرنے والا کیا عالم نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوحاب

مسئلے کو سمجھنے سے قبل مسئلے کا تاریخی پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔ خیر القرون سے لے کر بعد تک عالم کے کہا جاتا تھا۔ ابتدائی ادوار میں چاہے انسان کتنا صاحب علم ہو اسے اس وقت تک عالم نہیں کہا جاتا تھا جب تک وہ علم دین کیلئے وقف نہ ہو اور نہ ہی اس طرح اس نے دین کا حصول کیا ہو اور پھر اسے پھیلا رہا ہو۔ اس وقت کے خلیفہ بھی انتہائی صاحب علم بلکہ مسائل پر دسترس کامل رکھتے تھے مثلاً ہارون الرشید وغیرہ کا علم اور تقویٰ آج بھی زبان زد عام ہے لیکن ہارون الرشید کو عالم نہیں کہا گیا کیونکہ وہ مستقل بنیاد پر علم کے ساتھ نہیں جڑا تھا بلکہ اصلاً خلیفہ تھا۔ اسی طرح ابتدائی قرون کے سائنسدان، انجینئرز، طبیب، قانون دان، تاجر، ملازمت پیشہ افراد ہر شخص علم میں بلند مقام اور قرآن و سنت پر بھی کافی دسترس رکھتا تھا مگر عالم نہیں کہلاتا تھا اگر عالم کہا جاتا تو امام مالک کو مدینہ کا عالم کہا جاتا تھا۔ اس طرح کے ائمہ جو اپنی زندگیاں وقف کر کے علم دین حاصل کرتے اور پھر اسے نشر کرتے عالم کہلاتے تھے جن کا اوڑھنا بچھونا یہ علم تھا لوگ دینی مسائل کیلئے ان علماء کی طرف ہی رجوع کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ آج بھی عوام مسائل دریافت کرنے دارالافتاء میں علماء کے پاس آتے ہیں اسلامیات میں ماسٹرز کرنے والوں کو نہ عالم کہتے ہیں اور نہ ان سے مسائل پوچھتے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات امراء اور خلفاء کے بچے بھی درس میں شریک ہوتے تھے مگر کیونکہ وہ اپنے آپ کو وقف نہیں کرتے تھے لہذا انہیں عالم نہیں کہا جاتا تھا بلکہ وہ امور سلطنت میں لگ جاتے تھے۔

اس علمی و عملی توارث کو لے کر کہا جاسکتا ہے کہ عالم وہ ہے جو علم دین کے حصول کیلئے زندگی وقف کرنے اور پھر اس علم کو پھیلانے میں لگ جائے اس کے ساتھ خشیت الہی اور عقیدہ و عمل میں پختگی بھی ضروری ہے۔ الغرض عالم کی کوئی لگی بندھی تعریف تو نہیں کی جاسکتی لیکن اس توارث کو لے کر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ عالم وہ شخص ہے جو علم دین کیلئے زندگی وقف کر چکا ہو نیز آج بھی عالم وہی کہلاتا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ عالم کیلئے درس نظامی یا کسی خاص مسلک کی قید نہیں دنیا کے کسی گوشے میں بھی وہ لوگ جو اخلاص و تقویٰ کے ساتھ علم دین کے حصول کے لئے اپنی زندگیاں لگا چکے ہیں اور اسے پھیلا رہے ہیں وہ علماء ہیں چاہے وہ کسی مسلک سے متعلق ہوں۔ کسی کی تخصیص نہیں۔ فقط اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد اور علم دین سے پختہ وابستگی شرط ہے۔ نیز اسلامیات میں ماسٹرز یا پی

ایچ ڈی کرنے سے کوئی شخص قطعاً عالم نہیں بن سکتا کیونکہ دین کے بنیادی علوم صرف، نحو، منطق، بلاغت، ادب، فقہ، حدیث، تفسیر اور بے شمار بنیادی علوم پر از حد دسترس کے بغیر کوئی شخص کیسے عالم کہلا سکتا ہے اور اسلامیات میں ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کا مطلب ہر شخص جانتا ہے کہ چند سال میں علوم دینیہ کے کسی خاص فن کے خاص حصے کو بھی بالاستیعاب نہیں پڑھا جاتا تو تمام علوم دینیہ ماسٹرز میں کہاں اخذ کئے جاسکتے ہیں نیز عرف عام میں بھی انہیں عالم نہیں کہا جاتا اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ان حضرات نے زندگیاں اس مقصد کے لئے وقف نہیں کی ہوتیں بلکہ بوجہ اسلام کے علوم کے کسی خاص گوشے پر بحث و تحقیق کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اسکالرز وغیرہ کہلائے جاتے ہیں۔ ناماء اور اسکالرز کا فرق آج بھی عوام جانتی ہے۔

درس نظامی کے کورس میں چونکہ ایک ترتیب سے دس سال سے زائد عرصے میں بچپن سے لے کر زندگی کے عین شباب تک پہنچنے پر علوم دینیہ میں ایک حد تک دسترس دے دی جاتی ہے لہذا درس نظامی کے فضلا بھی عالم کہلاتے ہیں۔ مدارس میں ہی عوام کیلئے دراسات دینیہ کے نام سے تین سال کا شارٹ کورس ہے یا اسی طرح بنین و بنات کے مختلف مختصر کورسز کرائے جاتے ہیں ان سب سے فارغ طلبہ کو عالم نہیں کہا جاتا اگرچہ علم دین کی مبادیات انہیں آجاتی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ اولاً یہ لوگ دوسرے پیشوں سے متعلق ہوتے ہیں علم دین ضمناً حاصل کرتے ہیں اور مختصر عرصے میں سرسری طور پر بعض کتب پڑھتے ہیں لہذا انہیں قرآن و حدیث سے استفادے کی وہ صلاحیت حاصل نہیں ہو پاتی جو مطلوب ہے، چنانچہ انہیں عالم بھی نہیں کہا جاتا۔

بہر صورت یہ کوئی اتنا تفصیلی اور پیچیدہ مسئلہ نہیں کہ اس پر تفصیلی کلام کیا جائے خلاصہ بندے نے عرض کر دیا کہ عالم وہ ہے جو معتمد علماء سے اپنی زندگی لگا کر علم دین حاصل کرے اور پھر خود کو اس کے نشر کے لئے وقف کر دے۔ نیز اس کے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کے متفقہ عقائد سے منحرف نہ ہوں جنہیں آپ ﷺ نے "ما أنا علیہ وأصحابی" سے بیان فرمایا ہے۔ یہی خیر القرون سے عالم کے بارے میں تعارف چلا آ رہا ہے اور یہی توارث اب بھی باقی ہے یہی شخص عالم کہلاتا ہے اور یہی عالم ہر شخص حتیٰ کہ عربیہ کا بھی کفو ہے۔ اپنی صبح و شام، شب و روز کو علم دین میں اخلاص کے ساتھ لگا دینے اور اساتذہ کی جو تیاں سیدھی کرنے کے عوض اسے مختلف اعزاز قرآن و حدیث میں دیئے گئے ہیں۔ یہ عالم ہر عورت کا کفو ہے، چاہے وہ عربیہ ہو یا عجمیہ، مالدار ہو یا غریب، یہ شرف بھی اس عالم کیلئے بڑا اعزاز ہے۔

کچھ اسی پیرائے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر [علم کو بنیاد بنا کر] جزوی فضیلت دی گئی ہے جبکہ سیدنا فاطمہ بھی بڑی صاحب علم تھیں لیکن اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی علم حدیث وغیرہ کیلئے وقف کر دی تھی۔ بہر حال یہ کوئی معین افراد سے متعلق تفصیلات نہیں جو ان کا مصداق ہو وہ عالم ہے قابل احترام ہے۔ اس کے برخلاف عصری علوم کے ماہر کو جاہل اس طور پر تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ عالم بایں معنی نہیں لیکن چونکہ علوم عصریہ میں وہ صاحب علم ہے اور مطلقاً ان پڑھ اور گنوار نہیں لہذا اسے جاہل نہ کہا جائے اس کے اپنے عہدے ڈاکٹر، پروفیسر، انجینئر وغیرہ سے پکارا جائے۔

لسانی القرآن الکریم (آل عمران: ۱۸) شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا

بِالنَّقِصِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ.

وفيه أيضاً (الفاطر: ٢٨): إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ.

وفيه أيضاً (العنكبوت: ٢٩): بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ.

وفيه أيضاً (التوبة: ١٢٢): وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ.

وفي احياء علوم الدين (١٦/١) كتاب العلم، الباب الاول (رشيدية): قال عليه الصلاة والسلام "أفضل الناس العالم الذي ان احتيج اليه نفع وان استغنى عنه أغنى نفسه" -- أما أهل العلم فدلوا الناس على ما جاءت به الرسل -- اللفظ الثاني: العلم -- ولكن ماورد من فضائل العلم أكثره في العلماء بالله تعالى وبأحكامه وبأفعاله وصفاته وقد صار الآن مطلقاً على من لا يحيط من علوم الشرعي بشئ سوى رسوم جدلية في مسائل خلافية فيعد بذلك من فحول العلماء مع جهله بالتفسير والاختبار و علم المذهب وغيره وصار ذلك سبباً مهلكاً لخلق كثير من أهل الطالب للعلم -- وعنه صلى الله عليه وسلم أنه قال "لا يكون المرء عالماً حتى يكون بعلمه عاملاً" -- قال ابن مسعود رضى الله عنه: ليس العلم بكثرة الرواية انما العلم الخشية: وقال الحسن، تعلموا ما شئتم فوالله لا يأجركم الله حتى تعملوا فان السفهاء همتهم الرواية والعلماء همتهم الرعاية.

وفي الشامية (٣٥/١) مقدمة -- فالشرعية علم التفسير والحديث والفقه والتوحيد -- (قوله: والجاهلون) أي بالعلم الشرعي. فيشمل العالمين بغيره، بل هم أشد عداوة لعلماء الدين من العوام -- واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه وفرض كفاية وهو ما زاد عليه لنفع غيره -- والنحو واللغة -- كل هذه آلة لعلم التفسير والحديث الخ.

وفي الموسوعة الفقهية (٢٩١/٣٥): فمن العلوم التي تعلمها فرض عين تعلم ما يحتاجه الإنسان من علم الفقه والعقيدة -- وأما العلوم التي هي من فروض الكفاية، فهي العلوم التي لا بد للناس منها في إقامة دينهم من العلوم الشرعية، كحفظ القرآن والأحاديث، وعلومهما والأصول والفقه واللغة والتصريف ومعرفة رواة الحديث، والإجماع، والخلاف -- والعلوم المندوب هي التوسع الخ.

## (۵۳۳) کیا نیم پاگل شخص کفو ہے

## سوال

ایک آدمی جو کہ معتوہ یعنی بیوقوفوں والی حرکتیں کرتا ہے ایسے لڑکے نے دھوکہ سے ایک تعلیم یافتہ لڑکی سے نکاح کر لیا۔ اب لڑکی کے والدین اور خود وہ لڑکی اس نکاح سے راضی نہیں تو کیا اب ان کو اختیار ہے کہ اس نکاح کو فسخ کر دیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکی اور اس کے والدین کو بوقت عقد علم تھا کہ فلاں لڑکے سے عقد ہو رہا ہے لیکن لڑکے کے معتوہ ہونے کا علم نہ تھا جو کہ بعد از عقد ہوا ہے۔ اس صورت میں نہ لڑکی کو حق فسخ حاصل ہے اور نہ لڑکی کے والدین اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں کیونکہ جب بوقت عقد لڑکی والوں نے لڑکے کو دیکھا ہو اور عقد ہو جائے تو بعد از عقد لڑکے کے غیر کفو نکلنے سے بھی حق فسخ نہیں ملتا۔ جیسا کہ شامیہ میں ہے:

قال الحکفی رحمہ اللہ: "فلو نکحت رجلاً ولم تعلم حاله فإذا هو عبد لا خيار لها بل للأولياء ولو زوجها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا لا خيار لأحد"

وفی الرد تحتہ: "قوله (فلو نکحت الخ) تفریع علی قوله لا حقها وفيه أن التقصیر جاء من قبلها حیث لم تبحت عن حاله كما جاء من قبلها وقبل الأولياء فيما لو زوجها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا رحمتی"

(الشامیة: ۸۴/۳)

علامہ حکفی در مختار میں فرماتے ہیں: "اگر لڑکی از خود کسی مرد سے نکاح کرتی ہے اور وہ اس مرد کے بارے میں نہیں جانتی اور بعد میں پتہ چلے کہ وہ تو غلام ہے تو لڑکی کو فسخ کا اختیار نہیں البتہ اولیاء کو اختیار فسخ ملے گا اور اگر اولیاء لڑکی کی رضامندی سے نکاح کر دیں اور انہیں (بھی) کفو یعنی ہمسرنہ ہونے کا علم نہ ہو اور پھر بعد از عقد پتہ چلے (کہ لڑکا تو کفو نہیں) تو کسی ایک کو بھی اختیار نہ ملے گا۔"

ردالمختار میں ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ در مختار کے قول (فلو نکحت) کے تحت فرماتے ہیں: "پہلی صورت میں کوتاہی لڑکی کی ہے کیونکہ اس نے لڑکے کی جانچ پڑتال نہیں کی جیسا کہ دوسری صورت میں کوتاہی لڑکی اور اس کے سرپرستوں دونوں کی ہے جبکہ وہ لڑکی کی رضامندی کے ساتھ غیر کفو میں نکاح کر دیں اور بعد میں (غیر کفو ہونا) پتہ چلے۔"

درج بالا عبارت سے واضح ہو گیا کہ لڑکے کی جانچ پڑتال عقد سے قبل کرنا ضروری ہے بعد از عقد لڑکے کا غیر کفو نکلنا بھی خیار فسخ نہیں دیتا اور ہمارے مسئلے میں تو لڑکا صرف معتوہ (بے وقوف یا کم عقل) نکلا ہے جو کہ کفایت میں داخل ہی نہیں، در مختار میں عبارت ہے:

"فلا عبرة بالبلد كما لا عبرة بالجمال خانية ولا بالعقل ولا بعيوب يفسخ بها البيع"

(الدر المختار ۹۳/۳)

"کفایت میں) شہر کا اعتبار نہیں جیسا کہ خوبصورتی کا اعتبار نہیں، خانیہ، اور اسی طرح عقل کا بھی اعتبار نہیں اور نہ ان عیوب کا اعتبار ہے جن سے بیع کو فسخ کیا جاسکتا ہے۔"

لہذا عقل وغیرہ تو کفو میں داخل ہی نہیں تو بیوقوف نکلنے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ کسی ایک کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا لہذا صورت مسئلہ میں یہ نکاح منعقد ہو چکا ہے اور اب لڑکی اور اس کے والدین کسی کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں۔

لمافی الہندیۃ (۲۹۳/۱): المرأة إذا زوجت نفسها من رجل ولم تشترط الكفاءة ولم تعلم أنه كفاء أو غير كفاء ثم علمت أنه غير كفاء لا خيار لها ولكن للأولياء الخيار وإن كان الأولياء هم الذين باشروا عقد النكاح برضاها ولم يعلموا أنه كفاء أو غير كفاء فلا خيار لواحد منهما۔

(۵۳۳) سید لڑکی کا نکاح غیر سید سے اولیاء کی رضامندی کے ساتھ درست ہے

### سؤال

مفتی صاحب! سید لڑکی کا نکاح غیر سید لڑکے سے جائز ہے اگر سید لڑکی خود یہ نکاح کر لے تو کیا اسے منعقد سمجھا جائے گا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

سید لڑکی کا نکاح اگر کسی ایسے لڑکے سے ہو جو سید تو اگرچہ نہیں لیکن ہاشمی علوی وغیرہ ہے تو یہ بھی سیدہ کا کفو ہے اور یہ نکاح منعقد ہو جائیگا البتہ اگر لڑکا سیدہ کا کفو نہیں مثلاً عجمی ہے یا عرب قبائل سے نہیں تو اگر عقد سے قبل لڑکی کے اولیاء اس عقد پر راضی ہو جائیں تو یہ نکاح منعقد ہوگا ورنہ مفتی بہ قول کے مطابق کالعدم ہو جائے گا۔

لمافی سنن البیہقی فی فصل فی الکفاءة (۱۱۳/۴): عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"لا تنکحوا النساء الا الکفاء، ولا یزوجهن الا الأولیاء، ولا مہردون عشرۃ دراهم"

وفی بدائۃ الصنائع (۵۷۷/۳): فصل وأما الثالث فی بیان ما تعتبر فیہ الکفاءة فما تعتبر فیہ الکفاءة أشياء منها النسب والأصل فیہ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش بعضهم أكفاء لبعض والحرب بعضهم أكفاء لبعض حی بی۔

وفی الہندیۃ (۲۹۰/۱): الکفاءة تعتبر فی أشياء منها النسب فقريش بعضهم أكفاء لبعض كيف كانوا حتى أن القرشي الذي ليس بهاشمي يكون كفتا للهاشمي وغير القرشي من الحرب لا يكون

کفنا للقرشي -

وفي الدرالمختار (۸۶/۲): (وتعتبر) الكفاءة للزوم النکاح خلافاً للمالك (نسباً فقريش) بعضهم (أكفاء) بعض -

وفي الرد تحتہ: قوله (بعضهم أكفاء بعض) أشار به إلى أنه لا تفاضل فيما بينهم من الهاشمي والنفول والتميمي والعدوي وغيرهم -

وفي الشامية (۸۲/۲): فإن حاصله أن المرأة إذ زوجت نفسها من كفاء لزم على الأولياء وإن زوجت من غير كفاء لا يلزم أو لا يصح -

## (۵۳۵) شراب نوش اور غیر قانونی اسلحہ رکھنے والا کفو نہیں

### سؤال

ہماری فیملی بشمول ہماری بیٹی فاطمہ بنت محمد عباس ایف سی ایریا میں گزشتہ ۲ سال سے رہائش پذیر تھے۔ ابھی ایک ماہ قبل نارتھ کراچی میں شفٹ ہوئے ہیں۔ ہماری بیٹی کا پڑوس میں ایک لڑکے رضوان کے ساتھ کچھ پسند کا سلسلہ تھا بحیثیت والدین ہم نے اپنی بیٹی کو بہت سمجھایا کیونکہ لڑکا ٹھیک نہیں تھا تعلیم نہیں، روزگار نہیں، شراب نوشی، ڈکیٹی، رہزنی اور غیر قانونی اسلحہ رکھنے میں ملوث ہے لہذا ہم اس رشتے کے سخت خلاف ہیں۔ یہ سلسلہ چار سال سے تھا اس دوران ہم نے اپنی بیٹی پر سخت پابندی عائد کر دی وہ کہیں نہیں جاتی تھی۔ مار پیٹ پیار محبت سے اس کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ چار ماہ قبل میری بیٹی فاطمہ نے اس لڑکے سے خفیہ نکاح کر لیا مگر ہمیں ابھی ایک ہفتہ پہلے پتہ چلا۔ نکاح کی پوزیشن کچھ واضح نہیں لڑکی کا کہنا ہے کہ میں نے گھر کے نیچے گاڑی میں بیٹھ کر ایک گواہ اور مولوی کے سامنے قبول کر کے دستخط اور انگوٹھا لگایا۔ یہ کام صرف پندرہ منٹ میں ہوا اور پھر لڑکی واپس اپنے گھر چلی گئی یاد رہے کہ لڑکا اور لڑکی ایک گواہ اور مولوی گاڑی میں تھے۔ نکاح نامہ میں کسی کی NIC کاپی یا نمبر نہیں صرف دستخط تھے دوسری طرف لڑکے کا کہنا ہے کہ ہم چار ماہ قبل ۹ بجے صبح کورٹ گئے۔ وہاں ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح کر کے ڈیڑھ گھنٹے میں واپس لڑکی کو اس کے گھر چھوڑ دیا۔ والدین کا کہنا یہ ہے کہ ہماری لڑکی اکیلے گھر سے باہر کبھی گئی نہیں تو گاڑی میں نکاح کیسے ہوا۔

والدین قطعاً نہیں چاہتے کہ اس لڑکے کے ساتھ کوئی رابطہ رکھا جائے مگر ہماری بیٹی کسی صورت نہیں مان رہی۔ لڑکا رخصتی کروانا چاہتا ہے مگر ہم نہیں چاہتے، اس مسئلہ کا حل کیا ہوگا؟ لڑکا اصلی نکاح نامہ بھی لے کر نہیں آ رہا اور نہ ہی لڑکے کے والدین اس کی ذمہ داری لینے کو تیار ہیں۔ اس درخواست کے ساتھ نکاح نامہ کی فوٹو کاپی جو لڑکے نے یونٹ میں دی تھی وہ لگا دی ہے۔ آپ مشورہ دیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ وہ لڑکا صحیح کردار کا نہیں۔ چوری، رہزنی اور غیر قانونی کاموں میں ملوث ہے۔ ایسے میں ہم اپنی بیٹی کبھی اس کے حوالے نہیں

کریں گے اور ایک مرتبہ ملاقات کیلئے شادی ہال میں لڑکا برقعہ پہن کر آیا تھا جو کہ موقع پر پکڑا گیا تھا۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت مطہرہ نے حسن معاشرت کیلئے کچھ اصول و ضوابط مقرر کئے ہیں۔ انسان کی معاشرتی زندگی میں نکاح ایک انتہائی اہم معاملہ ہے۔ جسکے صحیح ہونے کے لئے شریعت مطہرہ نے اصول و ضوابط مقرر کئے ہیں اور نکاح کا صحیح ہونا ان اصول و ضوابط پر موقوف ہے۔ ان میں سے ایک ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکی اپنے والدین کی اجازت و رضامندی کے بغیر کفو میں نکاح کر لے جو گھر والوں کے لئے نارکابا عت ہو تو اس صورت میں مفتی یہ قول کے مطابق نکاح منعقد نہیں ہوتا لہذا صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ فاطمہ بنت عباس کا اپنے والدین کی رضامندی کے بغیر سوال میں مذکورہ صفات کے حامل شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لمافی الشامیة (۵۷/۲): قوله ( بعدم جوازہ أصلاً ) هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضا بعده بجر... قوله ( وهو المختار للفتوى ) وقال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتياط كذا في تصحيح العلامة قاسم لأنه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاض يعدل۔

وفي الشامیة (۸۸/۲): فظاھر كلام الشارحين أن العبرة لصلاح أبيها وجدها فإنهم قالوا لا يكون الفاسق كفواً لبنت الصالحين... وبعد أسطر:... قلت اقتصرهم بناء على أن صلاحها يعرف بصلاحهم لخفاء حال المرأة غالباً لا سيما الأبنكار والصغائر اه... قلت والحاصل أن المفهوم من كلامهم اعتبار صلاح الكل وإن من اقتصر على صلاحها أو صلاح آبائها نظر إلى الغالب من أن صلاح الولد والوالد متلازمان فعلى هذا فالفاسق لا يكون كفواً لصالحة بنت صالح بل يكون كفواً لفاسقة بنت فاسق... قوله ( معلنا كان أو لا ) أما إذا كان معلنا فظاھر وأما غير المعلن فهو بأن يشهد عليه أنه فعل كذا من المفسقات وهو لا يجهر به فيفرق بينهما بطلب الأولياء ط۔

## (۵۳۶) مختلف فرقوں سے نکاح میں کفاءة کا حکم

### سوال

اہل حدیث (یعنی غیر مقلد جو ائمہ کو برا بھلا کہتے ہوں) کا نکاح سنی حنفی لڑکی سے جائز ہے یا نہیں؟ نیز دیوبندی لڑکی کا نکاح بریلوی لڑکی سے جائز ہے یا نہیں؟ یہ لوگ آپس میں کفو ہیں یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوحاح

عقیدہ کفریہ کے حامل سے کسی بھی مسلمان مرد/عورت کا نکاح درست نہیں البتہ اگر کوئی فسق و فجور میں مبتلا ہو تو اگرچہ (اپنے فسق کی وجہ سے) وہ گنہگار ہوگا لیکن نکاح درست ہو جائے گا۔

لہذا صورت مسئلہ میں اگرچہ غیر مقلدین جو ائمہ کو برا بھلا کہتے ہیں، فاسق و فاجر کہلا سکیں گے، لیکن ان سے کسی دیوبندی، سنی کا نکاح درست ہوگا۔ اسی طرح بریلوی حضرات اگرچہ بدعت کی وجہ سے ظلمت و گمراہی میں مبتلا ہیں، لیکن ان سے کسی بھی دیوبندی کا نکاح درست ہوگا، بشرطیکہ یہ لوگ کسی عقیدہ کفریہ کے قائل نہ ہوں البتہ ایسے رشتوں میں مودت و محبت نہیں ہوتی، اس لئے اجتناب کیا جائے۔ نیز ائمہ و اسلاف کو برا بھلا کہنے والے اور بدعات و خرافات کے مرتکب اشخاص ایک صالح اور صحیح العقیدہ لڑکی کے کفو نہیں لہذا اگر لڑکی کے سرپرست یہ نکاح کرائیں تب تو نکاح منعقد ہوگا لیکن اگر لڑکی از خود، سرپرست کی رضامندی کے بغیر ایسے شخص سے نکاح کرے تو وہ کالعدم ہے۔

لہا فی القرآن الکریم (البقرة: ۲۲۱): وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتَّىٰ یُؤْمِنُوا وَلَا أُمَّةً مُّؤْمِنَةً حَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ وَلَا أَعْجَبُکُمْ وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتَّىٰ یُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ وَلَا أَعْجَبُکُمْ... الْآیة۔

وفی صحیح البخاری (۷۶۲/۲): عن أبی ہریرة رضی اللہ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

"تنکح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها وجمالها ولدینها، فاطفر بذات الدین، تربت یدالک"

وفی الدرالمختار (۴۸۳/۵): (أو ینظر سب السلف) لظهور فسقه بخلاف من یخفیہ لأنه فاسق مستور عینی قال المصنف وإنما قیدنا بالسلف تبعاً لکلامهم وإلا فالأولی أن یقال سب مسلم لسقوط العدالة بسبب المسلم وإن لم یکن من السلف كما فی السراج والنهاية وفيها الفرق بین السلف والخلف أن السلف الصالح الصدر الأول من التابعین منهم أبو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ والخلف بالفتح من بعدهم فی الخیر وبالسکون فی الشر بحر۔

وفی الشامیة (۴۵/۳): وفي الفتح ویدخل فی عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التي استحسنوها والمعطلّة والزنادقة والباطنية والإباحية وفي شرح الوجیز وكل مذهب یکفر به معتقده اه۔۔۔ وبعد أسطر: وأما المعتزلة فمقتضى الوجه حل مناكحتهم لأن الحق عدم تكفير أهل القبلة وإن وقع إلزاما فی المباحث بخلاف من خالف القواطع المعلومة بالضرورة من الدین مثل القائم بقدم العالم ونفی العلم بالجزئیات علی ما صرح به المحققون۔



## (۵۳۷) کیا بریلوی لڑکا صحیح العقیدہ لڑکی کا کفو ہے

### سوال

مفتی صاحب درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

- (۱) کیا بریلوی حضرات ”ہری پگڑی والے“ مشرک ہیں؟ اگر ہیں تو کس وجہ سے؟ تفصیل سے جواب دیں۔
- (۲) کیا کسی ہری پگڑی والے لڑکے سے کسی دیوبندی عقیدے کی لڑکی کا نکاح جائز ہے اگر نہیں تو کیوں؟
- (۳) کیا ”عیدی دینا“ ناجائز ہے، گناہ ہے؟ جبکہ بچے تو عیدی مانگتے ہیں اور عیدی دینا ایک خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ محترم جلد از جلد ان سوالوں کے جواب دے کر ہمیں شکر یہ کا موقع دیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

(۱) واضح رہے کہ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ مذکورہ جماعت بہت ساری بدعات کا مجموعہ ہے نیز ان کے بہت سے عقائد قرآن و حدیث سے متصادم ہیں۔ قرآن و حدیث میں اپنی مرضی سے غلط تاویلیں کر کے خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ ان کے غلط عقائد اور بدعات عام و مشہور ہیں جن کا احاطہ کرنا اس مختصر تحریر میں مشکل ہے البتہ مذکورہ جماعت والے چونکہ قرآن و حدیث میں غلط تاویلیں کر کے غلط عقائد و بدعات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے مشرک اور کافر تو نہیں البتہ فاسق و فاجر اور بدعتی ہیں۔

(۲) نکاح کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرد، عورت ایک دوسرے کے کفو (برابر) بھی ہوں اور جیسا کہ اوپر معلوم ہوا کہ بریلوی مسلک والا شخص فاسق اور بدعتی ہے اور فاسق آدمی صحیح العقیدہ نیک لڑکی کا کفو (برابر) نہیں ہے۔ نیز کسی بریلوی سے صحیح العقیدہ نیک لڑکی کا نکاح کرنے سے لڑکی کے عقائد خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہے اس لئے اس سے بچا جائے تاہم اگر لڑکی کے اولیاء کسی بریلوی سے نکاح کرادیں تو مفاسد کے باوجود نکاح صحیح سمجھا جائے گا۔

(۳) بچوں کو عیدی دینا جائز ہے تاہم اگر اس سے بچوں کے اخلاق خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ بچوں کے جذبات بھی مجروح نہ ہوں اور ان کے اخلاق بھی خراب نہ ہوں۔

لسانی الہندیہ (۲۹۱/۱): ومنها الديانة تعتبر الكفاءة في الديانة وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى وهو الصحيح كذا في الهداية فلا يكون الفاسق كفتنا للصالحه كذا في المجمع سواء كان معلن الفسق أو لم يكن كذا في المحيط۔

## (۵۳۸) دونو مسلم آپس میں کفو ہیں

## سوال

ہمارے علاقے میں ایک برادری عیسائیوں کی رہتی تھی ان کے ایک لڑنے نے دل سے اسلام قبول کر لیا آیا دوسرے علاقے کی نو مسلم ہندو لڑکی سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے؟ کیا یہ کفو کہلائیں گے؟ اور کیا ہمارے علاقے کی کسی مسلمان لڑکی سے اس لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

علامہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ در مختار میں تحریر فرماتے ہیں:

"(و) أما في العجم فتعتبر (حرية وإسلاما) فمسلم بنفسه --- غير كفء لمن أبوها مسلم --- و

من أبوه مسلم أو حر غير كفء لذات أبوین"

"اور عجم میں کفایت کا اعتبار آزادی اور اسلام میں ہوگا پس خود اسلام قبول کرنے والا شخص ایسی لڑکی کا کفو نہ ہوگا جس کا باپ مسلمان ہو..... اور ایسا شخص جس کا باپ مسلمان اور آزاد ہو (لیکن ماں مسلمان نہ ہو) ایسی لڑکی کا کفو نہ ہوگا جس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں۔"

(در مختار، ۳/۸۷)

عبارت بالا سے درج ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

(۱) عجم میں کفایت کے اندر اسلام کا لحاظ کیا جائے گا لہذا جس کے صرف والد مسلمان ہوں وہ ایسی لڑکی کا کفو نہیں جس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں اور ایسا شخص جو خود اسلام قبول کرے اور اس کے والدین بدستور غیر مسلم ہوں ایسی لڑکی کا کفو نہیں جس کے والد مسلمان ہوں۔

(۲) اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونو مسلم آپس میں کفو ہیں کیونکہ دونوں ہی خود اسلام لائے ہیں۔

لہذا صورت مسئلہ میں نو مسلم عیسائی لڑکے کا نکاح نو مسلم ہندو لڑکی سے جائز ہے یہ دونوں آپس میں کفو شمار ہوں گے البتہ مسلم عیسائی لڑکا آپ کے علاقے کے جدی پشتی مسلمان لڑکی کا کفو نہیں، اولیاء اگر راضی ہوں تو نکاح کرایا جاسکتا ہے وگرنہ نکاح منعقا ہوگا۔

لمافی الہندیة (۲۹۰/۱): ومنها إسلام الآباء من أسلم بنفسه وليس له أب في الإسلام لا يكون كفئا لمن له أب واحد في الإسلام كذا في فتاوی قاضي خان ومن له أب واحد في الإسلام لا يكون كفئا لمن له أبوان فصاعدا في الإسلام كذا في البدائع والذي أسلم بنفسه لا يكون

کفتا للتي لها أبوان أو ثلاثة في الإسلام ويكون كفتا لمثله۔

## (۵۳۹) کسی لڑکی کو اغواء کر کے نکاح کرنے کا حکم

### سؤال

ایک شخص نے کسی بالغ لڑکی کو اغواء کر کے دو گواہوں کی موجودگی میں مہر مقرر کر کے نکاح کر لیا ہے جبکہ یہ نکاح دونوں کے والدین و رشتہ داروں کی بدنامی کا باعث ہے نیز دونوں ہم کفو بھی نہیں آیا یہ نکاح صحیح ہو یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں مفتی یہ قول کے مطابق یہ نکاح منعقد ہی نہیں اس لئے کہ غیر کف کے میں اولیاء کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنا ان کی بدنامی کا سبب ہے لہذا یہ نکاح کالعدم ہے۔

لمافی الہندیة (۲۹۲/۱): المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفاء صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وهو قول أبي يوسف رحمه الله تعالى آخرًا وقول محمد رحمه الله تعالى آخرًا أيضًا حتى أن قبل التفريق يثبت فيه حكم الطلاق والظهار والإيلاء والتوارث وغير ذلك ولكن للأولياء حق الاعتراض وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن النكاح لا ينعقد وبه أخذ كثير من مشايخنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن وقال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رواية الحسن أقرب إلى الاحتياط۔

## (۵۴۰) نکاح کے لئے کن صفات کو ترجیح دینی چاہیے؟

### سؤال

ہمارے معاشرے میں یہ ایک عجیب و باپھیل گئی ہے کہ لڑکے والے ایسی لڑکی تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو خوبصورتی میں لاثانی ہو اور لڑکی والے ایسے لڑکے کی جستجو میں ہوتے ہیں جو خوب مال و دولت والا ہو۔ آپ ہماری یہ راہنمائی فرمائیں کہ شرعاً والدین پر کیسا رشتہ ڈھونڈنا لازم ہے اور انہیں لڑکی اور لڑکے کی کن صفات کو ترجیح دینی چاہیے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت میں مالدار کی کو شادی کا معیار نہیں بنایا گیا بلکہ دینداری کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اگر حسب و نسب، مال و دولت اور

دینداری سب چیزیں مل جائیں تو اس سے بہتر اور کیا ہوگا لیکن اگر حسب و نسب اور مالداری نہ ہو البتہ دینداری ہو تو دینداری کو ترجیح دینی چاہیے جس سے دین و دنیا دونوں کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

لمافی البخاری (۲/۶۲۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك " وفي الشامية (۳/۸۹): ذكر شيخ الإسلام أن الفاسق لا يكون كفؤاً للعدل عند أبي حنيفة وعن أبي يوسف ومحمد أن الذي يسكر إن كان يسر ذلك ولا يخرج سكران كان كفؤاً لامرأة صالحة من أهل البيوتات وإن كان يعلن ذلك فلا قيل وعليه الفتوى اه قلت والحاصل أن المفهوم من كلامهم اعتبار صلاح الكل وإن من اقتصر على صلاحها أو صلاح آبائها نظر إلى الغالب من أن صلاح الولد والوالد متلازمان فعلى هذا فالفاسق لا يكون كفؤاً الصالحة بنت صالح بل يكون كفؤاً لفاسقة بنت فاسق وكذا لفاسقة بنت صالح كما نقله في الحقوية۔

## (۵۳۱) ایک بے دین پروفیسر دیندار لڑکی کا کفو ہے یا نہیں؟

### سوال

ہمارے ایک عزیز (جن کا گھرانہ دیندار اور پابند شرع ہے) کی بیٹی نے کالج کے ایک پروفیسر (جو کہ بے دین اور تارک صوم و صلوٰۃ ہے) کے ساتھ عدالت میں جا کر کورٹ میرج کر لی۔ اب لڑکی کے والد کسی طرح بھی اس شادی پر راضی نہیں ہیں تو یہ شادی صحیح ہوئی یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

جب کوئی عاقلہ بالغہ عورت والدین کی مرضی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیتی ہے تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا اور ایک ایسا بے دین شخص جو نماز روزے کا اہتمام نہ کرتا ہو وہ ایک دیندار گھرانے کی لڑکی کا کفو نہیں لہذا صورت مسئلہ میں نکاح صحیح نہیں۔

لمافی الترمذی (۱/۲۰۶): عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له: يا علي ثلاث لا تؤخرها الصلاة إذا أتت والجنابة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفؤاً۔

وفي الدر المختار (۳/۵۷): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان)۔

وفی الرد تحتہ: قوله ( وهو المختار للفتوی ) وقال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامة قاسم لأنه لیس کل ولی یحسن المرافعة والخصومة ولا کل قاض یعدل ولو أحسن الولی وعدل القاضی فقد یترک أنفة للتردد علی أبواب الحکام واستثقالاً لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان منعه دفعاً له فتح -

وفی الدر المختار (۸۹/۳): (و) تعتبر فی العرب والعجم (دیانة) أي تقوی فلیس فاسق کفواً لصالحة أو فاسقة بنت صالح معلنا کان أولاً -

## (۵۴۲) باپ کا بیٹی کا نکاح پاگل سے کر دینے کا حکم

### سوال

ایک باپ نے اپنی شیرخوار کم سن یا نابالغہ بیٹی کا نکاح معذور پاگل، نشہ خور، گنوار، آوارہ، بیروزگار نوجوان سے کر دیا ہے جبکہ بیٹی اور لڑکے کی عمر میں سات سے سولہ سال کی عمر تک کا تفاوت ہے۔ وہ اس لئے کہ درحقیقت باپ نے اپنے بھائی یا کسی رشتہ دار کی شادی کرنی تھی اور گھر آباد کرنا تھا، بطور وٹہ سٹہ باپ نے اس شادی کے بدلے اور عوض میں اپنی معصوم بیٹی کا نکاح کر دیا تھا۔ والد نے نابالغہ بیٹی کے عوض رقم وصول کر لی ہے جس کا وہ خود بھی اقراری ہے اور اہل علاقہ اس پر گواہ ہیں۔

برادری نے باپ کو نابالغہ بیٹی کے نکاح کرنے پر مجبور کیا۔ باپ نے مجبور ہو کر برادری کے اصرار پر اپنی نابالغہ بیٹی کا نکاح کر دیا جبکہ باپ اب تک انتہائی نادم اور پریشان ہے۔ باپ کم عقل، سادہ اور بھولا ہے جو شفقت پداری کے احساس سے محروم ہے۔ اس وقت دونوں خاندانوں میں دشمنی خوفناک حد تک پہنچ چکی ہے۔ فوجداری مقدمات گرفتاریاں مار کٹائی اور ہر طرح کی انتقامی کارروائیاں پولیس اور پکچہری کے ذریعے تاحال جاری ہیں۔ اب یہ نابالغہ بیٹی جوان اور بالغہ ہو چکی ہے۔ کسی صورت باپ کے نکاح کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں اور اس نکاح سے چھٹکارا چاہتی ہے۔ اس صورت میں باپ کا کیا ہوا نکاح شرعاً منعقد ہوا تھا یا نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں اگر منعقد ہوا تھا تو کیا اب خیاب بلوغ یا تنسیخ کے لئے آپ کے دارالافتاء اور آپ علماء حق کوئی کردار ادا کریں گے؟ یا انگریزی دیوانی عدالتوں میں دولت، عزت اور ضیاع کے بعد کوئی آزادی میسر آسکے گی اور کوئی حل نکل سکے گا؟ خدارا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت اور دین رحمت کے تناظر میں فقیہانہ اور محدثانہ علم سے علمی اور فقہی مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کوئی ناعاقبت اندیش باپ اپنی نابالغہ بیٹی کی شادی و بیاہ میں نابالغہ بیٹی کی مصلحت اور فائدہ کو نظر انداز کرتے ہوئے محض طمع زر کی خاطر نابالغہ بیٹی کا نکاح جان بوجھ کر غیر کفو (پاگل و فاسق وغیرہ) میں کر دے تو وہ نکاح سرے سے ہوتا ہی نہیں اور ایسے باپ کو

اصطلاح شرع میں معروف بسوء الاختیار (اپنے اختیار کا برا استعمال کرنے میں معروف شخص) کہا جاتا ہے لہذا صورت مسؤلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ چونکہ باپ نے جان بوجھ کر محض لالچ اور پیسوں کی خاطر نابالغ بچی کا نکاح پاگل اور فاسق سے کیا ہے جو معصوم بچی کے حق میں سراسر نقصان اور ظلم ہے لہذا یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ لڑکی آزاد ہے دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے۔

لمافی فتح القدیر (۳/۳۰۲): لو کان الأب معروفا بسوء الاختیار مجانۃ وفسقا کان العقد باطلا علی قول أبی حنیفة علی الصحیح ومن زوج بنته الصغیرة القابلة للتخلق بالخیر والشر ممن یعلم أنه شریر فاسق ظهر سوء اختیاره ولأن ترک النظر هنا مقطوع به فلا یعارضه ظهور إرادة مصلحة تفوق ذلك نظرا إلى شفقة الأبوة۔

وفی الشامیة (۳/۵۲): قوله (ما لم یکن متہتکا)۔۔۔ وحاصله أن الفسق وإن کان لا یسلب الأهلیة عندنا لکن إذا کان الأب متہتکا لا ینفذ تزویجه إلا بشرط المصلحة۔۔۔ وبه ظهر أن الفاسق المتہتک وهو بمعنی سئء الاختیار لا تسقط ولايته مطلقا لأنه لو زوج من کفء بمهر المثل صح۔

وفیه أيضاً (۳/۹۳): قوله (لیس بکفء للعاقلة) قال فی النهر لأنه یفوت مقاصد النکاح فکان أشد من الفقر ودناءة الحرفة وینبغی اعتماده لأن الناس یعیرون بتزویج المجنون أكثر من ذی الحرفة الدنیئة۔

## باب فی البہر

### (مہر کا بیان)

## (۵۲۳) نکاح کے وقت مہر کی تعیین صراحت کی جائے

### سوال

میرا نکاح کراچی میں سات سال قبل مسماۃ رخسانہ سے اسلامی قوانین کے مطابق انجام پایا اور رخصتی بھی ہوئی تھی۔ میرے نکاح کا مہر شریعت کے مطابق پاکستانی سکہ رائج الوقت میں مہر شرعی دینا قرار پایا تھا۔ کچھ عرصے بعد میرے اور رخسانہ کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہونا شروع ہو گئیں لہذا مجبوراً میں دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں۔ برائے مہربانی مفتی صاحب سکہ رائج الوقت کے مطابق جو شرعی حق مہر بنتا ہو وہ تصدیق کر کے لکھ دیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت مطہرہ میں نکاح کیلئے مہر مقرر کرنا ضروری ہے صرف یوں کہنا کہ ”شریعت کے مطابق پاکستانی سکہ رائج الوقت میں مہر شرعی دوں گا“ یہ کافی نہیں۔ اب اگر نکاح کے وقت الگ سے پاکستانی سکہ رائج الوقت کے مطابق روپوں کو متعین نہیں کیا گیا تو نکاح کے بعد حق زوجیت اداء کرنے یا خلوت صحیحہ (ایسی تنہائی جس میں بہستری سے کوئی مانع نہ ہو) کے پائے جانے کی صورت میں لڑکی کو مہر مثل ملتا ہے مہر مثل ایک حکم اور ثالث ہے جب مہر مقرر نہ کیا جائے تو پھر ضرورتاً مہر مثل لازم آتا ہے اور اس میں لڑکی کے ددھیال کی عورتوں (بہنوں، پھوپھیوں وغیرہ) کا اعتبار ہوتا ہے اور اگر مہر الگ سے متعین کیا ہو یا [بعض علاقوں میں مہر شرعی سے مہر فاطمی یا اقل مہر یعنی دس درہم مراد ہوتے ہیں اور] آپ کے عرف میں [بھی] مہر فاطمی یا دس درہم میں سے کوئی مراد ہوتی ہو تو ان کی قیمت بہر میں اداء کرنا لازم ہوگی۔ محقق قول کے مطابق مہر فاطمی کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہے اور دس درہم کی مقدار 625.2 تولہ چاندی ہے۔ اگر مہر کو مہر فاطمی یا اقل مہر کی مقدار کی صورت میں اداء کیا جائے تو اس دن کے چاندی کے ریٹ معلوم کر کے مہر اداء کر دیا جائے۔

الغرض بہتر اور آسان صورت یہ ہے کہ بوقت نکاح مہر کی مقدار روپوں میں بھی متعین کر دی جائے اس طرح مہر رکھ دینا بعد میں مشکلات پیدا کرتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں ”شرعی حق مہر“ سے مراد اگر مہر فاطمی (ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی) یا دس درہم

(2.625) تولہ چاندی) مراد ہوتو ان کی قیمت یا اگر بوقت عقد الگ سے مہر متعین کیا ہوتو پھر فقط اسی کو اداء کرنا ہوگا اور اگر بوقت عقد نہ مہر متعین ہو اور نہ ہی شرعی حق مہر سے مہر فاطمی یا اقل مہر مراد لیا جاتا ہوتو پھر مہر مثل لڑکی کو ملے گا۔

لہا فی القرآن الکریم: (النساء: ۲۴): فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً۔

وفی القدوری (ص ۲۱۵): وان تزوجها ولم یسم لها مہرا أو تزوجها علی أن لا مہر لها فلها مہر مثلها ان دخل بها أو مات عنها۔

وفی الشامیة (۱۰۸/۲): قوله (فیما إذا لم یسم مہرا) أي لم یسمه تسمیة صحیحة أو سکت عنه نهر فدخل فیہ مال لوسمی غیر مال کخمر ونحوہ أو مجهول الجنس کدابة وثوب۔

## (۵۴۴) علاقہ والوں کا مہر کی حد مقرر کرنے کا حکم

### سوال

ہمارے علاقے میں پورا گاؤں مہر کی رقم کی زیادتی سے پریشان تھا اس لئے بااثر حضرات نے بیٹھ کر یہ مقرر کیا کہ گاؤں میں کسی لڑکی کی شادی اب 20 ہزار مہر سے زیادہ پر نہ ہوگی کیا اس طرح قانون بنانا درست ہے اور کیا شریعت میں مہر کی مقدار متعین ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر شرعاً عورت کا حق ہے۔ عورت کی رضامندی سے طے کیا جانا چاہیے۔ شرعاً مہر کی کم از کم مقدار 2.625 تولہ چاندی (یا اس کی رقم) مقرر و متعین ہے لیکن زیادہ کی کوئی حد نہیں جتنا مہر مقرر کرنا چاہیں مقرر کر سکتے ہیں البتہ بعض علاقوں میں زیادہ مہر مقرر کرنے کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ جس سے معاشرہ متاثر ہو رہا ہے مثلاً لاکھوں میں مہر متعین کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے درج ذیل مفساد پیدا ہوتے ہیں:

(۱)..... لڑکے اتنے با استطاعت نہیں ہوتے لہذا وہ شادیاں نہیں کر پاتے۔

(۲)..... لڑکیاں بن بیاہی گھروں پر اپنے بال سفید کر لیتی ہیں لیکن اتنا مال دار لڑکا میسر نہیں آ پاتا جو وہ مہر ادا کرے اور جب

لڑکے لڑکیوں کی شادیاں بلوغ کے بعد مؤخر ہوں تو احادیث میں وارد ہوا ہے کہ زمین میں فساد عظیم برپا ہوتا ہے۔

(۳)..... مہر کی ادائیگی کیلئے لڑکے یا اس کے باپ وغیرہ کو سودی قرضے لینا پڑتے ہیں۔

(۴)..... مہر عورت کا حق ہونے کے بجائے اس کی قیمت بن جاتا ہے جس کے سبب لڑکے والے غلط رویہ اختیار کرتے ہیں اور

جہیز میں بھی زیادتی کا مطالبہ سامنے آتا ہے۔

(۵)..... عموماً اتنا مہر اداء نہیں ہو پاتا اور لڑکا یہ بار اپنے سر لے کر قبر میں چلا جاتا ہے یا اپنی عزت نفس مجروح کر کے لڑکی سے

اسے معاف کراتا ہے۔



نیز دیگر بھی بہت سے مفاسد ہیں جن کے باعث شریعت میں مہر کی زیادتی ممدوح نہیں اور بعض احادیث میں آپ ﷺ نے کم مہر والی عورت کا زیادہ بابرکت ہونا ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! عورتوں کے مہر کی رقموں میں زیادتی نہ کرو کیونکہ اگر مہر کی رقم کا زیادہ ہونا کوئی کرامت یا شرافت ہوتا تو ازواج مطہرات اور بنات طلیبات اس کی زیادہ مستحق تھیں (جبکہ ان مقدس اور معزز خواتین کا مہر زیادہ نہ تھا) لہذا صورت مسئولہ میں اگر گاؤں والے لڑکے کوئی ایسا قانون بناتے ہیں جس میں مہر کی متوسط مقدار مقرر کر دیں (وہ مقدار اتنی کم بھی نہ ہو کہ شرفاء کو اپنی بیٹی بیاتے ہوئے عار ہو اور اتنی زیادہ بھی نہ ہو کہ غرباء عاجز ہو جائیں) اور اس مقدار کو معیار بنا لیا جائے یعنی کوئی اس سے زیادتی نہ کرے البتہ اگر بوقت ضرورت جانین کی رضامندی سے اس معیار سے کم پر عقد طے ہو تو اس میں کوئی حرج نہ سمجھا جائے تو امید ہے ہر لڑکی بھی بخوشی راضی ہو جائے گی اور یہ اقدام معاشرے میں اچھے اثرات مرتب کرے گا نیز شادیاں آسان ہو جائیں گی اس لئے تمام گاؤں والوں کو چاہیے کہ اس قانون پر عمل کریں اور خواہ مخواہ اپنی وجہ سے تمام گاؤں والوں کو حرج میں نہ ڈالیں۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء: ۴): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً.

وفی الہندیۃ (۱/۳۱۳): وإن حطت عن مہرہا صح الحط کذا فی الہدایۃ ولا بد فی صحۃ حطہا من الرضا حتی لو كانت مکرمۃ لم یصح ومن أن تكون مریضۃ مرض الموت ہکذا فی البحر الرائق۔

وفی الشامیۃ (۲/۱۱۳): مطلب فی حط المہر والابراء منه قوله (وصح حطہا) الحط الإسقاط کما فی المغرب وقید بحطہا لأن حط أیہا غیر صحیح لو صغیرۃ ولو کبیرۃ توقف علی إجازتہا ولا بد من رضاہا۔

(۵۲۵) مہر مثل کیا ہے؟

سؤال

ایک عورت کی شادی ہوئی نکاح کے وقت مہر متعین نہیں کیا گیا، بعد میں وہ کس طرح کا مہر لینے کی مستحق ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوہاب

اگر شادی کے وقت مہر متعین نہ کیا گیا ہو تو اس عورت کو مہر مثل دیا جائے گا اور مہر مثل میں اس کے والد کے خاندان کی عورتوں کا اعتبار ہوگا نہ کہ والدہ کے خاندان کا مثلاً حقیقی یا باپ شریک بہن، پھوپھی، چچا زاد بہن جبکہ وہ عورت اس لڑکی کی ہم پلہ ہو مثلاً عمر، حسن، شہر، زمانے، عقل، دیانت، کنوارا پن، علم اور ادب وغیرہ میں ہمسرہ ہو، اگر برابر کی عورت اس خاندان میں نہ ہو تو وہ عورت جو ان اوصاف میں

اس عورت کے ساتھ برابر ہو اس کا اعتبار ہوگا۔

لمافی الهندية (۲۰۲/۱): وان تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوجها على أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها۔

وفيه أيضا (۲۰۶/۱): ومهر مثلها يعتبر بقوم أبيها إذا استويا سنا وجمالا وبلدا وعصرا وعقلا ودينا وبكارة وكذا يشترط أن تستويا في العلم والأدب وكمال الخلق وأن لا يكون لها ولد كذا في التبيين --- وقوم أبيها أخواتها لأبيها وأمها أو لأبيها وعماتها وبنات عمها --- فإن لم يوجد فمن الأجانب من قبيلة هي مثل قبيلة أبيها كذا في التبيين۔

وفي الدر المختار (۱۰۸/۲): (وكذا يجب) مهر المثل (فيما إذا لم يسم) مهرا۔

وفي الرد تحتہ: قوله (فيما إذا لم يسم مهرا) أي لم يسمه تسمية صحيحة أو سكت عنه فمهر۔

وفي الدر المختار (۱۲۷/۲): (و) الحرة (مهر مثلها) الشرعي (مهر مثلها) اللغوي أي مهر امرأة تماثلها (من قوم أبيها) لا أمها إن لم تكن من قومه كبنت عمه وفي الخلاصة ويعتبر بأخواتها وعماتها فإن لم يكن فبنت الشقيقة وبنت العم انتهى --- وتعتبر المماثلة في الأوصاف (وقت العقد سنا وجمالا وبلدا وعصرا وعقلا ودينا وبكارة وثيوبة وعفة وعلما وأدبا وكمال خلق) وعدم ولد۔

## (۵۲۶) مہر مثل کب واجب ہوتا ہے؟

### سوال

مہر مثل کب دیا جاتا ہے اور کن وجوہات کی بناء پر مہر مثل واجب ہوتا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر مثل مندرجہ ذیل صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے:

- (۱)..... اگر کوئی نکاح کرتے وقت مہر کو مقرر نہ کرے۔
- (۲)..... یا مہر کی عدم ادائیگی کی شرط لگائے۔
- (۳)..... یا ایسی چیز کو مہر مقرر کیا جائے جو مال معقوم نہ ہو جیسے شراب خنزیر وغیرہ۔
- (۴)..... یا کسی ایسی چیز کو مہر مقرر کرے جس کی جنس مجہول ہو مثلاً کپڑا دوں گا، جانوروں گا۔

نیز مہر مثل ہو یا مہر مسمی تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے پائے جانے کے بعد اس کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے:

(۱).....دخول

(۲).....خلوت صحیحہ (نکاح کے بعد زوجین کا کسی ایسی جگہ اکٹھا ہونا جہاں وطی سے کوئی مانع نہ ہو۔)

(۳).....زوجین میں سے کسی ایک کا مرجانا۔

لمافی بدائع الصنائع (۲/۲۸۲): ویجوز النکاح بدون المہر حتی أن من تزوج امرأة ولم یسرها مہراً بأن سکت عن ذکر المہر أو تزوجها علی أن لا مہر لها ورضیت المرأة بذلك یجب مہر المثل بنفس العقد عندنا حتی یثبت لها ولایة المطالبة بالتسليم ولو ماتت المرأة قبل الدخول یؤخذ مہر المثل من الزوج ولو مات الزوج قبل الدخول تستحق مہر المثل من ترکته۔

وفیه أيضاً (۲/۵۲۰): فصل وأما بیان ما یتأكد به المہر فالمہر یتأكد بأحد معان ثلاثہ الدخول والخلوة الصحیحة وموت أحد الزوجین سواء کان مسمی أو مہر المثل حتی لا یسقط شیء منه بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق۔

وفی الخانیة (۱/۱۴۲): (باب فی ذکر مسائل المہر) المہر لا یكون إلا من مال متقوم فإن سُمی ما لا مجهول الجنس بأن تزوج امرأة علی دابة أو ثوب کان لها مہر المثل بالغاً ما بلغ لأن التسمیة لم تصح وكذا لو تزوجها علی دار ولم یبین موضع الدار۔

وفی الشامیة (۲/۱۳۷): ثم اعلم أن اعتبار مہر المثل المذكور حکم کل نکاح صحیح لا تسمیة فیہ أصلاً أو سُمی فیہ ما هو مجهول أو ما لا یحل شرعاً و حکم کل نکاح فاسد بعد الوطء سُمی فیہ مہراً أو لا۔

(۵۲۷) مہر مثل کیا ہے؟

### سؤال

لڑکی کا مہر اگر نکاح کے وقت طے نہ کیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ مہر مثل دیا جائے گا لیکن یہ مہر مثل کیا ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ پھوپھی کا مہر مطلب ہے یعنی باپ کی بہن اور مہر مثل میں اعتبار باپ کا ہوتا ہے اور دوسرے صاحب کا کہنا ہے کہ بہن کا اعتبار ہوگا۔ برائے مہربانی تفصیل فرمادیں اور اس بات کا جواب بھی دیدیں کہ پھوپھی کا اعتبار ہو تو ان کا نکاح تو عموماً ۱۵ سال قبل ہوا ہوتا ہے اور اس وقت مہر ۱۰ ہزار آج کے ۲۵ ہزار بنتے ہیں تو پھر کیا کیا جائے گا؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

واضح رہے کہ جب کسی لڑکی کیلئے عقد نکاح کے وقت مہر طے نہ کیا جائے تو اس کو مہر مثل دیا جائے گا اور مہر مثل میں باپ کی طرف سے رشتہ داروں کا اعتبار ہوگا، مثلاً لڑکی کی بہن، پھوپھی، چچا زاد بہن وغیرہ اور ماں کی طرف سے رشتہ داروں کا اعتبار نہیں ہوگا مثلاً خالہ، خالہ زاد اور ماموں زاد لڑکیاں وغیرہ۔

لیکن فقہاء کرام نے دونوں عورتوں کے آٹھ اوصاف میں مشترک ہونے کو شرط قرار دیا ہے۔ مال، جمال، دین، عمر، عقل، زمانہ، شہر، بکارت، شبیبہ ہونے میں دونوں کا برابر ہونا، جبکہ بعض فقہاء نے پندرہ اوصاف ذکر کئے ہیں لہذا صورت مسئلہ میں مہر مثل لڑکی کی بہن کا معتبر ہوگا البتہ پھوپھی کا اعتبار تب ہوگا جب پھوپھی میں بھی یہ اوصاف پائے جائیں، یعنی دونوں ہم عمر ہوں، دونوں کا زمانہ ایک ہو، دونوں کا شہر ایک ہو، وغیرہ، ورنہ اگر دونوں کا شہر جدا ہو یا زمانہ دونوں کا الگ الگ ہو جس طرح کہ سوال میں مذکور ہے تو پھر اگر چہ پھوپھی باپ کی جانب سے رشتہ دار ہے لیکن مہر مثل میں پھر اس پھوپھی کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ زمانے اور شہر کے اختلاف کی بنا پر مہر مثل کی قیمت میں کمی بیشی کا پایا جانا ظاہر ہے۔

لمافی الشامیة (۱۳۸/۳) باب المہر: قوله (سنا) أراد به الصغر أو الکبر بحر ومثله فی غاية البیان وظاهره أنه لیس المراد تحدید السن بالعدد کعشرین سنة مثلاً بل مطلق الصغر أو الکبر فیما لا یعتبر فیہ التفاوت عرفاً فبنت عشرین مثل بنت ثلاثین ولذا قال فی المحرّاج لأن مہر المثل یختلف باختلاف هذه الأوصاف -- قوله (وبلدا وعصرا) فلو كانت من قوم أیہا لکن یختلف مکاتهما أو زمانهما لا یعتبر بمہرها لأن البلدین یختلف عادة أهلہما فی غلاء المہر ورخصه فلو زوجت فی غیر البلد الذی زوج فیہ أقاربها لا تعتبر بمہورهن فتح ومثله فی کافی الحاکم الذی هو جمع کتب محمد حیث قال ولا یُنظر إلى نساہا إذا کن من غیر أهل بلدها لأن مہور البلدان مختلفة اه ومقتضى هذا أنه لا بد من اعتبار الزمان والمکان وإن قلنا بالاکتفاء ببعض هذه الصفات علی ما یأتی فافهم۔

## (۵۴۸) نکاح فاسد میں عورت کیلئے مہر کا حکم

## سؤال

اگر مرد و عورت کے درمیان نکاح فاسد ہوا ہو تو کیا عورت کے لئے مرد پر مہر لازم ہے یا نہیں اور کن صورتوں میں لازم ہے اور کن صورتوں میں نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ مدلل جواب دیجئے۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کسی مرد و عورت کے درمیان نکاح فاسد ہو گیا ہو تو عورت کیلئے مرد پر دخول سے پہلے مہر واجب نہیں ہے اور دخول کے بعد مہر مثل اور مقرر کردہ مہر میں سے جو کم ہو وہ واجب ہے۔

لمافی الہندیۃ (۲۷۷/۱): ولو علم القاضي بذلك يفرق بينهما فإن فارقها قبل الدخول لا يثبت شيء من الأحكام وإن فارقها بعد الدخول فلها المهر ويجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل وعليها العدة۔

وفی الشامیۃ (۱۳۲/۳): مطلب فی النکاح الفاسد قوله (فی نکاح فاسد) وحکم الدخول فی النکاح الموقوف كالدخول فی الفاسد فيسقط الحد ويثبت النسب ويجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل۔

## (۵۳۹) حلالہ کے نکاح میں بھی مہر لازم ہے

## سؤال

مفتی صاحب! حلالہ کی صورت میں بھی کیا نکاح کیلئے مہر کا ذکر کرنا یا متعین کرنا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو جب پہلی مرتبہ نکاح کر کے مہر لیا ہے اب دوبارہ نکاح (چاہے پہلے شوہر کے ساتھ ہو یا اس دوسرے شوہر کے ساتھ ہو) کی صورت میں بھی مہر ملے گا؟ اور اگر ضروری نہیں تو کیا حلالہ کیلئے جو نکاح کیا جاتا ہے اس کے وہی احکامات نہیں ہوتے جو دوسرے نکاح کے ہوتے ہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

حلالہ کی نیت سے کئے گئے نکاح کے احکامات وہی ہیں جو دوسرے نکاح کے ہیں چنانچہ عام نکاح میں چونکہ تعین مہر اور ذکر مہر عقد کرتے وقت ضروری نہیں اور اس کے متعین نہ کرنے سے نکاح کے منعقد ہونے میں کچھ فرق نہیں پڑتا تو اسی طرح حلالہ کیلئے کئے گئے نکاح میں بھی عدم تعین مہر اور عدم ذکر سے نکاح کے منعقد ہونے میں کچھ فرق نہیں آئے گا لیکن چونکہ مہر تو دینا لازم ہے اس لئے اگر عقد کرتے وقت مہر مقرر کیا ہے تو وہی مہر سہمی ادا کرنا لازم ہے ورنہ مہر مثل دینا ہوگا۔

لمافی اعلاء السنن (۲۳۹/۱۱): وقال من ذهب الى صحة نكاح المحلل: ان الله تعالى قال "فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" وهذا زوج قد عقد بمهر وولى ورضاها عن الموانع الشرعية وهو راغب في ردھا الى زوجها الأول فيدخل في حديث ابن عباس رضى الله عنهما: ان رسول الله ﷺ قال: لا الا نكاح رغبة وهذا نكاح رغبة في تحليلها للمسلم۔

وفی الدرالمختار (۳/۴۰۹): (لا) ینکح (مطلقة) من نکاح صحیح نافذکما سنحقیقہ (بہا) أي بالثلاث (لو حرۃ وثنتین لو أمة) --- (حتى یطأها غیرہ ولو) الخیر (مراہقا) یجامعہ مثلہ وقدرہ شیخ الإسلام بعشر سنین --- (بنکاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف فلو نکحها عبد بلا إذن سیدہ ووطنہا قبل الإجازة لا یجلها حتی یطأها بعدہا۔

وفی الفقہ الاسلامی (۹/۶۵۸۸): الزواج الصحیح النافذ تترتب علہ جمیع آثارہ من الحقوق الزوجیة کالمہر ونفقۃ الزوجة --- أي أنه تثبت أحكام ستمہ بمجرد عقد الزواج الصحیح: وہی وجوب المہر، واستحقاق النفقة الزوجیة۔

## (۵۵۰) مہر فاطمی کی صحیح مقدار اور مروجہ کرنسی میں اس کا ریٹ

### سوال

مہر فاطمی کتنا تھا ہم نے سنا ہے کہ مہر فاطمی ۱۳۱ تولہ چاندی تھا جس کے حساب سے آجکل (جبکہ چاندی تقریباً 800 روپے تولہ ہے) مہر فاطمی کی رقم ایک لاکھ پانچ ہزار تک بنتی ہے لیکن ہم نے ایک معتبر عالم دین سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آجکل مہر فاطمی کی رقم ۷۰ ہزار بنتی ہے۔ دریافت طلب امور یہ ہیں:

- (۱) مہر فاطمی کتنا تھا (چاندی کے اعتبار سے) کیا مہر فاطمی کی تعیین میں اختلاف ہے؟
- (۲) آجکل ایک تولہ چاندی جبکہ آٹھ سو روپے سے زیادہ رقم کی ہے تو مہر فاطمی کتنا بنے گا؟ محقق قول عنایت فرمائیں۔
- (۳) ان عالم دین نے جو ستر ہزار کی رقم بتائی، کیا وہ صحیح ہے؟
- (۴) براہ کرم جس تاریخ کا چاندی کا ریٹ آپ جواب میں لکھیں وہ تاریخ بھی درج کر دیں۔ ہم نے جو ریٹ لکھے ہیں وہ نومبر 2013 کے شروع کے ہیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر فاطمی کی تحدید و تعیین میں روایات کے اختلاف کی وجہ سے اگرچہ علماء کا اختلاف ہے لیکن زیادہ راجح اور محقق قول کے مطابق مہر فاطمی 500 درہم تھا اور 500 درہم ایک سو اکتیس تولہ اور تین ماشہ ہوتے ہیں اور تین ماشہ تولہ کا چوتھائی حصہ (۳/۱) ہوتا ہے تو گویا مہر فاطمی [131.25] تولہ چاندی ہوا۔ چاندی کی قیمت آئے دن مارکیٹ میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اس لئے کسی خاص دن کی قیمت لکھ

متریزہ تفصیلات کیلئے محکم الفتاویٰ کی اسی جلد کے فتویٰ نمبر 552 ”شرح محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہے؟“ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ از مرتب

دینے سے غلط فہمی ہو سکتی ہے لہذا آپ خود صرافہ مارکیٹ سے معلوم کر سکتے ہیں اور ان عالم دین نے ہو سکتا ہے پہلے کسی دن کی قیمت کے اعتبار سے بتایا ہو اور اس وقت قیمت کم ہو۔

لمافی ابی داؤد کتاب النکاح باب الصداق (۲۸۷/۱): عن أبي العجفاء السلمي قال خطبنا عمر رضي الله عنه فقال ألا لا تغالوا بصدق النساء فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا أو تقوى عند الله لكان أولاكم بها النبي صلى الله عليه وسلم ما أصدق رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة من نسائه ولا أصدقت امرأة من بناته أكثر من اثنتي عشرة أوقية.

وفي مسلم (۳۵۸/۱) وأبي داود كتاب النکاح (۲۸۷/۱): واللفظ لأبي داود: عن أبي سلمة قال سألت عائشة رضي الله عنها عن صداق النبي صلى الله عليه وسلم قالت اثنتا عشرة أوقية ونش. فقلت وما نش قالت نصف أوقية.

وفي مرقاة المفاتيح (۳۲۹/۶): باب الصداق: ولا أنكح أي زوج شيئاً من بناته على أكثر أي مقداراً أكثر من اثنتي عشرة أوقية وهي أربعمائة وثمانون درهماً -- ثم ذكر السيد جمال الدين المحدث في روضة الأحاباب أن صداق فاطمة رضي الله عنها كان أربعمائة مثقال فضة وكذا ذكره صاحب المواهب ولفظه أن النبي قال لعلي إن الله عز وجل أمرني أن أزوجه فاطمة على أربعمائة مثقال فضة والجمع أن عشرة دراهم سبعة مثاقيل مع عدم اعتبار الكسور.

وفي أنوار المحمود على سنن أبي داود (۲۵/۲): ومهر البنات الطاهرات خمسمائة درهم (مائة وإحدى وثلاثون تولجه وثلاث ماشه).

وفي حاشية المشكوة (ص ۲۷۷) باب الصداق: مهر أزواج مطهرات وجمله صاحبزاديات ۵۰۰ درهم.

## (۵۵۱) مہر فاطمی سے متعلق ایک اشکال کا ازالہ

### سوال

مفتی صاحب! (مشکوٰۃ ۲/۱۷۷) پر روایت ہے کہ کہ عورتوں کا مہر نہ بڑھاؤ کیونکہ اگر یہ اکرام ہوتا تو آپ ﷺ اس کے زیادہ اہل تھے۔ میں نے جب یہ روایت سنی تو مجھے کچھ تذبذب ہوا کہ یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نبی ﷺ

اور دختر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مہر پانچ سو روپے تھے جو کہ میری معلومات کی حد تک آج کل کے تقریباً ڈیڑھ لاکھ بنتے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں فرمایا کہ آپ کی ازواج کا مہر کم تھا اور زیادہ مہر رکھنا اگر فضیلت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے جبکہ آج کل عام نکاح تیس ہزار مہر پر ہوتے ہیں جس کے مقابلے میں ڈیڑھ لاکھ جو کہ مہر فاطمی کی رقم بنتی ہے یہ تو بہت زیادہ بلکہ کئی گنا ہے؟ اس کی تشریح فرمادیں۔ بظاہر جو تضاد معلوم ہو رہا ہے اس کا رفع فرمادیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

جواب سے پہلے بطور تمہید چند باتیں ملحوظ رہیں:

(۱) ازواج مطہرات اور بنات طیبات کا مہر پانچ سو روپے تھا جس کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ چاندی بنتی ہے (تین ماشہ، ایک تولہ کا چوتھائی ۳/۱ حصہ ہوتا ہے) گویا مہر فاطمی (131.25) تولہ چاندی ہوا۔ اس باب میں راجح قول یہی ہے۔

(۲) چاندی کا ریٹ مارکیٹ میں کم، زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ کوئی بھی خاص ریٹ لکھنا پورے مہر فاطمی کی مقدار میں اشتباہ کا سبب بن سکتا ہے لیکن چونکہ جواب کا مدار اس پر ہے اس لئے (مارچ 2014ء) کے چاندی ریٹ کے حساب سے مہر فاطمی کی رقم تحریر کی جا رہی ہے (مارچ 2014ء) میں چاندی فی تولہ تقریباً آٹھ سو روپے ہے لہذا ایک تولہ چاندی کی رقم اگر آٹھ سو روپے ہو تو مہر فاطمی کی رقم ایک لاکھ پانچ ہزار بنتی ہے۔ یاد رہے کہ چاندی کا ریٹ کم، زیادہ ہونے سے مہر فاطمی کی کل رقم بھی کم زیادہ ہوگی۔ اصل مدار ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ (131.25) چاندی پر ہے چاہے اس کی رقم جو بھی بنے۔

(۳) یہاں تک کی بحث اگر سمجھ میں آگئی تو اگلی بات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اصل مدار ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ چاندی پر ہے۔ باقی جس کرنسی سے اس کا حساب لگایا جائے اس اعتبار سے فرق ہوگا۔ پاکستانی روپیہ عالمی مارکیٹ میں کم قوت رکھتا ہے جبکہ مارچ 2014ء میں ایک ڈالر تقریباً ایک سو روپے کے برابر ہے، لہذا ایک تولہ چاندی اگر آج روپے میں آٹھ سو روپے کی ہے یہی ایک تولہ چاندی آج ڈالر میں خریدی جائے تو آٹھ ڈالر میں آجائے گی اور مہر فاطمی (131.25) تولہ چاندی، تقریباً ایک ہزار پچاس ڈالر میں آئیگی۔ یعنی وہی مہر فاطمی جو مارچ 2014ء میں ایک لاکھ سے زائد روپوں کی بقدر ہے وہی اسی مارچ میں تقریباً ہزار ڈالر کے بقدر ہے، لہذا مہر فاطمی کے طور پر ایک ہزار پچاس ڈالر بھی دے دیئے جائیں تو مہر فاطمی مسنون اداء ہو جائیگا۔ اسی طرح یورو اور دیگر کرنسیاں حساب لگائی جاسکتی ہیں۔ گویا کہ اس وقت مہر فاطمی کے پانچ سو روپے پانچ سو روپے ہی تھے۔ ان کیلئے اس کی اہمیت ہمارے پانچ سو روپے سے زیادہ نہ تھی تب ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ ہی چار سو اسی روپے میں بیچ کر انتظام کر لیا تھا۔ اب وہ زرہ ظاہر ہے کہ لاکھوں کی نہ تھی بلکہ ان کے پانچ سو روپے کی طرح تھے۔ جب روپے کی قوت خرید زیادہ تھی تب ایک وقت ایسا بھی تھا کہ مہر فاطمی کے ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ چاندی تیس روپے میں آجاتی تھی جیسا



کہ آج کل بعض لوگ اس مغالطے میں رہتے ہیں کہ مہر فاطمی بتیس روپے ہے، یہ غلط نظریہ ہے۔ ایک وقت میں ایسا تھا لیکن اب مہر فاطمی ایک لاکھ سے زائد کا ہے۔ یعنی اصل مدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی پر ہے، اسکی قیمت چاہے جتنی بنے۔

بندہ ایک بار پھر عرض کر دے کہ چاندی، روپے، ڈالر یا کسی بھی چیز کی جو قیمت فتویٰ میں درج کی گئی ہے وہ رواں سال مارچ 2014ء کی ہے اسے حتیٰ نہ سمجھا جائے۔ حتیٰ صرف ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ مہر فاطمی کی مقدار ہے۔ باقی سب میں اتار چڑھاؤ، روزانہ کا معمول ہے۔

(۴) دور نبوی ﷺ میں رائج سکہ دینار تھا جو قوت میں درہم سے کہیں زیادہ تھا ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ چاندی تقریباً پینتالیس دینار کے بقدر ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مہر فاطمی اور دیگر ازواج کا مہر صرف پینتالیس دینار کے قریب تھا۔ آج کل کے ڈالر وغیرہ کے اعتبار سے تقریباً ہزار ڈالر کے قریب جو کہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے بلکہ انتہائی معمولی رقم ہے۔ اسی لئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مہر کی رقم زیادہ نہ کرو اگر یہ شرف ہوتا تو آپ ﷺ اس کے زیادہ اہل تھے۔ اسی بنیاد پر ابتدائی قرون میں (جب مسلمانوں پر فتوحات ہو چکی تھیں) چالیس ہزار درہم پر بھی نکاح ہوئے ہیں۔ چالیس ہزار درہم، مہر فاطمی کے پانچ سو درہم سے اسی گنا زیادہ ہیں۔ اس مقدار کو زیادہ شمار کیا جاسکتا ہے جو کہ آج کل کے روپوں کے اعتبار سے تقریباً ایک کروڑ بنتے ہیں لیکن مہر فاطمی وغیرہ کی رقم ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ کو زیادہ سمجھنا درست نہیں جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صرف زرہ بیچ کر اداء کر دی تھی۔

(۵) روپیہ کی قوت کم ہونے کی بنیاد پر اگرچہ پاکستان میں یہ رقم ایک لاکھ سے اوپر بنتی ہے لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد اور اس دور کے پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اور تو کچھ اشکال نہیں ہوتا لیکن ہمارے ہاں یہ رقم بہر حال زیادہ تصور کی جاتی ہے جسکی وجہ روپے کی قوت کم ہونا ہے اس کا کیا حل ہو؟؟؟

اس کا جواب آسان ہے کہ مہر فاطمی کوئی واجب یا فرض نہیں لہذا اپنی حیثیت کے بقدر کم سے کم مہر مقرر کیا جائے تاکہ معاشرے میں نکاح آسان ہو اور مہر کی رقم کا بار نکاح کی قلت یا نکاح سے عدول کا سبب نہ بنے۔ آج بھی بعض مسلم ممالک میں مہر کی رقم زیادہ رکھنے کے پر زور رواج نے وہاں عورتوں کے نکاح میں کمی واقع کی ہے، جس کے برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ جو شخص صاحب حیثیت ہو یا کسی وقت روپے کی قوت اتنی ہو جائے کہ کم روپوں میں ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ چاندی آجائے تو پھر مہر فاطمی ہی مہر رکھا جائے ورنہ حسب حیثیت کم مہر رکھا جاسکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چار سو اسی درہم میں اپنی زرہ فروخت کر کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر اداء کیا تھا، اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت چاندی یا درہم کی حیثیت کیا تھی کہ ایک زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت ہو گئی اور مہر ادا کر دیا گیا۔ امید ہے اتنی وضاحت کے بعد سوال میں موجود شکوک کا ازالہ ہو گیا ہوگا۔

لما فی سنن ابی داؤد (۲۸۷/۱) باب الصدق : عن ابی العجفاء السلمی قال خطبنا عمر رضی اللہ عنہ فقال ألا لا تغالوا بصدق النساء فإنھا لو كانت مکرمۃ فی الدنیا أو تقوی عند اللہ لکان أولاکم بها النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما أصدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرأۃ من نسائه ولا

أصدقت امرأة من بناته أكثر من ثنتي عشرة أوقية.

وفی المسلم (۳۵۸/۱): عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه قال سألت عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم كم كان صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت كان صداقه لأزواجه ثنتي عشرة أوقية ونشا. قالت أتدرى ما النش قال قلت لا. قالت نصف أوقية. فتلك خمسمائة درهم فهذا صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم لأزواجه.

وفی التعليق المحمود (۲۸۷/۱): وكان مهر فاطمة رضي الله عنها أربع مائة مثقال من فضة وهو يكون فوق خمس مائة درهم بشئ يسير.

وفی أنوار المحمود علی سنن ابی داؤد (۲۵/۲): ومهر بنات الطاهرات خمسمائة درهم (مائة واحدی وثلاثون تولجة وثلاث ماشه).

وفی حاشية المشكوة (۲۷۷/۲): مهر أزواج مطهرات وجمله صاحبزادیاں ۵۰۰ درهم است.

وفی مرقاة المفاتیح (۲۳۶/۶): فإن قلت: فیه عن المغالاة مخالف لقوله تعالى وآتیتم إحداهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئا (النساء) قلت: النص يدل على الجواز لا على الأفضلية والكلام فيها لا فيه لكن ورد في بعض الروايات أنه قال لا تزيدوا في مهور النساء على أربعين أوقية فمن زاد ألقىت الزيادة في بيت المال فقالت امرأة ما ذلك لك قال ولم قلت لأن الله يقول وآتیتم إحداهن قنطارا فقال عمر رضي الله عنه امرأة أصابت ورجل أخطأ.

وفی الشامیة (۲۹۶/۲): قوله (والدينار) أي الذي هو المثلقال كما في الزيلعي وغيره قال في الفتح و الظاهر أن المثلقال اسم للمقدار المقدر به والدينار اسم للمقدر به بقيد ذهبته اهـ وحاصله أن الدينار اسم للقطعة من الذهب المضروبة المقدرة بالمثلقال فاتحادهما من حيث الوزن.

## (۵۵۲) شرع محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہے؟

### سؤال

مفتی صاحب! میری شادی آج سے ۳۵ سال قبل ہوئی نکاح میں ساس نے مہر شرعی محمدی لکھوایا تھا۔ ان کا خیال ساڑھے بتیس روپے تھا۔ میں اپنی بیوی کا مہر نہیں دے سکا ہوں۔ اب دینا چاہتا ہوں۔ آپ حضرات راہنمائی فرمائیں مجھے کتنا مہر دینا ہوگا نیز شرع محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہوتا ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

شرع محمدی سے عموماً مہر فاطمی مراد ہوتا ہے جس کی مقدار حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمۃ نے جواہر الفقہ (۱/۲۲۳) پر ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی [یعنی 131.25 تولہ چاندی، کیونکہ ایک تولہ میں 12 ماشہ ہوتے ہیں] بیان کی ہے۔ اگر آپ نے شرع محمدی مہر رکھا ہو، اور اس وقت شرع محمدی سے مہر فاطمی ہی مراد لیا جاتا ہو تو آپ کو ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی یا اس کی رقم بطور مہر دینا ہوگی۔ 32 روپے دینا جائز نہیں۔

دوسرے بعض علاقوں میں شرع محمدی سے مراد مہر کی کم از کم مقدار یعنی دس درہم (جو کہ 2.625 تولہ چاندی کے بقدر ہوتے ہیں) مراد ہوتی ہے اگر اس معنی میں شرع محمدی مہر رکھوایا ہو تو آپ کو 2.625 تولہ چاندی یا اس کے بقدر رقم بیوی کو بطور مہر دینا ہوگی۔

لہذا آپ کی شادی کے وقت اگر مہر کی کم از کم مقدار یعنی 2.625 تولہ چاندی کی رقم ساڑھے بتیس روپے بنتے ہوں تو ابھی ادائیگی کے وقت 2.625 تولہ چاندی یا اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی اور اگر آپ کے عرف میں ساڑھے بتیس روپے کو ہی مطلقاً شرع محمدی کہا جاتا ہو تو یہ عرف درست نہیں کیونکہ شرع محمدی میں یا تو مہر فاطمی سنت ہے یا دس درہم اقل مہر ہے اس کے علاوہ کوئی مقدار شریعت

کے کیونکہ ایک درہم 25.2 رتی کے برابر ہوتا ہے اور ایک ماشہ میں آٹھ رتیاں ہوتی ہیں لہذا ایک درہم میں 3.15 ماشہ ہوں گے۔

$$25.2 \text{ (ایک درہم میں رتی)} \div 8 \text{ (ایک ماشہ میں رتی)} = 3.15 \text{ (ایک درہم میں ماشہ)}$$

اور ایک تولہ بارہ ماشہ کا ہوتا ہے لہذا ایک درہم 0.2625 تولے کا ہوگا۔

$$3.15 \text{ (ایک درہم میں ماشہ)} \div 12 \text{ (ایک تولہ میں ماشہ)} = 0.2625 \text{ (ایک درہم میں تولہ)}$$

اسے 10 سے ضرب دیا تو معلوم ہوا کہ دس درہم 2.625 تولے کے ہوتے ہیں۔

$$0.2625 \text{ (ایک درہم میں تولہ)} \times 10 \text{ (درہم)} = 2.625 \text{ (دس درہم میں تولے)}$$

گویا مہر کی کم از کم مقدار 2.625 تولہ چاندی (دس درہم) ہے۔ اسی طرح مہر فاطمی کی مقدار بھی معلوم کی جاسکتی ہے مہر فاطمی راجح قول کے مطابق 500 درہم تھا، لہذا ایک درہم میں تولہ کی جو مقدار (0.2625) نکلی ہے اسے 500 سے ضرب دیا تو معلوم ہوا کہ مہر فاطمی (131.25 تولہ چاندی) تھا۔

$$0.2625 \text{ (ایک درہم میں تولہ)} \times 500 \text{ (درہم)} = 131.25 \text{ (500 درہم میں تولے)}$$

اوزان کی مزید تفصیلات اور تمام متعلقات کو جاننے کیلئے نجم الفتاویٰ، جلد ثالث، کتاب الزکوٰۃ "فصل فی المسائل المتفرقة" کے ذیل میں ذکر مسائل ملاحظہ ہوں۔ اوزان کی مکمل و مدلل تفصیلات اس مقام پر کردی گئی ہیں۔ از مرتب فرمان حسن عفی عنہ

میں متعین نہیں اس صورت میں بھی دس درہم کی قیمت مہر دینا ہوگی۔

نیز اگر آپ اس وقت مہر میں ساڑھے بتیس روپے کی صراحت کر دیتے اور یہ ساڑھے بتیس روپے اس وقت کے مہر کی کم از کم مقدار یعنی 2.625 تولہ چاندی کی رقم کے برابر یا اس سے زیادہ ہوتے تو آپ کو اب بھی ساڑھے بتیس روپے ہی دینا ہوتے لیکن آپ نے صرف شرع محمدی لکھا ہے لہذا آپ کو مہر فاطمی یا مہر کی کم از کم مقدار (جو بھی اس وقت عرفاً مراد ہو) کا مہر دینا ضروری ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بہتر صورت مہر رکھنے کی یہ ہے کہ اس طرح مبہم مہر رکھنے کے بجائے وضاحت کے ساتھ اس کی رقم بھی مستقل طے کر لی جائے یا سونا چاندی وغیرہ کو تولوں کے حساب سے معین کر کے مہر مقرر کر لیا جائے تاکہ بعد میں کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آج کل مہر کی کم از کم مقدار (2.625 تولہ چاندی) کا نرخ 32 روپے سے کہیں زیادہ ہے لہذا آپ کیلئے 2.625 تولہ چاندی کی موجودہ رقم سے کم کا مہر میں اداء کرنا جائز نہیں۔

لمافی اعلاء السنن (ص ۸۱): عن جابر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: ولا مہر اقل من عشرة۔

وفی جامع الترمذی (۲۱۱/۱): عن أبي العجفاء السلمي قال قال عمر بن الخطاب ألا تغالوا صدقة النساء فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا أو تقوى عند الله لكان أولاكم بها نبی الله صلی الله علیہ وسلم ما علمت رسول الله صلی الله علیہ وسلم نكح شیئا من نسائه ولا أنكح شیئا من بناته علی أكثر من ثنتی عشرة أوقیة۔

## (۵۵۳) نکاح کے بعد زوجین کا آپس میں مہر متعین کرنا

### سوال

زوجین کے درمیان عقد نکاح میں مہر مقرر نہیں ہوا اور نہ کسی نے عقد نکاح میں اس کا ذکر کیا اور نکاح کے بعد بیوی مطالبہ کرتی ہے کہ مجھے صرف پچیس ہزار روپے دیدو تو کیا اس طرح مہر مقرر کرنا نکاح کے بعد درست ہے؟ اور اگر مذکورہ رقم مہر مثل سے زیادہ ہو تو پھر کیا حکم ہے؟ برائے کرم قرآن و سنت کی رو سے جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوجاب

اگر بوقت عقد نکاح مہر مقرر نہ ہوا ہو تو شرعاً مہر مثل کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور عقد نکاح کے بعد اگر زوجین اتفاق رائے سے کوئی مقدار مقرر کرنا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہے البتہ اگر مقدار کی تعیین میں زوجین کا اختلاف ہو جائے تو مہر مثل کو معیار و فیصل بنایا جائے گا لہذا صورت مسئلہ میں جب بوقت عقد مہر مقرر نہیں ہوا تو اب اگر بیوی پچیس ہزار کا مطالبہ کرتی ہے تو یہ رقم اگر مہر مثل

کے برابر یا اس سے کم ہے تو شوہر کے ذمہ ادا کرنا لازم ہے اور اگر مہر مثل سے زائد ہے تو شوہر کی رضامندی پر موقوف ہوگا، خوشی سے دیدے تو ٹھیک ہے ورنہ فقط مہر مثل ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ۴): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً۔

وفی البحر الرائق (۳/۲۶۰): باب المہر: قوله (وما فرض بعد العقد أو زید لا یتنصف) أي بالطلاق قبل الدخول أما ما فرض بعد العقد فلأن هذا الفرض تعیین للواجب بالعقد وهو مہر المثل بدلیل أنه لا شفعة للشفیع لو فرض لها دارا بعد العقد بخلاف ما لو دفع لها الدار بدلا عن المسمی فی العقد فإن له الشفعة لأنه بیع بدلیل أنها لو طلقت قبل الدخول ترد نصف المسمی لا نصف الدار وذلك لا یتنصف فكذا ما نزل منزلته۔

وفی الشامیة (۳/۱۰۸): قوله (إذا لم یراضیا) أي بعد العقد قوله (والا) بأن تراضیا علی شیء فهو الواجب بالوطء أو الموت۔

وفیه أيضاً (۳/۱۳۷): مطلب فی بیان مہر المثل: قلت وتظهر الشمرة فیما لو ساوتها أختها و بنت عمها مثلاً فی الصفات المذكورة واختلف مہراهما فعلی ما فی الخلاصة تحتہر الأخت۔

## (۵۵۳) مہر اور دیگر گفٹ عورت کا حق ہیں

### سوال

میرے ایک بھائی کا انتقال ہوا۔ مرحوم کی اہلیہ کے پاس ایک جہیز کا سامان ہے اور دوسرا وہ ہے جو اس کے مرحوم شوہر نے کچھ استعمال کیلئے لاکر دیا تھا اور کچھ سامان ہمارے گھر والوں نے دیا تھا اسی طرح مہر بھی دیا گیا تھا تو اب مندرجہ بالا سامانوں کا کیا کیا جائے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

مرحوم کی اہلیہ (بیوہ) کے پاس جو جہیز ہے اور دیگر سامان جو کہ آپ (سسرال والوں) نے اور جو مرحوم نے بطور مہر دیا تھا وہ سب اس کا ہوگا۔ اگر وہ اپنے ساتھ یہ سب لے جانا چاہے تو چونکہ یہ اس کا حق ہے لہذا لے جاسکتی ہے اور اگر اپنی رضامندی سے سب یا کچھ سامان اپنے سسرال میں چھوڑ کر جانا چاہتی ہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ مگر طیب نفس کا ضرور خیال رکھا جائے نیز یہ کہ مرحوم نے جو سامان گھر میں استعمال کیلئے لاکر دیا تھا اور بوقت انتقال مرحوم کی ملکیت میں تھا تو وہ بھی مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوگا لہذا مرحوم کے ترکہ میں سے بیوی کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا اگر بوقت انتقال مرحوم کی اولاد موجود ہو ورنہ ربح (چوتھائی حصہ) ملے گا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۲۴): **فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً**۔ الآیة۔  
 وفی عمدة القاری (۱۳۸/۱۳): (باب ہبۃ الرجل لامراته والمرأة لزوجها) أي هذا باب فی بیان  
 حکم ہبۃ الرجل لامراته وحکم ہبۃ المرأة لزوجها وحکمها أنه يجوز فإذا جاز هل لأحدهما  
 أن یرجع علی الآخر فلا يجوز۔

وفی الدر المختار (۱۵۶/۲): (جهاز ابنته ثم ادعی أن ما دفعه لها عارية وقالت هو تمليك أو قال  
 الزوج ذلك بعد موتها ليرث منه وقال الأب) أو ورثته بعد موته (عارية ف) المتعمد أن  
 (القول للزوج ولها إذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية و) أما (إن  
 مشتركا) كمصر والشام (فالقول للأب)۔

وفی الرد تحتہ: مطلب فی دعوی الأب أن الجهاز عارية: والعادة الفاشية الغالبة فی أشرف الناس  
 وأوساطهم دفع ما زاد علی المهر من الجهاز تمليكا سوى ما يكون علی الزوجة ليلة الزفاف من  
 الحلبي والثياب فإن الكثير منه أو الأكثر عارية۔

## (۵۵۵) عورت کو صرف مقرر کردہ مہر کے مطالبے کا حق ہے

### سؤال

ایک شخص نے اپنی بیوی کا پچاس ہزار مہر مقرر کیا تھا۔ شادی کے پانچ سال بعد بیوی نے کہا کہ مجھے مہر کے بجائے ایک پلاٹ  
 دو۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا عورت رقم کے بجائے کسی دوسری چیز کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

عورت کا مہر کی رقم کے بجائے پلاٹ کا مطالبہ کرنا درست نہیں، شوہر کے ذمے وہی مہر واجب ہے جو عقد نکاح کے وقت طے  
 ہوا تھا البتہ شوہر اپنی رضامندی سے بیوی کے مطالبہ پر مہر کے بجائے پلاٹ دیدے تو درست ہے۔

لما فی المصنف لابن ابی شیبہ (۳۸۲/۳): حدثنا حفص بن غیاث عن عمرو عن الحسن قال: ما تراضی  
 علیہ الزوج والمرأة من شیء فهو مهر۔

وفی خلاصة الفتاوی (۳۶/۲): ولو كتب خط المهر مائة دينار والعقد بالدرهم يجب الدرهم  
 ولا يجب الدنانير بالخط۔

وفی الہندیۃ (۳۰۳/۱): ثم الأصل فی التسمیة أنها إن صحت وتقررت يجب المسمى ثم ینظر إن

كان المسمى عشرة فصاعدا فليس لها إلا ذلك۔

## (۵۵۶) مہر معجل اور مؤجل کی تعریف

### سوال

مہر معجل یا مہر مؤجل کسے کہا جاتا ہے اگر مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کی تعیین نہ کی جائے تو پھر شوہر پر کس وقت اس کی ادائیگی واجب ہوگی؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر معجل: اس مہر کو کہا جاتا ہے جسے فی الفور ادا کرنا قرار پائے۔ مہر معجل کی جو بھی رقم طے ہو اس کی ادائیگی سے قبل بیوی شوہر کو بہستری سے منع کر سکتی ہے بہر حال مہر معجل کافی الفور اداء کرنا ضروری ہوتا ہے۔  
مہر مؤجل: مہر مؤجل کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ کوئی خاص مدت متعین کر دی جائے مثلاً ۵ سال بعد مہر دوں گا تو یہ مہر مؤجل کہلائے گا اور اس مدت کے آنے سے قبل بیوی کو مطالبہ مہر کا حق نہیں۔

(۲) دوسری صورت مہر مؤجل کی یہ ہے کہ عقد کے وقت کوئی خاص مدت متعین نہ کی جائے اس صورت میں بھی مہر مؤجل شمار ہوگا اور اس کی مدت خود ہی فرقت (طلاق یا موت) شمار ہوگی اور بوقت طلاق یا میاں بیوی میں سے ایک کی موت کے وقت اس مہر کی ادائیگی لازم ہو جائے گی البتہ اس صورت میں اگر کچھ رقم فی الفور دینے کا عرف ہو تو وہ رقم فی الفور ادا کرنا ضروری ہوگی بقیہ رقم موت یا طلاق پر لازم ہوگی۔ ہمارا عرف فی الفور ادائیگی کا نہیں۔

لمافی الہندیۃ (۲۱۸/۱): لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت ألا يرى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم ينص على غاية معلومة كذا في المحيط وبالطلاق الرجعي يتعجل المؤجل۔

وفي الدر المختار (۱۳۳/۲): (ولها منعه من الوطاء) دواعيه۔۔۔ (لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفاً) به يفتى لأن المعروف كالمشروط. (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالاً غاية إلا التأجيل لطلاق أو موت فيصح للعرف بزازية۔

## (۵۵۷) جس مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کی صراحت نہ ہو

## سوال

ایک عورت عالیہ بیگم کا مہر ۳۰ ہزار روپے طے ہوا لیکن بوقت نکاح یہ صراحت نہیں کی گئی کہ یہ مہر معجل ہے یا مؤجل۔ یعنی فوری ادا کرنا ہے یا بعد میں۔ اب عالیہ خاتون کو مہر کے مطالبے کا حق ہے یا انہیں مہر مثل ملے گا؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

اگر نکاح میں بوقت عقد مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کی تصریح نہ کی جائے تو یہ بھی مہر مؤجل کہلاتا ہے اور عرف میں مشہور ہونے کی وجہ سے خود ہی اس کی مدت موت یا طلاق ہوتی ہے اس سے قبل بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق نہیں البتہ اگر کہیں کچھ رقم معجل دینے کا عرف ہو تو اتنی رقم فی الفور معجل ادا کرنا ہوگی باقی رقم موت یا طلاق پر مؤجل ہوگی۔

لمافی فتح القدير (۳/۳۷۰): وإن لم يشترط تعجيل شيء بل سكتوا عن تعجيله وتأجيله فإن كان عرف في تعجيل بعضه وتأخير باقيه إلى الموت أو الميسرة أو الطلاق فليس لها أن تحتبس إلا إلى تسليم ذلك القدر -- فما وقع في غاية البيان من إطلاق قوله فإن كان يعني المهر بشرط التعجيل أو مسكوتا عنه يجب حالا ولها أن تمنع نفسها حتى يعطيها المهر ليس بواقع بل المعتبر في المسكوت العرف۔

وفي الهندية (۱/۳۱۸): لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت ألا يرى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم ينص على غاية معلومة كذا في المحيط۔

وفي الدر المختار (۳/۱۳۳): (لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى لأن المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة۔



## (۵۵۸) مہر مؤجل میں مدت غیر متعین ہونے کا حکم

## سوال

مفتی صاحب! آجکل لوگ نکاح کے وقت مہر مؤجل مقرر کرتے ہیں جو کہ لڑکی کو تالاق یا تا عمر نہیں ملتا۔ آجکل بعض لوگ مہر مؤجل اسی لئے مقرر کرتے ہیں تاکہ مہر ادا کرنے سے بچ جائیں کیونکہ لڑکی شرم یا طلاق کے خوف سے مطالبہ نہیں کرتی اور اس کو مہر نہیں دیا جاتا۔ براہ مہربانی مہر مؤجل کی کوئی حد وغیرہ بتائیں تاکہ لڑکیوں کو ان کا حق مل سکے اور شریر لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

مہر بیوی کا حق ہے جو شوہر پر لازم ہوتا ہے اگر شوہر اس کو ادا نہیں کرے گا تو وہ ظلم کرنے والا ہوگا۔ مہر مؤجل مقرر کیا جائے یا معجل، شرعاً دونوں طرح درست ہے۔ مہر مؤجل کی کوئی حد شرعاً متعین نہیں، باہمی رضامندی سے عقد نکاح کے وقت، جو حد مقرر کی جائے درست ہے جب وہ مدت گزر جائے تو شوہر کو چاہیے کہ مہر ادا کر دے اور اگر مہر مؤجل تو رکھا گیا لیکن اس کی کوئی مدت عقد نکاح میں متعین نہیں کی گئی تو اس صورت میں اس کی حد فرقت (جدائی) زوجین ہوگی خواہ فرقت موت کے ذریعہ سے ہو یا طلاق وغیرہ کے ذریعہ سے۔ باقی جس آدمی سے خطرہ ہو کہ یہ مہر ادا نہیں کرے گا اس کیلئے یہی صورت ہے کہ مہر معجل مقرر کیا جائے یا مؤجل کی کوئی حد عقد نکاح میں مقرر کر دی جائے۔

لمافی الہندیۃ (۲۱۸/۱): ولو قال نصفه معجل ونصفه مؤجل كما جرت العادة في ديارنا ولم يذكر الوقت للمؤجل اختلف المشايخ فيه قال بعضهم لا يجوز الأجل ويجب حالا وقال بعضهم يجوز ويقع ذلك على وقت وقوع الفرقة بالموت أو بالطلاق وروى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى ما يؤيد هذا القول كذا في البدائع لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت ألا يرى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم ينص على غاية معلومة كذا في المحيط۔

وفي الدر المختار (۱۲۲/۳): (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفاً) به يفتى لأن المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية إلا التأجيل لطلاق أو موت فيصح للعرف بزانية۔ وفي الرد تحتہ: قوله (فكما شرطاً) جواب شرط محذوف تقديره فإن أجل كله أو عجل كله۔

وفي الفقه الاسلامي وأدلته (٦٤٨٩/٩): وأخذ القانون السوري بمذهب الحنفية، فنص على ما يلي:  
(م 55): يجوز تعجيل المهر أو تأجيله كلاً أو بعضاً، وعند عدم النص يتبع العرف.  
(م 56): التأجيل في المهر ينصرف إلى حين البيّنونة أو الوفاة، ما لم ينص في العقد على أجل آخر.

## رسالة

## الجواب المفصل

## لمن

## سئل عن تعيين مدة المهر المؤجل

مهر مؤجل بتعيين مدت اور مهر مسکوت عنه میں مدت ادائیگی

موت ہوگی یا طلاق یا معجلہ ادائیگی ضروری ہوگی؟

مسئلہ ہذا میں مہر کی صورتیں، ان میں فرق کی تشخیص، ہر صورت سے متعلق صریح فقہی عبارات،

دیگر اردو فتاویٰ میں پایا جانے والا تعارض

محیط، بدائع، حندیہ اور شامیہ کے صریح حوالہ جات کی روشنی میں مہر مؤجل بتعیین مدت

اور مهر مسکوت عنه سے متعلق ایک نادر اور مکمل تحقیقی فتویٰ

## (۵۵۹) مہر مؤجل کے مصداق کے تعین سے متعلق تفصیلی فتویٰ

### سؤال

مفتی صاحب! مجھے ایک اہم مسئلے سے متعلق استفتاء کرنا ہے ایک عزیز نے مہر مؤجل پچیس ہزار پر نکاح کر لیا کسی نے انہیں بتایا کہ فی الفور دینا ہوگا۔ انہیں حیرت ہوئی وہ تو تاخیر کا ارادہ کئے بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا میں چونکہ عالم ہوں لیکن افتاء نہیں کیا ہوا البتہ فقہی کتب اور اردو فتاویٰ جات میرے پاس ہیں، میں نے ان میں مراجعت کی تو مجھے شدید اضطراب معلوم ہوا۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں تو موت یا طلاق تک ادائیگی تحریر تھی لیکن خیر الفتاویٰ میں عرف کے اعتبار سے دینے کا لکھا تھا، کفایت المفتی میں سب رقم فی الفور دینے کا لکھا تھا، کتاب الفتاویٰ نام کے فتاویٰ میں لکھا تھا کہ شوہر اداء کے موقف میں ہو تو اداء کرنا ہوگا ورنہ نہیں الغرض جو کتاب کھولتا تو اس میں کچھ لگ لکھا ہوتا۔ میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ آپ کو اسی سلسلے میں زحمت دے رہا ہوں۔

آج کے دور میں تحقیق طلب مسائل پر بحث کرنا مشکل ہے بالخصوص آپ جیسے مصروف حضرات کے لئے لیکن مسئلہ کچھ عجیب نوعیت کا ہے، فقہی عبارات بھی بندہ سمجھ نہیں پا رہا، کیا کسی ایک فتویٰ کو اپنے ذوق کے اعتبار سے ترجیح دی جاسکتی ہے؟ یہ دوسرے کی گستاخی تو نہیں؟ ترجیح کا کیا معیار ہے؟ نیز مسئلہ ہذا میں مفتی بہ کیا ہے اور مختلف فتاویٰ میں یہ شدید اختلاف کیوں واقع ہوا ہے؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مسئلہ ہذا میں کافی نتیجہ و تفصیل کے بعد احقر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ وہ مہر مؤجل جس میں ادائیگی کی مدت کا تعین نہ ہو مثلاً یوں کہا جائے دس ہزار مہر مؤجل کے عوض نکاح کیا تو ایسے مہر مؤجل بلا تعین مدت میں اگرچہ فقہ حنفی میں دو طرح کے اقوال موجود ہیں لیکن محیط، بدائع اور ہندیہ میں اس قول کی تصحیح کی گئی ہے کہ ایسا مہر موت یا طلاق تک ہوگا کیونکہ موت اور طلاق مدت معلومہ ہیں جبکہ دوسرے قول کا بھی ذکر ہے وہ یہ کہ کل مہر فی الفور دینا ہوگا لیکن اس کی تصحیح کسی نے نہیں کی۔ غایۃ البیان میں بھی دونوں اقوال مسئلہ ہذا میں موجود ہیں لیکن کسی کی ترجیح نقل نہیں۔

نیز مہر کی ایک اور صورت ہے کہ مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کا ذکر ہی نہ ہو مثلاً صرف یوں کہا جائے کہ ”دس ہزار مہر کے عوض نکاح کیا“ اس میں مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کی کوئی تصریح نہیں اس میں محیط، خانہ، فتح القدر، البحر الرائق، ہندیہ، درمختار، طحاوی علی الدر اور شامیہ ان تمام معتبرات میں اس پر فتویٰ نقل ہے کہ اس میں عرفاً معجل رقم معجل دی جائیگی باقی رقم موت یا طلاق پر خود ہی مؤجل ہو

یا کسی مثلاً تین ہزار محجلاً فی الفور دینے کا عرف و رواج ہو تو تین ہزار فی الفور دینے ہوں گے باقی سات ہزار موت یا طلاق تک مؤجل ہوں گے اور اگر عرفاً کوئی رقم دینے کا رواج نہ ہو تو کل مہر موت یا طلاق پر مؤجل ہوگا کیونکہ مؤجل بلا تعیین مدت کی اجل خود ہی موت یا طلاق معین ہے۔

اس دوسری صورت جس میں مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کا ذکر ہی نہ ہو ایک قول تعجیل کل یعنی کل مہر فی الفور دینے کا بھی ہے غایۃ البیان اور عنایۃ شرح الہدایۃ میں لیا گیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں صرف یہی قول ذکر ہے، دوسرا مفتی بہ قول ذکر نہیں کیا گیا غایۃ البیان پر البحر الرائق اور فتح القدر میں استدراک کیا گیا ہے۔ فتح القدر میں تو غایۃ البیان کے اس طرز سے متعلق ”دلیس بواقع یعنی اسکی کوئی حقیقت نہیں تک کے الفاظ ہیں لہذا راجح اور مفتی بہ عرف والا قول ہی ہے کہ عرف میں جتنا محجلاً فی الفور دینا راجح ہو وہ فی راجح مؤجل الی الطلاق اور الموت ہوگا۔

مہر کی پہلی صورت جس میں مہر کے مؤجل ہونے کا ذکر ہو لیکن اجل معین نہ ہو اسے مہر مؤجل بلا تعیین مدت کہتے ہیں اور اس دوسری صورت کو جس میں معجل یا مؤجل ہونے کا ذکر ہی نہ ہو مہر مسکوت عنہ (یعنی تعجیل یا تاخیر کی قید سے خاموش مہر) کہتے ہیں۔ ہماری بحث مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں ہے جس میں محیط، بدائع، ہندیہ نے مؤجل الی الطلاق اور الموت کی تصحیح کی ہے جبکہ دوسرے مہر یعنی مسکوت عنہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کیونکہ یہاں تو معجل یا مؤجل کی ہی تعیین نہیں صرف مہر کہا گیا ہے اس صورت میں بھی محیط، خانہ، فتح المدیر، بحر، ہندیہ، طحاوی، شامیہ میں اسے مفتی بہ قرار دیا گیا ہے کہ فقط عرفاً معجل رقم فی الفور دینا ہوگی باقی رقم مؤجل الی الطلاق اور الموت کی تو یہاں مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں تو بدرجہ اولیٰ کل مہر مؤجل الی الطلاق اور الموت ہوگا اور دونوں صورتوں میں اجل تو خود معلوم ہے اور وہ طلاق یا موت ہے، باقی مہر مؤجل بلا تعیین مدت تو کل کا کل مؤجل الی الطلاق اور الموت ہو جائیگا جبکہ مہر مسکوت عنہ (جس میں معجل یا مؤجل ہونے کا ذکر نہ ہو) میں صرف اتنی رقم معجل دینا ہوگی جس کا عرف ہو (اور اگر عرف نہ ہو تو کچھ بھی محجلاً نہ دینا ہوگا) باقی رقم مؤجل الی طلاق اور الموت ہوگی۔

مذکورہ بالا تصحیح سے معلوم ہوا کہ مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں میں ایک قول تعجیل کل کا ہے جیسا کہ ذکر ہوا لیکن کسی نے اس کی تصحیح نہیں کی بلکہ مہر مسکوت عنہ سے متعلق غایۃ البیان کے فقط تعجیل کے قول کو اختیار کرنے پر استدراکات کئے گئے ہیں نیز عقلاً بھی یہی راجح ہے کیونکہ جب مدت معلوم ہے اور وہ موت یا طلاق ہے تو پھر تعجیل کل کا قول کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

مسئلہ ہذا پر بقدر استطاعت تحقیق کرنے کے بعد احقر پر یہی واضح ہوا جس کا خلاصہ تحریر کر دیا گیا مسئلہ کی تمام صورتیں ان سے متعلقہ کتب فقہ کی عبارات، فقہ حنفی میں موجود اقوال اور متعلقہ اجاث پر انشاء اللہ تعالیٰ بالتفصیل روشنی ڈالیں گے البتہ سر دست علماء پاک و ہند کے فتاویٰ جات اس ذیل میں نقل کئے جا رہے ہیں، ہر فتویٰ کے ساتھ تشریحی نوٹ کے عنوان سے ہم یہ وضاحت کر دیں گے کہ فتویٰ میں مفتی علام نے کس قول کو اختیار فرمایا ہے۔ ان فتاویٰ جات کو ذکر کرنے کے بعد ہم اصل مقصد پر آئیں گے۔

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:

حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اس ذیل میں یہ ہے:

[عنوان: مہر مؤجل یا معجل کے کہتے ہیں]

سوال (۱) مہر معجل یا مؤجل کس کو کہتے ہیں آیا معجل اور مؤجل کے جو لغوی معنی ہے وہی کتب فقہ میں معتبر ہے یا فقہاء نے اپنی اصطلاح میں کوئی دوسرا معنی لے کر فقہ میں استعمال کیا ہے؟

(۲) کسی مرد کا نکاح کسی عورت سے ہو اور اس سے مہر نصف معجل اور نصف مؤجل قرار پایا اور بعد بیس برس نکاح عورت قبل طلاق اور قبل موت احد الزوجین مطالبہ مہر کا کیا یہ مطالبہ عورت کا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۳) کسی مرد کا نکاح کسی عورت سے ہو اور مقدار مہر ذکر کی گئی لیکن معجل اور مؤجل کا کچھ تذکرہ نہیں ہو تو بلا طلاق اور بلا موت احد الزوجین کے عورت کو حق مطالبہ مہر کا حاصل ہے یا نہیں؟

جواب: (۳ تا ۱) مہر معجل یا مؤجل کے جو معنی لغوی ہیں وہی اصطلاح فقہاء میں ہیں جو مہر فی الحال دیا گیا یا فی الحال دینا اس کا قرار پایا معجل ہے اور جس مہر کی کچھ مدت اداء کے لئے مقرر کی گئی یا اعلیٰ التعمین چھوڑا گیا ہو وہ مؤجل ہے اور غیر معین مدت کے لئے مدت موت طلاق ہے پس اگر نصف مہر معجل اور نصف مؤجل ہے تو معجل کا مطالبہ عورت فی الحال کر سکتی ہے اور مؤجل غیر معین کا مطالبہ بدون مفارقت کے یعنی بدون طلاق یا موت کے نہیں ہو سکتا اور تیسرے سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ بلا طلاق یا موت کے مطالبہ مہر کا نہیں ہو سکتا۔

كما في العالمگیریہ :

"لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت -"

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۸ / ۱۸۰)

نوٹ: اس فتویٰ میں سائل نے مہر مؤجل بلا تعین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں سے متعلق سوال کیا ہے، سوال کا دوسرا جز مہر مؤجل بلا تعین مدت اور تیسرا جز مہر مسکوت عنہ سے متعلق ہے اس کے جواب میں حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو مؤجل الی الطلاق اور الموت کر دیا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مسکوت عنہ میں بھی عرف کا اعتبار ذکر نہیں فرمایا۔

## (۲) فتاویٰ محمودیہ

فتاویٰ محمودیہ میں حضرت مفتی محمود گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اس ذیل میں یہ ہے:

[عنوان: رخصتی سے پہلے مطالبہ مہر]

سوال: زید نے بایں شرائط اپنی دختر کا نکاح بکر سے کر دیا کہ پانصد کا زیور، پارچہ اور ایک ہزار پانصد میں دو دکانیں مہر میں تحریر کر کے رجسٹری کرادی، نکاح پڑھا دیا اب دختر کو رخصت نہیں کرتا..... الخ

الجواب: اگر مہر متجمل پر نکاح ہوا تو شرعاً عورت کو حق ہے کہ اپنے نفس کو شوہر کے حوالے نہ کرے اگر کل مہر متجمل ہے تو عورت کو کل مہر کے مطالبے کا حق حاصل ہے، اگر کچھ متجمل ہے اور کچھ مؤجل تو متجمل کے مطالبے کا حق حاصل ہے اگر کل مہر مؤجل ہے تو عورت کا قبل مدت تا جیل مطالبہ کرنا جائز نہیں، اگر وقت نکاح متجمل یا مؤجل کی کوئی تصریح نہ ہوئی تو عرف کا اعتبار ہوگا۔ اگر کل مہر مؤجل ہوتا ہے تو عورت کو مطالبہ کرنا جائز نہیں۔ اگر کل متجمل ہوتا ہے تو تمام کا مطالبہ جائز ہے، اگر بعض متجمل اور بعض مؤجل ہو تو متجمل کا مطالبہ جائز ہے نہ کہ مؤجل کا۔

"إذا زوجت المرأة ولها مهر معلوم كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المهر فإن كان في موضع يعجل البعض ويترك الباقي في الذمة إلى وقت الطلاق أو الموت كما هو عرف ديارنا كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المعجل وهو الذي يقال بالفارسية دست و يیمان وليس لها أن تطالبه بكل المهر فإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلك وإن لم يبينوا شيئاً ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور في العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فيجعل ذلك معجلاً ولا يقدر ذلك بالربع ولا بالخمس وإنما ينظر إلى المتعارف لأن الثابت عرفاً كالثابت شرطاً وإن شرطوا في العقد تعجيل كل المهر تجعل الكل معجلاً ويترك العرف۔"

(فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۸۳)

نوٹ: اس فتوے میں سائل نے طے شدہ مہر کی نوعیت واضح نہیں کی لہذا حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً حکام درج فرمایا دیئے ہیں کہ اگر مہر متجمل ہو تو فی الفور دینا ہوگا، نصف متجمل نصف مؤجل طے ہو تو متجمل کا مطالبہ جائز ہے باقی مؤجل باقی مدت ہے اس کا مطالبہ ابھی نہیں ہو سکتا اور اگر کل مؤجل ہے اور مدت معلوم ہے تو بعد از مدت معلوم مطالبہ کا حق ہوگا، آخری صورت مہر مسکوت عنہ کی ذکر کردی کہ اس میں عرف کا اعتبار ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں اسی ذیل میں ایک فتویٰ اور ہے اسے بھی تحریر کیا جا رہا ہے۔

[عنوان: مہر مؤجل کے مطالبے کا حق]

سوال: باکرہ کے والدین باکرہ کی طرف سے مہر حاصل کرنے کے طالب ہیں وہ بھی از روئے عدالت مجاز، تو کیا اس مطالبے کے بناء پر بکر کے ذمے باکرہ کے والدین کو دینا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر بکر اپنی رضامندی سے نہیں بلکہ غیر شرعی امور کے تحت باکرہ یا اس کے والدین کی طلبی پر از روئے عدالت مجاز طلاق دے تو کیا اس کا تعلق باکرہ سے ہمیشہ کے لئے مانند طلاق بائن منقطع ہو جائے یا نہیں؟ اور کیا باکرہ بعد عدت کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے؟ براہ کرام حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: اگر مہر مؤجل تھا (جس کا مطالبہ طلاق، تفریق، موت پر کیا جاتا ہے) تو ابھی شوہر کے ذمے اس کا اداء کرنا لازم نہیں عدالت میں اس کا دعویٰ کرنا بھی غلط ہے اگر مہر متجل تھا یعنی جب بیوی طلب کرے تو بیوی کو بلا عدالت کے بھی اس کے طلب کرنے کا حق ہے اور اس کی طرف سے اس کے والدین کو بھی مطالبہ کا حق ہے۔

"لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت"

(عالمگیریہ ۳۱۸/۱)

(فتاویٰ محمودیہ جلد ۱۲/۸۵)

نوٹ: اس فتویٰ میں حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل کی تشریح یہی فرمائی ہے کہ جس کا مطالبہ موت یا طلاق پر ہوا ہے پہلے مطالبہ جائز نہ ہو باقی مہر مسکوت عنہ وغیرہ کا اس میں ذکر نہیں۔

(۳) خیر الفتاویٰ:

خیر الفتاویٰ میں اس سلسلہ میں یہ فتویٰ ہے:

[عنوان: جس مہر کے متجل یا مؤجل ہونے کی تصریح نہ کی گئی ہو]

سوال: بعض اوقات نکاح کے وقت مہر تو مقرر کر دیا جاتا ہے مگر یہ تصریح نہیں کی جاتی کہ یہ متجل ہے یا مؤجل، تو ایسے مہر کی ادائیگی خاوند پر کب لازم ہوگی؟

الجواب: جس مہر کے متجل یا مؤجل ہونے کی کوئی تصریح نہ کی جائے وہ عرف پر محمول ہوگا اگر اس کو متجل سمجھتے ہوں تو متجل ہوگا اور اگر وہ عرف میں مؤجل سمجھا جاتا ہو تو مؤجل ہوگا۔

"(ولها منعه من الوطاء والسفر بها ولو بعد وطاء وخلوة رضيتها لأخذ ما بين تعجيله او قدر ما



يعجل لمثلها عرفا) به يفتى لأب المعروف كالمشروط" (الدر المختار ۴/۵۳۳)

(خیر الفتاویٰ جلد ۴/۵۳۳)

نوٹ: خیر الفتاویٰ کے اس فتوے میں سائل نے مہر مسکوت عنہ (جس میں متجمل یا مؤجل ہونے کا ذکر نہ ہو) سے متعلق سوال کیا ہے اور جواب میں عرف کو فیصل قرار دیا گیا ہے۔

(۴) فتاویٰ حقانیہ:

فتاویٰ حقانیہ میں اس سلسلے میں یہ فتویٰ درج ہے:

[عنوان: تا جیل و تعجیل مہر میں عرف کا اعتبار ہے]

سوال: اگر بوقت نکاح مہر کی تا جیل یا تعجیل کا کوئی ذکر نہ ہو تو کیا عورت مہر فوراً لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مہر کی تا جیل و تعجیل کا ذکر بوقت انعقاد نکاح نہ ہو تو اس صورت میں مہر عرف کا تابع ہو کر جتنا مال مؤجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حق مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

"(ولها منعه من الوطاء والسفر بها ولو بعد وطاء وخلوة رضيتهما لأخذ ما بين تعجيله او قدر ما

يعجل لمثلها عرفا وان لم يوجل)۔۔۔ قال المحصفي به يفتى لأب المعروف كالمشروط"

(رد المحتار ۲/۳۸۹، باب المہر)

(فتاویٰ حقانیہ جلد ۴/۳۶۳)

نوٹ: سوال مہر مسکوت عنہ سے متعلق تھا مجیب نے عرف کا اعتبار کیا ہے، باقی جواب کے یہ الفاظ (جتنا مال مؤجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حق مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے) یہاں مؤجل کا لفظ کتابت کی غلطی ہے یہ لفظ متجمل ہونا چاہیے، فتویٰ میں مؤجل مقدار کی ادائیگی کی مدت کا ذکر نہیں لیکن ظاہر ہے کہ وہ موت یا طلاق ہے لہذا ذکر کی ضرورت نہیں۔

(۵) کتاب الفتاویٰ

[عنوان: مہر مؤجل کس طرح اداء کرے]

سوال: مہر مؤجل اداء کرنے کی شرعی مدت کیا ہوتی ہے؟ زید نے آج سے ۲۹ سال پہلے اپنی بیوی سے ۲۵ ہزار روپیہ سکھ رائج الوقت اور پانچ سرخ دینار کے عوض نکاح کیا تھا اور وہی رقم مہر اداء کرنا چاہتا ہے جو ۲۹ سال پہلے مقرر کیا تھا کیا یہ بیوی کے حق میں شرعی حیثیت سے درست ہوگا یا نہیں؟ جب کہ وہ ۲۵ لاکھ سے زیادہ کا مالک ہے شرعی نقطہ نگاہ سے اس مہر کی کیا حیثیت ہے؟ کیا بیوی کو انتظار کروا کر تا حیات یہ مہر اداء کیا جاسکتا ہے؟ نیز سرخ دینار سے کیا مراد ہے؟

الجواب: مہر مؤجل سے ایسا مہر مراد ہے جو فوراً واجب الاداء نہ ہو اگر مہر اداء کرنے کی کوئی مدت عقد کے وقت متعین کی گئی ہو مثلاً پانچ سال یا دو سال وغیرہ تو اس مدت کے اندر مہر اداء کرنا واجب ہے اور اگر کوئی مدت متعین نہیں ہوئی تھی تو جب بیوی مہر کا مطالبہ کرے اور شوہر مہر اداء کرنے کے موقف میں ہو تو مطالبہ کے وقت مہر اداء کر دینا ضروری ہے کیونکہ مہر شوہر کے ذمہ دین ہے اور جب بھی دین والا دین کا مطالبہ کرے اس کا اداء کرنا واجب ہے..... الخ (کتاب الفتاویٰ جلد ۳ / ۳۸۳)

نوٹ: فتوے میں مہر مؤجل بلا تعین مدت (جس میں صرف مہر مؤجل مقرر ہو مدت کی تعین نہ ہو) کو بیوی کے مطالبہ اور شوہر کے اداء کرنے کے موقف میں ہونے پر ادائیگی ضروری قرار دی گئی ہے۔ مجیب کے نزدیک مہر مؤجل، تعین مدت کے ساتھ میں بھی اس مدت معینہ مثلاً دو سال کے اندر اندر مہر اداء کرنا واجب ہے۔

## (۶) کفایت المفتی

کفایت المفتی میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے فتاویٰ اس ذیل میں تحریر فرمائے ہیں ایک فتویٰ یہ ہے:

[عنوان: عورت مہر مؤجل کا مطالبہ کب کر سکتی ہے]

سوال: کیا فاطمہ اپنے مہر مؤجل کو معجل طریقے پر زید سے طلب کرنے کا حق رکھتی ہے جب کہ زید کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی اور فاطمہ اپنے خیال میں سمجھ رہی ہے کہ میں مطلقہ ہو چکی ہوں۔

الجواب: مہر مؤجل جو بلا تعین مدت کے ہو معجل کے حکم میں ہو جاتا ہے اس لئے زوجہ اپنے ایسے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے جو صرف مؤجل بلا تعین مدت کے لکھا گیا ہو۔ (کفایت المفتی جلد ۵ / ۱۱۷)

نوٹ: حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود تو مسئلے کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا البتہ مؤرخ نے حاشیہ پر در مختار کی عبارت تحریر فرمائی ہے: "الا اذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا" یعنی مہر مؤجل کے اداء کی مدت جب جہالت فاحشہ والی متعین کر دی جائے تو مہر فی الفور اداء کرنا واجب ہوگا۔

بہر حال حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کفایت المفتی کے مختلف فتاویٰ میں مہر مؤجل بلا تعین مدت کو مطلقاً معجل قرار دیا ہے حضرت کے نزدیک مہر مؤجل وہی ہے جس میں ادائیگی کی مدت معین ہو صرف مؤجل مقرر کرنا اور مدت کی تعین نہ ہو یہ مہر مؤجل نہیں بلکہ معجل ہی ہے۔

## (۷) امداد الفتاویٰ:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ میں مہر مؤجل بلا تعین مدت سے متعلق جو رائے اختیار

فرمائی ہے وہ کفایت المفتی میں اختیار کی گئی رائے سے قریب ہے۔ امداد الفتاویٰ میں اس ذیل میں یہ تحقیق ہے:

[عنوان: تحقیق مہر مؤجل بالموت]

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں بابت کہ مسکی زید کا نکاح پانچ چھ سال ہوئے مسما ت ہندہ کے ساتھ بعوض دو ہزار دین مہر مؤجل ہوا تھا، مہر کا کوئی جز و پیشگی اداء ہونا بروقت نکاح قرار نہیں پایا تھا بعد نکاح زوجہ ہمیشہ اپنے زوج کے پاس رہی اور اس کے دو تین بچے پیدا ہوئے جو فوت ہو گئے، اب زوجہ بوجہ رنجش باہمی اپنے والدین کے ہاں بلا رضامندی اپنے شوہر کے چلی گئی ہے اور اپنے عزیزوں کے اغواء سے اپنا کل زر مہر طلب کرتی ہے اور شوہر کے یہاں آنے سے انکار ہے، درآنحالیکہ شوہر اس کے بلانے پر رضامند اور اصراری ہے اب تک کسی قسم کی طلاق وغیرہ بھی نہیں ہوئی ہے ایسی صورت میں زوجہ کا زر مہر طلب کرنا شرعاً جائز اور درست ہے یا نہیں؟ زید کی برادری کا رواج مہر مؤجل ہی کا ہے اور آج تک کسی مسما ت کو قبل طلاق شوہر کی حیات میں مہر نہیں اداء کیا گیا اور نہ کسی نے طلب کیا اور نہ ایسا رواج ہے البتہ طلاق بالموت، وفات شوہر مہر کے لین دین کا رواج ہے۔

الجواب: مؤجل وہ ہے جس میں تا جیل شرط ہو اور جس میں کوئی شرط نہ ہو وہ معجل ہے گو تعجیل شرط نہ ہو، پس اگر یہ شرط ٹھہر جائے کہ طلاق یا موت تک کی مہلت ہے تب تو مؤجل ہوگا اور اگر یہ شرط نہیں ٹھہری گو یہ بھی نہیں کہ پہلے ہی لیس گے تو وہ معجل ہی ہوگا غالباً سائل نے جیسا کہ طرز عبارت سے معلوم ہوتا ہے تعجیل کی شرط نہ ٹھہرانے سے مہر کو مؤجل سمجھ لیا ہے سو یہ صحیح نہیں ہے اور فقہاء نے جو تا جیل بالطلاق و الموت کو جائز کہا ہے معنی اس کے یہی ہے کہ اس طرح تا جیل کی شرط ٹھہر جاوے اور اگر شبہ ہو کہ واقعی تا جیل شرط ہی سے ہوتی ہے مگر عرف بمنزلہ شرط ہی کے ہے اور سوال میں تصریح ہے کہ ہندہ کا فعل خلاف رواج ہے پس عرف سے مؤجل بالطلاق و الموت ہو جانا چاہئے جیسا کہ شرط سے ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ اس کا عرف علی الاطلاق ہونا غیر مسلم ہے یہ عرف اسی وقت تک ہے جب تک باہم موافق رہے ورنہ رنجش میں مطالبہ کا بھی عرف ہے پس میرے نزدیک شرعاً ہندہ کو استحقاق مطالبہ مہر کا حاصل ہے۔

(امداد الفتاویٰ جلد ۲ / ۳۱۷)

نوٹ: حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر مؤجل صرف وہی ہے جس میں تا جیل شرط ہو باقی سب معجل ہے، چاہے مہر مؤجل بلا تعیین مدت ہو یا مہر مسکوت عنہ، یہ سب معجل فی الفور اداء کرنے ہونگے۔ باقی تا جیل الی الطلاق و الموت کے جواز کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صرف شرطاً تا جیل الی الطلاق و الموت مؤجل ہونا قرار دیا ہے یعنی یہ شرط ٹھہر جائے کہ مہر مسکوت، یا طلاق تک مؤجل ہے تب تو یہ دونوں مدت ہوں گی بصورت دیگر مہر بہر صورت معجل ہوگا۔

(۸) احسن الفتاویٰ

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کا فتویٰ اس ذیل میں یہ ہے:

[عنوان: مہر غیر مؤجل میں حق مطالبہ کی تفصیل]

سوال: زید نے مثلاً زینب سے ایک سوا شرنی طلاء کے عوض عقد نکاح کیا ان میں سے چالیس اشرفی محبلاً اداء کر دیں، بقیہ

ساتھ اشرفی کے بارے میں صرف یہ کہا کہ ان میں سے تیس کی نقرہ اور تیس اشرفی طلائی کی دو ٹکا اور ادائیگی کا کوئی وقت خاص نہیں بتایا صرف یہ کہا کہ آئندہ اداء کرونگا اتفاقاً چند ماہ کے بعد زوجین میں ناراضگی پیدا ہوگئی زوجہ اپنے میکے چلی گئی۔ خاوند نے جب واپس بلایا تو وہ کہنے لگی کہ بقیہ ساٹھ اشرفی ابھی اداء کرو گے تو ساتھ آؤنگی ورنہ نہیں، تو کیا شرعاً زینب کو بقیہ مہر طلب کرنے کا حق حاصل ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں امداد الفتاویٰ میں دو مقامات پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کا قول فرمایا ہے جبکہ فتاویٰ ہندیہ اور بدائع میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اگر بقیہ مہر کے لئے وقت خاص برائے ادائیگی مہر مقرر نہیں کیا تو موت یا طلاق کے صورت میں مطالبہ کر سکتی ہے اس سے قبل نہیں، چونکہ وقت معین نہ کرنے کے صورت میں باب النکاح کے اندر وقت خود بخود معلوم ہے ورنہ وہ تفریق الزوجین بصورت طلاق یا موت ہے اسی قول کو صاحب محیط نے اختیار فرما کر "وهو الصحيح" فرمایا ہے۔ جواب سے تشفی فرمائیں۔ بیوا تو جروا۔

الجواب: بدائع اور ہندیہ میں اختلاف لکھا ہے اور علائقہ اور شامیہ میں صرف حق مطالبہ تحریر ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی راجح ہے اس لئے امداد الفتاویٰ میں اس پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ عرف التاجیل الی الموت او الطلاق کا جواب بھی امداد الفتاویٰ میں موجود ہے کہ یہ عرف حالت مرضات میں ہے حالت مخالفت میں موت و طلاق سے قبل ہی مطالبے کا عرف ہے۔

"ولها منعه من الوطاء (الی قوله) إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالاً غايةً وفي الشامية: "قال في البحر فإن كانت جهالة متقاربة كالحصاد والدياس ونحوه فهو كالمعلوم على الصحيح كما في الظهيرية بخلاف البيع فإنه لا يجوز بهذا الشرط وإن كانت متفاحشة كإلى الميسرة أو إلى هبوب الريح أو أن تمطر السماء فالأجل لا يثبت ويجب المهر حالاً كذا في غاية البيان"

(رد المحتار ۲/۳۸۹)

(احسن الفتاویٰ جلد ۵ / ۳۳)

نوٹ: حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع اور ہندیہ میں مذکور اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد شامیہ کے حوالہ سے مہر مؤجل میں حق مطالبہ کو ترجیح دی ہے نیز امداد الفتاویٰ کی تحقیق کو لیا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اسی سے متصل ایک اور فتویٰ یہ ہے:

[عنوان: سوال مثل بالا]

سوال: ایک عورت کا مہر نصف مؤجل اور نصف مؤجل مقرر ہوا، مؤجل کی کوئی مدت معین نہیں کی گئی، نصف مؤجل بروقت اداء کر دیا گیا بیوی شوہر کے گھر آباد ہوگئی۔ کچھ عرصے کے بعد بیوی نے نصف مؤجل کا مطالبہ کیا، شوہر کے اداء نہ کرنے پر میکے چلی گئی۔ کیا عورت کو اس کا اختیار ہے؟ اور اس صورت میں بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب: جہاں تا جیل مجہول سے تا جیل بالطلاق او الموت کا عرف ہو وہاں زوجہ کو منع نفس کا اختیار نہیں اور جہاں یہ عرف نہ

ہو ہاں تا جیل مجہول بحکم تعجیل ہے لہذا زوجہ کو حق منع ہے۔ تا جیل بالطلاق او الموت معروف ہونے کی صورت میں بھی غیر مؤجل میں مشاجرہ کے مواقع میں مطالبہ مہر معروف ہے لہذا حالت مشاجرہ میں عورت کو حق منع حاصل ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ جلد ۵ ص ۳۴)

نوٹ: اس دوسرے فتویٰ میں حضرت مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں اولاً عرف اور پھر عند الخاصہ مطالبہ کے حق پر فتویٰ دیا ہے۔

## (۹) فتاویٰ مفتی محمود:

حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اس ذیل میں یہ ہے:

[عنوان: مہر متجل اور غیر متجل میں کیا فرق ہے؟ مہر غیر متجل کب وصول کیا جائے؟]

سوال: (۱) حق مہر متجل اور غیر متجل میں کیا فرق ہے؟ وضاحت کریں۔

(۲) ایک عورت کا کل حق مہر دس ہزار ہے بوقت سر میل دو ہزار روپے متجل ادا کیا جاتا ہے اور باقی آٹھ ہزار غیر متجل کے لئے دو ماہ کی مدت مانگی جاتی ہے وضاحت کریں کہ بقایا آٹھ ہزار غیر متجل مدت مقرر گزرنے کے بعد کیسے اور کس صورت میں حاصل کر سکتی ہے؟

جواب: مہر متجل اور غیر متجل (مؤجل) کے جو لغوی معنی ہیں وہی اصطلاح فقہاء میں ہیں۔ جو مہر نکاح کے وقت فی الفور دیا گیا یا فی الحال دینا قرار پائے یعنی اس میں مدت کی شرط نہ ٹھہری گویا یہ بھی نہیں ٹھہرا کہ پہلے لیں گے تو یہ متجل ہے اور اس کا حکم ہے کہ عورت فی الحال مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے اور خاوند پر فوری ادائیگی واجب ہو جاتی ہے اور جس مہر کی کچھ مدت اداء کے لئے مقرر کی گئی مثلاً یہ شرط ٹھہر جائے کہ دو ماہ تک مہلت ہے یا مدت کو لاولیٰ تعیین چھوڑا گیا ہو تو یہ غیر متجل ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں اسے مؤجل کہتے ہیں اور غیر معین مدت کے لئے مدت موت یا طلاق ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ مدت مقررہ نہ گزرے عورت یا اس کے ورثہ مہر کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

"لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى

غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة

(عالمگیریہ ۱/۳۱۸)

في نفسها وهو الطلاق أو الموت"

(۲) مدت مقررہ دو ماہ گزرنے کے بعد خاوند کے ذمے یکمشت آٹھ ہزار کی ادائیگی واجب ہے، اگر زوجین اقساط کے ساتھ

ادائیگی پر رضامند ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے اگر خاوند باہمی مصالحت سے مہر کی ادائیگی نہیں کرتا تو عورت وصولی مہر کے لئے عدالت کی

طرف رجوع کرے۔ (فتاویٰ مفتی محمود جلد ۵ ص ۳۳۰)

نوٹ: حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے فتوے میں مہر متجل اور مسکوت عنہ (جس میں متجل یا مؤجل کی تصریح نہ ہو) کو فی الفور

اداء کرنا ضروری قرار دیا ہے جبکہ مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور بتعیین مدت دونوں کو مؤجل قرار دیا ہے، بلا تعیین مدت کی مدت طلاق یا موت

ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔

یہاں تک تو معروف فتاویٰ جات میں سے جن میں احقر کو یہ مسئلہ ملا ان کا ذکر مع تشریحی نوٹ کے تھا۔ ان فتاویٰ میں مختلف آراء اختیار کی گئی ہیں۔ تنقیح مسئلہ سے متعلق کچھ وضاحت ہمارے جواب کے ابتداء میں آگئی ہے لیکن مسئلے کی نوعیت کو صحیح طرح سمجھنے کے لئے مسئلے کی مختلف صورتیں اور مختلف فیہ صورت کا تعین ضروری ہے، کیونکہ بعض اردو فتاویٰ میں تعین صورت میں اشتباہ واقع ہو گیا ہے۔ اولاً مسئلے کی صورتیں تحریر کی جا رہی ہیں۔

مہر کی صورتیں:

مہر یا تو متعجل ہوگا یا مؤجل یا دونوں قیدوں سے خالی ہوگا۔ مہر متعجل تو وہ ہے جسے فی الفور اداء کرنا لازم ہو مثلاً دس ہزار مہر متعجل پر نکاح ہو تو دس ہزار فی الفور اداء کرنا ضروری ہونگے۔

عقلی طور پر مہر مؤجل میں اجل (مدت اداء) کے اعتبار سے چار صورتیں بن سکتی ہیں۔

(۱) اجل معلوم ہو مثلاً ایک مہینے یا ایک سال بعد اداء کرونگا اس کا حکم واضح ہے کہ یہ تا جیل درست ہے اور معینہ مدت سے قبل نہ عورت کو مطالبہ پر اداء کرنا لازم ہے اور نہ اس کی بناء پر عورت شوہر کو بہستری سے منع کر سکتی ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔

"لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح" (الهندية ۱/۱۱۸)

"کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں کہ مہر کو مدت معینہ تک مؤجل کرنا مثلاً ایک مہینے یا ایک سال تک یہ صحیح ہے۔"

"قوله (لأن الصريح الخ) أي يعتبر ما شرطاً وأن تعورف تعجيل البعض لأن الشرط صريح والعرف دلالة والصريح أقوى۔۔۔ وبعد أسطر: لو إلى مدة معينة لا يتعجل بالطلاق"

"(کیونکہ صراحت دلالت سے برتر ہے) یعنی جو شرط قرار پا جائے اس کا اعتبار ہوگا اگرچہ بعض کی تا جیل معروف ہو کیونکہ شرط صریح ہے اور عرف دلالت ہے اور صریح زیادہ قوی ہوتا ہے۔۔۔ چند سطروں بعد فرماتے ہیں اگر مہر معین مدت تک مؤجل ہو تو وہ طلاق سے بھی معجل نہیں ہوتا۔"

(شامیہ جلد ۳ / ۱۲۴)

(۲) اجل مجہول ہو لیکن جہالت یسیرہ ہو مثلاً کھیتی کٹنے تک وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بھی اجل معلوم کی طرح ہے اور شرعاً اس کا اعتبار ہے لہذا ایسی اجل جس میں جہالت یسیرہ ہو اس کا اعتبار ہوگا اور اس مدت کے پورا ہونے پر مہر کا اداء کرنا لازم ہوگا۔

شامیہ میں ہے۔

"قال في البحر فإن كانت جهالة متقاربة كالحصاد والدياس ونحوه فهو كالمعلوم على الصحيح كما في الظهيرية بخلاف البيع فإنه لا يجوز بهذا الشرط"

(شامیہ ۱/۱۲۴)

"بحر میں ہے کہ اگر (مہر کی ادائیگی کی مدت میں) جہالت متقاربہ ہو مثلاً کھٹائی کے وقت یا گاہنے کے وقت ادائیگی طے ہو تو یہ صحیح قول کے مطابق معلوم مدت کی طرح ہے جیسا کہ ظہیر یہ میں ہے، برخلاف بیع کہ وہ ایسی مدت تک ادائیگی کی شرط کے

ساتھ جائز نہیں ہوتی۔“

(۳) اجل مجہول ہو اور جہالت فاحشہ ہو مثلاً ہوا چلنے کے وقت یا بارش برسنے کے وقت ادائیگی طے ہو یہ اجل مجہول جہالت فاحشہ ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ شرعاً اس کا اعتبار نہیں اور مہر فی الفور معجلاً اداء کرنا ہوگا۔  
در مختار میں ہے:

”إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالاً غاية“  
”الا یہ کہ مدت مجہول ہو جہالت فاحشہ کے ساتھ تو پھر حالاً دینا واجب ہوگا“

اس کے تحت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”وان كانت متفاحشة كالى الميسرة أو الى هبوب الريح أو أن تمطر السماء فالأجل لا يثبت  
ويجب المهر حالاً وكذا في غاية البيان اه“  
(شامیہ ۱/۱۳۴)  
”اگر مدت میں جہالت فاحشہ ہو مثلاً کشادگی تک یا ہوا چلنے تک یا آسمان برسنے تک تو مدت ثابت نہ ہوگی اور مہر فی الفور اداء کرنا لازم ہوگا اسی طرح غایۃ البیان میں ہے۔“

مہر مؤجل کی ان تین صورتوں میں کسی کا اختلاف نہیں، پہلی اور دوسری صورت میں جب کہ مدت معلوم ہو یا مدت میں جہالت بسیرہ ہو بالاتفاق مہر کی تاخیر درست ہے اور تیسری صورت میں جب کہ مہر مؤجل کے مدت میں جہالت فاحشہ ہو مہر کا فی الفور اداء کرنا واجب ہے۔ اختلاف فقط چوتھی صورت میں ہے اور وہ یہ ہے۔

(۴) مہر مؤجل کی چوتھی صورت یہ ہے کہ مدت کا ذکر ہی نہ ہو فقط مہر مؤجل کہہ کر نکاح پڑھا دیا جائے۔ مثلاً دس ہزار مہر مؤجل کے عوض نکاح کیا۔ ایسے مہر کو مہر مؤجل بلا تعیین مدت کہتے ہیں کیونکہ پہلی تین صورتوں میں مہر کا ذکر بہر حال موجود تھا لیکن اس صورت میں صرف مؤجل ہونے کا ذکر ہے۔ بعض جگہوں پر اس کی صورت یہ بھی ہے کہ آدھا مہر معجل اور آدھا مؤجل طے کر دیا جاتا ہے اب معجل تو فی الفور دینا ہوگا لیکن نصف مؤجل کی مدت معلوم نہیں ہوتی، یہ نصف بھی مہر مؤجل بلا تعیین مدت ہوتا ہے۔

اس کے بارے میں دو طرح کے اقوال ملتے ہیں، مہر مؤجل کی اس چوتھی صورت کا ذکر محیط، بدائع اور ہندیہ میں ہے۔ وہ دو قول یہ ہیں کہ اس صورت میں کل مہر معجل فی الفور دینا ہوگا اور مؤجل فقط وہ ہے جس میں اجل معین ہو ورنہ معجل ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اجل معلوم ہے اور وہ موت یا طلاق ہے لہذا مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں اجل موت یا طلاق ہوگی۔ اس دوسرے قول کو محیط اور ہندیہ میں صحیح قرار دیا گیا ہے۔

محیط میں ہے:

”وان كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ (فيه). بعضهم قالوا: لا يصح، وبعضهم

قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت“

(المحيط البرهانی ۱۳۹/۲)

غیر معلوم مدت تک کی تا جیل ہو تو اس میں مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ تا جیل درست نہیں اور بعض کہتے ہیں درست ہے اور یہ دوسرا قول صحیح ہے کیونکہ مدت انتہاء خود ہی معلوم ہے اور وہ طلاق یا موت ہے۔ اسی طرح ہندیہ میں ہے:

"ولو قال نصفه معجل ونصفه مؤجل كما جرت العادة في ديارنا ولم يذكر الوقت للمؤجل اختلف المشايخ فيه قال بعضهم لا يجوز الأجل ويجب حالا وقال بعضهم يجوز ويقف ذلك على وقت وقوع الفرقة بالموت أو بالطلاق وروى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى ما يؤيد هذا القول كذا في البدائع لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت"

(الهنديّة ۲۱۸/۱)

"اگر وہ کہے کہ نصف معجل اور نصف مؤجل ہوگا جیسا کہ ہمارے شہروں کا عرف ہے اور مؤجل کی مدت بیان نہ کرے تو مشائخ کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں تا جیل درست نہیں اور حالاً مہر اداء کرنا واجب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تا جیل جائز ہے اور مدت اس کی موت یا طلاق کے ذریعے فرقت ہوگی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک مسئلہ اس کی تائید کرتا ہے، یہی بدائع میں ہے۔ کسی ایک کا اختلاف نہیں کہ مہر کو مدت معلومہ تک مؤجل کرنا صحیح ہے اور اگر مدت معلوم نہ ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ تا جیل صحیح ہے اور یہی قول صحیح ہے یہ اس لئے کیونکہ مدت انتہاء خود ہی معلوم ہے اور وہ طلاق یا موت ہے۔"

غایۃ البیان شرح الہدایہ میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں دونوں طرح کے اقوال ذکر ہیں نیز بدائع الصنائع میں بھی مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں تا جیل الی الطلاق اور الموت والے قول کی ترجیح نقل ہے۔ ان تین کتابوں میں تا جیل الی الطلاق اور الموت کے قول کی تصحیح و ترجیح نقل ہے دوسرے قول (تجیل کل) کی کسی نے تصحیح نہیں کی لہذا مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں مہر کی تا جیل درست ہوگی اور موت یا طلاق سے فرقت کے وقت اس کی ادائیگی واجب ہوگی۔

یہ تو مہر مؤجل کی اجل کے اعتبار سے چار صورتوں کا ذکر تھا۔ ان صورتوں کو ذکر کرنے سے قبل ہم نے تحریر کیا تھا کہ مہر یا تو معجل ہوگا یا مؤجل یا دونوں قیدوں سے خالی ہوگا، معجل تو وہ ہے جسے فی الفور اداء کرنا طے ہو مؤجل کی اجل کے اعتبار سے چار صورتیں بیان ہوئیں۔ اب آخر میں اس مہر کا ذکر بھی ضروری ہے جو تجیل و تا جیل دونوں قیدوں سے خالی ہو۔ مثلاً دس ہزار مہر کے عوض نکاح کیا۔ یہاں مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کا ذکر نہیں اسے فقہاء مہر مسکوت عنہ (یعنی تجیل اور تا جیل کی قید سے خاموش) مہر کہتے ہیں۔

مہر مسکوت عنہ کا حکم کیا ہے تو اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے اور دونوں طرح کے اقوال پائے جاتے ہیں ایک قول تجیل کل کا ہے



جبکہ دوسرے قول کے مطابق عرف کا اعتبار ہے یعنی عرف میں مہر کی جتنی رقم فی الفور دینا رائج ہو اتنی فی الفور دینا ہوگی باقی موت یا طلاق تک مؤجل ہوگی، عنایہ اور غایۃ البیان میں پہلا قول لیا گیا ہے۔  
غایۃ البیان کی عبارت ہے:

"أما إذا كان مؤجلاً ففيه اختلاف بين اصحابنا بيانه أن المهر لا بد من أحد الأمور الثلاثة أما أن يكون بشرط التعجيل أو بشرط التأجيل أو مسكوتاً عنه فإن كان بشرط التعجيل أو مسكوتاً عنه يجب حالاً لأنه عقد معاوضة فيقتضى المساواة من الجانبين وقد تعين حق الرجل في البضع فلا بد من أن يتعين حقها في المهر"

(غایۃ البیان ۱۸/۲، مخطوطہ لیس مطبوع)

"بہر حال مہر مؤجل ہو تو اسمیں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے اس کا بیان یہ ہے کہ بہر تین حال سے خالی نہ ہوگا، بشرط تعجيل ہوگا یا بشرط تأجيل یا مسکوت عنہ ہوگا (یعنی تعجيل و تأجيل کی شرط سے خالی ہو) اگر بشرط تعجيل یا مسکوت عنہ ہو تو اسے فی الحال اداء کرنا لازم ہے کیونکہ نکاح عقد معاوضہ ہے جس کا تقاضہ جائین سے تراوی کا ہے مرد کا حق بضع میں متعین ہو گیا اس لئے ضروری ہے کہ عورت کا حق مہر میں متعین ہو جائے۔"

لیکن اس کے مقابلے میں محیط، خانہ، فتح القدیر، البحر الرائق، ہندیہ، درمختار، طحاوی علی الدر اور شامیہ میں دوسرے قول کی ترجیح اور مفتی یہ ہونا نقل کیا گیا ہے یعنی مہر مسکوت عنہ میں عرف کا اعتبار ہوگا عرفاً مؤجل رقم فی الفور دینا ہوگی باقی رقم موت یا طلاق پر مؤجل ہوگی نیز فتح القدیر اور البحر الرائق میں غایۃ البیان پر استدراک بھی کیا گیا ہے۔

فتح القدیر میں علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فما وقع في غاية البيان من إطلاق قوله فإن كان يعني المهر بشرط التعجيل أو مسكوتاً عنه يجب حالاً ولها أن تمنع نفسها حتى يعطيها المهر ليس بواقع بل المعتبر في المسكوت العرف"

(فتح القدیر ۳/۳۷۰)

"پس غایۃ البیان میں مصنف نے مطلقاً جو یہ کہا ہے کہ اگر مہر بشرط تعجيل یا مسکوت عنہ ہو تو فی الفور اداء کرنا لازم ہوگا اور عورت کو اپنے آپ کو مہر کی ادائیگی تک درر کھنا جائز ہوگا یہ واقع اور حقیقت نہیں بلکہ مسکوت میں اعتبار عرف کا ہے۔"  
بحر میں غایۃ البیان پر استدراک کے بعد تحریر ہے:

"وأما على المفتي به فالمعتبر في المسكوت عنه العرف" (البحر الرائق ۳/۳۱۱)

"بہر حال مفتی یہ قول کے مطابق مسکوت مہر میں اعتبار عرف کا ہے۔"

شامیہ میں ہے:

قال الحصكفي: " ( لأخذ ما بين تعجيله ) من المهر كله أو بعضه ( أو ) أخذ ( قدر ما يعجل لمثلها عرفا ) به يفتى لأن المعروف كالمشروط ( إن لم يؤجل ) أو يعجل ( كله ) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة "

قال ابن عابدين في رد المحتار تحت قوله: " ( أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا ) أي إن لم يبين تعجيله أو تعجيل بعضه فلها المنع لأخذ ما يعجل لها منه عرفا وفي الصيرفية الفتوى على اعتبار عرف بلدهما من غير اعتبار الثلث أو النصف وفي الخاتمة يعتبر التعارف لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا قلت والمتعارف في زماننا في مصر والشام تعجيل الثلثين وتأجيل الثلث --- قوله ( إن لم يؤجل ) شرط في قوله أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها يعني أن محل ذلك إذا لم يشترط تأجيل الكل أو تعجيله ط وكذا البعض كما قدمه في قوله كلا أو بعضا - وفي الفتح حكم التأجيل بعد العقد كحكمه فيه - قوله ( فكما شرطا ) جواب شرط محذوف تقديره فإن أجل كله أو عجل كله "

(شامیہ ۱۳۳/۳)

دیگر کتب کے حوالہ جات فتویٰ کے آخر میں تحریر کر دیئے گئے ہیں۔ الغرض مہر مسکوت عنہ میں عرف کا اعتبار مفتی بہ ہے عرفا معجل رقم فی الفور دینا ہوگی اور بقیہ مؤجل الی الطلاق أو الموت ہوگی۔ آخر میں طحاوی علی الدر کا حوالہ بھی نقل کیا جا رہا ہے۔ مہر مسکوت عنہ سے متعلق طحاوی میں تحریر ہے:

"قال الزاهدي: صارت تاخير الصداق الى الموت أو الطلاق بخوارزم عادة مأثورة وشريعة معروفة عندهم ومحلها فيما اذا لم يشترط تعجيله أو تأجيله وهو خلاف الواقع في مصر وشام وما والاها من البلاد اه قاسمية قلت وفي مصر المتعارف الآن تعجيل الثلثين وتأخير الثلث الى الموت أو الطلاق الخ -"

(الطحاوی علی الدر ۶۳/۲)

یہاں تک مہر کی اقسام اور ان میں اختلاف کی نوعیت نیز صحیح اور مفتی بہ کا تعین ذکر کر دیا گیا، گویا مہر کی درج ذیل کل چھ صورتیں

ہنتی ہیں:

- |                                 |  |
|---------------------------------|--|
| (۱) مہر معجل                    | (۱) اسے فی الفور اداء کرنا لازم ہے)        |
| (۲) مہر مؤجل مع تعیین مدت       | (۲) بالاتفاق اس مدت تک مؤجل ہوگا)          |
| (۳) مہر مؤجل مع اجل جہالت بسیرہ | (۳) بالاتفاق اجل معتبر ہے)                 |
| (۴) مہر مؤجل مع جہالت فاحشہ     | (۴) بالاتفاق معجل ہوگا اجل کا اعتبار نہیں) |

(۵) مہر مؤجل بلا تعیین مدت (صحیح قول کے مطابق موت یا طلاق تک مؤجل ہوگا)

(۶) مہر مسکوت عنہ (مفتی بہ قول کے مطابق عرفاً متجمل فی الفور باقی موت یا طلاق تک مؤجل ہوگا)

ان تمام تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ مہر سے متعلق مختلف صورتیں اور ان کے احکامات الگ الگ ہیں۔ یہ تعیین صور ضروری ہے ورنہ اشتباہ فی الجواب لازمی ہوگا۔ مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں احقر کے نزدیک تا جیل الی الطلاق أو الموت پر فتویٰ ہے اور مہر مسکوت عنہ (جس میں تعجیل یا تا جیل کا ذکر ہی نہ ہو) میں عرف کا اعتبار کرنے پر فتویٰ ہے۔ باقی ہمارے عرف میں چونکہ فی الفور رخصتی کے وقت جو رقم دی جاتی ہے اسے منہ دکھائی یا دیگر نام دیئے جاتے ہیں مہر شمار نہیں کیا جاتا لہذا ان رقم پر ہدایا کے احکام جاری ہوں گے اور مہر مسکوت عنہ میں بھی کل مہر موت یا طلاق پر مؤجل ہوگا جیسا کہ شامیہ میں وضاحت ہے:

"قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنائير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحه فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحه"

(شامیہ ۱۵۳/۳)

"میں کہتا ہوں کہ اسی میں سے ہیں وہ پٹے اور زیورات جو زفاف سے قبل عیدوں اور مختلف مواقع پر دیئے جاتے ہیں یا اسی طرح وہ دراہم اور دنائیر جو لڑکی کو دیئے جائیں رخصتی کے دن۔ جنہیں عرف میں صبحہ کہا جاتا ہے ان سب کا ہمارے عرف میں ہدیہ ہونا معروف ہے نہ کہ مہر بالخصوص صبحہ کا ہدیہ ہونا۔"

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کی طرح ہمارے زمانے میں بھی رخصتی کے دن اور اس سے قبل دی گئی رقم کا بطور ہدیہ ہونا معروف ہے لہذا مہر مسکوت عنہ (یعنی صرف یہ کہا جائے کہ دس ہزار کے عوض نکاح کرتا ہوں) میں کل کا کل مہر مؤجل الی الطلاق أو الموت ہوگا۔ یہی عبارات فقہ سے قریب تر اور راجح ہے لہذا مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں میں مہر موت یا طلاق پر مؤجل ہوگا۔ اس سے قبل مطالبے پر ادائیگی ضروری نہیں اور نہ بیوی اس بناء پر بہستری سے منع کر سکتی ہے۔

مسئلہ ہذا میں ذکر کردہ اردو فتاویٰ جات پر ایک نظر:

اب ہم اس تفصیل کے مطابق نقل کردہ اردو فتاویٰ کا نمبر وار جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا جو فتویٰ نقل کیا گیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں میں مطلقاً تا جیل الی الطلاق أو الموت کا قول کیا ہے جبکہ مہر مسکوت عنہ میں مفتی بہ معجزاً معروف رقم کا متجمل اور بقیہ کا مؤجل الی الطلاق أو الموت ہونے کا ہے لیکن ممکن ہے کہ عرف کے اعتبار سے چونکہ معجزاً رقم بطور مہر دینا معروف نہیں لہذا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو مطلقاً مؤجل الی الطلاق أو الموت قرار دیا ہو (جیسا کہ ہمارے زمانے کا عرف بھی یہی ہے)۔

(۲) فتاویٰ محمودیہ سے نقل دونوں فتاویٰ میں سے پہلے فتوے میں حضرت مفتی محمود گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعین مدت میں تا جیل الی الطلاق أو الموت اور مہر مسکوت عنہ میں عرف کا اعتبار کیا ہے یہی راجح ہے۔ دوسرے فتوے میں مہر مؤجل بلا تعین مدت کا مؤجل الی الطلاق أو الموت ہونا ذکر ہے۔

(۳) خیر الفتاویٰ میں سائل نے مہر مسکوت عنہ سے متعلق سوال کیا ہے جس کا جواب عرف کو فیصل بنا کے دیا گیا ہے۔ یہی راجح ہے۔

(۴) فتاویٰ حقانیہ میں بھی مہر مسکوت عنہ سے متعلق عرف کو فیصل قرار دیا گیا ہے، یہی قول مفتی بہ ہے۔

(۵) کتاب الفتاویٰ میں مجیب نے مہر مؤجل بلا تعین مدت کو بیوی کے مطالبے اور شوہر کے اداء کرنے کے موقف میں ہونے پر ادائیگی کا قول کیا ہے۔ مجیب نے حوالہ نقل نہیں کیا بظاہر یہ قول کتب میں ذکر نہیں۔ مہر مؤجل بلا تعین مدت میں صحیح قول تا جیل کل الی الطلاق أو الموت کا ہے۔

(۶) کفایت المفتی میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعین مدت کو فی الفور واجب الاداء قرار دیا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حوالہ تحریر نہیں فرمایا لیکن بظاہر حضرت کا استدلال کتب میں ذکر دونوں اقوال میں سے تعجیل کل والے قول کی ترجیح سے ہے البتہ ہم نے ذکر کر دیا تعجیل کل کے قول کی کسی نے تصحیح نہیں کی جبکہ مہر مؤجل بلا تعین مدت میں تا جیل کل الی الطلاق أو الموت کے قول کی تصحیح محیط اور ہندیہ میں اور ترجیح و تائید بدائع میں نقل ہے۔

ہم نے کفایت المفتی سے فتویٰ نقل کرنے کے بعد گزشتہ صفحات میں بھی ذکر کیا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود تو حوالہ تحریر نہیں فرمایا لیکن مخرج نے حاشیے پر درمختار کی جو عبارت نقل کی ہے، وہ یہ ہے:

"إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالاً غاية" (الدر المختار ۱۳۲/۲)

یعنی جب مہر مؤجل کے اداء کی مدت میں جہالت فاحشہ ہو تو اسے فی الفور اداء کرنا واجب ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تعجیل کل کے حوالے میں تخریج میں یہ عبارت پیش کرنا مخرج کا تسامح ہے یہ عبارت مہر مؤجل کی چار میں سے تیسری صورت سے متعلق ہے اور اس کا حکم تو بالاتفاق تعجیل کل کا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کر دیا۔ باقی مہر مؤجل کی چوتھی صورت جو زیر بحث ہے یعنی مہر مؤجل بلا تعین مدت اس کا شامیہ (درمختار اور ردالمحتار) میں ذکر نہیں البتہ اس عبارت سے قبل مہر مسکوت عنہ میں عرف کے اعتبار پر فتویٰ کا ذکر ہے:

"( لأخذ ما بين تعجيله ) من المهر كله أو بعضه ( أو ) أخذ ( قدر ما يعجل لمثلها عرفاً ) به يفتى

لأن المعروف كالمشروط ( إن لم يؤجل ) أو يعجل ( كله ) فكما شرط لأن الصريح يفوق

الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالاً غاية" (الدر المختار ۱۳۲/۲)

لہذا مخرج کا مہر مؤجل مع اجل جہالت فاحشہ میں واقع صحیح حالاً کے قول کو مہر مؤجل بلا تعین مدت میں حضرت مفتی کفایت

اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کے طور پر پیش کرنا درست نہیں۔ نیز اس ”جہالت فاحشہ“ کے اطلاق میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت کو شامل کرنا (بایں طور کہ اس میں تو جہالت ہے بلکہ مدت کا ذکر ہی نہیں) یہ درست نہیں کیونکہ مہر مؤجل بلا تعیین مدت کا مسئلہ اولاً تو خود منصوص ہے دیگر کتب میں صراحتاً ذکر ہے ثانیاً در مختار کی عبارت کے تحت رد المحتار میں جہالت فاحشہ کی بہت سی مثالیں ذکر ہیں کہ ہوا چلنے یا بارش ہونے پر مہر کی ادائیگی طے ہو لیکن بلا تعیین مدت صرف مہر مؤجل کہہ کر نکاح کو جہالت فاحشہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر نہیں فرمایا، ثالثاً مہر مسکوت عنہ میں عرف کا قول شامیہ میں خود مفتی یہ قرار دیا گیا ہے یعنی عرفاً معتجل دی جانے والی رقم معتجل باقی مؤجل الی الطلاق اور الموت ہوگی کیونکہ موت یا طلاق مؤجل غیر معین کی مدت معلومہ ہیں لہذا جب مہر مسکوت عنہ میں یہ حکم ہے تو مہر مؤجل میں جہاں اگرچہ تعیین مدت نہ ہو لیکن مؤجل کی صراحت تو ہے وہاں بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔

(۷) امداد الفتاویٰ سے حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق نقل کر دی گئی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر مؤجل صرف وہ ہے جس میں تا جیل شرط ہو (یعنی مدت معلوم ہو) باقی سب معتجل ہے، چاہے مہر مؤجل بلا تعیین مدت ہو یا مہر مسکوت عنہ ہو۔ تا جیل الی الطلاق اور الموت کے قول کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شرط کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی جب یہ شرط ہو کہ یہ مہر مؤجل طلاق یا موت پر اداء کروں گا تو موت یا طلاق پر تا جیل ہوگی وگرنہ نہیں۔ باقی عرف سے بھی تا جیل الی الطلاق اور الموت ہونا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرجوح ہے کیونکہ جیسے عرف تا جیل الی الطلاق اور الموت کا ہے ویسے ہی عند الخاصۃ طلب کا بھی ہے لہذا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق مہر مؤجل بلا تعیین مدت کو فی الفور اداء کرنا لازم ہے یا حد سے حد خاصیت تک تاخیر ہوگی۔ جھگڑے کے وقت مطالبے پر ادائیگی ضروری ہے۔

بندہ نے حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل فتویٰ مع سوال و جواب کے نقل کر دیا تھا۔ اسے دوبارہ مطالعہ کر لیا جائے اس کا خلاصہ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا نچوڑ پھر عرض کر دیا گیا ہے۔ یہاں چند باتیں غور طلب ہیں:

۱۔ حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں کتب فقہ میں ذکر و اقوال میں سے پہلا قول یعنی تعجیل کل کو لیا ہے اور مہر مسکوت عنہ میں بھی ذکر و اقوال میں سے پہلا قول یعنی تعجیل کل کو لیا ہے۔

حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا ”مؤجل وہ ہوتا ہے جس میں تا جیل شرط ہو جس میں کوئی شرط نہ ہو وہ معتجل ہے“ یہ اسی تعجیل کل والے قول کے مطابق ہے ورنہ مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں محیط اور ہندیہ کے تصحیح شدہ قول کے مطابق تا جیل الی الطلاق اور الموت ہوگی اور مہر مسکوت عنہ میں فتح القدیر، بحر، ہندیہ، در مختار، طحاوی اور شامیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق عرفاً معتجل رقم فی الفور باقی مؤجل الی الطلاق اور الموت ہوگی۔ مہر مؤجل بلا تعیین مدت سے متعلق ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

"وان كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا

لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت" (الهندية ۱/۳۱۸)

مہر مسکوت عنہ سے متعلق در مختار اور شامیہ کی عبارات گزشتہ صفحات پر نقل کر دی گئیں۔ کتب کے مکمل حوالہ جات فتویٰ کے آخر

میں نقل ہیں، یہاں فقط بحر کا حوالہ نقل کیا جا رہا ہے:

"وأما على المفتي به فالمعتبر في المسكوت عنه العرف" (البحر ۳/۳۱۱)

شامیہ کی اس عبارت کو ایک بار پھر ملاحظہ کر لیا جائے:

"قوله (أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا) أي إن لم يبين تعجيله أو تعجيل بعضه فلها المنع لأخذ ما يعجل لها منه عرفا وفي الصيرفية الفتوى على اعتبار عرف بلدهما من غير اعتبار الثلث أو النصف وفي الخانية يعتبر التعارف لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا... قوله (إن لم يؤجل) شرط في قوله أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها يعني أن محل ذلك إذا لم يشترط تأجيل الكل أو تعجيله ط وكذا البعض كما قدمه في قوله كلاً أو بعضاً" (شامیہ ۳/۱۲۲)

۲۔ حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ "اگر یہ شرط ظہر جاوے کہ طلاق یا موت تک کی مہلت ہے تب تو مؤجل ہوگا..... اگر یہ شبہ ہو کہ واقعی تا جیل شرط ہی سے ہوتی ہے مگر عرف بمنزلہ شرط ہی کے ہے الخ..... حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بھی کتب فقہ کے حوالوں کے مطابق نہیں کیونکہ موت یا طلاق تک مؤجل ہونے کے لئے عرف کی قید نہیں۔ مہر مؤجل بلا تعیین مدت تو محیط، ہندیہ اور بدائع کے قول کے مطابق مطلقاً مؤجل الی الطلاق أو الموت ہوگا اور مہر مسکوت عنہ میں بھی مفتی بہ قول کے مطابق مؤجل دی جانے والی رقم میں عرف کا اعتبار ہے باقی رقم خود ہی مؤجل الی الطلاق أو الموت ہوگی۔ محیط میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت سے متعلق ہے کہ:

"وبعضهم قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو

الموت، ألا ترى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم يتفقا على غاية معلومة نحو الشهر أو السنة"

(المحيط ۳/۱۳۹)

بدائع میں ہے:

"وقال بعضهم يجوز ويقع ذلك على وقت وقوع الفرقة بالطلاق أو الموت وروي عن أبي يوسف ما

(بدائع ۳/۳۱۵)

يؤيد هذا القول"

ہندیہ میں ہے:

"وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا

لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت الخ۔" (الہندیہ ۱/۳۱۸)

ہندیہ میں مہر مسکوت عنہ سے متعلق ہے:

"وإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلك وإن لم يبينوا شيئاً ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور في

العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فيجعل ذلك معجلا ولا يقدر بالربيع ولا بالخمس وإنما ينظر إلى المتعارف" (الهندية ۳۱۸/۱)  
مہر مسکوت عنہ میں فقہاء نے ایک حد تک تا جیل الی الطلاق اور الموت کے لئے عرف کا اعتبار کیا بھی ہو تو اصل اس میں بھی موت یا طلاق کافی نفسہ مدت معینہ ہوتا ہے۔

۳۔ حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ "اس کا عرف علی الاطلاق ہونا غیر مسلم ہے یہ عرف اسی وقت تک ہے جب تک باہم موافقت رہے ورنہ رنجش میں مطالبے کا بھی عرف ہے" حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بناء بھی اس پر ہے کہ مؤجل الی الطلاق اور الموت بھی عرف کی بناء پر ہوتا ہے جبکہ حقیقت یہ نہیں "لأن الغاية معلومة في نفسها وهي الطلاق أو الموت" ہندیہ۔۔ لہذا اس پر تفریح بے محل ہے نیز مطالبے کے وقت عرف کا اعتبار کرتے ہوئے ادائیگی لازم قرار دینے پر فقہاء کی اتنی تصریحات، تصحیحات اور قول مفتی بہ کا تعین بے معنی رہ جاتا ہے کیونکہ رنجش کے وقت مطالبے کے عرف کے معنی ہے کہ جب بھی معمولی سی رنجش پر عورت مہر مانگ لے تو اسے مہر اداء کرنا لازم ہو اور لا تو یہ مہر متجل کا حکم ہو سکتا ہے مہر مؤجل کا نہیں، ثنائی کسی کتاب میں یہ استثناء یا قید (رنجش کے وقت مطالبے کا عرف کی) موجود نہیں۔ ثالثا اس پر یہ اشکال ہوگا کہ پھر تو مہر مؤجل کی پہلی قسم جہاں مدت معلومہ ہو مثلاً دس سال ہو وہاں بھی مطالبے کے وقت ادائیگی کے عرف کا اعتبار کر کے ادائیگی عند الخاصتہ لازم ہو۔ اس اشکال کا یہی جواب دیا جائیگا کہ وہاں دس سال مدت معلومہ ہے لہذا رنجش کے وقت مطالبے کے عرف کا اعتبار نہیں لہذا اسی طرح مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں موت یا طلاق بتصریح فقہاء مدت معلومہ ہیں لہذا عرف کے اعتبار کی حاجت نہیں۔

(۸) احسن الفتاویٰ میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے رنجش کے وقت مطالبے کے عرف والے قول کو اختیار فرمایا ہے جس پر تفصیلی بحث امداد الفتاویٰ پر بحث کے دوران آگئی۔  
باقی احسن الفتاویٰ کے فتوے میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود یہ حوالہ تحریر فرمایا ہے:

قال في شرح التنوير: "ولها منعه من الوطاء (الى قوله) الا اذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا، غاية" وفي الشامية: "قال في البحر فإن كانت جهالة متقاربة كالحصاد والدياس ونحوه فهو كالمعلوم على الصحيح كما في الظهيرية بخلاف البيع فإنه لا يجوز بهذا الشرط وإن كانت متفاحشة كإلى الميسرة أو إلى هبوب الريح أو أن تمطر السماء فالأجل لا يثبت ويجب المهر حالا وكذا في غاية البيان اه"

(احسن الفتاویٰ ۳۳/۵)

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت سے متعلق سوال کے جواب میں مہر مؤجل کی تیسری قسم مہر مؤجل جہالت فاحشہ کے حوالے کو تحریر فرمایا ہے یہ اسی نوعیت کا تسامح ہے جو کفایت الفتی کے حاشیہ پر مخرج سے ہوا تھا جسے تحریر کر دیا گیا۔

البتہ زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت کو مہر مؤجل جہالت فاحشہ کے حکم میں قیاساً داخل فرمایا ہے۔ یعنی ایسا مہر جس میں اجل مجہول ہو اور جہالت فاحشہ ہو مثلاً بارش برسنے کے وقت وغیرہ اس میں مہر فی الفور دینا واجب ہوتا ہے اسی طرح ایسا مہر مؤجل جس میں مدت کا بیان ہی نہ ہو اس میں بدرجہ اولیٰ فی الفور ادائیگی ضروری ہوگی کیونکہ جہالت فاحشہ والے مہر مؤجل میں تو پھر مدت کا ذکر تو ہے لیکن یہاں تو مدت کا بیان ہی نہیں، لہذا یہاں بدرجہ اولیٰ فی الفور ادائیگی ہونی چاہیے لیکن یہ استدلال (جہالت فاحشہ کی متفق علیہ صورت پر بلا تعیین مدت کی مختلف فیہ صورت کو قیاس) اس وقت درست ہوتا جب مہر مؤجل بلا تعیین مدت کی صورت خود مخصوص نہ ہوتی لیکن وہ خود مخصوص ہے تو پھر قیاس کی ضرورت نہیں۔

"وان كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ (فيہ). بعضهم قالوا: لا يصح، وبعضهم

قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت"

(المحيط ۱۳۹/۲)

اس لئے مسئلہ زیر بحث میں مذکورہ بالا حوالے سے استدلال محل نظر ہے۔

(۹) فتاویٰ مفتی محمود میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں مؤجل الی الطلاق او الموت کا قول لیا گیا ہے جبکہ مہر مسکوت عنہ میں غیر

مفتی بہ قول کے مطابق تعجیل کا قول لیا گیا ہے۔

## خلاصہ کلام:

اس پوری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مہر مؤجل کی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ مدت معلوم ہو۔

۲۔ مدت مجہول ہو جہالت متقاربہ ہو۔

۳۔ مدت مجہول ہو جہالت فاحشہ ہو۔

۴۔ مدت کا تعیین ہی نہ ہو۔

پہلی تین صورتیں متفق علیہ اور چوتھی صورت مختلف فیہ ہے۔ چوتھی صورت سے متعلق کتب فقہ میں دو قول ہیں ایک تعجیل کل کا،

دوسرا تا تجیل کل الی الطلاق او الموت کا۔ پہلے قول کی کسی نے تصحیح نہیں کی جبکہ دوسرے قول کی محیط اور ہندیہ نے تصحیح اور بدائع نے ترجیح

و تائید نقل کی ہے۔

(۲) مہر کی ایک اور صورت مہر مسکوت عنہ ہے جس میں تعجیل یا تا تجیل کا ذکر ہی نہ ہو مثلاً دس ہزار مہر کے عوض نکاح کیا اس میں



بھی دو قول کتب فقہ میں ہیں ایک تعجیل کل کا اور دوسرا عرف کا قول ہے یعنی عرفاً متجمل رقم متجمل باقی مؤجل الی الطلاق أو الموت ہوگی۔ پہلے قول کو عنایہ اور غایۃ البیان نے لیا ہے جبکہ دوسرے قول کو محیط، خانہ، فتح القدر، بحر، ہندیہ، درمختار، طحاوی علی الدر اور شامیہ میں لیا گیا ہے۔ اسے مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔ بحر اور فتح القدر میں غایۃ البیان کے پہلے (تعجیل کل کے) قول کو لینے پر استدراک کیا گیا ہے۔ (۳) البتہ مہر مؤجل بلا تعیین مدت سے متعلق بعض اردو فتاویٰ میں پہلے قول پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے جس کی مدلل تفسیح ہم نے تحریر کر دی۔ اسے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

(۴) مسئلہ زیر بحث میں مہر مؤجل کی چار میں سے چوتھی صورت اور مہر مسکوت عنہ کی صورت میں موجود اختلاف، فقہاء کی عبارات، مسئلے کی تفسیح، تصحیحات، نقل فتویٰ اور حتی المقدور نقول پیش کر دی گئیں۔ تمام حوالہ جات اور اردو فتاویٰ سامنے رکھ دیئے گئے ہیں۔ ان سب دلائل کی روشنی میں بندہ جس نتیجے پر پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مہر مؤجل جس میں اجل کا تعیین نہ ہو موت یا طلاق پر مؤجل ہوگا اس سے قبل مطالبہ پر ادائیگی لازم نہیں۔ نیز مہر مسکوت عنہ جس میں تعجیل اور تاخیر کا ذکر ہی نہ ہو اس میں عرفاً متجمل رقم فی الفور باقی مؤجل الی الطلاق أو الموت ہوگی۔ ہمارے عرف میں چونکہ محلاً رقم دینا معروف نہیں بلکہ وہ ہدایا اور منہ دکھائی شمار ہوتے ہیں لہذا مہر مسکوت عنہ بھی کل کا کل مؤجل الی الطلاق أو الموت ہوگا، اس سے قبل ادائیگی ضروری نہ ہوگی۔ یہی کچھ عبارات فقہاء سے قریب تر اور تصحیحات کے موافق معلوم ہوتا ہے۔

(۵) مسئلہ زیر بحث میں موجود مختلف متضاد عبارات اور متعارض اردو فتاویٰ جات کا جتنا ممکن ہوا حل پیش کر دیا گیا اور حتی المقدور اس اغلاق کو دور کیا گیا۔ احقر نے امانت اور دیانت کے ساتھ یہ تحقیق نقل کر دی ہے اس میں جن حضرات کا ذکر آیا یا اختلاف کیا گیا وہ اہل نظر فی الدلیل ہیں۔ حاشا وکلا کسی پر محض اعتراض و تنقید پیش نظر نہیں۔ فقط قوت دلیل اور تصحیحات فقہاء کو مد نظر رکھتے ہوئے جو جواب منجھ ہوا تحریر کر دیا گیا۔

(۶) آپ نے پوچھا ہے کہ ”کسی ایک کی ترجیح دوسرے کی گستاخی تو شمار نہ ہوگی“ اس سلسلے میں عرض ہے کہ فقہ میں اعتبار قوت دلیل کا ہوتا ہے نہ کہ کسی کی شخصیت کا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقود رسم المفتی میں اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ نیز مسئلہ ہذا میں اردو فتاویٰ کے تعارض اور فقہی عبارات میں اشتباہ آپ کے سامنے ہیں لہذا عبارات سے تفسیح کے ذریعے اشتباہ کا رفع کرنا اور تعارض میں ترجیح کے ذریعے ایک کو واضح کرنا ضروری ہے اسے گستاخی نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس کے بغیر مسئلے پر عمل ہی ممکن نہیں، دلیل کی بنیاد پر تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے شاگردوں نے اختلاف فرمایا ہے بلکہ خود امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت ہے کہ جب دلیل قوی آجائے تو میرے قول کو چھوڑ دو اور آج تک اصاغرا کا بر سے اختلاف کرتے رہے ہیں سب کی بنیاد دلیل پر ہوتی ہے اور اکابر کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے جو بات دلیل اور تفقہ کے زیادہ قریب ہو ذکر کر دی جاتی ہے۔ نیز مسئلہ ہذا میں فتاویٰ محمودیہ، حقانیہ اور خیر الفتاویٰ میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ سے متعلق وہی رائے اختیار کی گئی ہے جو بعد از تحقیق احقر نے ذکر کی ہے ان حضرات نے فقط مسئلے کی تفسیح وغیرہ مفصل انداز میں تحریر نہیں فرمائی لیکن فتویٰ اسی قول پر دیا ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اور فتاویٰ مفتی محمود میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت سے متعلق

یہی رائے اختیار کی گئی ہے کہ وہ مطلقاً موت یا طلاق تک مؤجل ہوگا کیونکہ موت یا طلاق خود ہی مہر مؤجل کی معینہ مدت ہیں لہذا اسے مؤجل اب یا گستاخی سمجھنا درست نہیں۔

لمافی المحيط البرہانی (۱۳۹/۳): وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه بعضهم قالوا: لا يصح، وبعضهم قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت، ألا ترى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم يتفقا على غاية معلومة نحو الشهر أو السنة، وإنما يصح بالطريق الذي قلنا. قال مشايخنا رحمهم الله: وفي عرف ديارنا ليس للمرأة أن تمنع نفسها من زوجها حتى تستوفي جميع المهر لأن في عرفنا البعض مؤجل و البعض معجل والمعجل يسمى دست ييمان والمؤجل يسمى كابين كردني والمعروف كالمشروط، فإن بينا مقدار المعجل ومقدار المؤجل فهو على ما بينا، وإن لم بينا شيئاً ينظر إلى المسمى وإلى المرأة أن مثل هذه المرأة كم يكون لها من مثل هذا المسمى معجلاً، وكم يكون لها مؤجلاً في العرف فيقضى بالعرف. وما ذكر في مجموع النوازل أنه يقضي لها نصف المهر معجلاً فإنما ذلك بناء على عرف أهل سمرقند أنهم يعجلون النصف من المسمى، وهو اختيار الفقيه أبي الليث رحمه الله إلا أن ذلك يختلف باختلاف البلاد، والصحيح ما ذكرنا. وإن شرطاً تعجيل الكل في العقد فهو كما شرطاً، ووجب تعجيل الكل، إذ لا تعتبر دلالة العرف إذا جاء الصريح بخلافها۔

وفي الخانية (۱۷۷/۱): إذا زوجت المرأة ولها مهر معلوم كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المهر فإن كان في موضع يعجل البعض ويترك الباقي في الذمة إلى وقت الطلاق أو الموت كما هو عرف ديارنا كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المعجل وهو الذي يقال بالفارسية دست ييمان وليس لها أن تطالبه بكل المهر فإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلك وإن لم بينوا شيئاً ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور في العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فيجعل ذلك معجلاً ولا يقدر ذلك بالربع ولا بالخمس وإنما ينظر إلى المتعارف لأن الثابت عرفاً كالثابت شرطاً وإن شرطوا في العقد تعجيل كل المهر تجعل الكل معجلاً ويترك العرف۔

وفي غاية البيان شرح الهداية، نسخة مخطوطة عندنا (۱۸۸/۲) باب المهر: أما إذا كان مؤجلاً ففيه اختلاف بين أصحابنا بيانه أن المهر لا بد من أحد الأمور الثلاثة أما أن يكون

بشرط التعجيل أو بشرط التأجيل أو مسكوتا عنه ، فان كان بشرط التعجيل أو مسكوتا عنه يجب حالاً لأنه عقد معاوضة، وان قال نصفه مؤجل ونصفه معجل كما جرت العادة ولم يزد على ذلك يجوز الأجل ويقع ذلك على وقوع الفرقة بالموت أو الطلاق وقال بعضهم لا يجوز الأجل ويجب حالاً -

وفي الطحطاوى على الدر (٦٣/٢): ومثال الجهالة الفاحشة الى الميسرة او الى هبوب الريح --- (قوله لطلاق أو موت) قال الزاهدى: صارت تأخير الصداق الى الموت أو الطلاق بخوارزم عادة مأثورة وشريعة معروفة عندهم ومحلها فيما اذا لم يشترطاً تعجيله أو تأجيله وهو خلاف الواقع في مصر وشام وما والاها من البلاد قاسميه قلت وفي مصر المتعارف الآن تعجيل الثلثين وتأخير الثلث الى الموت أو الطلاق وفي بعض اعمالها تعرف تعجيل النصف وتأخير النصف الى عشر سنوات مثلاً وهذا التنجيم لازم ولا يحل بالطلاق -

وفي الشامية (١٣٢/٣): قوله (أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفاً) أي إن لم يبين تعجيله أو تعجيل بعضه فلها المنع لأخذ ما يعجل لها منه عرفاً وفي الصيرفية الفتوى على اعتبار عرف بلدهما من غير اعتبار الثلث أو النصف وفي الحانية يعتبر التعارف لأن الثابت عرفاً كالثابت شرطاً قلت والمتعارف في زماننا في مصر والشام تعجيل الثلثين وتأجيل الثلث ولا تنس ما قدمناه عن الملتقط من أن لها المنع أيضاً للمشروط عادة كالخف والمكعب وديباج اللفافة ودرهم السكر كما هو عادة سمرقند فإنه يلزم دفعه على من صدق العرف من غير تردد في إعطاء مثلها من مثله ما لم يشترطاً عدم دفعه والعرف الضعيف لا يلحق المسكوت عنه بالمشروط قوله (إن لم يؤجل) شرط في قوله أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها يعني أن محل ذلك إذا لم يشترطاً تأجيل الكل أو تعجيله ط وكذا البعض كما قدمه في قوله كلاً أو بعضاً -

## (۵۶۰) مہر معجل ادا نہ کرنے پر بیوی کا ہمنبستری سے انکار کرنا

## سوال

نکاح کے وقت مہر معجل طے کیا گیا، رخصتی کے بعد لڑکی نے مہر کا مطالبہ کیا تو لڑکا آج اور کل پر ٹالتا رہا، اس لڑکی شوہر کو نہ اپنے قریب آنے دیتی ہے اور نہ ہی گھر کے کسی کام کاج کو ہاتھ لگاتی ہے۔ آیا لڑکی کو اس کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اگر حاصل ہے تو کب تک؟ اگر شوہر کچھ رقم ادا کر دے تو کیا اس کے بعد بھی لڑکی کو انکار کا حق حاصل ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

جب نکاح کے وقت مہر معجل طے کیا گیا اور رخصتی کے بعد لڑکی نے مہر کا مطالبہ کیا تو جب تک خاوند پورا مہر ادا نہ کرے لڑکی خاوند کو اپنے اوپر قدرت دینے سے روک سکتی ہے۔

لمافی الشامیة (۱۳۳، ۱۳۳/۲): قوله ( ودواعیه الخ ) لم یصرح بہ فی شرح المجمع وإنما قال لها أن تمنعه من الاستمتاع بها فقال فی النہر إنه یعمر الدواعی ط۔۔۔ قوله ( لأخذ ما بین تعجیلہ ) علة لقوله ولها منعه أو غاية له واللام بمعنى إلى فلو أعطاهما المہر إلا درهما واحدا فلها المنع وليس له استرجاع ما قبضت ہندیة عن السراج۔

## (۵۶۱) تجدید نکاح میں مہر کا حکم

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صرف تجدید نکاح ہو مثلاً کوئی کلمہ کثرت نہ ہو اور نہ طلاق کا وقوع ہوا ہو فقط تجدید ہو برائے تجدید۔ کیا اس صورت میں دوبارہ مہر اور گواہ کا ہونا ضروری ہے؟ اگر اس تجدید میں بھی گزشتہ کی طرح دس ہزار مہر طے ہو تو بیس ہزار مہر ہو جائیگا یا یہ دوسرا لغو ہے؟ ازراہ کرم تجدید نکاح کے تمام مسائل (اس میں مہر شرط ہے یا نہیں وغیرہ) تفصیلاً تحریر فرمادیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

مہر ملک بضع کے بدلے میں واجب ہوتا ہے۔ جہاں پر حرمت پہلے سے ہو وہاں اگر وطی ہوگی تو مہر مثل لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر حرمت کے بعد بضع حلال ہو تو اس کے بدلے بھی مہر لازم ہوگا مثلاً اگر وطی بالشبہ ہو جائے یا طلاق بائن یا ردت کے بعد تجدید

نکاح ہوتو ان تمام صورتوں میں ہر بار نیا مہر لازم ہوگا۔ وطی بالشبہ میں مہر مثل اور نکاح صحیح میں مہر مسمی یا مہر مثل واجب ہوگا۔  
تجدید نکاح اگر بغیر کسی علت (طلاق یا ردّت) کے ہو تو چونکہ اس صورت میں حرمت پہلے سے نہیں (کیونکہ بیوی تو پہلے سے حلال ہے) لہذا اس صورت میں مہر لازم نہیں آئے گا لیکن اگر اضافہ کی غرض سے ہی نکاح کرے اور پچھلے دس ہزار مہر پر یہ دس ہزار اضافہ کرنا مقصود ہو تو پھر اس اضافے کا اعتبار ہے اور بیس ہزار مہر دینا ہوگا۔ اگر اضافہ نہ ہو تو صرف احتیاطاً تجدید میں کوئی مہر لازم نہیں آتا البتہ تجدید نکاح میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا لہذا اگر کوئی تجدید نکاح احتیاطاً کرنا چاہتا ہو تو اس صورت میں نیا مہر لازم نہیں ہوگا بلکہ پہلے والا مہر ہی واجب ہوگا البتہ گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

لمافی الدر المختار (۱۱۲/۳) وفي الكافي جدد النکاح بزيادة ألف لزمه ألفان على الظاهر۔  
وفي الردّ تحتہ: ثم ذکر أن قاضیخان أفتی بأنه لا یجب بالعقد الثاني شيء ما لم یقصد به الزیادة فی المہر۔۔۔ أقول بقی ما إذا جدد بمثل المہر الأول ومقتضى ما مر من القول باعتبار تخییر الأول إلى الثاني أنه لا یجب بالثاني شيء هنا إذ لا زیادة فیہ وعلى القول الثاني یجب المہران۔  
(تنبیہ) فی القنیة جدد للحلال نکاحا بمہر یلزم إن جددہ لأجل الزیادة لا احتیاطاً اه أي لو جددہ لأجل الاحتیاط لا تلزمہ الزیادة بلانزاع كما فی البزازیة۔  
وفي الشامیہ (۲۱/۳): قوله (وشرط حضور شاهدين) أي یشهدان على العقد۔

## (۵۶۲) نکاح سے قبل خرچ کی گئی رقم کو مہر کہنا

### سوال

مفتی صاحب! ایک شخص ایک عورت پر شادی سے قبل خرچ کرتا ہے اور جب نکاح کا وقت آتا ہے تو وہ نکاح کی تقریب میں کہتا ہے کہ اس عورت کا حق مہر وہی پیسہ ہے جو میں نے شادی سے پہلے اسے کھلایا تھا اور مزید کوئی حق مہر نہیں تو کیا اس طرح شادی سے قبل کیا گیا خرچ حق مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر کو نکاح سے قبل ادا کرنا بھی جائز ہے لیکن صراحتاً ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ جو رقم میں دے رہا ہوں یہ مہر ہے اور اگر صراحت نہ کی ہو تو پھر عرف پر مدار ہوتا ہے اور ہمارے عرف میں مختلف مواقع پر نکاح سے قبل بھیجی گئی رقم عموماً ہدیہ ہی ہوتی ہیں اس کو مہر نہیں سمجھا جاتا لہذا صورت مسئلہ میں اس شخص نے نکاح سے قبل خرچ کرتے وقت یہ تصریح کی ہو کہ یہ مہر ہے تب تو وہ مہر بن سکتا ہے وگرنہ وہ رقم

بطور ہدیہ کے ہوگی اسے مہر قرار نہیں دیا جاسکتا، بوقت نکاح دوبارہ مقرر مہر ضروری ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۴): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً.

وفیہ ایضاً (النساء: ۲۴): فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً.

وفی الشامیة (۱۵۲/۲): قوله (لأن الظاهر يكذبه) قال في الفتح والذي يجب اعتباره في ديارنا أن جميع ما ذكر من الحنطة واللوز والدقيق والسكر والشاة الحية وباقيها يكون القول فيها قول المرأة لأن المتعارف في ذلك كله أن يرسله هدية والظاهر معها لا معه --- قال في النهر وأقول وينبغي أن لا يقبل قوله أيضا في الثياب المحمولة مع السكر ونحوه للعرف اه قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير ضبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبيحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبيحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

## (۵۶۳) بغیر رجسٹری کے مکان مہر مقرر کرنے کا حکم

### سؤال

ایک شخص کا نکاح کسی لڑکی سے ہوا اور مہر میں مکان مقرر کیا اور رجسٹری نہیں کراتا ہے اس وقت کہا کہ رجسٹری بعد میں کراؤں گا اب وہ رجسٹری نہیں کرا رہا تو اس کیلئے شرعاً کیا حکم ہوگا آیا نکاح صحیح ہوگا یا ختم ہو جائے گا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

نکاح میں مہر مقرر کیا جائے یا مقرر نہ کیا جائے دونوں صورتوں میں نکاح درست ہو جاتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں نکاح درست ہے، اور جو مہر مقرر ہے وہ خاوند کے ذمہ لازم ہے، اگر وہ نہیں دیتا اور انکار کرتا ہے تو اس صورت میں گنہگار ہوگا، تاہم نکاح میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

لما فی الہندیة (۳۰۲/۱): ثم الأصل في التسمية أنها إن صحت وتقررت يجب المسمى ثم ينظر إن كان المسمى عشرة فصاعدا فليس لها إلا ذلك وإن كان دون العشرة يكمل عشرة عند أصحابنا الثلاثة۔

وفی الشامیة (۱۰۲/۲): (ويتأكد) أي الواجب من العشرة أو الأكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس

العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه وبه ظهر أن ما في الدرر من أن قوله عند وطء متعلق بالوجوب غير مسلم كما أفاده في الشرنبلالية قال في البدائع وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالضمن إذا تأكد بقبض المبيع اهـ

## (۵۶۳) بیوی کو مہر سے زیادہ دیکرواپسی کا مطالبہ کرنا

### سوال

میں نے اپنی بیوی کا مہر فاطمی رکھا اور شادی کے وقت میرے پاس وسعت تھی لہذا میں نے بیوی کو ۱۰ تولہ سونا دے دیا میری شادی ۲۰۱۰ء میں ہوئی تھی جب چاندی تقریباً ۷ سو روپے تولہ تھی جس حساب سے مہر فاطمی تقریباً ایک لاکھ بنتا تھا لیکن میں نے تقریباً ۵ لاکھ کا سونا مہر میں دے دیا اور لڑکی کو ہدیہ کر دیا۔ اس وقت کوئی ناچاقی نہ تھی اب ۲ سال بعد بہت سے جھگڑے پیدا ہو گئے ہیں، سسرال والے دھمکی دے رہے ہیں کہ ہم لڑکی کو بھی واپس لے جائیں گے اور مہر کی رقم بھی واپس نہ دیں گے اور میں مہر فاطمی سے زیادہ رقم جو میں نے دیے ہی دے دی تھی واپس لینا چاہتا ہوں اگرچہ یہ اچھی حرکت نہیں لیکن اگر شرعاً اس کی گنجائش ہو تو میرے سسرال والوں اور بیوی کا دماغ کچھ درست ہو جائے گا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں آپ کا اپنی اہلیہ کو مہر فاطمی سے زائد ہدیہ کئے ہوئے سونے کا رجوع درست نہیں ہے۔

لمافی الہندیۃ (۳/۲۸۶) کتاب الہبۃ: وإذا وهب أحد الزوجین لصاحبه لا یرجع فی الہبۃ وإن انقطع النکاح بینہما ولو وهب لأجنبیۃ ثم تزوجها أو وهبت لأجنبی ثم زوجت نفسها منه کان للواهب أن یرجع فی الہبۃ لأن النکاح بعد الہبۃ لا یمنع الرجوع کذا فی فتاوی قاضی خان۔

وفی الدر المختار (۵/۴۰۳) باب الرجوع فی الہبۃ: (والزای الزوجیۃ وقت الہبۃ فلو وهب لامرأة ثم نکحها رجع ولو وهب لامرأته لا) کعکسہ۔

## (۵۶۵) مہر کو قسطوں میں ادا کرنے کا حکم

## سوال

اگر کوئی شخص نکاح کے وقت مہر ادا نہ کر سکا کسی مجبوری کی بنا پر اور ابھی تک اس کے حالات ایسے ہیں کہ وہ ایک ساتھ سارا مہر ادا نہیں کر سکتا۔ اس کا یہ پوچھنا ہے کہ اگر تھوڑا تھوڑا دے کر مہر ادا کر دیں تو مہر ادا ہو جائے گا یا نہیں اور اگر وہ مہر ادا نہ کر سکا تو مہر معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ اسی طرح بعض لوگ مہر معاف کرا لیتے ہیں اس سے مہر معاف ہو جاتا ہے یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

مہر کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ معجل: جسے فی الفور جب بھی بیوی مانگے ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔

۲۔ مؤجل: جسے ادا کرنے کی مدت معین ہو یا اگر مدت معین نہ ہو تو فی الفور ادا کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ طلاق یا موت کے وقت ادا کرنا ہوتا ہے البتہ اگر کہیں کچھ رقم معجل ادا کرنے کا بھی عرف ہو تو ایسے مہر مؤجل جس میں ادائیگی کی مدت معین نہ ہو اس میں اتنی رقم فی الفور دی جائے گی ۱۔ لہذا اگر آپ نے مہر مؤجل رکھا ہے تب تو تھوڑا تھوڑا ادا کرنے سے مہر ادا ہو جانے میں کوئی شک ہی نہیں اور اگر آپ نے مہر معجل رکھا ہے تو بیوی کی رضامندی سے اس طرح وقفہ وقفہ سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ مہر ادا کرنا بہر حال ضروری ہے اگر آخری عمر تک بیوی کو مہر ادا نہ کیا تو یہ مہر اس کے ذمے بیوی کا قرض رہ جائے گا۔ اسی لئے شریعت اتنا مہر طے کرنے کی ترغیب دیتی ہے جو باسانی ادا کیا جاسکے اور مہروں کا زیادہ ہونا مدوح نہیں نیز اگر بیوی سے زندگی میں مہر معاف کروالیا تو وہ اس شرط کے ساتھ کہ بیوی پوری رضامندی کے ساتھ معاف کر دے تو مہر معاف ہو جائے گا لیکن بیوی پر کسی قسم کا ظاہری یا ذہنی دباؤ نہ ہونا چاہیے ورنہ مہر معاف نہ ہوگا مگر وجہ طریقہ کہ باوجود قدرت اور وسعت کے ہوتے ہوئے بھی بیوی سے مہر معاف کروالیا جاتا ہے اور وہ چاروں چار شرم و حیاء کی وجہ سے معاف کر دیتی ہے اس سے قطعاً مہر معاف نہیں ہوتا بلکہ بدستور شوہر کے ذمہ باقی رہتا ہے۔

لہافی الکلام المجید (نساء: ۴): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً. فَإِنْ طِبَّنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا

۱۔ مہر معجل اور مؤجل کی تعیین، مہر کی مختلف صورتیں، ان میں فرق کی تفتیح، ہر صورت سے متعلق صریح فقہی عبارات، دیگر اردو فتاویٰ میں پایا جانے والا تعارض، محیط، بدائع، ہندیہ اور شامیہ کے صریح حوالہ جات کی روشنی میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ سے متعلق مکمل تحقیقی فتویٰ نجم الفتاویٰ کی اسی جلد میں "الجواب المفصل لمن سئل عن تعیین مدۃ المہر المؤجل" کے عنوان سے ملاحظہ ہو۔ از مرتب ابو عوام فرحان حن عفی عنہ



فَكُلُّوْهُ هَبِيئًا مَّرِيئًا .

وفی الہندیۃ (۲۱۹/۱): لاختلاف لأحدان تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشائخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت الا يرى ان تأجيل البعض يصح وإن لم ينص على غاية معلومة كذا في المحيط۔

وفی الدرالمختار (کتاب الاکراه) (۱۳۱/۶): (خوفها الزوج بالضرب حتى وهبته مهرها لم تصح) الهبة (إن قدر الزوج على الضرب) وإن هدها بطلاق أو تزوج عليها أو تسر فليس بإکراه، خانية وفي مجمع الفتاوى منع امرأته المريضة عن المسير إلى أبيها إلا أن تهبه مهرها فوهبته بعض المهر فالهبة باطله لأنها كالمكره قلت ويؤخذ منه جواب حادثة الفتوى وهي زوج بنته البكر من رجل فلما أرادت الزفاف منعها الأب إلا أن يشهد عليها أنها استوفت منه ميراث أمها فأقرت ثم أذن لها بالزفاف فلا يصح إقرارها لكونها في معنى المكره وبه أفتى أبو السعود مفتي الروم قاله المصنف في شرح منظومته تحفة الأقران في بحث الهبة۔

(۵۶۶) بدنای سے بیکنے کیلئے مجمع میں زیادہ مہر کہلوانے کا حکم

### سؤال

میں نے جب شادی کی تو سرنے مجھے کہا میری لڑکی کا مہر تو 5,000 روپے ہے لیکن مجلس نکاح میں آپ پچاس ہزار لکھوانا تاکہ لوگ ہمیں اچھے گھرانے کا تصور کریں البتہ ہم آپ سے صرف پانچ ہزار لیں گے۔ میں نے بھی ان پر اعتبار کر کے لکھ دیا، اب وہ میرے سے پچاس ہزار کا مطالبہ کر رہے ہیں تو اب میرے اوپر کتنا مہر لازم ہوگا۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر لڑکی کا حق ہے اس میں سسرال والوں کا کوئی دخل نہیں۔ صورت مسئلہ میں جبکہ خفیہ اور علانیہ مہروں کی مقداروں میں کافی فرق بھی ہے تو اس صورت میں اگر آپ کے پاس خفیہ طور پر طے کئے جانے والے (پانچ ہزار روپے) مہر کے بارے میں کوئی گواہ یا ثبوت ہے تو پھر علانیہ مہر (50,000) آپ کے ذمے واجب نہیں ہے۔

(۲)..... اور اگر خفیہ مہر پر کوئی گواہ یا ثبوت نہیں ہے تو پھر اگر لڑکی راضی ہو جائے تو دیات پانچ ہزار ہی واجب ہیں لیکن اگر بیوی عدالت چلی جائے تو قضاء آپچاس ہزار (50,000) کی ادائیگی کرنی ہوگی۔

لمافی الجرہرة النيرة (۱/۵۵۵): ومن أقر لغيره بمال كاذبا ، والمقر له يعلم أنه كاذب لا يحل له ديانة إلا إذا سلمه بطيب نفسه فإنه يحل۔

وفيه أيضاً: إذا أقر الحر البالغ العاقل على نفسه بحق لزمه إقراره۔

وفي الشامية (۲/۱۶۱): فطلب في مهر السر ومهر العلانية (قوله المهر مهر السر إلخ) المسألة على وجهين الأول تواضعا في السر على مهر ثم تعاقد في العلانية بأكثر والجنس واحد ، فإن اتفقا على المواضعة فالمهر مهر السر وإلا فالمسمى في العقد ما لم يبرهن الزوج على أن الزيادة سمعة۔ وفيه أيضاً (۲/۱۶۲): الوجه الثاني أن يتعاقد في السر على مهر ثم أقر في العلانية بأكثر فإن اتفقا أو أشهدا أن الزيادة سمعة فالمهر ما ذكر عند العقد في السر وإن لم يشهد فعندهما المهر هو الأول وعنده هو الثاني ويكون جميعه زيادة على الأول لو من خلاف جنسه وإلا فالزيادة بقدر ما زاد على الأول اهـ ملخصاً من الذخيرة۔

وفيه أيضاً (۲/۲۱۳): لأن القاضي إنما يقضي بالحجة والحجة إنما هي البينة أو الإقرار ، أما الصك فلا يصلح حجة لأن الخط يشبه الخط۔

## (۵۶۷) اعلانیہ شہرت کیلئے زیادہ مہر لکھوانے کا حکم

### سوال

ایک شخص نے نکاح کا ارادہ کیا اس کے پاس وافر رقم موجود نہ تھی کافی پریشان تھا آخر اس نے قرض وغیرہ لے کر کسی طرح سارا بندوبست کیا لیکن مسئلہ مہر کا پھنس گیا۔ خاندان میں عزت و شرافت باقی رکھنے کیلئے کم از کم ایک لاکھ مہر مقرر کرنا ضروری تھا جو ظاہر ہے یہ شخص اداء نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں عجیب ترکیب آئی، اس نے لڑکی کے والدین وغیرہ سے مل کر بیس ہزار مہر طے کر لیا اور یہ طے کیا کہ مجلس نکاح میں ڈیڑھ لاکھ مہر لکھوائیں گے الغرض اس طرح تمام مراحل طے ہو گئے لیکن شادی کے بعد لڑکی اور اس کے والدین بیس ہزار لینے سے مکر گئے اور ڈیڑھ لاکھ کا مطالبہ کرنے لگے اب یہ شخص سخت پریشان ہے کیونکہ پچھلے معاہدے کا کوئی تحریری ثبوت بھی نہیں۔ آپ بتائیں لڑکے پر کون سا مہر دینا واجب ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اولاً تو یہ بات یاد رہے کہ اس طرح شہرت و سمعت کیلئے مجلس نکاح میں زیادہ مہر مقرر کرانا اور پہلے کم مہر پر نکاح یا معاہدہ خفیہ طور پر کرنا یہ صحیح طریقہ نہیں۔ اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اگر کہیں ایسے حالات ہوں تو سب کے سامنے کم مہر پر نکاح کیا جائے اور

اس برے رواج کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے اگرچہ کہنے والے کچھ بھی کہتے رہیں۔ ان اعتراض کرنے والوں کو بھی اپنی عاقبت سے متعلق غور و فکر کرنا چاہیے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "إن أعظم النکاح برکة أیسرة مؤنة".

(مشکوٰۃ ص ۲۶۸)

"پیشک سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچہ جتنا کم ہو"

ایک اور حدیث میں ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: ألا لا تغالوا صدقة النساء فإنها لو كانت مکرمة فی الدنيا وتقوی عند اللہ لکان أولاکم بہا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما علمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکح شیئا من نسائه ولا أنکح شیئا من بناته علی أكثر من اثنتی عشرة أوقیة. رواه أحمد والترمذی وأبو داود والنسائی وابن ماجہ والدارمی"

(مشکوٰۃ ص ۲۷۷)

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں خبردار عورتوں کا مہر نہ بڑھاؤ کیونکہ مہر کی زیادتی اگر دنیا میں شرافت اور اللہ کے ہاں تقویٰ کا معیار ہوتی تو اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حق دار تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کسی زوجہ یا اپنی کسی بیٹی کا نکاح بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کیا ہو۔"

اس لئے اولاً تو شہرت کیلئے آپ کو یہ حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی لیکن اگر ایسا واقعہ ہو گیا ہے تو شرعاً جو نکاح مجلس عقد میں ہوا اس میں طے شدہ مہر معتبر ہوگا الا یہ کہ خفیہ معاہدے پر آپ کے پاس دو گواہ ہوں۔ اگر آپ خفیہ بیس ہزار مہر مقرر کرنے پر دو گواہ لے آتے ہیں تو مہر بیس ہزار ادا کرنا ہوگا ورنہ عورت کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور بظاہر جو مجلس نکاح میں ڈیڑھ لاکھ طے ہوئے ہیں آپ پر اس ڈیڑھ لاکھ کا ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی المصنف عبدالرزاق (۱۸۷/۶): عبد الرزاق عن الثوري عن جابر وغيره عن الشعبي قال إذا تزوج في السر بمهر وفي العلانية بمهر أكثر منه فالصداق الذي سمي في العلانية قال سفيان إلا أن تقوم البينة أنه كان سمعة (أي سمع به وأذاعه كذبا أو سمعة).

وفي الشامية (۱۶۲/۳): الوجه الثاني أن يتعاقدا في السر على مهر ثم أقر في العلانية بأكثر فإن اتفقا أو أشهدا أن الزيادة سمعة فالمهر ما ذكر عند العقد في السر وإن لم يشهد فعندهما المهر هو الأول. وعنده هو الثاني ويكون جميعه زيادة على الأول لو من خلاف جنسه وإلا فالزيادة بقدر ما زاد على الأول اه ملخصا من الذخيرة. والحاصل في الوجه الأول أن العقد إنما جرى في العلانية فقط، وفي الوجه الثاني بالعكس أو جرى مرتين مرة في السر ومرة في العلانية

كما قدمناه مبسوطاً عن الفتح - الخ -

وفيه أيضاً (۱۶۱/۳): مطلب في مهر السر ومهر العلانية ( قوله المهر مهر السر الخ ) المسألة على وجهين الأول تواضعاً في السر على مهر ثمر تعاقداً في العلانية بأكثر والجنس واحد ، فإن اتفقا على المواضع فالمهر مهر السر وإلا فالمسمى في العقد ما لم يبرهن الزوج على أن الزيادة سمعة -

## (۵۶۸) انچاس دراہم مہر مقرر کرنے کا حکم

### سوال

ہمارے علاقے میں ایک خاندان ہے جن میں پرانے زمانے سے یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ جب ان کے خاندان میں کسی کی شادی ہونے لگتی ہے تو نکاح کے وقت مہر میں ایک کم پچاس چاندی والے دراہم مقرر کرتے ہیں، یہی طریقہ چلا آ رہا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ دراہم تو نہیں ہیں تو یہ لوگ جب مہر ادا کریں گے تو کتنا ادا کرنا پڑے گا اور آج کے دن ان کو کتنی رقم مہر میں دینا لازم ہوگی جبکہ یہ لوگ اس رسم کو بھی نہیں چھوڑ رہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر سے تین قسم کے حقوق متعلق ہوتے ہیں۔ اولاً اس میں شریعت کا حق ہے کہ دس دراہم سے کم نہ ہو۔ دوسرا اس میں اولیاء کا حق ہے کہ مہر مثل سے کم نہ ہو، مہر مثل سے مراد وہ مہر ہے جو کسی بھی خاندان میں عام طور پر عورتوں کا مقرر کیا جاتا ہے، اس میں اعتبار عورت کے باپ کے خاندان کی عورتوں کا کیا جائے گا۔ جن میں عورت کی بہنیں اس کی پھوپھیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں شامل ہیں لہذا ان عورتوں کے مہر کا خیال کرتے ہوئے جو بھی مہر مقرر کیا جائے شرعاً درست ہے بشرطیکہ وہ دس دراہم سے کم نہ ہو۔ تیسرا حق مہر میں عورت کا ہے کہ اسے مہر کا مالک بنایا جائے البتہ اگر نکاح کے بعد عورت اپنی خوشی سے کچھ مہر یا پورا مہر معاف کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے اور شرعاً اس کا معاف کرنا درست ہوگا۔ صورت مسئلہ میں ۳۹ دراہم کی مقدار سے متعلق سوال کیا گیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ایک درہم 3.0618 گرام کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے مہر کی کم سے کم مقدار 30.618 گرام چاندی (برابر 2.625 تولہ چاندی) بنتی ہے۔ پھر اسی حساب سے 49 دراہم برابر ہیں 150.0282 گرام اور 12.8625 تولہ چاندی کے بنتے ہیں۔ چاندی کی قیمت بازار سے معلوم کر کے مہر ادا کر سکتے ہیں۔

لہافی القرآن الکریم (النساء: ۲۳): وَأَجَلٌ لَّكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ

مزید تفصیلات کیلئے مجم الفتاویٰ کی اسی جلد کے فتویٰ نمبر 552 ”شرع محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہے؟“ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ از مرتب

غَيْرَ مُسَافِحِينَ.

وفی التاتاریخانیة (۸۳/۲): والنساء اللاتی یعتبر مہرہا بمہورہن: قوم أیہا أخواتہا لأیہا وأمہا أو لأیہا وعماتہا وبنات عمہا --- فان لم تکن لها أخت ولا عمۃ فبنت الأخت لأب علی ما ذکرنا من التفسیر وبنات العم الخ۔

وفی الدر المختار (۱۰۱/۲): (أقلہ عشرة دراهم) لحديث البيهقي وغيره لا مهر أقل من عشرة دراهم۔  
وفی الشامیة تحتہ: قوله ( لحديث البيهقي وغيره ) رواه البيهقي بسند ضعيف ورواه ابن أبي حاتم وقال الحافظ ابن حجر إنه بهذا الإسناد حسن كما في فتح القدير في باب الكفاءة۔

## (۵۶۹) ساس کے قرضے سے بیوی کا مہر منہا کرنا

### سؤال

میری شادی میں جو مہر طے ہوا تھا وہ میں بیوی کو ادا نہیں کر پایا اور بیوی کا انتقال ہو گیا۔ ظاہر ہے مہر بیوی کے گھر والوں کو دوں گا لیکن میری ساس پر میرا قرض ہے۔ میں چاہتا ہوں مہر کی رقم اس قرض سے منہا کر دوں کیا اس طرح بیوی کا مہر ادا ہو جائے گا؟ ازراہ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

قرضہ میں مہر کی ادائیگی نہیں ہو سکتی نیز آپ کا یہ کہنا کہ ”ظاہر ہے مہر بیوی کے گھر والوں کو دوں گا“ یہ درست نہیں۔ مہر صرف بیوی کا حق تھا اور بیوی کے مرجانے کی صورت میں بیوی کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام ورثہ کو بقدر حصص مہر میں سے بھی رقم ملے گی لہذا صورت مسئلہ میں آپ کو چاہیے کہ مرحومہ کے مہر کی رقم کو ان کے ترکہ میں شامل کر دیں اور اگر مرحومہ کی کوئی اولاد نہ ہو تو آپ کو اس مہر سے نصف یعنی آدھا ملے گا اور اگر اولاد ہو تو پھر ایک چوتھائی حصہ اس مہر میں آپ کا (بطور میراث) ہے بقیہ رقم دیگر ورثہ پر ان کے حصوں کی بقدر تقسیم ہوگی اور ساس کا قرضہ، ساس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ آپ اپنا قرضہ ان سے وصول کریں۔ یہ مہر کی رقم اب تمام ورثہ کا حق ہے اسے قرضے میں منہا کرنا جائز نہیں۔

لہافی القرآن الکریم (النجم: ۳۸): أَلَا تَرَوْا زُرَّةً وَزُرَّةً وَزُرَّةً أُخْرَى.

وفی الدر المختار (۱۰۹/۲): باب المہر: (وکذا یجب --- إن وطئ) الزوج (أو مات عنہا) الخ۔

وفی الرد تحتہ: (قوله إن وطئ الزوج) أي ولو حکما نهر أي بالخلوة الصحیحة فإنہا كالوطء فی تأکد المہر كما سیأتی (قوله أو مات عنہا) قال فی البحر: لو قال أو مات أحدهما لکان أولى

لأن موتها كموته كما في التبين-

وفيه أيضاً (۵۹۷/۲) باب الحج عن الخیر: وأما قوله عليه الصلاة والسلام لا يصوم أحد عن أحد ولا يصلي أحد عن أحد فهو في حق الخروج عن العهدة لا في حق الثواب كما في البحر-

## (۵۷۰) نابالغ لڑکے کا مہر ادا کرنا کس پر واجب ہے؟

### سؤال

میں نے اپنے لڑکے کا دس سال کی عمر میں نکاح کر دیا تھا دس ہزار (10,000) روپے مہر مقرر کیا تھا۔ اب وہ لڑکی مہر کا مطالبہ کر رہی ہے تو کیا یہ مہر میرے اوپر لازم ہوگا یا میرے بیٹے پر جبکہ ابھی وہ نابالغ ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر آپ کے بیٹے پر لازم ہے اگرچہ وہ نابالغ ہے اگر اس کی ملکیت میں مال ہے تو مہر کی ادائیگی اس کے مال سے لازم ہے اور اگر وہ فقیر ہے تو جب تک مہر کی ادائیگی نہیں ہو جاتی عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو شوہر کے سپرد نہ کرے اگر باپ تہماً مہر ادا کر دے تو مہر ادا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر باپ نکاح کے وقت مہر کا ضامن بنا تھا تو عورت یا اس کے ولی کو (اگر زوجہ نابالغہ ہو) یہ حق حاصل ہے کہ باپ سے مہر کا مطالبہ کریں۔

لمافی فتح القدیر (۳/۳۰۳): [قوله: وإذا زوج الأب ابنته الصغيرة ونقص من مهرها أو ابنه الصغير وزاد في مهر امرأته جاز ذلك عليهما] ولزم عند أبي حنيفة سواء كان بنخبن فاحش أو قليل وثبت المال كله في ذمة الصغيرة في الثانية لا في ذمة الأب سواء كان الأب موسراً أو معسراً فيقتضيه من مال الصغير-

## (۵۷۱) رخصتی کے وقت بیوی کو دیئے گئے زیور کا حکم

### سؤال

سید عامر علی ولد سید مظفر علی نے عاصمہ بنت سید عابد علی سے نکاح کیا اور عقد نکاح کے وقت فریقین کی رضامندی سے پچاس ہزار (50,000/-) حق مہر طے ہوا جو کہ نکاح فارم میں درج کر دیا گیا۔ رخصتی کے بعد عامر علی نے اپنی اہلیہ عاصمہ بیگم کو زیور چڑھایا جو کہ عام طور پر شادی کے موقع پر چڑھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد عامر علی نے اپنی اہلیہ عاصمہ کو حق مہر ادا نہیں کیا جو کہ 50,000/- روپے

رقم طے تھی اور پھر کچھ سال بعد تین طلاقیں دے کر اپنی اہلیہ عاصمہ کو اپنی زوجیت سے فارغ کر دیا۔ اب بعد از طلاق عامر علی سے حق مہر کے ادا کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو عامر علی نے کہا کہ جو میں نے زیور عاصمہ کو چڑھایا تھا بعد نکاح کے وہی زیور مہر کے عوض ہے جبکہ عامر علی نے زیور چڑھاتے وقت نہ تو اس کی نیت کی کہ یہ حق مہر کے عوض ہے نہ اس کا تذکرہ اپنی اہلیہ عاصمہ سے کیا اور نہ اس کے گھر والوں سے اور نہ نکاح فارم میں اس کی وضاحت کی۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح سے عامر علی حق مہر کے ادا کرنے سے بری ہو جائیں گے اور کیا وہ چڑھایا ہوا زیور شرعاً حق مہر کے عوض میں شمار کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ طلاق کے بعد عامر کہتے ہیں کہ میں نے تو اس وقت یعنی زیور چڑھاتے وقت حق مہر کی نیت کی تھی جبکہ اس سے پہلے خود واضح کر چکے تھے کہ میں نے نیت نہیں کی تھی، سو انہوں نے اب اپنا بیان بدل لیا ہے۔ آپ تمام باتوں کا قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

سید عامر علی ولد سید مظفر علی نے عقد نکاح کے وقت جو مہر طے کیا تھا وہی حق مہر شمار کیا جائے گا۔ رخصتی کے وقت جو زیور چڑھایا گیا ہے اس کو حق مہر میں شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ جب عامر علی نے الگ سے مہر کی رقم مقرر کر دی تھی اور زیور دیتے وقت بھی اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ یہ بطور مہر کے ہے تو طلاق کے بعد ان کا یہ کہنا کہ ”زیور بطور مہر کے تھے“ معتبر نہیں کیونکہ آجکل نام طور پر رخصتی کے وقت جو زیور دیئے جاتے ہیں وہ بطور ہدیہ ہوتے ہیں جب تک وضاحت نہ کر دی جائے کہ یہ بطور حق مہر کے ہیں لہذا صورت مذکورہ میں سید عامر علی پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔

لمافی الہندیۃ (۱/۲۲۳): وفي مجموع النوازل بعث إلى امرأته أيام العید دراهم فقال عیدی أو قال سیر شکر ثم ادعی أنه من المہر لا یصدق کذا فی المحيط۔

وفي الشامیۃ (۲/۱۵۳): قلت ومن ذلك ما یبعثه إلیه قبل الزفاف فی الأعیاد والمواسم من نحو ثیاب وحلی وكذا ما یعطیها من ذلك أو من دراهم أو دنانیر صبیحة لیلة العرس ویسمی فی العرف صبیحة فإن كل ذلك تعورف فی زماننا كونه هدیة لا من المہر ولا سیما المسمى صبیحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثیابا ونحوها صبیحة العرس أيضا۔

(۵۷۲) شوہر کا بیوی سے مہر واپس لے کر ادا نہ کرنا

### سوال

ایک لڑکی کا مہر جو کہ سونے کی شکل میں مقرر ہوا تھا (مثلاً ۳ یا ۴ تولہ سونا) شوہر نے ریورات کی شکل میں بیوی کو ادا کر دیا۔

چند دن بعد اس لڑکی کی ساس اور اس کے شوہر نے وہ زیورات اُس سے لے لئے اور شوہر نے کہا کہ میں تمہیں بعد میں ادا کر دوں گا۔ اس کے بعد میاں بیوی کے درمیان کچھ اُن بن پیدا ہو گئی تو بیوی سسرال چھوڑ کر ماں باپ کے گھر چلی گئی اور لڑکی نے ان زیورات کا مطالبہ کر دیا۔ شوہر نے کہا کہ میں تمہیں نہ تو طلاق دوں گا اور نہ ہی وہ زیورات دوں گا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا شوہر پر ان زیورات کا لوٹانا ضروری ہے؟ بیوی کافی العور طلاق سے پہلے زیورات کا مطالبہ کرنا صحیح ہے؟ براہ کرم جواب عنایت فرمادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

جب مذکورہ لڑکی کا مہر جو کے سونے کی شکل میں مقرر ہوا تھا، زیورات کی صورت میں ادا کر دیا گیا تو اب یہ زیورات لڑکی کی ملکیت ہو گئے اور جب یہ زیورات اس لڑکی سے شوہر نے یہ کہہ کر واپس لے لئے کہ میں تجھے بعد میں دیدوں گا تو اب شوہر کے ذمہ دین (قرض) ہو گیا اور شرعاً لڑکی کے فی الفور مطالبہ پر ان زیورات کا لوٹانا شوہر کے ذمہ لازم ہے۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء: ۴): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ مِحْلَةً۔

وفی الشامیة (۳۰۲/۵): الدین الصحیح ما لا یسقط إلا بالأداء أو الإبراء۔

وفی الفقہ الاسلامی وادلته (۶۷۵۹/۹): الأول۔ مجرد العقد الصحیح: وقد یسقط کلہ أو نصفہ ما لم

یتأكد بالدخول أو بالموت، أو بالخلوة عند الخنفة والحنابلة۔

الثانی۔ الدخول الحقیقی: كما فی حالة الوطء بشبهة، أو فی الزواج الفاسد. ولا یسقط حیثئذ إلا

بالأداء أو بالإبراء۔

### (۵۷۳) زیورات کی صورت میں مہر کی ادائیگی

#### سؤال

مفتی صاحب! میرے چھوٹے بھائی کی شادی ہونے والی ہے۔ لڑکی والوں کی طرف سے حق مہر کی رقم مبلغ پچیس ہزار روپے (-/25,000) طے ہوئی ہے جبکہ میرے بھائی کی دلہن کا جو سونے کا زیور ہے اس کی قیمت ایک لاکھ روپے ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ وہ زیور جو سونے کا ہے اس کا چوتھائی حصہ حق مہر میں اداء ہو جائے جسے دلہن جب چاہے فروخت کر کے حق مہر لے لے آپ سے التماس ہے کہ ہمیں شریعت کے حکم سے آگاہ کریں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

مذکورہ طریقہ سے لڑکی کا مہر اداء کرنا جائز ہے البتہ صراحت بتا دیا جائے کہ حق مہر میں فلاں فلاں چیز مثلاً بالیاں وغیرہ ہیں اور یہ

زیور ہدیہ ہے۔ اگر صراحت نہیں بتایا (کہ اس سونے میں سے ایک چوتھائی یا مخصوص اشیاء مہر میں سے ہیں) تو چونکہ شادی کے موقع پر



جانے والا زیور عموماً ہدیہ ہوتا ہے اس لئے عرف کے مطابق پورا زیور ہدیہ بن جائے گا۔

لمافی الشامیة (۱۵۲/۲): قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنائير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبيحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبيحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثياباً ونحوها صبيحة العرس أيضاً۔

## (۵۷۳) ۱۲ سال بعد بھی مقرر کردہ رقم ہی مہر دینی ہوگی

### سوال

مفتی صاحب! گزارش یہ ہے کہ میرے بیٹے کا نکاح ۲۲/ اپریل ۱۹۹۸ء میں ہوا تھا جس میں حق مہر کی رقم بیس ہزار رکھی گئی تھی۔ اب بیٹے نے ۱۳/ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو طلاق دے دی ہے۔ مجھ کو معلوم یہ کرنا ہے کہ اس حق مہر کی رقم بیس ہزار روپے ہی ہوگی یا بیس ہزار سے بڑھ جائے گی؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

عقد نکاح کے وقت جو مہر طے کیا جائے وہی دینا واجب ہوتا ہے، چاہے طلاق کتنے ہی عرصہ کے بعد دی جائے لہذا صورتِ مسئلہ میں آپ کے بیٹے نے عقد نکاح کے وقت بیس ہزار (20,000) حق مہر رکھا تھا تو اب بھی بیس ہزار (20,000) ہی دینا ہوں گے زیادہ دینا ضروری نہیں۔

لمافی الہندیة (۳۰۳/۱) الباب السابع فی المہر: ثم الأصل فی التسمیة أنها إن صحت وتقررت يجب المسمى ثم ينظر إن كان المسمى عشرة فصاعدا فليس لها إلا ذلك -- وفي (ص ۲۱۲): الفصل السابع فی الزیادة فی المہر والحط عنه فيما يزيد وينقص الزیادة فی المہر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة کذا فی المحيط -- وهکذا روی بشر عن أبي يوسف، رحمه الله تعالى وصورة ما روی بشر إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها أو بعده ثم زادها فی المہر لم تصح۔

وفي الدر المختار (۱۰۲/۲) باب المہر: (وتجب) العشرة (إن سماها أو دوها) يجب (الأكثر منها) إن سمى (الأكثر ويتأكد) (عند وطء أو خلوة صحت) (من الزوج) (أو موت أحدهما)۔  
وفي الشامیة (۱۰۲/۲): إذا طلقها الزوج بعد الخلوة الصحیحة لوجوب المہر كاملاً علی الزوج۔

(۵۷۵) ۱۹۶۵ء میں مقرر 256 روپے ہی مہر دینا لازم ہے

### سوال

مفتی صاحب! میرا نکاح چند ماہ قبل ہوا ہے۔ شادی سے اب تک تعلقات خوشگوار نہیں رہے۔ نتیجہ یہ کہ کچھ دنوں کے بعد مکمل علیحدگی ہو گئی۔ میرا اس سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے اور وہ ایک بیٹے کے ہمراہ اس کے مکان میں رہ رہی ہے۔ اس کا حق مہر شادی کے وقت (1965 میں) دو سو چھپن روپے اور چالیس پیسے (256.40) طے ہوا تھا۔ سوال یہ ہے کہ میں اب اس کا حق مہر ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا حق مہر موجودہ وقت کے حساب سے کیا ہوگا؟ کیا مہر کے علاوہ میرے ذمہ کوئی ادائیگی بنتی ہے؟ اگر بنتی ہو تو بتادیں، تاکہ میں ادا کر دوں اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ جاؤں۔

نوٹ: میرے پاس میری سابقہ بیوی کی ملکیت کا کوئی سامان نہیں ہے اور نہ ہی رقم ہے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر اداء کرنا شوہر کے ذمہ لازم ہے لہذا صورت مسئلہ میں آپ کے ذمہ وقت عقد جو مہر سہمی طے ہوا تھا (یعنی دو سو چھپن روپے اور چالیس پیسے) وہی ادا کرنا لازم ہے نیز مستحب یہ ہے کہ آپ اپنی مطلقہ بیوی کو متعہ (یعنی ایک جوڑا کپڑا اور بڑی چادر) دیدیں۔

لمافی احکام القرآن للجصاص (۱/۲۲۲، ۲۲۳): قَالَ اللهُ تَعَالَى وَمَتَّعُوْهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدْرَهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرَهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ وَلَمْ يَقْدِرْ اَصْحَابُنَا لَهَا مَقْدَارًا مَعْلُومًا لَا يَتَجَاوَزُ بِهِ وَلَا يَقْصُرُ عَنْهُ وَقَالُوا هِيَ عَلَى قَدْرِ الْمَعْتَادِ الْمَتَعَارَفِ فِي كُلِّ وَقْتٍ وَقَدْ ذَكَرَ عَنْهُمْ ثَلَاثَةُ اَثْوَابٍ دَرَعٌ وَخِمَارٌ وَازَارٌ وَالْاِزَارُ هُوَ الَّذِي تَسْتَتِرُ بِهِ بَيْنَ النَّاسِ عِنْدَ الْخُرُوجِ۔

وفي الهندية (۱/۳۰۲): الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوقة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا في البدائع --- المتعة عندنا على ثلاثة أوجه متعة واجبة وهي للمطلقة قبل الدخول ولم يسر لها مهرا ومستحبة وهي للمطلقة بعد الدخول ولا واجبة ولا مستحبة وهي للمطلقة قبل الدخول وقد سمي لها مهرا كذا في السراج الوهاج۔

## (۵۷۶) لڑکی کی اجازت کے بغیر ولی کیلئے اس کا مہر استعمال کرنا

### سوال

مفتی صاحب! گزشتہ سال میں تبلیغ کے سلسلے میں چار ماہ کیلئے گیا۔ ایک جگہ ہماری تشکیل ہوئی تو مسجد کے امیر صاحب کے بیٹے کی شادی ہو رہی تھی۔ انہوں نے ہم کو بھی دعوت دی اور دوران دعوت ہم کو وہاں کے رواج کے بارے میں پتہ چلا کہ وہاں یہ رواج ہے کہ لڑکا لڑکی کو جو مہر دیتا ہے تو لڑکی کا جو بھی ولی ہوتا ہے وہ اس مہر میں سے لڑکی کیلئے زیورات وغیرہ بنواتا ہے۔ اسی طرح بعض مرتبہ بعض اولیاء یہ بھی کرتے ہیں کہ لڑکی کے مہر میں سے لڑکے کیلئے انگوٹھی یا گھڑی وغیرہ بنواتے ہیں اور لڑکے کے گھر والوں کیلئے بھی اسی مہر میں سے کپڑے وغیرہ بنواتے ہیں اور لڑکی کی اگرچہ صراحتاً تو اجازت نہیں ہوتی مگر چونکہ وہاں کا رواج ہے تو دلالتاً گویا کہ لڑکی بھی راضی ہے کیونکہ لڑکی اپنے بڑوں کے رواج کے آگے کچھ نہیں بولتی تو اب میرے ذہن میں یہ سوال ہے کہ کیا شریعت میں یہ طریقہ کہ لڑکی کے مہر سے لڑکے اور ان کے گھر والوں کو چیزیں دینا جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر مشکور و ممنون فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر کے متعلق اصل حکم یہ ہے کہ مہر کی مستحق لڑکی ہوگی، اولیاء کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ تاہم اگر بالغ لڑکی ولی کو مہر پر قبضہ کرنے کی اجازت دیدے تو ولی کیلئے قبضہ کرنا درست ہے اور اسی طرح اگر لڑکی ولی کو مہر میں تصرف کرنے کی اجازت دیدے یا ولی کے تصرف کرنے پر دل سے راضی ہو تو ولی کیلئے اس طرح کا تصرف کرنا درست ہے اور اگر لڑکی نے تصرف کی اجازت نہیں دی اور ولی کے اس طرح کے تصرف کو دل سے قبول نہیں کرتی تو ولی کیلئے لڑکی کے مہر میں کسی قسم کا کوئی تصرف کرنا درست نہ ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی آدمی کیلئے حلال نہیں کہ دوسرے کے مال میں بغیر اس کی اجازت اور ولی رضامندی کے کسی قسم کا تصرف کرے لہذا صورت مسئلہ میں لڑکی چونکہ رواج اور بڑوں کی وجہ سے خاموش ہے لڑکی کی اجازت اور رضامندی دل سے نہیں پائی جا رہی اس لئے ولی کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے البتہ اگر کوئی لڑکی بالکل دل سے راضی ہو کر مہر میں تصرف کی اجازت دے دے تو یہ تصرف جائز ہوگا۔

لہما فی القرآن الکریم (النساء: ۴): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً.

وفی احکام القرآن للجصاص (۵۸/۲): قال قتادة فی هذه الآیة ما طابت به نفسها من غیرہ کرہ فهو حلال وقال علقمة لامراتہ اطعمیني من الهنيء والمریء فتضمنت الآیة معانی منها أن المهر لها وهي المستحقة له لاحق للولی فیہ ومنها أن علی الزوج أن يعطيها بطیبة من نفسه

ومنها جواز هبتها للمهر للزوج والإباحة للزوج في أخذه بقوله تعالى فَكُلُّواْ هُنَّ بِنَاتٌ مَّرِيئَاتٌ  
 وفي مشكوة المصابيح (ص ۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله  
 عليه وسلم: "ألا تظلموا ألاً لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب  
 الإيمان والدارقطني في المجتبى -  
 وفي الشامية (۱۲۱/۳): وولاية قبض المهر له بحكم الأبوة لا باعتبار أنه عاقد ولذا لا يملك قبضه  
 بعد بلوغها وإذا نكته بخلاف البيع وتمامه في الفتح -

## (۵۷۷) مہر کے لئے مال مستقوم (جو شرعاً مال ہو) ہونا ضروری ہے

### سؤال

مفتی صاحب! عمر نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ بیوی سے عمر کی ایک بچی ہے۔ مہر پچاس ہزار روپے مقرر ہوا تھا۔ عمر نے طلاق  
 نامہ میں لکھا کہ میں مہر میں یہی بچی بیوی کو دیتا ہوں۔ کیا یہ درست ہے اور وہ بچی مہر بن جائے گی؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر میں ایسی چیز دینا ضروری ہے جو کہ مال ہو۔ بچی چونکہ مال نہیں ہے لہذا مہر نہیں بن سکتی اور خاوند کا طلاق نامہ میں بچی کو مہر  
 ٹھہرانا درست نہیں بلکہ جو پچاس ہزار مقرر کیا گیا تھا وہی ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی التفسیر المظہری (۶۷/۲): فائدة: هذه الآية تقتضي أن المهر لا بد أن يكون مالا  
 لأن الحل مقيد بالابتغاء بالأموال والمنافع المعلومة ملحق بالأموال شرعاً -  
 وفي الهندية (۳۰۲/۱) الباب السابع في المهر: المهر انما يصح بكل ما هو مال متقوم -  
 (و في ص ۳۰۳): الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة  
 الدخول والخلو الصحيح وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط  
 منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء -

وفي رد المحتار (۱۰۰/۲): باب المهر: ثم عرف المهر في العناية بأنه اسم للمال الذي يجب في عقد  
 النكاح على الزوج في مقابلة البضع إما بالنسبة أو بالعقد - ومن ثم عرفه بعضهم بأنه اسم لما  
 تستحقه المرأة بعقد النكاح أو الوطء -

## (۵۷۸) زنا میں مہر [عقر] کا حکم

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی عورت سے زنا کرتا ہے تو کیا وہ عورت مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے نیز بچہ زنا کرے تو کیا حکم ہے؟؟؟ مہر لازم آتا ہے یا عقر؟ عقر کے کہتے ہیں؟ ازراہ کرم مسئلے کا تفصیلی اور تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

اگر بالغ مرد اور بالغہ عورت زنا کے مرتکب ہوں تو کسی قسم کا مہر یا عقر لازم نہیں آتا بلکہ حد جاری ہوتی ہے۔ یہ اصول ہے کہ دارالاسلام میں کوئی بھی وطی ہوگی وہ حد یا مہر سے خالی نہ ہوگی نکاح صحیح سے ہوتب تو مہر کامل ادا کرنا ہوگا جو کہ عورت کیلئے شرف و عظمت ہے، وطی حرام زنا ہو تو حد جاری ہوگی لیکن اگر وطی حرام میں شبہ آجائے مثلاً بچہ زنا کر لے یا عورت پر بچہ اکراہ کر کے جماع کرے تو یہ سب شبہات ہیں، ان کی بناء پر حد ساقط ہو جائیگی اور عقر لازم آئے گا۔

عقر سے مراد آزاد عورت کا مہر مثل ہے اور باندی کا عقر اسکی قیمت کا دسواں حصہ اگر کنواری ہو اور بیسواں حصہ اگر ثیبہ ہو۔ الغرض عقر کی تحدید میں مہر کا دخل ہے اور وطی حرام میں شبہ ہو تو حد نہیں لیکن عقر آئے گا۔

لما فی التاتارخانیۃ (۶/۲۶۲): واذا زنی صبی بصبیۃ فلاحد علیہما وعلیہ المہر ولو أقر الصبی بذلک لا یلزمہ شیء باقرارہ ولو زنی صبی بامرأة حرة بالغة فأذهب عذر تھا الصبی وہی مکرہة فانہ یضمن المہر بخلاف ما اذا كانت مطاوعة۔

وفی الہندیۃ (۱/۳۲۵): وتفسیر العقر الواجب بالوطء فی بعض المواضع وتقديرہ قال الشیخ الإمام نجم الدین سألت القاضی الإمام الإسبیجانی عن ذلک بالفتوی فکتب هو العقر أنه ینظر بکم تستأجر للزنا لو کان حلالا ینجب ذلک القدر کذا نقل عن مشایخنا کذا فی الخلاصۃ وفی الحجۃ روي عن أبي حنیفة رحمہ اللہ تعالی قال تفسیر العقر هو ما یتزوج بہ مثلها وعلیہ الفتوی کذا فی التاتارخانیۃ۔

وفی الدر المختار (۳/۱۶۰): الوطء فی دار الإسلام لا یخلو عن حد أو مہر۔

وفی الشامیہ تحتہ: وكذا لو زنی بثیب وہی نائمة فلاحد علیہ ولا عقر أو بکر بالغة دعتہ إلى نفسها وأزال عذر تھا وعلیہ المہر لو مکرہة أو صغیرة أو أمة۔

وفیه ایضاً (۱۰۰/۳): العقر هو مهر مثلها فی الجمال أي ما یرغب به فی مثلها جمالا فقط۔  
 وفی الموسوعة الفقهیة (۲۶۲/۳۰): العقر بضم ما تعطاه المرأة علی وطئ الشبهة۔۔۔ وفی الاصطلاح  
 نقل ابن عابدین عن الجوهرة أن العقر: فی الحرائر مهر المثل، وفی الإمام عشر القیمة لو بکرا  
 ونصف العشر لو ثیبا۔

## (۵۷۹) موقوفہ زمین کو مہر بنانا درست نہیں

### سوال

حضرت مفتی صاحب! ایک مولانا صاحب مدرسے کے مہتمم تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ آخری اوقات میں حضرت نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ مدرسہ کی جو جگہ اور مکانات ہیں ان کو اپنی وراثت میں شامل نہیں کرنا، یہ مدرسہ کی جگہ تمہارے پاس بطور امانت ہے اس میں خیانت نہیں ہونی چاہیے۔ پھر جب مولانا اپنے رب کو پیارے ہوئے تو ان کے بڑے بیٹے نے مدرسہ کو سنبھالا بعد ازاں جب اپنے چھوٹے بھائی کیلئے ایک آدمی سے رشتہ مانگا تو اس آدمی نے یہ شرط رکھی کہ ایک مکان لڑکی کے نام پر میرے حوالے کرو پھر رشتہ دوں گا تو اس مہتمم نے مدرسہ کا ایک مکان کاغذات سمیت لڑکی کے نام پر گواہوں کے ساتھ حوالے کیا، پھر رشتہ طے ہوا اور منگنی بھی ہو گئی۔ عنقریب شادی ہونے والی ہے آیا اس وقف شدہ زمین کو مہر میں دینا مرحوم کے بیٹے کیلئے جائز ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہتمم اول کا اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے وقت مذکورہ الفاظ کہنا کہ ”مدرسہ کی جگہ اور جو مکانات ہیں، ان کو وراثت میں شامل نہیں کرنا، یہ مدرسہ کی جگہ تمہارے پاس بطور امانت ہے اس میں خیانت نہیں ہونی چاہیے“ سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کی زمین اور مکانات مہتمم اول کے پاس وقف کے طور پر تھے لہذا ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے کی طرف بھی بطور وقف اور امانت کے منتقل ہوئے اور شریعت میں وقف شدہ زمین یا مکان وغیرہ کو بیچنا، کسی کو ہبہ کرنا یا مالک بنانا جائز نہیں لہذا اب موجودہ مہتمم صاحب کا مدرسہ کے مکان کو لڑکی کے نام کرنا درست نہیں تھا، اس لئے اس مکان کی واپسی ضروری ہے نیز ابھی عقد نہیں ہوا ہے لہذا اس مکان کی جگہ باہمی رضامندی سے کوئی دوسری چیز مقرر کر لی جائے۔

لمافی صحیح البخاری (۳۸۹، ۳۸۸/۲) باب الوقف وکیف یکتب: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، قال: أصاب عمر بنخیر أرضاً، فألقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: أصبت أرضاً لم أصب مالا قط أنفس منہ، فکیف تأمرنی بہ؟ قال: إن شئت حبست أصلها وتصدقت بہا، فتصدق عمر أنه لا یبأ أصلها ولا یوہب ولا یورث فی الفقراء، والقربی والرقاب وفی سبیل اللہ والضعیف وابن

السبیل، لا جناح علی من ولیها أن يأكل منها بالمعروف، أو يطعم صديقا غير متمول فيه۔  
 وفي الهندية (۲/۳۵۰): ولا يلزم إلا بطريقتين إحداهما قضاء القاضي بلزومه والثاني أن يخرج  
 مخرج الوصية فيقول أوصيت بغلة داري فحينئذ يلزم الوقف كذا في النهاية وعندهما حسب  
 العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعتة إلى العباد فيلزم ولا يبايع ولا يوهب ولا  
 يورث كذا في الهداية وفي العيون واليتيمة إن الفتوى على قولهما كذا في شرح أبي المكارم  
 للنقاية۔

وفي الشامية (۲/۳۳۸): قوله (على حكم ملك الله تعالى) قدر لفظ حكم ليفيد أن المراد أنه لم  
 يبق على ملك الواقف ولا انتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالى الذي لا ملك  
 فيه لأحد سواء وإلا فالكل ملك الله تعالى واستحسن في الفتح قول مالك رحمه الله أنه حسب  
 العين على ملك الواقف فلا يزول عنه ملكه لكن لا يبايع ولا يورث ولا يوهب۔

## (۵۸۰) وقف زمین مہر رکھنے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی

### سوال

مفتی صاحب! ایک آدمی کے پاس وقف کیا ہوا مکان تھا۔ اس کے پاس کوئی اور مکان نہیں تھا۔ اس نے بھائی کی شادی پر وہ  
 مکان حق مہر میں دیدیا اور بعد میں استفتاء لے لیا تو وہ مکان واپس کرنے کا فتویٰ ملا۔ کیا وہ آدمی مکان واپس لے سکتا ہے؟ اگر لے سکتا  
 ہے تو حق مہر کتنا ادا کرنا چاہیے اور مکان کی قیمت کا اعتبار کیا جائے تو مکان کی قیمت چھ، سات لاکھ ہوتی ہے اور اب لڑکے والوں کے پاس  
 اتنی رقم بھی نہیں ہے کہ مکان کی قیمت ادا کر سکیں۔ اگر ان کو پتہ ہوتا کہ یہ مکان شریعت کے تحت نہیں دے سکتے ہیں تو ہرگز نہیں دیتے۔  
 لڑکی کے باپ مکان کے کاغذات بھی لے چکے ہیں اور شادی کو تین ماہ گزر چکے ہیں لہذا لڑکے والے زیادہ حق مہر دینے کی طاقت  
 نہیں رکھتے ہیں اور لڑکی والے کم حق مہر پر راضی نہیں ہیں تو کیا صورت اختیار کی جائے جس میں وقف کیا ہوا مکان واپس ہو جائے اور مہر بھی  
 ادا ہو جائے۔ برائے مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں اور ہمارے اس تنازع کو شریعت کے مطابق حل  
 فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

نکاح کے اندر جب کسی ایسی چیز کو مہر بنایا جائے جو مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہو، مگر کسی وجہ سے مہر میں نہ دی جاسکے تو اس  
 صورت میں اس کی قیمت دینی ہوتی ہے لہذا صورت مسئلہ میں اولاً لڑکی والوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ وقف شدہ مکان جو ان کو بطور مہر ملا

تھا واپس کر دیں، کیونکہ جس طرح وقف شدہ چیز کا کسی کو دینا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی سے لینا بھی جائز نہیں ہے۔ لڑکے والوں نے مہر میں جو مکان دیا تھا وہ فی نفسہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن وقف شدہ ہونے کی بنا پر اس کو مہر میں نہیں دے سکتے تو اس کی قیمت ان پر بطور مہر لازم ہوگی البتہ اگر لڑکی اس قیمت میں سے اپنی مرضی اور خوشی سے کم کر دے تو پھر جائز ہے اور مکان کی قیمت مہر ہونے کی وجہ سے اس لڑکی ہی کا حق ہے لہذا اسے معاف کرنے اور کم کرنے کا حق بھی صرف لڑکی ہی کو ہے، اگر لڑکی معاف نہیں کرتی تو پھر پوری قیمت دینی پڑے گی۔

لمافی الہندیۃ (۳۰۳/۱): وإذا تزوجها علی هذا العبد وهو ملک الخیر أو علی هذه الدار وهي ملک الخیر فالنکاح جائز والتسمیة صحیحة فبعد ذلك ینظر إن أجاز صاحب الدار وصاحب العبد ذلك فلها عین المسمی وإن لم یجز المستحق لا یبطل النکاح ولا التسمیة حتی لا یجب مہر المثل وإنما تجب قيمة المسمی کذا فی المحيط۔

وفی الشامیة (۱۳۱/۲): (کما لو استحق أحدهما) أي أحد العبدین المسمین فإن لها الباقی وقيمة المستحق ولو استحقا جیمعا فلها قیمتہما وهذا بالإجماع کما شرح الطحاوی۔

## (۵۸۱) حج کرانے کو مہر بنانا

### سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص نے دو سال قبل شادی کی تھی۔ لڑکی کے والدین نے یہ شرط لگائی تھی کہ ہماری لڑکی کا مہر یہ ہے کہ آپ اس کوچ کرائیں گے تو کیا حج کرانے کو مہر قرار دیا جاسکتا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

کسی لڑکی کا مہر اگر حج کرانا مقرر کیا جائے تو مہر مثل واجب ہوگا چونکہ حج کرانا مال نہیں لہذا اسے مہر نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

لمافی البحر الرائق (۲۴۵/۳): وأشار المصنف إلى أنه لو تزوجها علی أن یحج بها وجب مہر المثل لکن فرقا فی الخانیة بین أن یتزوجها علی أن یحج بها و بین أن یتزوجها علی حجة فأوجب فی الأول مہر المثل و فی الثانی قيمة حجة وسط۔

وفی الہندیۃ (۳۰۳/۱): ولو تزوج امرأة علی طلاق امرأة له أخرى أو علی دم عمد له علیها أو علی أن یحج بها کان لها مہر مثلها کذا فی فتاوی قاضی خان۔

وفی الشامیة (۱۰۸/۲): ولهذا ذکر فی فتح القدر ہنا أنه لما جوز الشافعی أخذ الأجر علی تعلیم



القرآن صحیح تسميته مهرا فكذا نقول يلزم على المفتي به صحة تسميته صداقا ولم أر من تعرض له والله موفق للصواب اهـ

## (۵۸۲) تعلیم قرآن کو مہر بنانا جائز نہیں

### سؤال

مفتی صاحب! تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست ہے یا نہیں؟ ایک غیر مقلد کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کو مہر بنایا ہے۔ احناف کا تعلیم قرآن کو مہر بنانے سے منع کرنا حدیث کے خلاف ہے۔ برائے مہربانی یہ بیان فرمائیں کہ ان صاحب کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست نہیں۔ ان صاحب کا یہ کہنا کہ احناف کا تعلیم قرآن کو مہر بنانے سے منع کرنا حدیث کے خلاف ہے، درست نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ تم مال کے ذریعے عورتوں کو تلاش کرو اور تعلیم قرآن مال نہیں۔ جس حدیث مبارکہ میں تعلیم قرآن کو مہر بنانے کا ذکر ہے، اول تو وہاں اس بات کی صراحت نہیں کہ آپ ﷺ نے اس کے علاوہ کوئی اور چیز مہر مقرر نہ فرمائی ہو۔ بلکہ عرب کا یہ طریقہ تھا کہ وہ عورت کو جماع سے پہلے کچھ نہ کچھ دیا کرتے تھے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے صحابی سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ جب صحابی نے عرض کیا کہ کچھ نہیں تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس جو قرآن ہے اس کے سبب سے میں نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کیا۔ یعنی جماع سے پہلے عورت کو دینے کے لئے تمہارے پاس کچھ نہیں، لیکن تمہارے پاس قرآن کی نعمت ہے اس کی برکت سے نکاح کیا اور اگر تعلیم قرآن کے مہر بنانے کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ان صحابی کی خصوصیت ہوگی نہ کہ عام علم۔

لہافی القرآن الکریم (النساء: ۲۴): وَأَجَلٌ لَّكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ

وفی البخاری (۷۷۲/۲): حدثنا علی بن عبد اللہ، حدثنا سفیان، سمعت أبا حازم، يقول: سمعت سهل بن سعد الساعدي رضی اللہ عنہ يقول: إني لفي القوم عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذ قامت امرأة فقالت: يا رسول الله، إنهما قد وهبت نفسها لك، فأرأيتها رأيتك، فلم يجبهما شيئا، ثم قامت فقالت: يا رسول الله، إنهما قد وهبت نفسها لك، فأرأيتها رأيتك، فلم يجبهما شيئا، ثم قامت الثالثة فقالت: إنهما قد وهبت نفسها لك، فأرأيتها رأيتك، فقام رجل فقال: يا رسول

اللہ أنکحنيها، قال: هل عندك من شيء؟ قال: لا، قال: اذهب فاطلب ولو خاتما من حديد فذهب فطلب، ثم جاء فقال: ما وجدت شيئا ولا خاتما من حديد، فقال: هل معك من القرآن شيء؟ قال: معي سورة كذا وسورة كذا، قال: اذهب فقد أنكحتكها بما معك من القرآن۔

وفي الشامية (۱۰۲/۳): قلت ولا بد من كونها مما يستحق المال بمقابلتها ليخرج ما يأتي من عدم صحة التسمية في خدمة الزوج الحر لها وتعليم القرآن۔

وفيه أيضاً (۱۰۱/۳): فيحمل المنع المذكور على الندب أي ندب تقديم شيء إدخالاً للمسرة عليها تألفاً لقلبها وإذا كان ذلك معهوداً وجب حمل ما خالف ما روينا عليه جمعاً بين الأحاديث وهذا وإن قيل إنه خلاف الظاهر في حديث التمس ولو خاتما من حديد لكن يجب المصير إليه لأنه قال فيه بعده زوجتكها بما معك من القرآن فإن حمل على تعليمه إياها ما معه أو نفى المهر بالكلية عارض كتاب الله تعالى وهو قوله تعالى { أن تبتغوا بأموالكم } فقيده الاحلال بالابتغاء بالمال فوجب كون الخبر غير مخالف له وإلا لم يقبل لأنه خبر واحد وهو لا ينسخ القطعي في الدلالة وتماثل ذلك مبسوط في الفتح۔

## (۵۸۳) بچے کے نکاح میں ولی مہر کی ضمانت لے سکتا ہے

### سوال

مفتی صاحب! اگر ولی نے نابالغ بچے کی طرف سے مہر کی ضمانت اٹھائی تو یہ ضمانت صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو لڑکی کو مہر نہ ملنے کی صورت میں لڑکی ولی سے مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں اور مہر ولی کے ذمے واجب الادا ہوگا یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر ولی نے صغیر کی طرف سے مہر کی ضمانت اٹھائی تو یہ ضمانت صحیح ہے اور لڑکی کو مہر نہ ملنے کی صورت میں ولی سے مطالبہ کیا جائے گا کیونکہ یہ مہر ولی کے ذمہ واجب ہے۔

لمافی الهدایة المطبوع مع فتح القدير (۳۶۸/۳): [وإذا ضمن الولي المهر صح ضمانه] لأنه من أهل الالتزام وقد أضافه إلى ما يقبله فيصح [ثم المرأة بالخيار في مطالبتها زوجها أو وليها] اعتباراً بسائر الكفالات ويرجع الولي إذا أدى على الزوج إن كان بأمره۔

## والی عورت کا زیادہ بابرکت ہونا

### سوال

رجتنا کم ہو وہ اتنی ہی بابرکت ہوتی ہے اور جس نکاح پر جتنی کم لاگت آئے وہ اتنا ہی بابرکت ہوتا ہے، کیا یہ صحیح بات کیا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

حضرت عائشہ صدیقہ نبیؐ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورت زیادہ بابرکت ہوتی ہے یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ نکاح زیادہ بابرکت ہوتا ہے جس پر کم خرچہ آئے۔

ن (۱۰۴/۱۱): عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان رسول اللہ ﷺ قال ان اعظم ره مؤنة۔

علی الصحیحین (۱۹۲/۲): عن عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اء بركة أیسرهن صداقا هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه۔

بیح (ص ۲۶۸): وعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال النبی صلی اللہ عنہ وسلم: کاح بركة أیسره مؤنة". رواهما البیهقی فی شعب الإیمان۔

(۲۹۲، ۲۹۳/۱۶): خیرهن أیسرهن صداقا۔

## اگولا علم رکھ کر اس کا مہر ادا کرنا

### سوال

اگولا علم رکھ کر اس کا مہر ادا کرنا

اس طرح مہر ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور تھوڑی تھوڑی رقم دینے سے بعد میں جبکہ مہر کی رقم پوری ہو چکی ہو، بیوی کو مطالبہ کا حق حاصل ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

آپ نے جو مسئلہ قرض اور غصب کی چیز کا سنا کہ اگر وہ اس کے مالک کو اس کی لاعلمی میں دیدی جائے تو ادا ہو جاتی ہے درست ہے لیکن اس مسئلے اور شوہر پر بیوی کے مہر کے لازم ہونے میں تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ مقروض اور غاصب کے ذمہ (عموماً) دائن یا مغبوب منہ کو صرف وہی مال واپس کرنا لازم ہوتا ہے جو اس نے بطور قرض یا غصب کے لیا ہوتا ہے، بخلاف شوہر کہ اس کے ذمہ بیوی کے مہر کے ساتھ ساتھ اس کا نان و نفقہ وغیرہ بھی ہوتا ہے اس لئے اگر شوہر روزانہ تھوڑی تھوڑی رقم بیوی کو دے اور اسے مہر کا بتائے بغیر مہر کی نیت کرے تو چونکہ یہ ظاہر اعراف کے خلاف ہے اس لئے اس ادائیگی کے بعد شوہر اگر مہر کی ادائیگی کا دعویٰ کرے اور بیوی انکار کرے تو بیوی کی بات مانی جائے گی اور اسے مہر کے مطالبہ کا حق بدستور حاصل رہے گا۔

اس لئے آپ کا روزانہ تھوڑی تھوڑی رقم بیوی کو دے کر مہر کی نیت کرنا درست نہیں ہاں اگر آپ مہر کی صراحت کے ساتھ دیں یا اپنے حالات کے پیش نظر بیوی کو خرچے کے علاوہ روزانہ دی جانے والی تھوڑی رقم جوڑنے کا کہیں اور جب وہ معتد بہ مقدار میں ہو جائے تو بیوی کو مہر کی صراحت کے ساتھ حوالے کر دیں تو اس صورت میں آپ کی بیوی کو وہ رقم ایک اچھی مقدار میں مل جائے گی اور آپ اپنے فریضے سے بھی سبکدوش ہو جائیں گے اور ادائیگی کی یہ صورت دونوں کیلئے سہولت والی ہوگی۔

لمافی الہندیۃ (۱/۲۲۲): أعطایا ما لا وقال من المہر وقالت من النفقة فالقول للزوج إلا أن تقیم  
ہی البینة کذا فی فتح القدیر۔

وفیہ أيضاً (۵/۱۳۲، ۱۳۵): وثبوت ید المالك یوجب سقوط الضمان عن الغاصب سواء عرف  
ذلک أو لم یعرف لأن الحكم یتنی علی السبب دون العلم۔۔۔ وكذلك لو أن الغاصب  
کسا الثوب رب الثوب فلبسه حتی تحرق عرفه أو لم یعرفه وكذا إذا باعه صاحبه أو وهبه له ولا  
یعرفه حتی لبسه وتحرق۔

وفی (۵/۱۳۵): إذا رد الغاصب المخبوب علی المخبوب منه فجواب الكتاب أنه یراً مطلقاً وقال  
الشیخ المعروف بخواهر زاده فی کتاب الإقرار المسألة فی الحاصل علی وجوه إن كان المأخوذ  
منه کبیراً بالغاً فالجواب ما قال فی الكتاب۔

## (۵۸۶) مہر کا جہیز کے بدلے تبادلہ کرنا

## سؤال

مفتی صاحب! لڑکے کے گھر والوں نے مہر کی رقم کا جہیز کے سامان کے ساتھ تبادلہ کر لیا یعنی لڑکی والوں سے کہا کہ آپ جہیز کا سامان لڑکی کو نہ دیں اور اس کے بدلے میں مہر کی رقم کو ساقط سمجھ لیں تو آیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر ایسا کر لیا تو کیا حکم ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

عقد نکاح کی وجہ سے شوہر کے ذمے بیوی کے لئے مہر کی ادائیگی شرعاً واجب ہوتی ہے اور بیوی کو مہر کے مطالبہ کا حق حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ بیوی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اگر مہر متجمل ہو تو جب تک شوہر مہر ادا نہیں کرتا اس کے پاس جانے سے انکار کر دے، بخلاف جہیز کے، جہیز لڑکی کے گھر والوں پر شرعاً واجب نہیں اور نہ ہی شوہر کا جہیز کے ساتھ کسی قسم کا حق متعلق ہوتا ہے بلکہ یہ تو لڑکی کے والدین وغیرہ اپنی صوابدید اور خوشی سے اپنی بیٹی کے لئے کرتے ہیں اور لڑکی کو دینے کے بعد اس پر ملکیت لڑکی کی ہوتی ہے یہاں تک کہ شوہر کیلئے اس کی اجازت کے بغیر جہیز میں تصرف جائز نہیں لہذا شوہر کے گھر والوں یا شوہر کے لئے جائز نہیں کہ وہ جہیز کے عوض جس سے ان کا کوئی حق ہی متعلق نہیں مہر کے ساقط ہونے کا مطالبہ کریں لیکن اگر کسی نے مذکورہ طریقہ پر مہر کے سقوط کی شرط لگا کر نکاح کر لیا تو مہر ساقط نہ ہوگا بلکہ شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

لمافی الہندیۃ (۳۰۴/۱): وإن تزوجها ولم یسر لها مہراً أو تزوجها علی أن لا مہر لها فلها مہر مثلها إن دخل بها أو مات عنها۔

وفیہ أيضاً (۳۰۸/۱): ولو قال تزوجتک علی أن تعطیني هذا الثوب لها مہر المثل ولا یلزمها الثوب۔

وفیہ أيضاً (۳۱۷/۱): الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمہرها والتأجیل فی المہر وما یتعلق بهما: فی کل موضع دخل بها أو صحت الخلوۃ وتأكد کل المہر لو أرادت أن تمنع نفسها لاستیفاء المعجل لها ذلك عنده۔۔۔ وقبل تسلیم النفس لها ذلك بالإجماع۔

وفی الدر المختار (۱۰۲/۳): (وتجب) العشرة (إن سماها)۔۔۔ ویتأكد (عند وطء أو خلوۃ صحت) من الزوج۔

وفی الردتحتہ: (ویتأكد) أي الواجب من العشرة أو الأكثر وأفاد أن المہر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبیلها ابنہ أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما یتأكد لزوم

تمامہ بالوطء ونحوہ۔

وفی الدر المختار (۱۰۸/۲): (وکذا یجب) مهر المثل (فیما إذا لم یسم) مهرا (أو نفی إن وطئ) الزوج۔

وفی الردتحتہ: قوله (فیما إذا لم یسم مهرا) أي لم یسمه تسمیة صحیحة أو سکت عنه فھر۔۔۔ قال فی البحر ومن صور ذلك ما إذا تزوجها علی ألف علی أن ترد إليه ألفا۔۔۔ قوله (أو نفی) بأن تزوجها علی أن لا مهر لها ط۔

## (۵۸۷) مہر مقرر کرنے کے بعد اس میں زیادتی کا حکم

### سؤال

زید نے خالدہ سے دوسری شادی کی، مہر بارہ ہزار مقرر کیا گیا۔ جب رخصتی کے بعد خالدہ زید کے گھر آگئی تو اسے پتہ چلا کہ زید کی پہلی بیوی کا مہر پچیس ہزار روپے ہے تو اس نے زید سے کہا کہ میرا مہر بھی پچیس ہزار کرو۔ اس کے اصرار پر زید نے مہر بڑھا کر پچیس ہزار کر دیا۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ بیوی کا مہر بڑھانے کا مطالبہ درست ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت کی رو سے عقد نکاح میں مہر مقرر کرنے کے بعد اگر میاں بیوی کو بڑھانے پر راضی ہو جائیں تو شوہر پر جو رقم زیادتی کے ساتھ طے ہو، اسی کا ادا کرنا لازم ہوگا البتہ طے ہونے سے قبل صرف بیوی مطالبہ کر رہی ہو تو بیوی کے مطالبے کا کوئی اعتبار نہیں اور اسے مذکورہ وجہ کے بسبب یہ حق ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ۳): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً۔

وفی الجوہرۃ النیرۃ (۸۱/۲): (وإن زادها فی المہر بعد العقد لزمته الزیادۃ) یعنی إذا قبلت المرأۃ الزیادۃ۔

وفی الدر المختار (۱۱۱/۳): (وما فرض) بتراضیہما أو بفرض قاض مہر المثل (بعد العقد) الخالی عن المہر (أو زید) علی ما سمی فإئما تلزمہ۔

وفی الشامیۃ (۱۰۹/۳): (أو نفی إن وطئ الزوج أو مات عنها۔

وفی الفقہ الاسلامی (۶۷۹۵/۹): فقال الحنفیۃ: إذا زاد الزوج الرشید أو ولی الصغیر علی المہر المسمی شیئاً بعد تمام العقد وتراضی الطرفین علی المہر، لزمته الزیادۃ بالوطء أو بالموت عن

الزوجة۔

## (۵۸۸) مہر کی زیادہ مقدار یا مہر مثل مقرر کرنے میں تقابل

## سؤال

مفتی صاحب! بعض لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ زیادہ مہر رکھنے کی کوئی حد نہیں یعنی جتنا مہر بھی رکھا جائے مقرر کیا جاسکتا ہے لیکن دوسری طرف کتابوں میں یہ بھی ہے کہ مہر مقرر کرتے وقت خاندان کی عورتوں کا اعتبار ہوگا یعنی ان کے مہر کے برابر مقرر کرنا چاہیے؟ کیا یہ دونوں باتیں آپس میں متضاد نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ شریعت میں اصل تو یہی ہے کہ مہر مقرر کیا جائے اور مہر کے مقرر کرنے میں کوئی حد نہیں جتنا چاہے مہر مقرر کیا جاسکتا ہے البتہ دس درہم (2.625 تولہ چاندی کی مقدار) سے کم نہ ہو۔ باقی رہا مہر مثل تو وہ ایک حکم اور ثالث کی طرح ہے یعنی اگر کسی وجہ سے عقد میں مہر متعین نہ ہو پائے یا ایسی چیز مہر مقرر کر دی جو شرعاً مال ہی نہ ہو وغیرہ تو ان صورتوں میں مہر مثل کو بطور حکم کے مہر بنانا پڑتا ہے کیونکہ اصل مہر مقرر نہیں ہوا لہذا مہر مثل ادا کرنا ہوگا اور مہر مثل سے لڑکی کے دھیال کی عورتوں کا مہر مراد ہوتا ہے جتنا مہر ان عورتوں کا ہو وہی مہر مثل کہلائے گا اور اس لڑکی کو وہی ادا کیا جائے گا۔

درج بالا تفصیل سے ثابت ہوا کہ مہر مقرر کرنے کی حد مقرر نہ ہونے اور مہر مثل مقرر کرنے میں کوئی تضاد نہیں پہلا اصل ہے اور دوسرا بوقت ضرورت حکم ہے۔

لمافی القدوری (ص ۱۷۶): وأقل المہر عشرة دراهم فان سمي أقل من عشرة فلها الحشرة ومن

سمي مہر عشرة فما زاد فعليه المسمي - الخ -

وفي الهندية (۳۰۶/۱): وإذا مات أحد الزوجين في نكاح لا تسمية فيه فإنه يتأكد مہر المثل عند

أصحابنا كذا في البدائع ومہر مثلها يعتبر بقوم أبيها إذا استويا سنا وجمالا وبلدا وعصرا وعقلا

ودينا وبكارة - الخ -

## (۵۸۹) بطور مہر ۱۰ تولہ سونے کا مطالبہ کرنا

## سؤال

بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کی شادی کرنے کیلئے پانچ یا دس تولہ سونا لینے کا مطالبہ کرنا ہے۔ کیا یہ شریعت

میں جائز ہے اور جب تک کوئی سونا نہ دے شادی میں تاخیر کرنا شرعاً جائز ہے؟ قرآن سنت کی روشنی میں بندہ کی راہنمائی فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

پانچ یادس تولہ سونا اگر مہر ہے تو اس صورت میں اپنی بیٹی کیلئے اس کا مطالبہ کرنا جائز ہے اگر مہر کے علاوہ اس کا مطالبہ کرتا ہے تو اس صورت میں یہ رواج قابل ملامت اور لائق ترک ہے۔ اس رواج کا شریعت سے کوئی تعلق اور کوئی نسبت نہیں ہے۔ غیر اسلامی طریقہ ہے اور مزاج شریعت کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم ہو۔ اگر نکاح میں اس قسم کی پابندیاں اور غلط رواج جاری رہیں گے تو دنیا میں فتنہ عظیم برپا ہو جائے گا اور بہت سے لڑکے، لڑکیاں نکاح کی نعمت سے محروم ہو کر حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ نکاح کے موقع پر لڑکے والے کی طرف سے مہر کے علاوہ کسی اور چیز کا مطالبہ کرنا اور اس کا لینا دینا رشوت ہے اور رشوت شریعت میں حرام ہے چنانچہ پانچ یادس تولہ سونا مہر کے علاوہ بطور رواج لینا حرام ہے لہذا اس کی وجہ سے شادی مؤخر کرنا جائز نہیں۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة: ۱۸۸) وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ

وفی المہندیۃ (۳۲۷/۱): ولو أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوجة أن يسترده لأنه رشوة كذا فی البحر الرائق۔

وفی الدر المختار (۱۵۶/۳): (أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوجة أن يسترده) لأنه رشوة۔

وفی الشامیۃ تحتہ: قوله (عند التسليم) أي بأن أبي أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئاً وكذا لو أبي أن يزوجهما فللزوجة الاسترداد قائماً أوها لكالأنه رشوة بزازیۃ۔

## (۵۹۰) کیا عورت کے منہ کا بدبودار ہونا خلوت صحیحہ سے مانع ہے

### سؤال

ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی رات کو جب ہمستری کیلئے قریب ہوا تو اس کے منہ سے گندی بو آرہی تھی اس نے وہی نہیں کی۔ فوراً اس کو طلاق دیدی اس پر مہر لازم ہوگا یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دینے سے کامل مہر لازم آتا ہے، صورت مسئلہ میں عورت کی طرف سے ایسا کوئی عذر نہیں پایا گیا جو ہمستری سے مانع ہو، عورت نے ہمستری کی قدرت بھی دے دی، پھر اس کے بعد صرف بو کی وجہ سے ہمستری نہ کرنا، یہ خلوت صحیحہ کے لئے مانع نہیں چنانچہ اس صورت میں خلوت صحیحہ پائی گئی ہے لہذا اس کے بعد طلاق دینے سے شوہر پر پورا مہر ادا کرنا لازم ہے۔



لمافی القدوری (ص ۱۷۷): واذا خلا الزوج بامرأته وليس هناك مانع من الوطء ثم طلقها فلها كمال مهرها۔

وفی الهندیة (۳۰۳/۱): الفصل الثانی فیما یتأكد به المهر والمتعة والمهر یتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوۃ الصحیحة وموت أحد الزوجین سواء كان مسمى أو مهر المثل حتی لا یسقط منه شیء بعد ذلك إلا بالإبراء۔

وفیه أيضاً (ص ۳۰۳): والخلوۃ الصحیحة أن یجتمعاً فی مكان لیس هناك مانع ینعه من الوطء حساً أو شرعاً أو طبعاً کذا فی فتاوی قاضی خان۔۔۔ أما المرض فالمراد به ما ینتج الجماع أو یلحق به ضرر۔

وفی الشامیة (۱۰۳/۲): إذا طلقها الزوج بعد الخلوۃ الصحیحة لوجوب المهر كاملاً علی الزوج۔

## (۵۹۱) مطلقہ مزنیہ کے مہر کا حکم

### سؤال

اگر عورت شوہر کی نافرمان ہو یا زنا وغیرہ صادر ہو تو ایسی عورت کو طلاق دینے پر مہر لازم آئے گا یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق دینے سے مہر دینا واجب اور لازم ہو جاتا ہے اگرچہ عورت نافرمان ہو یا اس سے زنا کا صدور ہو، وہ طلاق کے بعد بہر حال اپنے مہر کی مستحق ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ۲۴): وَأَجَلَ لَكُمْ مِمَّا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفی صحیح البخاری کتاب الطلاق باب صداق الملاعنة (۸۰۰/۲): عن سعید بن جبیر، قال: قلت لابن عمر رضی اللہ عنہما: رجل قذف امرأته، فقال: فرق النبي صلى الله عليه وسلم بين أخوي بني العجلان، وقال: الله يعلم أن أحدكما كاذب، فهل منكما تائب فأبى، وقال: الله يعلم أن أحدكما كاذب، فهل منكما تائب فأبى، فقال: الله يعلم أن أحدكما كاذب، فهل منكما تائب فأبى، ففرق بينهما قال أيوب: فقال لي عمرو بن دينار، إن في الحديث شيئاً لا أراك تحثه؟ قال: قال الرجل مالي؟ قال: قيل: لا مال لك، إن كنت صادقاً فقد دخلت بها، وإن كنت

کاذبا فهو أبعد منك۔

وفی الشامیة (۱۰۲/۲) کتاب النکاح باب المهر: (ویتأكد) أي الواجب من العشرة أو الأكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصنه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه۔۔۔ قال فی البدائع وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البذل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالشمن إذا تأكد بقبض المبيع اهـ۔

## (۵۹۲) ادائیگی مہر میں اختلاف کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! زید اپنی بیوی کو دو ہزار روپے ماہوار خرچہ دیتا تھا۔ ڈیڑھ سال قبل تین ہزار دینے شروع کر دیے، ڈیڑھ سال بعد بیوی نے اپنے مہر کا مطالبہ کیا تو زید نے کہا کہ ڈیڑھ سال سے جو تمہیں ایک ہزار روپے زائد رقم دے رہا ہوں، یہ مہر کی رقم تھی، اب میرے ذمہ تمہارا مہر نہیں۔ اب آپ بتائیں کہ کیا اس طرح مہر ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس سے پہلے کبھی زید نے یہ نہیں کہا کہ یہ تمہارا مہر ہے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں زید کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی طرف سے مہر ادا ہو گیا، اب دوبارہ مہر کی ادائیگی اس پر لازم نہیں ہے البتہ ڈیڑھ سال کی ماہوار سے زائد رقم کی مقدار اگر مہر کے برابر ہے تو زید پر کچھ لازم نہیں اور اگر کم ہے تو بقیہ مہر کی رقم زید کو ادا کرنا لازم ہے اور اگر مہر سے زائد رقم بیوی کے پاس جا چکی ہے تو زائد رقم کے مطالبہ کا زید کو حق حاصل ہے۔

لمافی المبسوط للسرخسی (۱۹۳/۵): قال: وإذا فرضت النفقة لها على زوجها ولها عليه شيء من مهرها فأعطاها شيئا من ذلك فقال الزوج هو من المهر وقالت المرأة بل هو من النفقة فالقول قول الزوج انه من المهر وكذلك هذا في جميع قضاء الديون إذا كان من وجوه مختلفة لأنه هو المملك فالقول قوله في بيان جهة التملك وهو المحتاج إلى تفرغ ذمته فالقول قوله في أنه تفرغ ذمته بهذا الأداء من كذا دون كذا.

وفی الدر المختار (۱۵۱/۲): (فقال هو) أي المبعوث (هدية وقال هو من المهر) أو من الكسوة أو عارية (فالقول له) يمينه والبينة لها فإن حلف والمبعوث قائم فلها أن تردده وترجع بياقي

المہر ذکرہ ابن الکمال ولو عوضتہ ثم ادعاه عاریة فلہا أن تسترد العوض من جنسہ زیلعی (فی غیر المہیأ للأکل) کثیاب وشاة حیة وسمن وعسل وما یبقی شہرا أخبی زادہ (و) القول (لہا) بیمیئہا (فی المہیأ لہ) کخبز ولحم مشوی لأن الظاہر یکذبہ۔

وفی الشامیة (۱۵۲/۳): قوله (لأن الظاہر یکذبہ) قال فی الفتح والذي یجب اعتباره فی دیارنا أن جمیع ما ذکر من الخنطة واللوز والدقیق والسكر والشاة الحیة وبقیہا یكون القول فیہا قول المرأة لأن المتعارف فی ذلك كلہ أن یرسلہ ہدیة والظاہر معہا لا معہ ولا یكون القول قوله إلا فی نحو الثیاب والجاریة اه۔۔۔ قلت ومن ذلك ما یبعثہ إلیہ قبل الزفاف فی الأعیاد والمواسم من نحو ثیاب وحلی وكذا ما یعطیہا من ذلك أو من دراهم أو دنانیر صبیحة لیلة العرس ویسمى فی العرف صبیحة فإن كل ذلك تعورف فی زماننا كونه ہدیة لا من المہر ولا سیما المسمى صبیحة فإن الزوجة تعوضہ عنہا ثیابا ونحوها صبیحة العرس أيضا۔

وفی الشامیة أيضا (۱۵۱/۳): مطلب فیما یرسلہ إلی الزوجة قوله (ولو بعث إلی امرأته شیئا) أي من التقدین أو العروض أو مما یؤكل قبل الزفاف أو بعد ما بنی بہا نھر قوله (ولم یذكر الخ) المراد أنه لم یذكر المہر ولا غیرہ ط۔

## (۵۹۳) طلاق کے بعد بھی مہر عورت کا حق ہے

### سؤال

منقہی صاحب! حلیمہ نے زید سے شادی کی، پانچ سال بعد زید نے حلیمہ کو طلاق دیدی۔ زید نے حلیمہ کو مہر ادا نہیں کیا تھا۔ طلاق کے ایک سال بعد حلیمہ نے خالد سے شادی کر لی۔ اب حلیمہ زید سے مہر لے سکتی ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر چونکہ عورت کا حق ہے جو کہ شریعت کی طرف سے مرد پر لازم کیا گیا ہے لہذا اگر عورت کو مہر ادا نہیں کیا، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو پھر عورت کا حق ہے کہ وہ اپنے مہر کے لئے اپنے پہلے شوہر سے مطالبہ کرے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ مہر متجمل ہو یا مؤجل ہو اور اس میں مدت متعین ہو، نیز مدت پوری بھی ہوگی ہو اور اگر مہر مؤجل تھا لیکن مدت متعین نہیں تھی تو بھی مہر مؤجل، طلاق دینے سے متجمل ہو جائے گا اور عورت مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر مہر مؤجل تھا اور مدت متعین تھی اور مدت پوری نہیں ہوئی تو پھر عورت کو مدت مہر پوری ہونے سے قبل مطالبہ کا حق نہیں۔

لمافی بدائع الصنائع (۲/۲۹۱): فصل وأما بیان ما يتأكد به المهر فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوۃ الصحيحة وموت أحد الزوجین سواء كان مسمى أو مهر المثل حتی لا یسقط شیء منه بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق أما التأكيد بالدخول فمتفق علیه والوجه فيه أن المهر قد وجب بالعقد وصار دیناً فی ذمته والدخول لا یسقطه لأنه استيفاء المعقود علیه واستيفاء المعقود علیه یقرر البذل لا أن یسقطه كما فی الإجارة ولأن المهر يتأكد بتسليم المبدل من غیر استيفائه لما نذكر فلأن يتأكد بالتسليم مع الاستيفاء أولى۔

وفی الشامیة (۲/۱۳۳): قوله (إلا التأجيل) استثناء من المستثنى ۳ قوله (فیصح للعرف) قال فی البحر وذكر فی الخلاصة والبرزازیة اختلافاً فيه وصح أنه صحیح وفي الخلاصة وبالطلاق یتعجل المؤجل ولو راجعها لا يتأجل اه یعنی إذا كان التأجيل إلى الطلاق أما لوالی مدة معينة لا یتعجل بالطلاق كما قد یقع فی مصر من جعل بعضه حالاً وبعضه مؤجلاً إلى الطلاق أو الموت وبعضه منجماً فإذا طلقها تعجل البعض المؤجل لا المنجم فتأخذه بعد الطلاق علی نجومه كما تأخذه قبله۔

## (۵۹۳) رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں کتنا مہر دیا جائے گا؟

### سوال

میرا نام ذکیہ بانو ہے میں ایک بیوہ ہوں۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے اس کا نام محمد سلیم ہے۔ اس کی تنخواہ چار ہزار (۴۰۰۰) روپے ہے، میں نے اس کا نکاح ایک سال پہلے کر دیا تھا لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ نکاح کے بعد مزاج میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے رخصتی سے قبل ہی طلاق کی نوبت آگئی۔ اس نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ لڑکی کو چھوڑ دے گا جبکہ ابھی رخصتی نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی قسم کا ازدواجی تعلق قائم ہوا ہے۔ لڑکی کا مہر ۲۵ ہزار روپے طے پایا تھا۔ آپ بتائیں کہ مہر کتنا دیا گیا جائے گا۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

بر تقدیر صحت واقعہ نکاح ہو چکا ہے لیکن ابھی رخصتی عمل میں نہیں آئی اور ازدواجی تعلقات قائم نہیں ہوئے، اگر شوہر نے اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی تو شوہر کو کل مہر پچیس ہزار روپے (25000) کا نصف بارہ ہزار پانچ سو روپیہ (12500) لڑکی کے خوالے کرنا ہوگا کیونکہ یہ لڑکی کا حق ہے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۷): وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ

فَرِيضَةٌ فَيَنْصَفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ... الآية۔

وفی الدر المختار (۱۰۳/۳): (و) يجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة)۔

وفی الرد تحتہ: قوله (و يجب نصفه) أي نصف المهر المذكور وهو العشرة أن سماها أو دونها أو الأكثر منها إن سماه والمتبادر التسمية وقت العقد۔۔۔ قوله (بطلاق) الباء للمصاحبة لا للسببية لما مر من أن الوجوب بالعقد۔۔۔ قوله (قبل وطء أو خلوة) هو معنى قول الكنز قبل الدخول فإن الدخول يشمل الخلوة أيضا لأنها دخول حكما كما في البحر عن المجتبى۔

## (۵۹۵) صحبت اور خلوت صحیحہ سے پہلے کتنا مہر دینا لازم ہوگا؟

### سؤال

مفتی صاحب! میں ایک اہم مسئلہ کا فتویٰ لیدنا چاہتا ہوں میں نے اپنے بیٹے کا نکاح اپنے بڑے داماد کی بھانجی سے کیا ہے۔ وہ اس لئے کہ منکوحہ لڑکی کی والدہ عظمیٰ بیگم ہارٹ کی مریضہ تھیں اور ان کی حالت بہت خراب تھی تو میرے داماد اور بیٹی کو بچی کا ہاتھ دے کر یہ کہا کہ یہ بیٹی تمہاری ہے اور لڑکی کا نام مدیحہ ہے۔ میرے بیٹی داماد میرے گھر آئے اور انہوں نے میرے بیٹے محمد فیضان کو بلا یا جوڑیوٹی پر تھا اور میرے بیٹی داماد نے یہ کہا کہ امی آپ فیضان سے مدیحہ کا رشتہ کر دیں، عظمیٰ کی بہت حالت خراب ہے۔ مدیحہ کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں نے اپنے بچے سے یہ کہا کہ بیٹا یہ ثواب کا کام ہے بچی کے والد نہیں ہیں اور وہ بہن بھائیوں سے بھی محروم ہے وہ بچی اکلوتی ہے میرے بیٹے نے یہ کہا کہ امی جیسے آپ کی مرضی اور اس نے حامی بھر لی۔

اس نکاح کو تین سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور کوئی بھی شکایت نہیں ہوئی، میں اور میرا بیٹا اپنی حیثیت کے مطابق خرچہ اور کپڑے وغیرہ دیتا رہا اب کچھ عرصے سے دونوں میں نا اتفاقی ہو گئی ہے اور ایک دوسرے پر بیہودہ الزام لگا رہے ہیں اور معاملہ کافی سنجیدہ ہو گیا ہے چنانچہ میں بیٹے کی ماں ہونے کے حوالے سے ان لوگوں سے صلح کے ارادے سے گئی تو وہ لوگ نہیں مانے اور زیادہ سے زیادہ الزام تراشی ہوئی تو میں واپس آگئی اب ہم خاندان کے لوگ دونوں بچوں کو سمجھا رہے ہیں لیکن میرا بیٹا راضی نہیں ہو رہا۔ میں نے اور والد صاحب نے اس کو بہت سمجھایا کہ بیٹا وہاں ہماری بیٹی ہے اور داماد صاحب بہت زیادہ برہم ہو رہے ہیں لیکن مدیحہ کے گھر والوں میں تھوڑی سی لچک نہیں آرہی ہے اس لئے میں بہت زیادہ پریشان ہو رہی ہوں۔ میرا بیٹا فیضان جس کو میں نے سمجھایا کہ بیٹا میری خاطر آپ یہ شادی کر لو تو انہوں نے مجھے جواب دیا کہ میں آپ کی خاطر یہ کر لوں گا لیکن کل کا جواب میرے پاس نہیں ہوگا۔

مدیحہ کے گھر والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم تمہیں کورٹ میں کھینچوا دیں گے۔ مدیحہ کا مہر پچاس ہزار (50,000) ہے، لڑکے کی تنخواہ چھ ہزار (6000) روپے ماہانہ ہے، ہم نے دوسرے جا کر صلح کی کوشش کی ہے لیکن وہ سمجھوتہ نہیں کر رہے ہیں۔ میرے داماد نے یہ کہا

ہے فیضان میری دلہیز نہیں چڑھے گا۔ انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے اس پر میں نے بھی یہ کہا کہ مدیحہ اب میری دلہیز نہیں چڑھے گی۔  
برائے مہربانی مجھے قرآنی ہدایت سے فتویٰ چاہیے کہ مدیحہ کو طلاق دینے کے بعد میرے بیٹے کو اسے مہر دینا ضروری ہوگا یا نہیں؟ اگر ضروری  
ہوگا تو کتنا مہر ادا کرنا ہوگا؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

اگر نکاح کے بعد صحبت اور خلوت صحیحہ (خلوت صحیحہ یعنی اپنی منکوحہ سے اکیلے میں ایسی حالت میں ملنا کہ صحبت سے کوئی مانع نہ  
ہو اگرچہ صحبت وغیرہ نہ کی جائے) سے پہلے طلاق دی جائے اور مہر کی رقم متعین ہو تو شوہر پر نصف مہر کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے لہذا صورت  
مسئلہ میں آپ کا بیٹا اگر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور اس نے اب تک اپنی بیوی سے صحبت اور خلوت صحیحہ نہیں کی ہے تو پھر آپ کے بیٹے  
پر نصف مہر کا ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر صحبت اور خلوت صحیحہ پائی گئی ہے تو پھر کل مہر کا ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لہا فی القرآن الکریم (البقرۃ: ۲۳۷) وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ  
فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ... الآية۔

وفی الہندیۃ (۳۱۳/۱): والزیادۃ إنما تتأكد بأحد معان ثلاثۃ إما بالدخول وإما بالخلوة الصحیحۃ  
وإما بموت أحد الزوجین فإن وقعت الفرقة بینہما من غیر ہذہ المعانی الثلاثۃ بطلت الزیادۃ  
وتنصف الأصل ولا تنصف الزیادۃ کذا فی المصمرات۔

وفی (۳۰۹/۱): فمہرہا یتنصف بالطلاق قبل الدخول کذا فی العتایۃ۔

وفی الشامیۃ (۱۰۳/۳): (ویتأكد) أي الواجب من العشرۃ أو الأكثر وأفاد أن المہر واجب بنفس  
العقد لكن مع احتمال سقوطہ بردقہا أو تقبیلہا ابنہ أو تنصفہ بطلاقہا قبل الدخول وإنما یتأكد  
لزوم تمامہ بالوطء ونحوہ۔

## (۵۹۶) بیوی کا مہر اس کے ترکے میں شامل کرنا ہوگا

### سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص کے پاس اس کی بیوی کا مہر ہے یعنی اس نے ابھی تک ادا نہیں کیا اور بیوی نے معاف بھی نہیں کیا اور  
بیوی کا انتقال ہو گیا۔ اب اس مہر کو صدقہ کیا جائے یا وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

مہر چونکہ عورت کا حق اور اس کی ملکیت ہے لہذا یہ مہر اس کے ورثہ میں بقدر حصص تقسیم کیا جائے گا۔

لمافی البناية (۲۶۵/۳): وان علم أن المرأة ماتت أولا يسقط من المهر قدر نصيب الزوج من التركة لأنه ورث دينا على نفسه۔

وفي الهندية (۳۲۱/۱): إذا مات الزوجان وقد سمى لها مهرًا ثبت ذلك بالبينة أو بتصادق الورثة فلورثتها أن يأخذوا ذلك من ميراث الزوج۔۔۔ ولو اتفقت الورثة على عدم تسمية المهر في العقد يقضى بمهر المثل على قول صاحبيه وعليه الفتوى كذا في جواهر الأخطا۔

## (۵۹۷) مہر وصول کرنے سے قبل عورت کا انتقال ہو جائے

### سؤال

میری چھوٹی بہن کی شادی کو ابھی ۲ سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا حق مہر پچاس ہزار روپے تھا، نہ اس کے شوہر نے اس کا حق مہر دیا نہ معاف کروایا نہ ہماری بہن نے معاف کیا۔ برائے مہربانی آپ بتائیں کہ اس مسئلے کا کیا حل ہے اور ہم لوگ کیا کریں نیز مہر کی رقم لینے کے بعد اس کا مستحق کون ہوگا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر عورت کا حق ہے اور تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی وجہ سے شوہر پر اس کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔

(۱) شوہر اپنی بیوی سے بہستری کرے۔

(۲) خلوت صحیحہ ہو جائے۔

(۳) ان دونوں (میاں و بیوی) میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے۔

صورت مسئلہ میں آپ کی بہن نے اپنا حق مہر وصول بھی نہیں کیا تھا اور نہ ہی معاف کیا تھا لہذا اس (مہر) کی ادائیگی ان کے شوہر پر واجب ہے اور یہ مہر آپ کی بہن کا ترکہ شمار ہوگا۔ ان (مرحومہ) کی تجہیز و تکفین اور اگر کسی کا ان پر قرضہ ہو تو اسے ادا کرنے کے بعد اور اگر کسی غیر وارث کیلئے انہوں نے وصیت کی ہو تو اسے بقیہ مہر کی رقم کے تہائی سے ادا کرنے کے بعد مرحومہ کے وارثوں میں اس مہر کی رقم کو شرعی طور پر تقسیم کیا جائے گا۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ۲۴): وَأَجَلٌ لَّكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ ط فَمَا اسْتَبْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ط

وفي الهندية (۳۰۲، ۳۰۲/۱): الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والمخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا

يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا في البدائع۔

وفي الشامية (۱۰۲/۲): وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه۔۔۔ قال في البدائع وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالضمن إذا تأكد بقبض المبيع اه

## (۵۹۸) زونین کی موت کی صورت میں مہر کی ادائیگی کا طریقہ کار

### سوال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے: (۱) بغیر مہر کے نکاح ہو جاتا ہے یا مہر نکاح کیلئے شرط ہے؟  
 (۲) مہر معاف کرنے سے معاف اور ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے یا ذمہ میں باقی رہتا ہے؟  
 (۳) اگر کوئی مہر مؤجل مقرر کرے اور اس کی مدت متعین نہ کی گئی ہو تو ایسے مہر کی مدت فرقت ہے، خواہ فرقت موت کے سبب ہو یا طلاق کے ذریعہ۔ اگر فرقت موت کے ذریعہ ہو تو آدمی مہر کس طرح ادا کرے گا اور کس کو ادا کرے گا جبکہ لڑکی کو تو اس کا حق ملا نہیں اور اس صورت میں آدمی ظالم ہوگا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

(۱) اگر نکاح کے وقت نہ مہر کا ذکر کیا گیا اور نہ ہی مہر مقرر کیا گیا تو بھی نکاح درست ہو جاتا ہے، البتہ نکاح کے بعد مہر مثل ادا کرنا واجب ہے۔  
 (۲) مہر عورت کا حق ہے اگر وہ بغیر کسی جبر کے دل سے معاف کر دے تو شوہر کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔  
 (۳) وہ مہر مؤجل کہ جس میں مدت مقرر نہیں کی گئی تو اس کی حد فرقت ہے، فرقت یا تو طلاق سے ہوگی یا موت سے۔ موت کے سبب فرقت میں شوہر پر لازم ہے کہ وہ عورت کے ترکہ میں مہر کی رقم شامل کر دے پھر جب ترکہ تقسیم ہوگا تو دیگر ورثاء کی طرح شوہر کو بھی وراثت میں اس کے شرعی حصے (نصف یا ربع) کے تناسب سے حصہ ملے گا۔ اس صورت میں شوہر ظالم نہ ہوگا، اور اگر فرقت کا سبب شوہر کی موت ہے تو اگر اس نے اتنا مال ترکہ میں چھوڑا ہے کہ جس سے مہر ادا کیا جاسکے تو شوہر کے ورثاء پر لازم ہے کہ ترکہ کی تقسیم سے پہلے وہ عورت کو مہر ادا کریں اور اگر شوہر نے اتنا مال نہیں چھوڑا ہے کہ جس سے مہر ادا ہو سکے تو شوہر ظالم ہوگا اور اس پر مہر ادا نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔

لمافی الہندیۃ (۳۲۱/۱): وأما إذا علم أنها ماتت أو لا فيسقط منه نصيب الزوج كذا في فتح القدير۔۔۔  
 ولو أبرأت زوجها من مهرها أو وهبته إياه ثم ماتت بعد مدة فقالت الورثة أبرأته في مرض



موتھا و انکر الزوج فالقول قوله كذا في التبين۔

وفي الدر المختار (۱۱۳/۳) كتاب النكاح: (وصح حطها) لکله أو بعضه (عنه) قبل أو لا۔

وفي الرد تحتہ: مطلب في حط المهر والابراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط كما في المغرب وقيد بحطها لأن حط أيها غير صحيح۔۔۔ ولو اختلف مع ورثتها فالقول للزوج أنه كان في الصحة لأنه ينكر المهر خلاصة ولو وهبته في مرضها فمات قبلها فلا دعوى لها بل لورثتها بعد موتها وتتمام الفروع في البحر۔

وفي الدر المختار (۱۵۰/۳): (وموت أحدهما كحياتهما في الحكم) أصلا وقدر العدم سقوطه بموت أحدهما (وبعد موتها ففي القدر القول لورثته)۔

## (۵۹۹) شوہر کی موت کی صورت میں مہر کا حکم

### سؤال

میرا نکاح ایک سال قبل احمد بن نذیر سے ہوا تھا ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ احمد کا انتقال ہو گیا۔ اب احمد کے والد صاحب کہتے ہیں چونکہ آپ کی رخصتی نہیں ہوئی تھی اس لئے آپ کو مہر نہیں ملے گا اور میراث میں سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ آپ حضرات شرعی مسئلہ بتائیں کہ مجھے مہر ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو نصف مہر ملے گا یا پورا اور میراث میں میرا کتنا حصہ بنے گا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

احمد کے والد کا یہ کہنا کہ آپ کی رخصتی نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے نہ آپ کو مہر ملے گا اور نہ میراث یہ غلط ہے۔ مہر کا رخصتی سے کوئی تعلق نہیں۔ شوہر کے انتقال کی صورت میں بیوی کو پورا مہر ملے گا لہذا صورت مسئلہ میں آپ کو مہر بھی پورا ملے گا اور میراث میں سے شرعی (یعنی چوتھا) حصہ بھی ملے گا۔

لما فی القرآن الکریم (الاحزاب: ۵۰): قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ. وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

وفي الهندية (۳۰۳/۱): الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا في البدائع۔

وفي الدر المختار (۱۰۲/۳): (وتجب) العشرة (إن سماها أو دونها و) يجب (الأكثر منها إن

سمى) الأكثر ويتأكد (عند وطء أو خلوة صحت) من الزوج (أو موت أحدهما)۔

## (۶۰۰) بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کا مہر کو خیرات کرنا

### سؤال

ایک شخص نے اپنی بیوی کا مہر بیس ہزار روپے رکھا، بیوی کو مہر ادا نہیں کیا تھا۔ کچھ ہی عرصے میں اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا، کوئی اولاد وغیرہ بھی نہیں ہے۔ اب شوہر یہ چاہتا ہے کہ اس کے مہر کی رقم خیرات کر دے جبکہ بیوی کے ماں باپ کہتے ہیں کہ مہر کی رقم ہمیں دیدو۔ اب آپ بتائیں کہ مہر کی رقم کا کیا کیا جائے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

بیوی کی وفات کے بعد مہر کی رقم ورثاء کو ان کے حصص کے مطابق دینی ضروری ہے شوہر کیلئے ورثا کی مرضی اور اجازت کے بغیر صدقہ کرنا درست نہیں، البتہ مہر کا اتنا حصہ جو شوہر کو بطور وراثت ملنا ہے وہ حصہ صدقہ کر سکتا ہے۔

لمافی الهندية (۳۰۳/۱): الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا في البدائع۔

وفي الدر المختار (۴۴۰/۶): (والربع للزوج)۔۔۔ (مع أحدهما) أي الولد أو ولد الابن (والنصف له عند عدمهما) فللزوجة حالتان النصف والربع۔

## (۶۰۱) مطلقہ کیلئے مہر اور عدت کے خرچہ کے مطالبہ کا حق

### سؤال

مفتی صاحب! مجھے شادی کے چھ سات ماہ بعد شوہر (کامران) نے تین طلاق دے دیں اور ابھی تک مہر ادا نہیں کیا۔ آیا اب میں شرعاً شوہر سے مہر اور عدت کے نان نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہوں یا نہیں اور شوہر پر ان کا دینا شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟ شوہر کا کہنا ہے کہ طلاق آپ نے طلب کی ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر عورت کا حق شرعی ہے جو کہ نفس عقد ہی سے واجب ہو جاتا ہے اور شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہوتی ہے البتہ اگر عورت

خود اپنا مہر معاف کر دے تو پھر شوہر پر کوئی ادائیگی واجب نہ ہوگی۔ نیز دورانِ عدت کا نان، نفقہ اور سکئی (رہائشی مکان) شوہر پر لازم ہوتا ہے لہذا صورتِ مسئلہ میں آپ اپنے مہر کا مطالبہ شوہر سے کر سکتی ہیں اور اسی طرح ایامِ عدت کے نفقہ کا مطالبہ بھی کر سکتی ہیں جو کہ از روئے شرع شوہر پر لازم ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۴): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً... الآية۔

وفی الخانیة: (۱۷۷/۱): إذا زوجت المرأة ولها مهر معلوم كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المهر۔ الخ۔

وفیه أيضاً (۲۰۲/۱): المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعياً أو بائناً أو ثالثاً حاملاً كانت أو لم تكن۔

وفی الشامیة (۱۰۲/۳): (ویتأكد) أي الواجب من العشرة أو الأكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه۔۔۔ قال فی البدائع وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالشمن إذا تأكد بقبض المبيع اهـ۔

## (۶۰۲) بیوی کے خفیہ مہر معاف کر دینے کے بعد علانیہ انکار کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! خالد کی بیوی نے تنہائی میں خالد کو مہر معاف کر دیا۔ ایک دفعہ جب بعض لوگوں کے سامنے خالد نے اس کا ذکر کیا تو اس کی بیوی نے انکار کر دیا، اور کہا کہ میں نے تو مہر معاف نہیں کیا۔ خالد کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے۔ اب خالد پر مہر کی ادائیگی لازم ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

خالد کے پاس چونکہ اپنے اس دعویٰ پر ”کہ بیوی نے مہر معاف کر دیا ہے“ گواہ موجود نہیں، لہذا اس کی بیوی سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ اس بات پر قسم کھائے کہ اس نے مہر معاف نہیں کیا۔ اگر وہ قسم کھا لیتی ہے تو خالد پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور اگر قسم سے انکار کر دے تو خالد کا دعویٰ معتبر سمجھا جائے گا اور مہر کی معافی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

لما فی السنن الکبریٰ للبیہقی (۲۵۲/۱): عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی ﷺ قال البینة

علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ۔

وفی الدرالمختار (۵/۵۴۶): (ویسأل القاضي المدعی علیہ) عن الدعوی فیقول إنه ادعی علیک کذا فماذا تقول (بعد صحتها وإلا) تصدر صحیحة (لا) یسأل لعدم وجوب جوابه (فإن أقر) فیها (أو أنكرفبرهن المدعی قضا علیہ) بلا طلب المدعی (والا) یدرهن (حلفه) الحاکم (بعد طلبه) إذ لا بد من طلبه الیمین فی جمیع الدعاوی إلا عند الثانی فی أربعة علی ما فی البزازیة۔

## (۶۰۳) عورت کے مہر معاف کرنے پر والد کا اعتراض کرنا

### سؤال

بکرنے اپنی بیوی کا حق مہر چار ہزار روپیہ مقرر کیا۔ مذکورہ مہر عورت شادی کے دو سال بعد چار گواہوں کے رو برو بخوشی معاف کر چکی ہے۔ اب دونوں میاں بیوی راضی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں مگر لڑکی کے والد صاحب کہتے ہیں کہ مہر معاف کرنا ٹھیک نہیں بلکہ ادا کرو۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

وہ پیسے جو شوہر پر بطور مہر کے ادا کرنا ضروری ہوں اگر شادی کے بعد عورت اپنی صحت میں بخوشی ان تمام یا بعض کو ساقط کر دے تو شوہر ان ساقط شدہ پیسوں کی ادائیگی سے بری ہو جائے گا کیونکہ مہر خالصتاً عورت کا حق ہے لہذا صورتِ مسئلہ میں اس عورت کا شوہر اس عورت کے مہر سے بری کر دینے کی وجہ سے چار ہزار روپے کی ادائیگی سے بری ہے پس عورت کے والد کو اعتراض کا حق حاصل نہیں۔

لما فی النہر الفائق (۲/۲۳۶) کتاب النکاح باب المہر: وصح حطها ای اسقاطها المہر کلا أو بعضا قبل

أولا۔۔۔ قید بحطها لأن حط أبيها لو بالغت يتوقف علی اجازتها ولو صغيرة بطل۔

وفی الشامیة (۳/۱۱۳): مطلب فی حط المہر والابراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط كما فی

المغرب وقید بحطها لأن حط أبيها غیر صحیح لو صغيرة ولو كبيرة توقف عن اجازتها ولا بد من

رضاها۔۔۔ قوله (لکله أو بعضه) قیده فی البدائع بما إذا كان المہر دینا أي دراهم أو دنانیر

لأن الحط فی الأعیان لا یصح بحر ومعنی عدم صحتها أن لها أن تأخذ منه ما دام قائما

فلو هلك فی یده سقط المہر عنه لما فی البزازیة أبرأتک عن هذا العبد یبقى العبد ودیعة عنده اه

## (۶۰۴) عورت کے باپ کا مہر معاف کر دینے کا حکم

## سوال

ایک شخص نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح محمد عمر کے لڑکے سے کر دیا، نکاح کے وقت اس نے اپنی بیٹی کا مہر معاف کر دیا تھا کہ میں کوئی مہر وغیرہ نہیں لوں گا۔ اب لڑکی بالغ ہو چکی ہے جب رخصتی ہو گئی تو لڑکی نے مہر کا مطالبہ کر دیا کہ میرا مہر ادا کرو۔ لڑکے نے کہا آپ کے والد مہر معاف کر چکے ہیں۔ لڑکی نے انکار کر دیا کہ میں مہر ضرور لوں گی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ والد کے مہر معاف کرنے کے بعد لڑکی کا شرعاً مہر کا مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

حق مہر شرعاً عورت کا حق ہے کوئی دوسرا شخص اس کو معاف نہیں کر سکتا لہذا صورت مسئلہ میں اگر بوقت عقد مہر مقرر کیا گیا ہو، اور پھر باپ نے اسے معاف کرنا چاہا ہو تو وہی مقرر کردہ مہر لڑکی کو ملے گا اور اگر بوقت عقد بالکل مہر کا تعین ہی نہ ہو اور اسی وقت باپ نے مہر سے دستبرداری کا اظہار کیا ہو تو پھر لڑکی کو مہر مثل ملے گا لیکن دونوں صورتوں میں لڑکی کو مہر بہر حال ملے گا۔ باپ کے معاف کرنے سے مہر معاف نہ ہوگا اور لڑکی کو بدستور اپنے مہر کے مطالبہ کا حق رہے گا۔

لمافی البحر الرائق (۳/۲۶۳) باب المہر: قوله (وصح حطها) أي حط المرأة من مهرها لأن المہر فی حالة البقاء حقها والحط یلاقیه حالة البقاء والحط فی اللغة الإسقاط كما فی المغرب أطلقه فشمّل حط الكل أو البعض --- وقید بحطها لأن حط أیها غیر صحیح فإن كانت صغيرة فهو باطل وإن كانت كبيرة توقف علی إجازتها۔

وفی الشامیة (۳/۱۱۳): مطلب فی حط المہر والبراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط كما فی المغرب وقید بحطها لأن حط أیها غیر صحیح لو صغيرة ولو كبيرة توقف عن إجازتها ولا بد من رضاها۔

## (۶۰۵) مرض الموت میں عورت کا مہر معاف کرنا معتبر نہیں

## سوال

زید نے اپنی بیوی سے مرض الموت میں مہر معاف کرایا۔ بعد میں جب زید کے سسرال والوں نے کہا کہ مہر ادا کرو تو زید نے

جواب دیا کہ میری بیوی نے مرض الموت میں مہر معاف کر دیا تھا۔ اب آپ بتائیں کہ مہر شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اگر معاف نہیں ہوا تو مہر کی رقم کا کیا کیا جائے گا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مرض الموت (جس مرض میں موت واقع ہو جائے) میں عورت کا مہر معاف کرنا شوہر کے حق میں معتبر نہیں ہوگا۔ اب مہر شوہر کے ذمہ ہے اگر شوہر کی اولاد ہے تو اس صورت میں ربلع (ایک چوتھائی) شوہر کو ملے گا اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں نصف آدھا ملے گا اور بقیہ رقم عورت کے ورثہ میں بقدر حصص تقسیم کی جائے گی۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۴): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً... الآية۔

وفی الہندیۃ (۴۱۳/۱): وإن حطت عن مہرہا صح الحط کذا فی الہدایۃ ولا بد فی صحۃ حطہا من الرضا حتی لو كانت مکرہة لم یصح ومن أن تكون مریضۃ مرض الموت ہکذا فی البحر الرائق۔

وفی الشامیۃ (۱۱۳/۳): مطلب فی حط المہر والابراء منه قوله (وصح حطہا) الحط الإسقاط کما فی المغرب وقید بحطہا لأن حط أیہا غیر صحیح لو صغیرۃ ولو کبیرۃ توقف عن إجازتہا ولا بد من رضاہا۔

### (۶۰۶) زبردستی مہر معاف کرانے کا حکم

#### سؤال

ایک شخص نے شادی کی اور تیس ہزار روپے مہر مقرر کیا بعد میں اس نے اپنی بیوی کو دھمکا کر اس سے مہر معاف کرایا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا زبردستی مہر معاف کرانے سے مہر معاف ہو جاتا ہے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

زبردستی مہر معاف کرانے سے مہر معاف نہیں ہوتا۔ شوہر کے ذمے بدستور مہر کی ادائیگی واجب رہے گی۔

لما فی الدر المختار (۱۴۱/۶): (خوفہا الزوج بالضرب حتی وہبتہ مہرہا لم تصح) الہبۃ (إن قدر

الزوج علی الضرب) وإن ہددها بطلاق أو تزوج علیہا أو تسر فلیس یاکراه خانیۃ۔

## (۶۰۷) شادی کی رات بیوی سے مہر معاف کرانا

## سؤال

مفتی صاحب! ایک ماہ بعد میری شادی ہونے والی ہے۔ میرے ایک دوست نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ شادی کی رات جب بیوی کے پاس جاتے ہیں تو سب سے پہلے مہر معاف کروایا جاتا ہے۔ مجھے آپ سے معلوم یہ کرنا تھا کہ آیا یہ شرعی اعتبار سے درست ہے؟ اگر بیوی مہر معاف نہ کرے تو کیا کیا جائے؟ کیا مہر بیوی کو بعد میں اداء نہیں کیا جاسکتا؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

مہر اس مال کو کہا جاتا ہے جو نکاح کے بدلے میں شوہر کے ذمے عورت کو ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اگرچہ نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ ہو یا مہر نہ رکھنے کی شرط ہو پھر بھی مہر مثل واجب ہو جاتا ہے لیکن یاد رہے! کہ مہر کا اصل مقصد ادا کرنا ہے نہ کہ معاف کروانا۔ مہر کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ معجل: جو فی الفور ادا کرنا طے ہو۔

۲۔ مؤجل: جس میں ادائیگی فی الفور شرط نہ ہو بلکہ موت یا طلاق کے وقت یا زندگی میں کسی بھی وقت دینا طے ہو۔

لیکن بہر حال ادا کرنا ہوگا، یہ انتہائی بے ہودہ اور فتنج حرکت ہے کہ عورت سے حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مہر معاف کرایا جائے اور وہ بے چاری چارونا چار مہر معاف کر دے۔ یاد رہے! کہ یہ جبر ہے اور اس طرح مہر معاف نہیں ہوتا بلکہ بدستور شوہر کے ذمے ادا کرنا لازم رہتا ہے اگرچہ بیوی زبان سے معاف بھی کر دے لہذا آپ کے دوست نے آپ کو جو کچھ کہا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ آپ نکاح کے وقت اتنا مہر طے کریں جو فی الفور سہولت سے ادا کر سکتے ہوں اور اگر کسی وجہ سے فی الفور ادا پر قادر نہ ہوں تو نکاح کے بعد کوئی وقت طے کر لیں، اس وقت ادا کریں لیکن مہر اداء نہ کرنا یا بیوی سے جبراً معاف کروانا جائز نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ بغیر کچھ کہے بیوی اپنی خوشی سے کسی جبر اور دھمکی کے بغیر خود ہی مہر معاف کر دے تو معاف ہو جاتا ہے لیکن یاد رہے کہ بیوی کی سو فیصد رضامندی ضروری ہے بصورت دیگر مہر معاف نہ ہوگا۔

لمافی الکلام المجید (النساء: ۴): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً. فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَبِيئًا مَّرِيئًا.

وفی مشکوٰۃ المصابیح (۲۵۵/۱): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان والدارقطني في المجتبى -

وفي الدر المختار (۱۳۱/۶): (خوفها الزوج بالضرب حتى وهبته مهرها لم تصح) الهبة (إن قدر الزوج على الضرب) وإن هدها بطلاق أو تزوج عليها أو تسر فليس بإكراه خانية وفي مجمع الفتاوى منع امرأته المريضة عن المسير إلى أبيها إلا أن تهبه مهرها فوهبته بعض المهر فالهبة باطلة لأنها كالمكره۔

وفي الشامية (۱۰۰/۳): ثم عرف المهر في العناية بأنه اسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع إما بالنسبة أو بالعقد واعتراض بعد شموله للواجب بالوطء بشبهة ومن ثم عرفه بعضهم بأنه اسم لما تستحقه المرأة بعقد النكاح أو الوطء۔

## (۶۰۸) عورت کا ناجی سمجھی میں مہر معاف کرنے کا حکم

### سوال

جب میری شادی ہوئی تو اس وقت میں بالکل نا سمجھ اور نادان تھی، مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ مہر کیا ہوتا ہے۔ میرے سر بار بار مجھ سے یہ کہہ رہے تھے کہ بیٹی اپنے خاوند کا مہر معاف کر دو چنانچہ میں نے اس وقت اپنا مہر معاف کیا۔ کیا اس طرح سے مہر معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ اگر مجھے مہر کے بارے میں کچھ پتہ ہوتا تو میں مہر معاف نہیں کرتی۔ براہ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر عورت حقیقتاً مہر کے لفظ اور اس کے معنی سے ناواقف تھی اور محض اپنے سر کے اتنا کہنے سے کہ ”بیٹی اپنے خاوند کا مہر معاف کر دو“ اس نے یہ کہہ دیا کہ میں نے معاف کر دیا تو اس طرح معاف کرنے سے مہر معاف نہ ہوگا اور شوہر کے ذمہ مہر دینا لازم ہوگا۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء: ۴): فَإِنْ طِبَّنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهَا هَبِيئًا مَّرِيئًا۔

وفي البحر الرائق (۲۶۵/۳): ويشترط في صحة إبرائها عن المهر علمها بمعناها لما في التجنيس لوقال لها قولي وهبت مهري منك فقالت المرأة ذلك وهي لا تحسن العربية لا يصح فرق بين هذا وبين العتق والطلاق حيث يقعان أن الرضا شرط جواز الهبة وليس بشرط لجواز العتق و الطلاق اهـ

وفي حاشية الطحطاوى على الدر (۵۳/۲): واعلم أنه يشترط في صحة براءتها عن المهر علمها بمعناها فلو قال لها قولي وهبت مهري منك فقالت وهي لا تحسن العربية لا يصح۔



## (۶۰۹) بیوی اگر مہر معاف کر دے تو علیحدگی کے بعد مطالبہ کا حکم

## سوال

سید ریحان علی نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی ہے بیوی کی رضامندی سے طلاق دی ہے۔ بیوی حق مہر ۵ سال قبل معاف کر چکی تھی۔ شادی کو سات سال ہوئے تھے۔ اس عرصے میں دو بیٹے ہیں۔ چھوٹا تین سال اور بڑا چھ سال کا ہے۔ جس دن سے شادی ہوئی ریحان کی نوکری ختم ہو گئی اور پھر گھر کا سامان بکتا رہا اور پھر گھر بک گیا۔ زیور بک گیا اور اس کے اخراجات پورے ہوتے رہے لیکن بیوی کے گھر والے یہی کہتے رہے کہ داماد پیر کی جوتی ہوتا ہے اور ایک مرتبہ کسی بات پر ناراض ہو کر بیوی میکے گئی اور سارے میکے کو لے کر آئی اور کھڑے ہو کر ریحان کو پٹوایا اور پھر گھر آ گئی۔ میں برداشت کرتا رہا کہ بچے ہیں لیکن جب میری جان کی دشمن ہو گئی تو میں نے اسے طلاق دیدی، جس کے بعد سارا میکا سامان لینے کیلئے آیا تو غنڈے لے کر آئے اور جہیز کے علاوہ میرا سامان اور ٹی وی اور فریج میز بھی لے گئے اور اس کے علاوہ مہر بھی مانگ رہے ہیں۔ بچے میرے پاس پھینک کر گئی ہے اور کہہ گئی ہے کہ یہ بچے ریحان کے گلے کی ہڈی بن جائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

(۱) جب آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو وہ اس بات کا حق رکھتی ہے کہ اپنے جہیز کا سامان لے جائے البتہ وہ اپنے جہیز کے ساتھ جو آپ کا سامان بھی لے گئی ہے وہ اسے واپس کرنا ضروری ہے۔

(۲) مہر معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے لہذا جب آپ کی بیوی نے ایک دفعہ مہر معاف کر دیا تو دوبارہ مہر کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں اور اگر وہ انکار کرتی ہے کہ میں نے معاف نہیں کیا ہے تو مہر کے معاف کرنے پر شوہر کے پاس گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو عورت کو قسم دی جائے گی اگر اس نے قسم اٹھالی تو اس کو پورا مہر دیا جائے گا اور اگر اس نے انکار کر دیا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اور مہر کو معاف سمجھا جائے گا۔

لمافی الہندیة (۳۱۶/۱): الفصل العاشر فی ہبۃ المہر للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها أو لم يدخل وليس لأحد من أولیائها أب ولا غیرہ الاعتراض علیها کذا فی شرح الطحاوی۔

وفی الدر المختار (۵/۵۲۷): (ولو کان) ما یدعیہ (دینا) مکیلاً أو موزوناً نقداً أو غیرہ (ذکر وصفہ) لأنه لا یعرف إلا به۔۔۔ (ویسأل القاضي المدعی علیہ) عن الدعوی فیقول إنه ادعی علیک کذا فمأذا تقول (بعد صحتها وإلا) تصدر صحیحة (لا) یسأل لعدم وجوب جوابہ (فإن أقر) فیہا (أو أنکر فیرهن المدعی قضی علیہ) بلا طلب المدعی (وإلا) یرهن (حلفہ) الحاکم (بعد طلبہ)

إذ لا بد من طلبه اليمين في جميع الدعاوى إلا عند الثاني في أربعة على ما في البزازية --- (وإذا قال)  
المدعى عليه ( لا أقر ولا أنكر لا يستحلف بل يجبس ليقر أو ينكر) درر --- (وقضى) القاضي  
(عليه بنكوله مرة) لو نكوله (في مجلس القاضي) حقيقة (بقوله لا أحلف) أو حكما كأن  
(سكت) وعلم أنه (من غير آفة) كخرس وطرش في الصحيح سراج وعرض اليمين ثلاثاً ثم  
القضاء أحوط۔

## (۶۱۰) مہر لکھ کر معاف کرنے کا حکم

### سؤال

ایک عورت نے اپنے شوہر کو ایک کاغذ پر لکھ کر دیا کہ میں نے اپنا مہر معاف کر دیا، لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ کیا مہر معاف ہو گیا یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر خالص عورت کا حق ہے اس لئے اگر عورت اپنی رضامندی سے شوہر کو مہر معاف کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، چاہے زبانی طور پر معاف کر دے یا لکھ کر دیدے، دونوں صورتوں میں شوہر سے مہر کی ادائیگی ساقط ہو جائے گی۔

لہا فی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۴): إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهَا عَقْدَةُ النِّكَاحِ۔ الآية۔

وفی الہندیة (۳۱۳/۱): وإن حطت عن مهرها صح الحط كذا في الهداية ولا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح ومن أن تكون مريضة مرض الموت هكذا في البحر الرائق۔

وفیه أيضاً (۱۶۶/۳): الإقرار بالكتابة على وجوه منها أن يكتب على وجه لا يكون مستبينا بأن كتب على الهواء أو على الماء أو على الجمد لا يجب به شيء وإن أشهد عليه --- منها أن يكتب على وجه يكون مستبينا وأنه على وجوه منها كتاب الرسالة وهو أن يكتب على بياض ويصدره بالتسمية ثم بالدعاء ثم يبين المقصود فيكتب أن لك علي ألف درهم من قبل كذا يكون إقرارا استحسانا ويحل لمن عاين كتابته أن يشهد عليه بذلك بشرط أن يعرف الشاهد ما كتب أشهد على ذلك أو لم يشهد هكذا في المحيط۔

وفی الدر المختار (۱۱۳/۳): (وصح حطها) لكه أو بعضه (عنه) قبل أو لا ويرتد بالرد كما في البحر۔

وفیه أيضاً (۶۰۰/۵): (الأمر بكتابة الإقرار إقراراً حکماً) فإنه كما يكون باللسان يكون بالبنان فلو قال للصكّات اكتب خط إقراری بألف علی أو اكتب بیع داری أو طلاق امرأتی صح کتب أمر لم یکتب۔

وفی الشامیة (۶۰۰/۵): فرع ادعی المدیون أن الدائن کتب علی قرطاس بخطه أنه الدین الذی لی علی فلان ابن فلان أبرأته عنه صح وسقط الدین لأن الكتابة المرسومة المعنونة كالنطق به وإن لم یکن كذلك لا یصح الإبراء ولا دعوی الإبراء ولا فرق بین أن تكون الكتابة بطلب الدائن أو لا یطلبه بزازیة من آخر الرابع عشر من الدعوی۔

## (۶۱۱) قبل القبض مهر معاف کرانے کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! بغض عورتیں شادی کے بعد مهر پر قبضہ کرنے سے پہلے مہر معاف کر دیتی ہیں تو کیا قبضہ سے پہلے مہر معاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسؤلہ میں اگر عورت مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے اپنی خوشی سے معاف کر دے تو یہ جائز ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۳): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا۔

وفی الدر المختار (۱۱۳/۲): (وصح حطها) لکله أو بعضه (عنه) قبل أو لا ويرتد بالرد كما فی البحر۔  
وفی الرد تحتہ: مطلب فی حط المهر والابراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط كما فی المغرب۔۔۔ قوله (ويرتد بالرد) أي كهبه الدین ممن علیہ الدین ذكره فی أنفع الرسائل جثا وقال لم أره واستدل له فی البحر بما فی مداينات القنیة قالت لزوجها أبرأتک ولم یقل قبلت أو کان غائبا فقالت أبرأت زوجی یبرأ إذا رده اه قال فی النهر ولا یخفی أن المدعی إنما هو رد الحط وكأنه نظر إلى أن الحط إبراء معنی۔

## (۶۱۲) بعداً لقبض عورت کا مہر کو ہبہ کرنا

## سؤال

مفتی صاحب! ایک عورت جو کہ اپنے مہر پر قبضہ کر چکی ہے بوجہ اخراجات کی تنگی کے اپنی خوشی سے خاوند کو کاروبار کیلئے سونے یا نقدی کی شکل میں دینا چاہتی ہے۔ کیا عورت کیلئے ایسا کرنا جائز ہے؟ شریعت کی روشنی میں اس کا حکم بیان فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

عورت مہر پر قبضہ کر لینے سے مہر کی مالکہ ہو جاتی ہے اور مالکہ کو اپنے مال میں ہر جائز تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے، لہذا صورت مسئلہ میں اگر عورت دل کی خوشی سے خاوند کو مال دینے پر راضی ہے تو یہ جائز ہے اور خاوند قبضہ کرنے سے اس مال کا مالک بن جائے گا لیکن اگر عورت اپنا مال بطور قرض دے رہی ہے تو خاوند پر اس کا واپس کرنا واجب ہوگا۔

لمافی التاتارخانیة (۸۵/۳): وفي المهر حقوق ثلاثة حق الشرء وهو أن لا يكون أقل من عشرة --- وحق المرأة وهو كونه ملكاً لها حتى لو زوجت نفسها من رجل بعشرة ثم أبرأته عن كلها أو عن بعضها جاز۔

وفي الفقه الإسلامي (۶۸۲۸/۹): ويجوز للمرأة الرشيدة أن تهب للزوج جميع الصداق الذي تقرر به النكاح؛ لأنها ملكته، وتقرر بالوطء، سواء قبضته منه أم لم تقبضه، لقوله تعالى: {فإن طبن لكم عن شيء منه نفساً، فكلوه هنيئاً مريئاً} [النساء].

## (۶۱۳) مہر عند الطلب کا حکم

## سؤال

مفتی صاحب! ایک عورت کے نکاح کے وقت یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ عند الطلب یعنی جب بھی بیوی مطالبہ کرے تو مہر ادا کرنا ضروری ہوگا تو مفتی صاحب اس طرح مہر مقرر کرنا درست ہے نیز یہ مہر جب بیوی مانگے تو ادا کرنا واجب ہوگا؟ کیا اس کے بعد بیوی بہستری سے روک سکتی ہے؟ جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

مہر کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ متجل۔ ۲۔ مؤجل۔ متجل وہ مہر جسے فی الفور اداء کرنا لازم ہو اور مؤجل میں تاخیر ہوتی ہے۔

مہر واجب عند الطلب (یعنی جب بیوی مانگے تب اداء کرنا واجب ہو) یہ الگ سے کوئی مہر کی قسم نہیں بلکہ مہر متجل ہی کی ایک صورت ہے، نقط بیوی کے مطالبہ کو الفاظ میں بھی شرط قرار دے دیا جاتا ہے لہذا حقیقتاً تو یہ بھی مہر متجل ہے، فی الفور اداء کر دینا چاہئے البتہ بیوی کے مطالبے تک تاخیر کی گنجائش ہے لیکن بیوی کے مطالبے کے بعد تو اسے اداء کرنا بہر حال لازم ہے۔

لمافی الہندیۃ (۲۱۸/۱): ولو شرط علیہا أن یدخل بہا قبل إیفاء المعجل صح الشرط۔

وفی الدر المختار (۱۳۳/۳): (ولہا منہ من الوطء) دواعیہ شرح مجمع (والسفر بہا ولو بعد وطاء وخلوة رضیتہما) لأن کل وطأة معقود علیہا فتسلیم البعض لا یوجب تسلیم الباقی (لأخذ ما بین تعجیلہ) من المہر کلہ أو بعضہ۔

وفی الردتحتہ: قولہ (فکما شرطاً) جواب شرط محذوف تقدیرہ فإن أجل کلہ أو عجل کلہ۔

## (۶۱۳) مہر کیا ہے؟ تحفہ یا حق

### سؤال

مفتی صاحب! مہر کیا ہے اور شرعاً مہر مقرر کرنا کیا نکاح سے قبل ضروری ہے؟ یہ بیوی کا حق ہے یا صرف اس کے لئے ایک تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے؟ ازراہ کرم مہر سے متعلق مکمل تفصیل تحریر فرمادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

مہر کی تعریف فقہاء نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"اسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع إما بالنسبة أو بالعقد"

(رد المحتار ۱۰۱/۳)

"مہر اس مال کا نام ہے جو عقد نکاح کی وجہ سے شوہر پر (عورت کی) ملک بضع کے مقابلہ میں واجب ہوتا ہے چاہے مقرر کر دے یا عقد سے ہی (مہر مثل لازم ہو جائے)"

اور بعض حضرات نے یہ تعریف بھی کی ہے:

"اسم لما تستحقه المرأة بعقد النكاح أو الوطاء" (الشامیۃ ۱۰۱/۳)

"مہر اس (مال) کا نام ہے، عورت عقد نکاح یا وطی کی وجہ سے جس کی مستحق ہو۔"

مہر مقرر کرنا عقد سے قبل ضروری ہے البتہ بغیر مہر مقرر کئے بھی عقد درست ہو جاتا ہے اور لڑکی کو مہر مثل (اپنی دھیال کی عورتوں مثلاً بہن، پھوپھی وغیرہ کا مہر) ملتا ہے نیز اوپر ذکر کردہ مہر کی تعریف سے معلوم ہو گیا کہ مہر عورت کا حق ہے وہ اس کا مطالبہ کر سکتی ہے یہ تحفہ

نہیں بلکہ نکاح کے عوض میں مقرر کیا گیا اس کا حق ہے۔

## (۶۱۵) مہر اور جنازے سے متعلق بعض شبہات کا ازالہ

### سؤال

مفتی صاحب! آپ سے کچھ باتیں دریافت کرنی ہیں۔

(۱) مہر کی اقل مقدار دس دراہم ہے۔ اسے فقہاء قیاس کرتے ہیں سرقہ میں ہاتھ کاٹنے جانے کی مقدار دس دراہم پر، اور جب سرقہ کا باب آتا ہے تو وہاں سرقہ کے دس دراہم پر ہاتھ کاٹنے جانے کو مہر کی اقل مقدار دس دراہم پر قیاس کر لیا جاتا ہے!!!۔ یہ تو مقیاس پر قیاس ہے جو کہ بعید از اصول و عقل ہے۔ کیا مسئلہ اسی طرح ہے یا کوئی متفقہ نص اور اجماع ہے؟؟ کیونکہ ایک مقیاس کو مقیاس علیہ بنا دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح قنوت میں ہاتھ باندھنا (کیونکہ ذکر مسنون طویل ہے لہذا ہاتھ باندھے جائیں گے) اسے نماز جنازہ میں ذکر مسنون طویل میں ہاتھ باندھنے پر قیاس کیا جاتا ہے، اور جنازہ کے باب میں جنازے کی نماز کو قنوت پر قیاس کر لیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟؟؟ ان دونوں مسلوں کی وضاحت فرمادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

واضح رہے کہ احناف کثر اللہ سواد ہم کا تمام مسائل میں سب سے پہلا مرجع قرآن کریم، پھر سنت، پھر اجماع امت ہے۔ جب کوئی مسئلہ قرآن، سنت اور اجماع میں مذکور نہیں ہوتا تو پھر غیر منصوصہ مسئلہ کو منصوصہ مسئلہ پر قیاس کیا جاتا ہے، نیز جو مسائل قرآن یا سنت یا اجماع امت میں مذکور ہوں ہیں ان میں قیاس کو صرف بطور تائید و تقویت کے پیش کیا جاتا ہے، مذکورہ مسئلہ کا معنی اس قیاس پر نہیں ہوتا۔ سوال نمبر ایک کے پہلے مسئلہ (مسئلہ مہر) کا تعلق بھی دوسری قسم سے ہے [یعنی مسئلہ میں نص موجود ہے لیکن قیاس کو بطور تقویت کے ذکر کر دیا جاتا ہے]۔

پہلے مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ مہر کی اقل مقدار دس دراہم ہیں۔ یہ مذہب بعینہ ایک حدیث سے نہیں بلکہ کئی احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ سنن کبریٰ (۱۱/۱۰) میں مذکور ہے:

قال رسول اللہ ﷺ: ... ولا مہر دون عشرة دراهم۔ (دس دراہم سے کم مہر نہیں)

اس کے بعد اسی مضمون کی مزید پانچ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ سنن دارقطنی (۳/۱۷۳) میں بھی اس مضمون سے متعلق چھ احادیث منقول ہیں۔ مصنف عبدالرزاق (۶/۱۷۹) میں بھی یہ مضمون مختلف روایات سے ثابت کیا گیا ہے چنانچہ مذکورہ مسئلہ کو سرقہ پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے سو وہ بھی ایک نہیں کئی احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ کتاب "المصنف لابن ابی شیبہ"

(۵/۴۷۳) میں ہے: "لا تقطع فی اقل من عشرۃ دراهم" کہ چور کا ہاتھ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا۔ اس عنوان کے تحت سات احادیث مذکور ہیں، جس سے مذہب حنفیہ کو مزید تقویت ملتی ہے۔

سنن نسائی (۲/۲۵۹) میں بھی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تین احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ ان دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ دونوں مسئلوں کی بنیاد احادیث پر ہے بلکہ دوسرا مسئلہ (دس درہم پر ہاتھ کاٹا جانا) تو اجماع سے بھی مؤید ہے کیونکہ دیگر تمام ائمہ کا قول تقریباً دس درہم سے کم کا ہے لہذا دس درہم پر تو سب متفق ہیں۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ دونوں مسئلے نص سے ثابت ہیں۔ اس بارے میں متعدد طرق سے احادیث مروی ہیں، لہذا یہ کہنا بھی باطل ہے کہ مذکورہ احادیث ضعیف ہیں، کیونکہ ضعیف احادیث جب متعدد طرق سے مروی ہوں تو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول وہ احادیث حسن بن جاتی ہیں۔ کما قال النووی رحمۃ اللہ علیہ فی شرح المہذب۔ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم جو مہر کی اقل مقدار دس درہم کو سرقہ پر قیاس کرتے ہیں تو قیاس سرقہ کے باب میں موجود نص پر قیاس ہے۔ جہاں تک دوسرے مسئلے کا تعلق ہے (سرقہ کو مہر پر قیاس کرنا) تو یہ قیاس تنبیح و جستجو کے باوجود ہمیں نہیں ملا البتہ اگر ایسا کوئی قیاس کہیں مذکور بھی ہو تو اس کا جواب بھی یہی ہوگا (کہ سرقہ کو مہر پر نہیں بلکہ مہر کے باب میں جو نص وارد ہے اس پر قیاس کیا گیا ہے)۔

بہر حال دونوں مسئلے چونکہ نص سے ثابت ہیں اور فقہاء کرام کی اصطلاح میں مسائل منصوصہ کو مسائل منصوصہ پر بطور تائید و تقویت کے قیاس کرنا صحیح اور درست ہے بلکہ یہ تو فقہاء احناف کا انداز بیان اور طرز استدلال ہے، لہذا انہیں مقیس پر قیاس کہنا درست نہیں، بلکہ نصوص سے ناواقفیت کی بناء پر ہے۔

(۲) سوال نمبر ۲ کے مذکورہ دونوں مسئلوں کی وضاحت سے قبل ایک اصل بیان کرنا ضروری ہے جو اکثر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ وہ یہ ہے کہ "ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون طویل ہو اس میں ہاتھ باندھنا ضروری ہے" مثلاً عام نمازوں میں قراءت میں ہاتھ باندھنا ضروری ہے، کیونکہ ذکر مسنون طویل موجود ہے۔ اس اصول کی دلیل مشہور حدیث ہے:

"إن من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرّة" (أخرجه أبو داؤد)

"نماز میں دائیاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔"

ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون طویل نہ ہو اس میں ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے۔ نماز جنازہ میں تکبیر کے بعد ہاتھ باندھنے کی دلیل سنن دارقطنی (۲/۶۱) "باب وضع الیمنی علی الیسری و رفع الایدی عند التکبیر" کے تحت چونکہ مذکور ہے (لہذا نماز جنازہ کو قنوت پر قیاس کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی)۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری"

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی اور اپنا دائیاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا"

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دوسری حدیث ہے:

"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی علی الجنازۃ رفع یدہ فی اول تکبیرۃ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری"

البتہ نماز جنازہ کو قنوت پر قیاس کرنا کہیں مذکور نہیں اور پھر نماز جنازہ کو قنوت پر قیاس کرنا محل نظر بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ تتبع کے باوجود قنوت میں ہاتھ باندھنے کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ملا، تو پھر منصوصہ مسئلہ کو غیر منصوصہ مسئلہ پر قیاس کرنا کہاں اور کیسے درست ہو سکتا ہے؟؟؟ البتہ قنوت کو نماز جنازہ پر قیاس کرنا اگر صحیح اور درست ہے لیکن یہ بھی کہیں مذکور نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قنوت میں ہاتھ باندھنے کا کوئی صریح نص موجود نہیں بلکہ اصل مذکور کے تحت اس کو ثابت کیا گیا ہے۔ شیخین رحمہ اللہ علیہما اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان مذکورہ مسئلہ میں اختلاف ہے۔ شیخین رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک اعتماد (ہاتھ باندھنا) ہر اس قیام جس میں ذکر مسنون ہو، کی سنت ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اعتماد قراءت کی سنت ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قنوت اور نماز جنازہ میں ہاتھ چھوڑے جائیں گے اور شیخین رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک ہاتھ باندھے جائیں گے اور تعامل بھی اسی قول پر ہے۔

رہا یہ سوال کہ قومہ میں بھی ذکر مسنون ہے اور قومہ بھی محل تسبیح و تہمید ہے تو اس میں ہاتھ کیوں چھوڑے جاتے ہیں؟؟؟ اس کا جواب صاحب "اعلاء السنن" نے یہ دیا ہے کہ اصل میں مذکورہ قیام سے وہ قیام مراد ہے جس میں قرار و ثبات ہو اور قومہ کا جو قیام ہے اس میں قرار نہیں لہذا قومہ میں ارسال ہوگا (ہاتھ چھوڑے جائیں گے) نیز صاحب اعلاء السنن نے اسی پر فریقین کا اجماع نقل کیا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں نہ تو قراءت مسنون ہے اور نہ ہی ذکر طویل ہے۔ بہر حال قنوت میں ہاتھ باندھنے کا کوئی صریح نص موجود نہیں اور اس کا اعتراف صاحب اعلاء السنن نے بھی فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"إن الوضع والارسال بعد الرفع مسکوت عنہما فی الأحادیث"

"تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کارکھنا یا چھوڑنا اس بارے میں حدیث میں کچھ نہیں آیا۔"

اگر کوئی اعتراض کرے کہ پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہاں سے کہہ دیا کہ قنوت میں ہاتھ باندھے جائیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ احادیث اس بارے میں خاموش ہیں لہذا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی اصل پر چلے ہیں۔ ان کے ہاں اصول یہ ہے کہ اعتماد قراءت کی سنت ہے اور قنوت میں قراءت نہیں ہوتی، اور قنوت میں ہاتھ باندھنا امر حادث ہے جو دلیل کا محتاج ہے، لہذا قنوت میں ارسال کیا جائے گا۔ شیخین رحمہ اللہ علیہما نے قیاس پر عمل کیا ہے، ایک طویل مدت تک ہاتھ چھوڑنا خشوع کے خلاف ہے اور روافض کا مذہب بھی چونکہ ابتداء نماز میں ارسال کا ہے، لہذا ان کی مخالفت بھی مقصود تھی، لہذا ان کے نزدیک ہاتھ باندھے جائیں گے۔

قنوت کو احقر کی ناقص رائے کے مطابق نماز میں اصل قیام پر قیاس کیا گیا ہے۔ حدیث میں قیام کی حالت، میں ہاتھ باندھنے کو مطلقاً سنت کہا گیا ہے اور قنوت کا قیام بھی عام نماز کے قیام کے مشابہ ہے۔ اس سے مذکورہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوگا، اور مذکورہ اصول کے تحت قومہ میں ہاتھ باندھنا لازم آرہا تھا، لہذا ہم نے اس میں طویل ہونے کی قید لگائی جس کا ذکر ہو گیا۔ قومہ میں قیام بیسیر ہونے کی بناء پر ہاتھ باندھنے اور پھر چھوڑنے میں حرج لازم آرہا تھا لہذا قومہ مذکورہ اصول کے تحت داخل نہیں ہوگا۔ نیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جن احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز بتایا ہے ان میں قومہ سے متعلق یہ مذکور نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھے



ہوں، اگرچہ توہم میں ارسال کا ذکر بھی نہیں لیکن قیام یسیر (تھوڑی دیر کے قیام) کی وجہ سے ہاتھ نہ باندھنا شروع و معمول بہا ہے۔  
 لها فی قوله تعالى (المائدة: ۳۸) وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنْ  
 اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔

وفی قوله تعالى (النساء: ۲۳) وَأَجَلٌ لَّكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَلِكَ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ  
 مُسَافِحِينَ۔۔۔ وفی قوله تعالى (البقرة: ۲۳۸) وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَابِلِينَ۔

وفی السنن الكبرى للامام البيهقي ۲۰/۱۱، كتاب الصداق (دارالفکر): عن جابر رضي الله عنه عن  
 رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صداق دون عشرة دراهم۔

وفی الكتاب المصنف لابن ابی شيبه (۲۴۳/۵) من قال لا تقطع في اقل من عشرة دراهم (دارالکتب  
 العلمیہ): حدثنا شريك، عن عطية بن عبد الرحمن، عن القاسم، قال: أتى عمر بسارق فأمر  
 بقطعه، فقال عثمان: إن سرقته لا تساوي عشرة دراهم، قال: فأمر بها عمر فقومت  
 ثمانية دراهم، فلم يقطعه۔

وفی سنن البيهقي (۲۹/۲): عن ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إنا  
 معاشر الأنبياء أمرنا بثلاث: بتعجيل الفطر، وتأخير السحور، ووضع اليد اليمنى على اليسرى في  
 الصلاة. (كذا في مجمع الزوائد عن الطبراني، ونقل الحافظ العيني عن الطبراني)۔

وفی سنن النسائي (۲۵۹/۲): باب القدر الذي اذا سرقه السارق قطعت يده (قديمي كتب خانہ) عن  
 أيمن قال: يقطع السارق في ثمن المجن وكان ثمن المجن على عهد رسول الله صلى الله عليه و  
 سلم ديناراً أو عشرة دراهم۔

وفیه أيضاً (۲۵۹/۲): عن ابن عباس رضي الله عنهما مثله كان ثمن المجن على عهد رسول الله صلى الله عليه و  
 سلم يقوم عشرة دراهم۔

وفی المصنف لعبد الرزاق (۲۳۳/۱۰) باب في كم تقطع يد السارق (ادارة القران والعلوم  
 الاسلامیة) عن ابن مسعود رضي الله عنه قال كان لا تقطع اليد إلا في دينار أو عشرة دراهم۔

## فصل فی الجہاز وغیرہ

(جہیز وغیرہ کا بیان)

(۶۱۶) جہیز کی شرعی حیثیت

### سوال

مفتی صاحب! شادی کے موقع پر دلہن کو دیئے جانے والے جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اسلام اس کی ترغیب دیتا ہے اور بعض جگہ جو جہیز دیا جاتا ہے اس کی خوب نمائش ہوتی ہے اور پھر لڑکے والوں کے حوالے کیا جاتا ہے یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ نیز بعض لوگ اس کے خلاف اتنی سختی سے عمل کرتے ہیں کہ بیٹی کو شادی کا جوڑا تک نہیں دیتے ان کا عمل کیسا ہے؟ ازراہ کرم خوب وضاحت اور تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

شادی کے موقع پر لڑکی کو بقدر ضرورت معمولی سا سامان دینا ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک عدد چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ عطا فرمایا تھا لیکن آج کل جو جہیز کی مردّہ صورت ہے جس کے میسر نہ ہونے کی وجہ سے لڑکیاں تادم آخر اپنے گھروں پر بیٹھنے پر مجبور ہیں اور لڑکے والے بڑھ چڑھ کر جہیز کے سامان میں زیادتی کا مطالبہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے بسا اوقات والدین کو مجبوراً سودی قرضے لینے پڑتے ہیں جن کو اداء کرنے کیلئے ان کی زندگیاں گزر جاتی ہیں نیز بعض بے بسائے گھر اس مردّہ جہیز کی وجہ سے اجڑ گئے۔ لڑکی اپنے گھر سے لڑکے والوں کے مطالبے کے مطابق جہیز نہ لاسکی اس پر ان کی طرف سے طعن و تشنیع اور گرے پڑے جملے زندگیوں میں دراڑ ڈالنے کا سبب بنتے ہیں۔ جہیز کی اس مردّہ صورت اور اس نمود و نمائش وغیرہ کا شریعت میں کبھی ثبوت نہیں بلکہ اس میں درج ذیل مفاسد واضح ہیں۔

(۱)..... لڑکیوں کا بے نکاحی زندگی گزارنے کا سبب بننا۔

(۲)..... لڑکی کے والدین کا اس جہیز کیلئے سودی قرضے لینا۔

(۳)..... لڑکے والوں کا ایک ایسی چیز کا مطالبہ کرنا جو قطعاً ان کا حق نہیں بلکہ جہیز تو لڑکی کی ملکیت ہوتی ہے۔

(۴)..... جہیز نہ ملنے یا کم ملنے پر لڑکے والوں کا طعن و تشنیع کرنا۔

(۵)..... جہیز میں ضرورت سے زیادہ اشیاء فقط نمود و نمائش کیلئے دینا جس میں ریا کاری اور اسراف دونوں خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

ان میں سے بعض مفاسد تو صریح حرام اور گناہ کبیرہ ہیں۔ ایک مباح امر (لڑکی کا ہدیہ رخصتی کے وقت بطور جہیز کچھ سامان دینا) کیلئے اتنے حرام امور کا ارتکاب جائز نہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ معاشرے میں پھیلے اس ناسور کو لگام دے اور اس میں پائے جانے والے غلو کا خاتمہ کرے البتہ اگر یہ مفاسد نہ پائے جاتے ہوں اور لڑکی کا والد اپنی خوشی سے لڑکی کو بقدر ضرورت بغیر کسی اسراف، نمود و نمائش اور سودی قرضے لئے کچھ سامان دے دیتا ہے تو اس کی گنجائش ہے نیز لڑکے کو بھی حالات کو دیکھتے ہوئے یہ سامان قبول کر لینا چاہیے البتہ اگر لڑکی والے وہی مروجہ مفاسد والے جہیز دینے پر مصر ہوں تو لڑکا انکار کر سکتا ہے۔

لہذا صورت مسئولہ میں لڑکی کو بقدر ضرورت بغیر اسراف، نمود و نمائش اور سودی قرضے کے کچھ سامان دینا جائز ہے (نیز اس کی جگہ نقد پیسے یا کوئی زمین وغیرہ بھی دی جاسکتی ہے جو بعد میں بھی زوجین کے کام آسکے گی) البتہ جہیز کی مروجہ صورت اور لڑکے والوں کا مطالبہ کرنا اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں بلکہ یہ ایک منکر عمل ہے۔ اصحاب استطاعت حضرات کو بھی چاہیے کہ وہ اگر دلی رضامندی سے بھی بغیر مفاسد مذکورہ کے اپنی بیٹی کو ضرورت سے زیادہ سامان بطور جہیز دینا چاہ رہے ہوں تو وہ اس عمل سے باز رہیں اور اجتناب کریں کیونکہ ان کا یہ عمل (جہیز میں زیادتی) معاشرے میں اسے معیار بنائے گا اور پھر غریب کو بھی ان اشیاء کا التزام کرنا پڑے گا البتہ بقدر ضرورت حسب استطاعت کچھ سامان دے دینے میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ بقدر ضرورت کچھ سامان حسب استطاعت دینا بھی چاہیے کیونکہ شریعت نے بیٹیوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی کے معاملے کی تلقین کی ہے اور اظہار محبت کیلئے دے دینا چاہیے بالکل نہ دینا بھی مرؤت کے خلاف ہے۔

لمافی سنن النسائی (۷۷/۲): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی اللہ عنہ قال جہز رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوها اذخر.

وفی الشامیة (۵۸۳/۳): قوله (وفی البحر النخ) وعبارة والحاصل أن المرأة لیس علیہا إلا تسلیم

نفسها فی بیتہ وعلیہا لہا جمیع ما یکفیہا بحسب حالہا من اکل وشراب ولبس وفرش۔

(۶۱۷) شریعت میں جہیز کا تصور اور حکومت کا جہیز پر پابندی لگانا

سوال

مفتی صاحب! شریعت میں جہیز کا کیا تصور ہے؟ کیا شریعت نے اس کی کوئی مقدار لڑکی کے مالدار اور تنگ دست ہونے کے

اعتبار سے مقرر کی ہے؟ کیا حکومت کو جہیز پر پابندی لگانے کا اختیار ہے؟ ازراہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت مقدسہ میں بقدر ضرورت رخصتی کے وقت لڑکی کو معمولی سامان دینا (بطور جہیز) ثابت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو رخصتی کے وقت معمولی سامان دیا تھا جس میں ایک چادر ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ شامل تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دونوں جہانوں کے سرکار کی بیٹی فاطمہ الزہراء کو رخصتی کے وقت کتنا سامان بطور جہیز دیا گیا اور آج کل ہمارے معاشرے میں جہیز کی کیا صورت ہے!!!

ہمارے معاشرے میں موجود مرد و جہیز اور اس کے لئے لاکھوں کے سامان کا اکٹھا کرنا نیز نمود و نمائش سودی قرضوں کا لینا وغیرہ اس سب کا شریعت میں کوئی جواز نہیں نہ شریعت میں ایسے کسی جہیز کا کوئی تصور ہے۔ قرون اولیٰ کی کسی شادی میں جہیز کا یہ اہتمام نہیں ملتا بلکہ وہاں انتہائی سادگی سے لڑکی کو لڑکے کے گھر پہنچا دیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے اس وقت شادی کرنا آسان تھا اور معاشرے میں عنف و پاكدامنی عام تھی اور آج ہم نے یہ بے جا التزامات اور ان میں موجود خرابیوں کے باوجود ان سب کو سینے سے چمٹایا ہوا ہے اور اس کے بے شمار مفاسد بھگت رہے ہیں جن میں سے ایک بہت بڑا مفسدہ یہ ہے کہ لڑکیاں بغیر شادی کے زندگیاں گزار رہی ہیں جو کہ معاشرے میں بے راہ روی کو پھیلا رہا ہے۔

(۲) آپ کا دوسرا سوال جہیز کی مقدار سے متعلق ہے اس سے متعلق عرض ہے کہ جہیز حقیقتاً ایک ہدیہ اور تحفہ ہے اور بقدر استطاعت ہدیہ دینے والے کی مرضی ہوتی ہے جتنا ہدیہ دیدے لہذا صورت مسئلہ میں اگر بقدر ضرورت اپنی استطاعت کے مطابق جتنا بھی سامان دے دیا جائے یہ جائز ہے البتہ استطاعت سے باہر سودی قرضے لینا یا ضرورت سے زائد اشیاء لڑکی کو دینا یہ سب اسراف اور ناجائز امور ہیں، ان کی قطعاً اجازت نہیں۔ بقدر ضرورت کچھ سامان لڑکی کے ساتھ کر دینا چاہیے لیکن اس سے زیادہ سامان مہیا کرنا درست نہیں۔

(۳) جہیز دینا ایک مباح امر تھا لیکن ہمارے معاشرے میں اس میں ایسے التزامات پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض تو صریح حرام ہیں۔ بعض مفاسد درج ذیل ہیں:

اولاً: جہیز کیلئے سودی قرضے لینا۔

ثانیاً: نمود و نمائش کرنا جو کہ ریا کاری ہے۔

ثالثاً: جہیز نہ لانے پر لڑکی پر طعن و تشنیع کرنا۔

رابعاً: اس مرد و جہیز کی وجہ سے سینکڑوں بچیوں کے نکاح میں رکاوٹ اور معاشرے میں پھیلتے فحاشی کے ذرائع۔

خامساً: جہیز کے سامان میں ضرورت سے زیادہ سامان کا مہیا کرنا اسراف ہے۔

سادساً: لڑکی والوں سے طیب خاطر کے بغیر سامان لینا جو کہ حرام ہے۔

سابعاً: لڑکے والوں کا ایسی چیز کا مطالبہ کرنا جو ان کا حق ہی نہیں کیونکہ جہیز تو لڑکی کا باپ لڑکی کو دیتا ہے اور وہ لڑکی کی ملکیت ہوتا

ہے۔

ان مفاسد کو سامنے رکھتے ہوئے اگر حکومت جہیز کی مخصوص مقدار سے زیادہ پر پابندی لگا دیتی ہے تو یہ جائز ہے بلکہ ان مفاسد کے سدباب کیلئے انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور حکومت کی ایسی پابندی کی اطاعت واجب ہوگی۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء: ۵۹): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ... الآية۔

وفی احکام القرآن للجصاص (۲/۲۱۱): فثبت أن أولى الأمر في زمان النبي ﷺ كانوا أمراء وقد كان على المولى عليهم طاعتهم ما لم يأمرهم بمعصية وكذلك حكمهم بعد النبي ﷺ في لزوم اتباعهم وطاعتهم ما لم تكن معصية۔

وفی الشامیة (۲/۵۸۵): وأما ما ذكره صاحب النهر هناك عن البزازية من أن الصحيح أنه لا يرجع على الأب بشيء لأن المال في النكاح غير مقصود اه فهو مبني على أن ذلك المعجل أدرك في العقد بدليل التعليل بأن المال وهو الجہاز غير مقصود في النكاح لأن المهر يجعل بدلا عن البضع وحده۔

## (۶۱۸) لڑکی جو جہیز لاتی ہے وہ کس کی ملک ہوتا ہے؟

### سوال

زوجین میں گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے بیوی کے مطالبے پر طلاق کے ذریعے جدائی ہوگئی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ شادی کے وقت لڑکی جو سامان بطور جہیز اپنے ساتھ لے کر آئی تھی وہ سامان کس کا حق ہے آیا لڑکا وہ سامان اپنے پاس رکھے یا لڑکی اس کو لینے کا حق رکھتی ہے۔ لڑکی جب سامان لے کر آئی تھی اس وقت کسی قسم کی کوئی وضاحت نہیں تھی کہ سامان کا مالک کون ہے؟؟؟ یہ بات بھی ملحوظ نظر رہے کہ طلاق کے مطالبے کے وقت کسی بھی قسم کی شرائط طے نہیں ہوئی تھیں۔ قرآن و احادیث مبارکہ کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

جہیز ایک ایسا ہدیہ و تحفہ ہے جو والدین اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دیتے ہیں اور یہ لڑکی ہی کی ملکیت شمار ہوتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں مطاقہ عورت شادی کے موقع پر جو سامان اپنے ساتھ لائی تھی وہ اسی کی ملکیت ہے اور طلاق کے بعد عورت کو جہیز کے مطالبہ کا حق

حاصل ہے اس میں کسی کو منع کرنا جائز نہیں بلکہ خوشی سے لڑکی کا سامان اس کے حوالے کر دیا جائے۔

لمافی سنن النسائی (۴۷/۲): (جہاز الرجل ابنته): عن علی رضی اللہ عنہ قال جہز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوہا اذخر.

وفی مشکوٰۃ المصابیح (ص ۲۵۵): وعن ابي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ألا تظلموا ألا لا یجل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". رواہ البیهقي فی شعب الإيمان والدارقطني فی المجتبى۔

وفی الشامیة (۱۵۵/۳): قوله (ليس له الاسترداد منها) هذا إذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية كما يذكره قريبا وكان یغنیہ ما یأتی عما ذکرہ هنا۔

وفیہ أيضا (۵۸۵/۳): یعلم أن الجہاز ملک المرأة وأنه إذ طلقها تأخذہ کلہ وإذا ماتت یورث عنها ولا یختص بشيء منه الخ۔

## (۶۱۹) لڑکے کا سسرال والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنے کا حکم

### سوال

بکر ایک شریر اور خلاف شرع کاموں کا مرتکب شخص ہے۔ اہل محلہ میں سے کوئی بھی اس کے بیٹے کو اپنی لڑکی دینے کو تیار نہ تھا بلکہ ہر ایک کنارہ کشی کرتا رہتا تھا۔ بالآخر حاجی مظفر خان کے اصرار پر حاجی گلاب خان نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کے بیٹے سے کر دیا مگر بکر اور اس کا بیٹا (جو کہ باپ کے نقش قدم پر جا رہا ہے) جہیز میں بہت سارے سامان کے طلبگار ہیں کہ مثلاً گاڑی، فرنیچ، صوفہ سیٹ، کئی درجن برتن وغیرہ اور اس کے ساتھ دو لاکھ روپے بھی دینے ہوں گے جبکہ حاجی گلاب خان کے بس سے یہ اشیاء باہر ہیں تو کیا شرع محمدی میں بکر اور اس کے بیٹے کا یہ مطالبہ درست ہے اور کیا حاجی گلاب خان اپنی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر سکتا ہے؟ شرع شریف کے مطابق جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوحاب

شوہر اپنے سسرال والوں سے جہیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا لہذا صورت مسئلہ میں بکر اور اس کے بیٹے کا جہیز کا مطالبہ کرنا درست نہیں لیکن چونکہ آپ (حاجی گلاب خان) نے اپنی بیٹی کا نکاح بکر کے بیٹے سے کر دیا ہے لہذا اس نکاح کی موجودگی میں آپ اپنی بیٹی کا نکاح دوسری جگہ نہیں کر سکتے، دوسری جگہ نکاح کیلئے پہلے اس شوہر سے طلاق یا خلع لینا ضروری ہے۔

لمافی الدر المختار (۱۵۸/۳) کتاب النکاح: فرع لو زفت إلیہ بلا جهاز یلیق بہ فله مطالبہ الأب

بالنقد قنیۃ زاد فی البحر عن المبتغی إلا إذا سکت طویلاً فلا خصومة له لکن فی النہر عن  
 البزازیۃ الصحیح أنه لا یرجع علی الأب بشیء لأن المال فی النکاح غیر مقصود۔  
 وفی الشامیۃ تحته: قلت وفی البزازیۃ ما یفید التوفیق حیث قال تزوجها وأعطایا ثلاثۃ آلاف  
 دینار الدستیمان وهي بنت موسر ولم یعط لها الأب جہازاً أفقی الإمام جمال الدین و  
 صاحب المحیط بأن له مطالبة الجہاز من الأب علی قدر العرف والعادۃ أو طلب الدستیمان  
 قال وهذا اختیار الأئمة وقال الإمام المرغینانی الصحیح أنه لا یرجع بشیء لأن المال فی النکاح  
 غیر مقصود وكان بعض أئمة خوارزم یعترض بأن الدستیمان هو المهر المؤجل كما ذکره  
 فی الکافی وغیرہ فهو مقابل بنفس المرأة حتی ملکت حبس نفسها لاستیفائه فكیف یملک الزوج  
 طلب الجہاز والشیء لا یقابله عوضان۔۔۔ وهذا المسألة نظیر ما لو تزوجها بأكثر من مهر  
 المثل علی أنھا بکر فإذا هی ثیب فقد مر الخلاف فی لزوم الزیادۃ وعدمه بناء علی الخلاف فی هذه  
 المسألة وقدم أن المرجح اللزوم فلذا كان المصحح هنا عدم الرجوع بشیء كما مر عن  
 المرغینانی۔

## (۶۲۰) کیا جہیز کا انتظام کرنا ضروری ہے؟

### سوال

میں ایک غریب آدمی ہوں میرے دو بیٹے ہیں ایک کی عمر ۱۶ سال ایک کی ۱۳ سال ہے۔ میں نے ۱۶ سالہ لڑکے کیلئے شادی کا  
 پیغام حاجی عبدالصمد کی بیٹی کو بھیجا چونکہ ہمارے ہاں جہیز آسمان سے باتیں کرتا ہے (۱۰ لاکھ، ۲۰ لاکھ مہر ہوتا ہے) اور میں اتنی مقدار سے  
 عاجز ہوں تو حاجی عبدالصمد نے مجھے اپنی بیٹی اس شرط پر دی کہ چلوٹھیک ہے مہر معاف ہے بس صرف ایک ہزار دید و البتہ جہیز آپ کے  
 ذمے ہے، آپ ہی نے لڑکی کو جہیز دینا ہے اور حاجی مذکور نے اتنی بڑی لسٹ بنا کر دی کہ تقریباً ۶،۵ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے اور یہ بھی میرے  
 بس میں نہیں لہذا آپ حضرات فیصلہ کریں کہ جہیز کس کا حق ہے؟ لڑکی کے والدین کا یا سرکار (لڑکے کے والد کا) اور اگر بالفرض میرے  
 اوپر ہی لازم آتا ہو تو آپ سے امید ہے کہ کچھ نصیحتانہ کلمات حاجی مذکور کو لکھیں تاکہ ان کا دل نرم ہو جائے اور میرے ساتھ کچھ آسانی کا  
 معاملہ کریں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

جہیز کی جو صورت موجودہ دور میں لوگوں میں معروف ہے یہ لڑکی کے والدین پر لازم نہیں اور نہ شوہر پر لازم ہے۔ حسب توفیق

بلا قرض جو ممکن ہو والد اپنی بچی کو رخصتی کے اعزاز میں دیدے، حقیقتاً جہیز یہ ہے نیز وہ تمام اشیاء جن کی زوجہ کو شوہر کے گھر جانے کے بعد عام طور پر ضرورت پیش آئے گی، شوہر کے ذمہ لازم ہوں گی مثلاً کھانے پینے کی اشیاء، رہنے کا مکان کپڑے حسب موسم اور اسی طرح عام استعمال کی اشیاء مثلاً بستر، کھانے پینے کے عام استعمال کے برتن وغیرہ۔

مہر شوہر کے ذمہ واجب ہے جس کی زیادہ مقدار شوہر کی وسعت کے بقدر مناسب ہے اور اس کی کم از کم مقدار دس درہم یعنی 30.618 گرام چاندی یا اس کی قیمت ہے ۱۔ اگر اس مقدار سے مہر کم مقرر کیا جائے تب بھی یہی مقدار واجب ہوگی۔ صورت مسئلہ میں ایک ہزار روپے مہر مقرر کرنا آجکل کے حساب سے 30.618 گرام چاندی کی قیمت سے کم ہے لہذا ایک ہزار روپے کے بجائے کم از کم موجودہ دور کے 30.618 گرام چاندی کی قیمت کے برابر مہر شوہر پر واجب ہوگا۔

لمافی سنن النسائی (۷۷/۲): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی اللہ عنہ قال جهز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوها اذخر.  
وفی اعلاء السنن، أبواب المهر (۷۹/۱۱): عن جابر رضی اللہ عنہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول "لامهر أقل من عشرة دراهم۔"

وفی الہندیة (۳۲۷/۱): الفصل السادس عشر فی جهاز البنت لو جهز ابنته وسلمہ إليها لیس له فی الاستحسان استرداد منها وعلیہ الفتوی۔۔۔ جهاز بنته وزوجها ثم زعم أن الذی دفعه إليها ماله وكان علی وجه العارية عندها وقالت هو ملكي جهزني به أو قال الزوج ذلك، بعد موتها فالقول قولهما دون الأب۔

وفی الدر المختار (۱۵۸/۳) فرع لو زفت إليه بلا جهاز یلیق به فله مطالبة الأب بالنقد قنیة زاد فی البحر عن المبتغی إلا إذا سکت طویلاً فلا خصومة له لكن فی النهر عن البزازیة الصحیح أنه لا یرجع علی الأب بشیء لأن المال فی النکاح غیر مقصود۔

وفی الفقہ الاسلامی فی مبحث الملزم بالجهاز (۶۸۲۳/۹): ثانی عشر الملزم بالجهاز والاختلاف فیہ: الجهاز هو أثاث المنزل وفراشه وأدوات بیت الزوجیة، وهناك رأیان للفقهاء فی الملزم بالجهاز: قال المالکیة: الجهاز واجب علی الزوجة بمقدار ما تقبضه من المهر، فإن لم تقبض شیئاً فلا تلزم بشیء إلا إذا اشترط الزوج التجهیز علیها، أو كان العرف یلزمها به. ودلیلهم أن العرف جرى علی أن الزوجة هی التي تعد بیت الزوجیة وتجهزه بما یحتاج إلیه، وإن الزوج

ملزم یتقضیات کیلئے، نجم الفتاوی کی اسی جلد کے فتویٰ نمبر 552 "شرع محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہے؟" کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ از مرتب



إنما يدفع المهر لهذا الغرض. ويلزمها أن تتجهز بالمهر على العادة من حضر أو بدو، ولا يلزمها أن تتجهز بأزيد منه إلا لشرط أو عرف. وخالفهم الحنفية: فأوا أن الجہاز واجب على الزوج، كما يجب عليه النفقة وكسوة المرأة، والمهر المدفوع ليس في مقابلة الجہاز، وإنما هو عطاء ونحلة كما سماه الله في كتابه، أو هو في مقابلة حل التمتع بها، فهو حق على الزوج لزوجته. لكن إن دفع الزوج مقداراً من المال في مقابلة الجہاز: فإن كان المال زائداً على المهر مستقلاً عنه، فتلزم الزوجة بإعداد الجہاز لأنه كالهبة بشرط العوض.

## (۶۲۱) جہیز کیلئے قرض لینا

### سؤال

ایک شخص اپنی بیٹی کی شادی کراتا ہے جہیز خریدنے کیلئے اس کے پاس پیسے نہیں لیکن لوگوں کے طعنوں کی وجہ سے قرض لے کر جہیز کا سامان خریدتا ہے تو آیا اس کے لئے قرض لے کر جہیز کا سامان خریدنا جائز ہے؟ اور اگر بغیر جہیز کے رشتہ ہی نہ ہوتا ہو تو قرض لے کر بندوبست کر سکتا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جہیز ایک ہدیہ ہے جو باپ اپنی استطاعت کے مطابق لڑکی کو بوقت رخصتی دیتا ہے جہیز کا مروجہ خاکہ (جس میں صرف نمود و نمائش بے جا اسراف اور ضرورت سے زیادہ دکھلاوے کی چیزیں شامل ہوتی ہیں) اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ لڑکی والوں کیلئے ایک جبر اور اضطراب ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہؓ کو معمولی سا ضرورت کا سامان دینا ثابت ہے لیکن مروجہ جہیز کا قرون اولیٰ میں نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ اس وقت اس کا رواج تھا لہذا صورت مسئلہ میں اولاً آپ کو چاہئے کہ ایسا دیندار اور شریف رشتہ ڈھونڈیں جس کی نظر پیسوں کے بجائے لڑکی کے اخلاق و سیرت پر ہو اور پھر بقدر استطاعت جہیز کے ساتھ لڑکی کو رخصت کر دیں اور اگر ایسا رشتہ میسر نہ آئے تو بوقت ضرورت صرف اتنا قرض لیا جاسکتا ہے جس سے لڑکی کے لئے ضرورت کا سامان تیار کیا جاسکے (یہ بھی اس وقت ہے جب شادی نہ کرنے کی صورت میں لڑکی کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو) البتہ ضرورت سے زیادہ نام و نمود کے جہیز کیلئے قرض لینا جائز نہیں کیونکہ جہیز دینا کوئی لازمی امر نہیں اور قرض بغیر ضرورت کے نہیں لیا جاتا لہذا جب ضرورت ہو یعنی لڑکی کو شادی کا تقاضہ ہو اور لڑکے والے بغیر جہیز کے رشتہ پر تیار نہ ہوتے ہوں تو بقدر ضرورت جہیز کیلئے قرض لیا جاسکتا ہے۔

لمافی البحر الرائق (۱۸۶/۲): من زفت إليه امرأته بلا جهاز فله مطالبة الأب بما بحث إليه من

الدنانیر والدرہم --- ولو سکت بعد الزفاف طویلا لیس له أن یخاصمه بعده وإن لم یخذله شیء۔

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیة (۲۷/۱): لایلزم تجهیز بنته من مال نفسه: سئل فی رجل جهز بنته بمهرها وتکافه أمها بتجهیزها بزیادة علیه من مال نفسه فهل لایلزمه ذلك الجواب نعم۔

وفی الشامیة (۶/۳): أنه یندب الاستدانة له قال فی البحر فإن الله ضامن له الأداء فلا یخاف الفقر إذا کان من نیته التحصین والتعفف اه ومقتضاه أنه ینبب إذا خاف الزنا وإن لم یملک المهر إذا قدر علی استدانتہ۔

وفیه أيضا (۸/۳): قوله (والاستدانة له) لأن ضمان ذلك علی الله تعالی فقد روى الترمذی والنسائی وابن ماجه ثلاث حق علی الله تعالی عوفهم المكاتب الذي یرید الأداء والناکح الذي یرید العفاف والمجاهد فی سبیل الله تعالی ذکره بعض المحشین وتقدم تمام الکلام علی ذلك۔

## (۶۲۲) جہیز کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ لینا

### سوال

مفتی صاحب! میں بڑا پریشان ہوں، میں تو کیا ہر بچیوں کا باپ اس دور میں پریشان ہے۔ سمجھ لیجئے کہ یہ ہر باپ کی آواز ہے جس کے گھر میں جوان بچیاں ہیں۔ کوئی باپ اپنی بچیوں کا گلہ نہیں گھوٹ سکتا اور نہ ہی سمندر میں دھکا دے سکتا ہے، بچیوں کے رشتے آنے پر ہر باپ کو مجبوری میں یہ قدم اٹھانا پڑتا ہے، بچیوں کی عمریں نکل جانے کے ڈر سے رشتہ لانے والوں کے مطالبے پورے کر پڑتے ہیں۔ آج کل لڑکے والے اپنے لڑکے کو چیک کیش سمجھتے ہیں۔ گھر، جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہر باپ کی اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ سارے مطالبے پورے کر سکے، اس لئے مجبوراً ہی اپنی جماعت سے مدد طلب کرتے ہیں۔ میں خود صاحب حیثیت آدمی ہوں ہر سال پانچ ہزار روپیہ زکوٰۃ نکالتا ہوں۔ ۲ لاکھ روپے کی طاقت والا گھر، جہیز کہاں سے اکٹھا کرے اسی لئے میں نے اپنی بچی کا ایک رشتہ طے کر لیا ہے جس میں اس کو ایک کمرے والا گھر خرید کر دینا ہے آج کے دور میں اس کی قیمت سات لاکھ روپے ہے گھر کا میں نے سو دیا، دو لاکھ روپے پیمنٹ کر چکا ہوں پانچ لاکھ روپے کی مزید ضرورت ہے۔

ہماری بات تو اجماعت بچی کی شادی پر ۳ لاکھ روپے زکوٰۃ کے دیتی ہے میرے پاس اب کچھ بھی نہیں بچا تو وہ چار لاکھ روپے کر اور کچھ ادھر ادھر سے کر کے گھر کی پیمنٹ کر دی ہے۔ اب شادی کا وقت نزدیک آنے والا ہے فرنیچر، سونا، برتن وغیرہ اور مہمانوں کی خدمت کیلئے کھانا اور ان کے لئے دو ڈھائی لاکھ کی مجھے اور ضرورت ہے کوئی بھی بغیر زکوٰۃ کے پیسے دینے کے لئے تیار نہیں، اتنی بڑی

کوئی خیرات پر دینے کیلئے تیار نہیں اسی لئے کہتے ہیں کہ زکوٰۃ لے لو۔

اب آپ بتائیے میں ایک صاحب حیثیت دو لاکھ کا مالک بھکاری بن گیا ہوں۔ کیا کروں مجبوری تھی اس کے سوا کوئی سہارا نہ تھا، میں نے جو گھر خریدا ہے پانچ لاکھ روپے اس میں زکوٰۃ کے پیسے لگائے ہیں کیا میں نے یہ صحیح کیا ہے؟ دیگر بھی مجھے دو ڈھائی لاکھ چاہئیں کیا میں اپنی بچی کی شادی اس زکوٰۃ کے پیسوں سے کر سکتا ہوں؟ جناب عالی اس کا تفصیلی جواب دیجئے یہ صرف میرا ہی نہیں ہر باپ کا تفصیلی مسئلہ ہے یا اس کے علاوہ کوئی مشورہ دیں۔ میں بہت پریشان ہوں، میری پریشانی کا حل مجھے بتائیے، میری دعا ہے کہ اللہ آپ کی جان، مال، عزت، آبرو اور ایمان کی حفاظت فرمائے، آمین اور میرے حق میں بھی دعا فرمائیے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین عظام رضوان اللہ علیہم کے عمل سے یہ واضح ہے کہ جہیز دینے کو نہ نکاح کا لازمی جزء سمجھا گیا ہے اور نہ اس کی ایسی پابندی کی گئی کہ تنگی ترشی ہر حالت میں جہیز ضرور ہی دیا جائے اور اس کے بغیر لڑکی کی شادی محال سمجھی جائے اور نہ جہیز کی مقدار اتنی زیادہ رکھی گئی جتنی آج کل معمول بن گئی ہے۔

شرعی اعتبار سے جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اسے کوئی تحفہ اپنی استطاعت کے مطابق دینا چاہے تو دیدے اور ظاہر ہے کہ تحفہ دیتے وقت لڑکی کی آئندہ ضروریات کو مد نظر رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے لیکن نہ وہ شادی کیلئے لازمی شرط ہے نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں اور اگر کسی لڑکی کو جہیز نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو اس پر برا منائیں اور نہ لڑکی کو مطعون کریں۔

ہمارے زمانے میں جہیز کو جس طرح نکاح کا لازمی جزء قرار دیا گیا ہے، اس کے بغیر شادی کو ناک کٹوانے کے مترادف سمجھ لیا گیا ہے اور اس کی مقدار میں نام و نمود دکھلاوے کی خاطر روز بروز اضافہ کیا جا رہا ہے کہ غریب سے غریب انسان قرض لے کر، رشوت اور مال حرام استعمال کر کے اس مقدار کو پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے اور جب تک اس پر قدرت نہ ہو لڑکیاں بن بیابھی بیٹھی رہتی ہیں یہ پورا عمل سنت کے خلاف ہے اور اس سے بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں لہذا اس کی اصلاح کیلئے ہر اقدام مستحسن اور قابل تائید ہوگا اور اسے جاری رکھنے کی ہر سعی و کوشش غیر مستحسن اور قابل ترک ہوگی۔

صورت مسئلہ میں آپ کیلئے مروجہ جہیز کی رسم کو پورا کرنے کیلئے زکوٰۃ کی رقم لینا غیر مستحسن اور ناپسندیدہ عمل ہے نیز آپ نے جو گھر خریدنے میں زکوٰۃ کے پیسے لے کر لگائے ہیں اگر صاحب نصاب (یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت یا اتنی قیمت کا مال تجارت یا اپنی ضرورت سے زائد اتنی مالیت کے سامان کے مالک) ہونے کی حالت میں آپ نے وہ رقم وصول کی ہو تو آپ کیلئے شرعیاً یہ رقم لینا درست نہیں تھا البتہ اگر آپ واقعتاً اس وقت مستحق زکوٰۃ تھے تو آپ کا زکوٰۃ کی رقم لینا درست ہو گیا تاہم مروجہ جہیز وغیرہ کی قابل ترک رسم کو پورا کرنے کیلئے اپنے آپ کو مستحق بنا کر زکوٰۃ کی رقمیں لینا ایک ناپسندیدہ اور غیر مستحسن عمل ہے۔

نیز آپ کیلئے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنی بچیوں کے رشتے کیلئے ایسے دیندار، شریف لوگوں کا انتخاب کریں جن کی نظریں لڑکی کے مال و دولت کی بجائے اخلاق و سیرت پر ہوں اگرچہ اس کیلئے آپ کو برادری سے باہر ہی کیوں نہ جانا پڑے تاکہ آپ کو اس طرح زکوٰۃ کی رقموں کیلئے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔

ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کی ہر پریشانی کو اپنے خزانہ غیب سے پورا فرمائیں اور آپ کی بچیوں کیلئے اچھے دیندار اور شریف رشتے عطا فرمائے، آمین۔

لمافی سنن النسائی (۴/۷۷): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی اللہ عنہ قال جہز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوہا إزخر.

وفیہ أيضاً (۴/۷۷): عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: فراش للرجل وفراش لأملہ والثالث للضيف والرابع للشيطان۔

وفی الہندیة (۱/۱۸۸): ویکرہ أن یدفع إلی رجل مائتی درہم فصاعدا وإن دفعہ جاز کذا فی الہدایة۔

## (۶۲۳) عورت کا بیٹی کی شادی میں مال خرچ کر کے شوہر سے مطالبہ کرنا

### سوال

زید اور عمر دونوں کا مشترکہ کاروبار ہے دونوں روزانہ کے حساب سے برابر برابر رقم اس کاروبار سے لیتے ہیں دریں اثناء زید کی دو بیٹیوں کی شادی کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور زید اور عمر کے مشترکہ کاروبار سے زید کی طرف سے چونتیس ہزار (34000) روپے دیئے گئے اور کھانا وغیرہ بھی مشترکہ کاروبار سے پورا کیا گیا لیکن چونتیس ہزار (34000) روپے شادی کی ضروریات کیلئے کافی نہ تھے اس لئے زید کی بیوی نے اپنے ذاتی پیسوں میں سے ایک لاکھ سے زائد رقم شادی کی ضروریات کیلئے خرچ کی۔

پھر شادی کے بعد روزانہ کے حساب سے جو رقم مشترکہ کاروبار سے آتی تھی اس میں سے زید کی بیوی نے کچھ رقم بچا کر کمیٹی ڈال تاکہ اپنی وہ رقم پوری کر لے جو اس نے شادی میں خرچ کی۔ ایک دو کمیٹی پوری ہونے کے بعد زید کہتا ہے کہ یہ پیسہ جو کمیٹی میں ڈالا جا رہا ہے یہ میرا حق ہے لہذا کمیٹی پورا ہونے کے بعد کمیٹی کو آگے نہ بڑھاؤ۔ اس پر زید کی بیوی زید سے کہتی ہے آپ کی بیٹیوں کی شادی پر میں نے رقم خرچ کی اس لئے میں ان کمیٹیوں کے ذریعے سے اپنی رقم پوری کروں گی، اس کے بعد اگر آپ چاہیں تو میں روزانہ کے خرچ میں سے کچھ پیسے بچا لوں گی جو آپ لے لیجئے گا لیکن جب تک میرے پیسے پورے نہیں ہو جاتے اس وقت تک مجھے یہ بچائے ہوئے پیسے کمیٹی میں ڈالنے دیجئے تو کیا اس صورت میں زید کو حق ہے کہ وہ کمیٹی کو ختم کر دے اور یہ کہے کہ یہ پیسے میرا حق ہیں؟ اگر زید کو اس کا اختیار

ہے تو کیا زید کے ذمے لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو شادی میں خرچ شدہ رقم لوٹائے کیونکہ شادی میں خرچ کرنا زید کے ذمے لازم تھا تا کہ اس کی بیوی کے ذمے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

والدین جو اپنی بیٹی کو جہیز دیتے ہیں وہ ان کی طرف سے ہبہ ہوتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں زید کی بیوی نے جو اپنی بیٹیوں کے جہیز میں رقم لگائی ہے اگر اس نے یہ صراحت کی ہو کہ یہ زید پر قرض ہوگا تو پھر اس کو زید سے مطالبہ کرنے کا حق ہے اور اس کے لئے کمیٹی ڈالنا بھی صحیح ہے اور اگر اس نے قرض کی صراحت نہیں کی ہو تو پھر وہ اس کی طرف سے تبرع ہوگا اور زید سے اس کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء: ۲۹): لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ۔

وفی مشکوٰۃ المصابیح (۲۵۵/۱): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا تظلموا ألا لا يجل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان۔

وفی الہندیۃ (۳۲۸/۱): ولو دفعت الأم في تجهيزها لابنتها أشياء من أمتعة الأب بحضرتہ وعلمہ وكان ساکتا وزفت إلى الزوج فليس للأب أن يسترد ذلك من بنته وكذا لو أنفقت الأم في جهازها ما هو معتاد والأب ساکت لا تضمن هكذا في القنية۔

وفی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ (۲۶/۱): سئل فی امرأۃ جهزت ابنتها البالغة بجهاز معلوم سلمته لها ثم ادعت أن بعضا منه عارية والعرف في بلدتهما مشترك كيف الحكم؟

الجواب: حيث كان العرف في بلدتهما مشتركا فالقول للأم مع يمينها قال في الدر المختار جهز بنته ثم ادعى أن ما دفعه لها عارية وقالت هو تملك أو قال الزوج ذلك بعد موتها ليرث منه وقال الأب أو ورثته بعد موته عارية فالمعتمد أن القول للزوج ولها إذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية --- والأم كالأب في تجهيزها --- سئل فيما إذا زوجا بنتهما البالغة وجهازها بجهاز سلماء منها في صحتها ثم ماتا عنها وعن ورثة غيرها يريدون قسمة الجهاز بينهم مع البنت فهل ليس لهم ذلك؟ الجواب: نعم والمسئلة في المنع وغيره۔

### (۶۲۳) جہیز کے سامان پر زکوٰۃ کا حکم

#### سوال

ایک شخص نے اپنی بیٹی کیلئے جہیز کا سامان خریدا اور ابھی گھوٹے میں بھی رکھا ہوا ہے اس سامان کا کیا حکم ہے؟ وہ کس کی ملک ہے اور

اس کی زکوٰۃ کس پر ہوگی؟ باپ پر یا بیٹی پر؟ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

جہیز درحقیقت والدین کی طرف سے لڑکی کیلئے ہدیہ ہوتا ہے اور ہدیہ کا یہ اصول ہے کہ جس شخص کو ہدیہ دیا جا رہا ہے اگر وہ چیز ہدیہ کر کے اس کے قبضے میں دے دی جائے (حقیقتاً یا دلالتاً) تو وہ چیز اس کی ملک ہو جاتی ہے اور بصورت دیگر وہ چیز ہدیہ دینے والے کی ملک میں رہتی ہے نیز باپ اگر اپنی نابالغ اولاد کو کچھ ہدیہ دے تو قبضہ کروانا بھی ضروری نہیں بس صرف یہ کہہ دینے سے کہ یہ چیز میں اسے دیتا ہوں وہ چیز نابالغ کی ملک ہو جائے گی۔

لہذا صورت مسئلہ میں جہیز کا سامان اگر مال نامی نہ ہو (یعنی سونا، چاندی، نقدی، مال تجارت نہ ہو) تو زکوٰۃ کسی پر بھی فرض نہیں کیونکہ زکوٰۃ صرف مال نامی پر فرض ہوتی ہے چنانچہ فرنیچر، مشینیں وغیرہ یہ چیزیں مال نامی نہیں لہذا ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ جہیز کا سامان اگر مال نامی ہو تو دیکھا جائے گا کہ باپ نے وہ سامان خرید کر لڑکی کے قبضہ میں دے دیا ہے یا اپنے قبضہ میں رکھا ہے اگر لڑکی کے قبضے میں دے دیا ہو اور وہ لڑکی بالغہ ہو تو سال گزرنے پر لڑکی کو اس مال کی زکوٰۃ دینا ہوگی اور اگر باپ نے وہ مال اپنے قبضہ میں رکھا ہو تو سال گزرنے پر یا جس وقت بھی باپ کے زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت پورا ہو باپ پر اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگا البتہ لڑکی اگر نابالغہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے خریدتے ہی وہ اس مال کی مالک بن گئی اس کے قبضے میں دینا بھی ضروری نہیں نیز نابالغہ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لہذا اس مال کی زکوٰۃ کسی پر بھی فرض نہ ہوگی لیکن بالغہ ہونے کے بعد لڑکی کو اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

صورت مسئلہ میں درج بالا تفصیلات کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ لڑکی کی کیفیت (بالغہ یا نابالغہ ہونا) اور باپ کے لڑکی کو مالک بنانے یا نہ بنانے کو ملحوظ رکھتے ہوئے معلوم کر سکتے ہیں کہ زکوٰۃ (مال نامی ہونے کی صورت میں) کس پر واجب ہوگی۔

لمافی مختصر القدوری (ص ۳۱۸): الهبة تصح بالایجاب والقبول وتتم بالقبض --- و اذا وهب

الأب لابنه الصغیر هبة ملکها الابن بالحد۔

وفی الولوالجیة (۱۱۶/۳): اذا وهب للصغیر من المأكولات شیئ یباح لوالدیہ أن یاکلا منه وروی

عن محمد أنه یباح وشبهه بدعوة العبد المأذون وأكثر مشائخ بخاری علی أنه لا یباح لأن الأکل

لیس من ضرورات التجارة۔

وفی الہندیة (۳۷۲/۳): أما تفسیرها شرعاً فهي تملیک عین بلا عوض کذا فی الکنز۔۔۔ ومنها أن

یکون الموهوب مقبوضاً حتی لا یثبت الملک للموهوب له قبل القبض وأن یکون

الموهوب مقسوما۔

وفی الشامیة (۲۵۸/۲): قوله (عقل وبلوغ) فلا تجب علی مجنون وصبی لأنها عبادة مضطربة ولسا

مخاطبین بہا وإيجاب النفقات والغرامات لکونھا من حقوق العباد۔

## (۶۲۵) لڑکی کا جہیز میراث سے مانع نہیں

### سوال

مفتی صاحب! ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ لڑکی کو جہیز کا سامان دے دیا جائے تو پھر میراث میں سے نہیں ملتا اور لڑکی کا جہیز ہی اس کی میراث شمار ہوتی ہے، یہ کیسا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی کو انتہائی ضرورت کی اشیاء جہیز میں دینا ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کروائی تو اپنی چہیتی بیٹی کو جہیز میں صرف ایک تکیہ، ایک چادر، دو چکیاں اور دو مشکینے دے دیے، یہ تھا سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا جہیز، اور جہیز باپ کی طرف سے لڑکی کیلئے بطور تحفہ کے ہوتا ہے، باپ کو چاہئے کہ شادی کے وقت لڑکی کو کچھ نہ کچھ ضرورت کا سامان استطاعت کے بقدر دیدے جیسے روزمرہ استعمال میں آنے والی چیزیں برتن وغیرہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ باپ اپنی زندگی میں جو لڑکی کو جہیز دے رہا ہے تو یہ بطور تحفہ کے ہے، باپ کے مرنے کے بعد اس کی کٹوتی میراث کے مال سے نہیں کی جائے گی بلکہ لڑکی کو میراث میں سے پورا پورا حصہ دیا جائے گا اور اگر باپ مر چکا ہے اور اس لڑکی کے بھائی وغیرہ نے لڑکی کو جہیز دیا تو اس صورت میں بھی اس کی کٹوتی میراث کے مال سے نہیں کی جائے گی بلکہ میراث کا پورا پورا حصہ لڑکی کو دیا جائے گا۔

لہافی القرآن الکریم (النساء: ۱۱): یُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثٰى فَاِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اِثْنَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثًا مَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاَحَدًا فَلَهَا النِّصْفُ... الآية۔

وفي المشكوة (ص ۲۷۱): وعن أبي سعيد وابن عباس رضي الله عنهم قالوا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثمًا فإنما إثمه على أبيه"

وفي صحيح البخاري (۳۵۲/۱): عن النعمان بن بشير رضي الله عنه أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نخلت ابني هذا غلاما فقال: أكل ولدك نخلت مثله، قال: لا، قال: فارجعه۔  
وفي الدر المختار (۴، ۶/۳): (ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه بدائع (و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح

فیائم بترکہ ویثاب إن نوى تحصینا وولدا (حال الاعتدال) أي القدرة علی وطء ومهر ونفقة  
ورجح فی النهر وجوبه للمواظبة علیه والإنکار علی من رغب عنه (ومکروها لخوف الجور)  
فإن تیقنه حرم ذلك۔

## (۶۲۶) لڑکے کا جہیز لینے سے انکار کرنا

### سوال

مفتی صاحب! جہیز لڑکے کو لینا چاہئے کہ نہیں جبکہ لڑکی والے اپنی خوشی سے دے رہے ہیں، اگر لڑکا ان کو منع کرے تو کیسا ہے اور  
دوسرا یہ کہ لڑکا نکاح کے وقت صاحب حیثیت نہ ہو اور جہیز کی لعنت سے بچنا بھی چاہتا ہو جبکہ لڑکی کا کہنا ہے کہ وہ یہ سامان اپنے لئے لے کر  
آ رہی ہے اور نئے گھر میں اس سامان کی ضرورت ہے تو اس صورتحال میں کیا کیا جائے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اصل جواب سے پہلے یہ سمجھئے کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی وقتی  
ضروریات کو پورا کرنے کیلئے سامان دینا ثابت ہے لہذا اگر کوئی شخص وقتی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی بیٹی کو جہیز کے طور پر کچھ  
سامان دیدے تو شرعاً ممنوع نہ ہوگا۔

البتہ ہمارے معاشرے کے رسم و رواج کے اعتبار سے جہیز صرف وقتی ضرورت کو پورا کرنے کا نہیں بلکہ نام و نمود اور اسراف کا  
نام بن گیا ہے جس کی وجہ سے کتنی ہی عورتوں کی شادی تاخیر سے ہوتی ہے اور کتنی ہی عورتیں ایسی ہیں جن کی شادی جہیز نہ ہونے کی بنا پر  
نہیں ہوتی لہذا ایسے موقع پر مناسب یہ ہے کہ جہیز نہ لیا جائے اور اگر لیا بھی جائے تو صرف وقتی ضروریات تک محدود رکھا جائے۔

لمافی سنن النسائی (۴/۷۷): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی اللہ عنہ قال جهز رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم فاطمہ فی خمیل وقربة ووسادة حشوها اذخر۔

## (۶۲۷) جہیز کیلئے پیسے دے کر رشتے سے انکار کرنا

### سوال

میرے ایک دوست کے رشتے کا مسئلہ کچھ اس طرح ہوا کہ ان کے گھر والے اس کیلئے لڑکی دیکھنے گئے لڑکے کی والدہ کو لڑکی  
پسند آگئی اور انہوں نے لڑکی والوں سے بات طے کر لی کہ بیس دن بعد رخصتی کریں گے اور یہ ساٹھ ہزار روپے جہیز کی خریداری کیلئے لے لو



اور رقم دے کر چلے آئے۔

ابھی چار پانچ دن ہی گزرے تھے کہ لڑکے والے دوبارہ لڑکی والوں کے پاس آئے اور آکر ان سے کہا کہ ہمارے والد بیمار ہیں ہم نے ان کو پیشا و علاج کیلئے لے جانا ہے، تم وہ رقم واپس کر دو اور مزید ان کو یہ کہا کہ یہ شادی بھی ہم نہیں کریں گے، اس پر لڑکی والوں نے چالیس ہزار روپے واپس کر دیئے اور بیس ہزار روپے واپس نہیں کئے اور یہ کہا کہ بیس ہزار روپے ہم واپس نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ آپ نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور خاندان میں ہماری بدنامی کی ہے، اگر ہم اس طرح رقم واپس کر دیں گے پھر تو ہمارے ساتھ مذاق کا سلسلہ ہی چلتا رہے گا، لہذا ہماری عزت کا مسئلہ ہے اس لئے پوری رقم واپس نہیں کریں گے، جبکہ لڑکے والوں کا کہنا ہے کہ یہ رقم تمہارے لئے حرام ہے واپس کرو۔ مفتی صاحب قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ کیا لڑکی والوں کا مذکورہ فعل درست ہے اور مذکورہ رقم کا مستحق کون ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکی والوں کا مذکورہ فعل درست نہیں ان کیلئے لڑکے والوں کو رقم لوٹانا ضروری ہے مذکورہ رقم کے مستحق یعنی اصل مالک، لڑکے والے ہیں البتہ لڑکے والوں کا اس طرح (یعنی پہلے رشتہ طے کر کے رخصتی کے دن متعین کر کے جہیز کیلئے پیسے دینے کے بعد) شادی سے انکار کرنا لڑکی والوں کی عزت پر داغ اور ان کے ساتھ سخت دھوکہ ہے۔ انہوں نے یہ فعل اگر بغیر کسی شرعی عذر کے کیا ہو تو وہ گناہگار ہوں گے۔

لمافی الہندیۃ (۱/۳۲۸): رجل خطب ابنة رجل فقال أبو البنت بلی إن كنت تنقد المهر إلى ستة أشهر أو إلى سنة أزوجها منك ثم إن الرجل بعد ذلك بعث بهدايا إلى بيت الأب ولم يقدر على أن ينقد المهر فلم يزوج ابنته منه هل له أن يسترد ما بعث للمهر قالوا ما بعث للمهر وهو قائم أو هالك يسترد وكذا كل ما بعث هدية وهو قائم۔

وفی الدرالمختار (۲/۱۵۳): (خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها فما بعث للمهر يسترد عينه قائما) فقط وإن تغير بالاستعمال (أو قيمته هالكا) --- (وكذا) يسترد (ما بعث هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك)۔

(۶۲۸) جہیز میں موٹر سائیکل دلوانے کی ضمانت لینا

### سوال

ہمارے پڑوس میں ایک لڑکی کی شادی تھی، شادی سے قبل لڑکے والوں نے جہیز کا بہت سا سامان مانگا۔ میں نے اعتماد دلاتے

ہوئے ان سے کہا کہ آپ لوگ بے فکر رہو، انشاء اللہ اگر انہوں نے جہیز میں موٹر سائیکل نہیں دی تو میں دیدوں گا، اب لڑکی والوں نے سارا سامان دیا لیکن موٹر سائیکل نہیں دی، کیا اب مجھ پر حسب معاہدہ موٹر سائیکل دینا لازم ہے، جبکہ فی الحال میں تنگ دست ہوں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

کفیل (ضامن) بننے کیلئے ضروری ہے کہ مکفول بہ (یعنی جس چیز کا وہ ضامن ہے) کا اداء کرنا اصل (یعنی جس کی طرف سے وہ ضامن ہے) پر لازم ہو، اور جہیز کا دینا والدین کے ذمہ لازم نہیں بلکہ یہ ان کی طرف سے اپنی بیٹی کیلئے ہدیہ اور تحفہ ہوتا ہے، لہذا صورت مسئلہ میں اگر لڑکی والوں نے جہیز میں لڑکی کو موٹر سائیکل وغیرہ نہیں دی تو آپ پر بھی اس کا دینا لازم نہیں۔

لمافی الہندیۃ (۲۵۵/۳): ومنہ أن یکون الدین صحیحا فلا تجوز ببدل الکتابة هكذا فی النہایۃ۔

وفی الدرالمختار (۲۸۳/۵): کتاب الکفالة: (وفی الدین کونہ صحیحا قائما) لا ساقطا بموتہ مفلسا ولا ضعيفا کبدل کتابة ونفقة زوجة قبل الحكم بها فما لیس دینا بالأولی نھر۔

وفی الشامیۃ تحتہ: قولہ (وفی الدین کونہ صحیحا) هو ما لا یسقط إلا بالأداء أو الإبراء كما سیأتی متنا۔

### (۶۲۹) لڑکی والوں کا جہیز کا سامان واپس مانگنا

#### سوال

ایک شخص اپنی بیٹی کو جہیز کا سامان دیتا ہے پھر اس کی رخصتی کے وقت وہ اپنے ذہن میں یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہم اپنی بیٹی کو جو سامان دے رہے ہیں وہ عاریت کے طور پر دے رہے ہیں بعد میں اس سے واپس لے لیں گے۔ جب لڑکی اپنے گھر چلی گئی تو والدین نے شوہر سے مطالبہ کیا تو شوہر نے کہا کہ وہ تو آپ نے اس کی بلک میں دے دیا تھا اور لڑکی بھی کہتی ہے کہ وہ سامان تو میرا ہے، آپ نے مجھے ہبہ کیا ہے۔ مفتی صاحب اس مسئلہ میں کس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور ہمارے عرف میں جہیز کی کیا حیثیت ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

ہمارے عرف میں جہیز کا سامان لڑکی کو ہبہ دیا جاتا ہے اور لڑکی اس کی مالک بن جاتی ہے باپ کا یہ کہنا کہ میں نے عاریتہ دیا تھا اور اب واپس دو، درست نہیں لہذا باپ کو وہ سامان واپس لینے کا حق نہیں۔

لمافی مسند احمد بن حنبل (۱۴۲/۱): حدثنا أبو سعید، مولیٰ بنی ہاشم، ومعاویۃ بن عمرو، قالوا:

حدثنا زائدة ، حدثنا عطاء بن السائب ، عن أبيه ، عن علي ، قال : جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خميل ، وقربة ، ووسادة من أدم حشوها ليف قال : معاوية إنخر قال أبي : و الخميطة : القטיפفة المخمطة .

وفى الشامية (۱۵۶/۳) : مطلب في دعوى الأب أن الجہاز عارية قلت ومقتضاه أن المراد من استمرار العرف هنا غلبته ومن الاشتراك كثرة كل منهما إذ لا نظر إلى النادر ولأن حمل الاستمرار على كل واحد من أفراد الناس في تلك البلدة لا يمكن ويلزم عليه إحالة المسألة إذ لاشك في صدور العارية من بعض الأفراد والعادة الفاشية الغالبة في أشرف الناس وأوساطهم دفع ما زاد على المهر من الجہاز تمليكا .

وفيه أيضا (۱۵۷/۳) : المختار للفتوى أن يحكم بكون الجہاز ملكا لا عارية لأنه الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية فالقول للأب -- تنبيه ذكر البيري في شرح الأشباه أن ما ذكروه في مسألة الجہاز إنما هو فيما إذا كان النزاع من الأب أما لو مات فادعت ورثته فلا خلاف في كون الجہاز للبت لما في الولوالية جهز ابنته ثم مات فطلب بقية الورثة القسمة فإن كان الأب اشترى لها في صغرها أو في كبرها وسلم لها في صحتها فهو لها خاصة .

## (۶۳۰) جہیز قبضہ سے قبل باپ کی ملکیت ہے

### سؤال

ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح کرواتا ہے اور جہیز کیلئے کچھ سامان خریدتا ہے پھر اچانک وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور ابھی تک سامان اپنی بیٹی کو نہیں دیا تھا۔ آیا اس صورت میں اس کی بیٹی اس کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں اور اگر اس بیٹی کا انتقال ہو جائے تو پھر اس کا شوہر مطالبہ کرنے کا حق دار ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

جہیز والدین کی طرف سے اپنی لڑکی کو بغیر کسی چیز کے عوض ہدیہ ہوتا ہے اور ہدیہ میں موہوب لہ (جس شخص کو ہدیہ دیا جا رہا ہے) اس کے قبضے میں کوئی چیز ہدیہ کر کے دے دی جائے تو وہ چیز اس کی ملک ہو جاتی ہے، بصورت دیگر وہ چیز ہدیہ دینے والے کی ملک میں رہتی ہے۔

لہذا صورت مسؤلہ میں نہ لڑکی باپ سے جہیز کے سامان کا مطالبہ کر سکتی ہے اور نہ اس لڑکی کے شوہر کو اس کے انتقال کے بعد مطالبہ کا حق ہے کیونکہ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ سامان اس لڑکی کی ملکیت میں آیا ہی نہیں لہذا جب وہ سامان اس لڑکی کی ملک تھا ہی نہیں تو نہ اس کے شوہر کو مطالبہ کا حق ہے اور نہ ہی یہ مال ترکہ میں شمار کیا جائے گا۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ۳): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً. فَإِنْ طِبَّن لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا.

وفی القدوری (ص ۱۵۲): کتاب الہبۃ: الہبۃ تصح بالایجاب والقبول وتتم بالقبض۔

وفی الدر المختار (۱۵۵/۲) کتاب النکاح: وفیہ عن المبتغی (جہز ابنتہ بجہاز وسلمہا ذلک لیس لہ الاسترداد منها ولا لورثتہ بعدہ إن سلمہا ذلک فی صحتہ) بل تختص بہ (وبہ یفتی)۔

وفی الرد تحتہ: قولہ (لیس لہ الاسترداد منها) هذا إذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جہازا لا عاریة کما یذکرہ قریبا۔

وفی الدر المختار (۶۸۹/۵): کتاب الہبۃ: (ہی) لغة التفضیل علی الخیر ولو غیر مال وشرعا (تملیک العین مجاناً) --- (و) شرائط صحتہا (فی الموهوب أن یكون مقبوضا غیر مشاء ممیزا غیر مشغول) کما سیوضح۔

## (۶۳۱) لڑکی کی موت کی صورت میں جہیز کا حقدار کون ہوگا؟

### سؤال

میاں بیوی میں منہ ماری ہوگئی جس پر بیوی نے خودکشی کر لی۔ پوچھنا یہ ہے کہ لڑکی کے والدین نے اس کو جو جہیز دیا تھا اور لڑکے والوں کی طرف سے جو زیورات تھے اور مہر وغیرہ تھا اس کا حقدار کون ہے، جبکہ ان کے بچے بھی نہیں ہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

لڑکی کو اپنے والدین کی طرف سے جو جہیز ملتا ہے اسی طرح لڑکے کی طرف سے مہر اور ان کے گھر والوں کی طرف سے جو تحفے تحائف ملتے ہیں یہ سب لڑکی کی ملکیت ہوتے ہیں لہذا صورت مسؤلہ میں جہیز دونوں طرف کے زیورات وغیرہ سب لڑکی کی ملکیت ہیں اور اس کا ترکہ ہے لہذا یہ تمام چیزیں لڑکی کے شرعی ورثاء کے درمیان تقسیم ہوں گی۔

لمافی بدائع الصنائع (۵۲۲/۳): کتاب النکاح فصل فی بیان ما یتأكد بہ المہر: ولأن المہر متی

صار ملکاً لها بنفس العقد فالملك الثابت لإنسان لا يجوز أن يزول إلا بإزالة المالك - الخ -  
 وفي الشامية (۱۵۴/۳): ورأيت في حاشية الأشباه للسيد محمد أبي السعود من حاشية الغزالي قال  
 الشيخ الإمام الأجل الشهيد المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكاً لا عارية لأنه  
 الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية فالقول للأب وأما إذا جرت في البعض  
 يكون الجهاز تركة يتعلق به حق الورثة وهو الصحيح اهـ ولعل وجهه أن البعض الذي يدعيه  
 الأب بعينه عارية لم تشهد له به العادة بخلاف ما لو جرت العادة بإعارة الكل فلا يتعلق به حق  
 ورثتها بل يكون كله للأب والله تعالى أعلم -

وفي الدر المختار (۱۵۱/۳): (ولو بعث إلى امرأته شيئاً ولم يذكر جهة عند الدفع غير جهة (المهر)  
 كقوله لشمع أو حناء ثم قال إنه من المهر لم يقبل قنية لوقوعه هدية فلا ينقلب مهراً -  
 وفي الشامية (۱۵۱/۳): مطلب فيما يرسله إلى الزوجة قوله (ولو بعث إلى امرأته شيئاً) أي من  
 النقدين أو العروض أو مما يؤكل قبل الزفاف أو بعد ما بنى بها نهر قوله (ولم يذكر الخ) المراد  
 أنه لم يذكر المهر ولا غيره ط -

## (۶۳۲) رخصتی سے قبل جہیز باپ کا ترکہ ہوگا

### سوال

باپ نے اپنی بیٹی کے لئے جہیز کا سامان تیار کیا لیکن ابھی تک بیٹی کے حوالہ نہیں کیا تھا کہ والد کا انتقال ہو گیا تو باقی ورثاء اس  
 مال میں سے اپنا حصہ مانگتے ہیں آیا ان کو اس مال میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ یاد رہے کہ جس وقت والد نے سامان تیار کیا تھا اس وقت وہ  
 لڑکی بالغ تھی۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں نیز جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور جہیز کا سامان بیٹی کے لئے کیا حکم رکھتا  
 ہے یعنی ہبہ وغیرہ کا یا کچھ اور؟ جو بھی مسئلہ ہو اس کا مدلل حل عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

باپ اپنی بیٹی کیلئے جب جہیز کا سامان خریدے تو بیٹی اگر نابالغہ ہو تو باپ کے خریدنے سے وہ مالک ہو جائے گی اور اگر بالغہ ہو تو  
 وہ صرف باپ کے اس کیلئے خریدنے سے مالک نہیں ہوگی بلکہ جب باپ یہ سامان اس کے حوالے کرے تب اس کی ملکیت ثابت ہوگی  
 لہذا صورت مسئلہ میں چونکہ بیٹی بالغہ ہے اور باپ نے سامان اس کے حوالہ نہیں کیا کہ اس کا انتقال ہو گیا اس لئے وہ اس کی مالک نہیں  
 ہوئی بلکہ باپ کے ترکہ میں شمار ہو کر تمام ورثاء کو اس سے حصہ ملے گا نیز جہیز کا مال بیٹی کیلئے باپ کی طرف سے ہدیہ ہونا ہے۔

لمافی الہندیۃ (۲۲۷/۱) الفصل السادس عشر فی جہاز البنت: ولو زوج ابنته البالغة وجہزها بأمتعة معینة ولم یسلمها إليها ثم فسخ العقد وزوجها من آخر فلیس لها مطالبة الأب بذلك الجہاز۔  
 وفي الدرالمختار (۱۵۵/۲) باب المهر: وفيه عن المبتغی (جہز ابنته بجہاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلك في صحته) بل تختص به (وبه یفتی) وكذا لو اشتراه لها في صغرها ولوالحیة۔

وفي الشامیة (۱۵۷/۲) باب المهر: جہز ابنته ثم مات فطلب بقية الورثة القسمة فإن كان الأب اشترى لها في صغرها أو في كبرها وسلم لها في صحته فهو لها خاصة۔

### (۶۳۳) نابالغہ کا جہیز ترکہ میں شمار نہیں ہوگا

#### سؤال

مفتی صاحب! باپ نے اپنی بیٹی کے لئے جہیز کا سامان تیار کیا اور ابھی بیٹی کے حوالہ نہیں کیا تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا چنانچہ باپ کے مرنے کے بعد باقی ورثاء اس مال کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ سامان ابھی بیٹی کا ہے کیونکہ باپ نے زندگی میں اس کو دینے کا ارادہ کر لیا تھا لہذا یہ سارا سامان اس لڑکی کا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بیٹی جس وقت اس کے باپ نے اس کے لئے سامان تیار کیا تھا نابالغہ تھی لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ یہ سارا سامان کس کا ہے، آیا ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا یا لڑکی کو دیا جائے گا یا اس کے علاوہ جو حکم ہو اس کو تحریر فرما کر مشکور و ممنون فرمائیں۔

#### الجواب بعون الملک الوہاب

باپ نابالغ اولاد کو اگر کچھ ہبہ کرے تو اولاد ہبہ کرتے ہی اس چیز کی مالک بن جاتی ہے صورت مسئلہ میں چونکہ باپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی نابالغہ بیٹی کیلئے جہیز تیار کیا ہے لہذا وہ بیٹی اس کی مالک ہوگئی ہے اور ورثہ کو اس میں بطور ترکہ کے تصرف و تقسیم کرنا جائز نہیں البتہ جو چیزیں باپ نے مرض الموت میں بیٹی کیلئے تیار کی ہوں تو ان اشیاء کی وہ بیٹی مالک نہیں ہوگی لہذا اس میں وراثت جاری ہوگی اور تمام ورثہ بشمول اس بیٹی کے اس میں شریک ہوں گے البتہ اگر بقیہ ورثہ بالغ ہوں اور خود اپنی رضامندی سے نابالغ لڑکی کے جہیز میں ہی دینے پر راضی ہو جائیں تو وہ سامان لڑکی کی ملکیت بن جائے گا۔

لمافی الہندیۃ (۳۹۱/۴) کتاب الہبۃ: وھبۃ الأب لطفله تتم بالعقد الخ۔

وفي الدرالمختار (۶۸۴/۵): (جہز ابنته بما یجہز به مثلها ثم قال كنت أعرقها الأمتعة إن العرف مستمر) (بین الناس) (أن الأب يدفع ذلك) (الجہاز) (ملکا لا إعارة لا یقبل قوله) (إنه إعارة

لأن الظاهر يكذبه (وان لم يكن) العرف (كذلك) أو تارة وتارة (فالقول له) به يفتى  
 كما لو كان أكثر مما يجهز به مثلها فإن القول له اتفاقاً۔  
 وفي الرد تحتہ: قوله (جهز ابنته الخ) وفي الولوالجية إذا جهز الأب ابنته ثم بقية الورثة يطلبون  
 القسمة منها فإن كان الأب اشترى لها في صغرها أو بعدما كبرت وسلف إليها وذلك في صحته  
 فلا سبيل للورثة عليه ويكون للبت خاصة اه منح كذا في الهامش۔

## (۶۳۲) شادی کے موقع پر دیئے جانے والے تحائف کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! کیا شادی بیاہ کے موقع پر یا اسی طرح جب لڑکے اور لڑکی کی بات چکی ہوتی ہے اس وقت جانین سے جو تحفہ  
 تحائف دیئے جاتے ہیں کیا یہ بدعت میں داخل ہوں گے یا نہیں اور کیا یہ ایسے رسم و رواج ہیں جن کے کرنے میں شریعت کی اجازت ہے  
 یا نہیں؟ یعنی اگر کوئی شرعی حکم سمجھے بغیر کرے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں، کیونکہ ہمارے ماموں کے لڑکے کی شادی ہو رہی ہے لڑکے  
 والے لڑکی کیلئے سوٹ لے کر گئے تھے اور دیگر تحائف بھی ساتھ تھے پھر لڑکے والوں نے ان سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ لڑکی والوں  
 نے خود کہا کہ ہم بھی لڑکے کا جوڑا لانا چاہتے ہیں تو لڑکے کی والدہ نے کہا ٹھیک ہے آپ کی مرضی ہے۔

کچھ دنوں بعد لڑکی کی والدہ کا فون آیا اور کہنے لگیں کہ یہ سب تو بدعات اور رسم و رواج ہیں ہمیں تو ان سے بچنا چاہیے لہذا ہم ابھی  
 سوٹ نہیں دیں گے بلکہ جب شادی کا وقت آئے گا اس وقت دیں گے۔ ابھی دینے میں ایک طرح سے مقابلہ بازی ہو جائے گی، ماموں  
 کے گھر والوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن انہوں نے میرے ذریعہ سے آپ حضرات سے اس کے متعلق فتویٰ مانگا ہے کیونکہ لڑکا  
 خود بھی عالم ہے، لہذا مفتی صاحب مدلل انداز میں جواب دیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

شادی بیاہ کے موقع پر جانین سے جو تحفہ تحائف دیئے جاتے ہیں اگر ان تحفہ تحائف کو شرعی حکم سمجھے بغیر دیا جائے اور مقصد ان  
 تحفہ تحائف کے دینے سے ریا کاری اور نام و نمود بھی نہ ہو، اسی طرح ان تحفہ تحائف کے دینے کا اس قدر التزام بھی نہ ہو کہ ان کے نہ دینے  
 والے پر ملامت کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کا شمار بدعت میں بھی نہیں ہوگا۔

لما فی فتح الملہم (۴۲۶/۵): تحقیق معنی البدعة وتحديدہ، وهو بحث لطيف وتحصل للعبد الضعيف عفا  
 الله عنه من كلمات شيوخنا وافادتهم: أن الأصل في البدعة الشرعية انما هو قول النبي ﷺ:  
 ”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو“ والمراد بالأمر: الدين، كما مر، فلا يطلق الا على

الأمور المحدثه فی الدین، لا علی کل أمر محدث، وبهذا ینخرج أمثال التوسع فی المطاعم والمراکب وغیرها من الأمور المباحة بل بعض الرسوم، التي یفعل فاعلوها لاعلی وجه التقرب والاحتساب أيضا عن حد البدعة الشرعية، وان كانت داخله فی حد البدعة اللغویة، فان هذه الأفعال لا ینبغیها من باشرها ظانا وناویا أنها من الدین، فلیست من الاحداث فی الدین فی شیء، وكذا قوله ﷺ: "ما لیس منه" یدل علی أن الأمور التي لها أصل من الكتاب أو من سنته ﷺ أو من سنة الخلفاء الراشدين المهدیین أو تعامل عامة السلف رضی الله عنهم أو الاجتهاد المعتمد بشروطه المستند الی النصوص لا تسمى محدثة ولا بدعة شرعیة فان هذه الأصول كلها فی الدین تنصیما أو تعلیلا كما تقرر فی محله۔

وفی الشامیة (۱۵۲/۲): قلت ومن ذلك ما یبعثه إلیه قبل الزفاف فی الأعیاد والمواسم من نحو ثیاب وحلی وكذا ما یعطیها من ذلك أو من دراهم أو دنانیر صبیحة لیلة العرس ویسمى فی العرف صبیحة فإن كل ذلك تعورف فی زماننا كونه هدیة لا من المهر ولا سیما المسمى صبیحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثیابا ونحوها صبیحة العرس أيضا۔  
وفیه أيضاً (۱۵۲/۲): قوله (لأن الظاهر یكذبه) قال فی الفتح والذي یجب اعتباره فی دیارنا أن جمیع ما ذكر من الخنطة واللوز والدقیق والسكر والشاة الحیة وباقیها یكون القول فیها قول المرأة لأن المتعارف فی ذلك كله أن یرسله هدیة والظاهر معها لا معه۔

## (۶۳۵) بری کا سامان کس کی ملکیت ہے؟

### سؤال

مفتی صاحب! میری شادی 08-12-26 کو محمد اکرم نامی شخص سے ہوئی تھی۔ اس شخص نے میرا تمام جہیز اپنے قبضہ میں رکھ لیا ہے اور استعمال کر رہے ہیں۔ نہ مجھے کوئی خرچہ دے رہے ہیں اور نہ مجھے رکھنے کیلئے تیار ہیں میں بہت پریشان ہوں وہ مجھے چھوڑنے کی دھمکیاں بھی دے رہے ہیں اور سامان بھی نہیں دینا چاہتے ہیں لہذا مہربانی فرما کر مجھے جواب دیں کہ میرا حق خرچہ کا بنتا ہے کہ نہیں اور جیسے کہ وہ مجھے اگر فارغ کر دیں تو جو مجھے میری والدہ نے جہیز دیا تھا وہ میرا حق بنتا ہے کہ نہیں؟ اور جو مجھے میرے میاں کی طرف سے بری کی صورت میں کپڑے اور 2 تولہ سونے کے زیورات چڑھائے تھے وہ لہن کو لینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ تقریباً آٹھ ماہ سے میں اپنی والدہ کے ساتھ رہ رہی ہوں۔



## الجواب بعون الملک الوہاب

شوہر کے ذمہ بیوی کا نان و نفقہ واجب ہے، نیز جو چیز اور ساز و سامان عورت اپنے والدین کی طرف سے لائی ہے اس کی مالک عورت ہوتی ہے اور جو زیور و ساز و سامان لڑکے والوں کی طرف سے عورت کو (بری کی صورت میں) شادی بیاہ کے موقع پر دیا جاتا ہے، اس میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے اور ہمارے عرف میں لڑکی کی ملکیت شمار کیا جاتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں آپ کو اپنے جہیز اور بری کے زیور و ساز و سامان کے مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے کیونکہ یہ سب آپ کی ملکیت ہے، خواہ شوہر طلاق دے یا نہ دے۔

لمافی الشامیة (۱۵۳/۲): قلت ومن ذلك ما يبعضه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبيحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبيحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

وفيه أيضاً (۱۵۴/۳): ورأيت في حاشية الأشباه للسيد محمد أبي السعود من حاشية الغزي قال الشيخ الإمام الأجل الشهيد المختار للفتوى أن يحكم بكون الجہاز ملكا لا عارية لأنه الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية فالقول للأب وأما إذا جرت في البعض بكون الجہاز تركة يتعلق به حق الورثة وهو الصحيح اه ولعل وجهه أن البعض الذي يدعيه الأب بعينه عارية لم تشهد له به العادة بخلاف ما لو جرت العادة بإعارة الكل فلا يتعلق به حق ورثتها بل يكون كله للأب والله تعالى أعلم۔

## (۶۳۶) شادی میں تحفہ دینے کے سونے کا حکم

### سوال

میری بیٹی کی تین سال قبل شادی ہوئی تھی اب طلاق ہو گئی ہے۔ یہ بتائیں کہ عورت کو لڑکے والوں کی طرف سے دیا ہوا زیور واپس ہوگا یا نہیں؟ علاوہ ازیں جو زیورات ان کے عزیزوں نے تحفے میں دیئے ہیں وہ بھی واپس ہوں گے یا نہیں؟ برائے مہربانی شرعی لحاظ سے اس کا جواب دے کر مشکور فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

عورت کو مہر میں ملنے والا سونا، چاندی، روپیہ، پیسہ وغیرہ عورت کا حق ہے، اسی طرح عورت کو شادی و دیگر مواقع پر لڑکے والوں اور مختلف رشتہ داروں کی طرف سے جو چیزیں ملتی ہیں وہ بطور تحفہ کے ہوتی ہیں اور شرعاً وہ عورت کا حق ہیں، اس لئے کسی کیلئے ان کی واپسی

کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے لہذا مذکورہ صورت میں عورت کو جو سونا وغیرہ ملا ہے، وہ عورت کا حق ہے اور لڑکے والوں یا دوسرے رشتہ داروں کو ان کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔

لمافی الشامیة (۱۵۳/۳): قوله (لأن الظاهر يكذبه) قال في الفتح والذي يجب اعتباره في ديارنا أن جميع ما ذكر من الخنطة واللوز والدقيق والسكر والشاة الحية وبقاياها يكون القول فيها قول المرأة لأن المتعارف في ذلك كله أن يرسله هدية والظاهر معها لا معه ولا يكون القول قوله إلا في نحو الثياب والجارية اهـ۔۔۔ قال في النهر وأقول وينبغي أن لا يقبل قوله أيضا في الثياب المحمولة مع السكر ونحوه للعرف اه قلنا ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبيحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبيحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

## (۶۳۷) عورت کی منہ دکھائی کس کی ملکیت ہے؟

### سوال

مفتی صاحب! میں اپنی زوجہ کو چند روز پہلے تین طلاق دے چکا ہوں اور میں نے اپنی زوجہ سے متعلق جتنا ان کا جہیز کا سامان تھا وہ سب کا سب ان کو واپس کر دیا ہے۔ منہ دکھائی میں جتنی سونے کی اشیاء آئی تھیں وہ بھی وہ اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔ اب آپ سے سوال یہ معلوم کرنا ہے کہ جو منہ دکھائی میں سونے یا چاندی کی اشیاء وہ اپنے ساتھ لے گئی ہیں وہ کس کا حق ہے شوہر کا یا بیوی کا؟ ازراہ کرم شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

منہ دکھائی کے وقت شوہر کی طرف سے جو زیور بطور سونا، چاندی کے دیا جاتا ہے اسی طرح سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے جو تحفے دیئے جاتے ہیں وہ عورت کیلئے بطور ہدیہ کے ہوتے ہیں ان کو واپس لینا جائز نہیں ہے لہذا صورت مسئلہ میں جو آپ نے منہ دکھائی کے طور پر اپنی بیوی کو سونے اور چاندی کی اشیاء دی تھیں تو وہ آپ کی طرف سے ہدیہ تھا لہذا ان کا واپس لینا آپ کیلئے جائز نہیں۔

لمافی صحیح البخاری (۳۵۷/۱): عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ليس لنا مثل السوء، الذي يعود في هبته كالكلب يرجع في قيئه۔

وفی الشامیة (۱۵۳/۳): ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي

وکذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحه فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحه فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا - الخ -

وفيه أيضاً (۶۹۶/۵): قوله ( وكذا زفاف البنت ) أي على هذا التفصيل بأن كان من أقرباء من الزوج أو المرأة أو قال المهدي أهديت للزوج أو المرأة كما في التاترخانية وفي الفتاوى الخيرية سئل فيما يرسله الشخص إلى غيره في الأعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به أم لا أجاب إن كان العرف بأنهم يدفعونه على وجه البذل يلزم الوفاء به مثلاً فبمثله وإن قيمياً فبقيمته وإن كان العرف خلاف ذلك بأن كانوا يدفعونه على وجه الهبة ولا ينظرون في ذلك إلى إعطاء البذل فحكمه حكم الهبة في سائر أحكامه فلا رجوع فيه بعد الهلاك أو الاستهلاك والأصل فيه أن المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً اهـ

## (۶۳۸) مطلقہ عورت کو متعہ (کپڑے کا جوڑا) دینا

### سوال

بشریٰ کا نکاح آج سے ۲ سال قبل ہوا۔ رخصتی سے قبل ہی طلاق ہو گئی۔ کیا لڑکے کے ذمے کچھ سامان دینا شرعاً ضروری ہے؟ بشریٰ کے نکاح میں مہر متعین نہ تھا بلکہ بعد میں متعین کر لینے کا ارادہ تھا لیکن طلاق ہی ہو گئی۔ ازراہ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

طلاق شدہ لڑکی کی چار صورتیں ہیں:

(۱) لڑکی سے ہبستری نہ کی گئی ہو اور اس کا مہر بھی متعین نہ ہو۔

(۲) لڑکی سے ہبستری نہ کی گئی ہو لیکن اس کا مہر متعین ہو۔

(۳) لڑکی سے ہبستری کی گئی ہو لیکن اس کا مہر متعین نہ ہو۔

(۴) لڑکی سے ہبستری کی گئی ہو اور اس کا مہر بھی متعین ہو۔

ان چار قسم کی مطلقات میں سے صرف پہلی (یعنی جس سے ہبستری نہ کی گئی ہو اور اس کا مہر بھی متعین نہ ہو) کو متعہ دینا واجب

ہے باقی تینوں کیلئے متعہ مستحب ہے۔

متعہ کتنا دینا ہوگا؟ علامہ حصکفی در مختار میں تحریر فرماتے ہیں:

"وہی درع و خمار و ملحفہ... وقال ابن عابدین تحتها: قال فخر الإسلام هذا في ديارهم أما في ديارنا في زاد على هذا إزار" (شامية، ۱۱۰/۳)

"متعہ میں ایک قمیص، دوپٹہ اور ایک ادڑھنی شامل ہے..... ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ شامیہ میں رقمطراز ہیں کہ امام فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ تین چیزیں ان کے عرف میں تھیں ہمارے ہاں ازار بھی دینا ہوگی۔" ازار سے مراد تہبند ہوتا ہے لیکن ہمارے عرف میں پاجامہ یا شلواری وغیرہ مراد ہوگا۔ الغرض متعہ میں ایک کھل جوڑامع ادڑھنی (برقعہ یا اتنی بڑی چادر جو پورے جسم کو ڈھانپ لے) دینا ہوگی۔ صورت مسؤلہ میں بشریٰ کو چونکہ قبل از وطی طلاق ہوئی ہے نیز اس کا مہر بھی متعین نہیں لہذا لڑکے کے لئے بشریٰ کو متعہ کا جوڑا دینا واجب ہے۔

وفي الهداية (ص ۲۲۶): قال وتستحب المتعة لكل مطلقه إلا لمطلقه واحدة وهي التي طلقها الزوج قبل الدخول بها وقد سمى لها مهرا۔

وفي الشامية (۱۱۱/۳): قوله (فالمطلقات أربع) أي مطلقه قبل الوطء أو بعده سمى لها أولا فالمطلقه قبله إن لم يسم لها فمتعته واجبة وإن سمى فخير واجبة ولا مستحبة أيضا على ما هنا و المطلقه بعده متعتها مستحبة سمى لها أولا۔

وفيه أيضا (۱۱۱/۳): قوله (وتعتبر المتعة مجالهما) أي فإن كانا غنيين فلها الأعلى من الثياب أو فقيرين فالأدنى أو مختلفين فالوسط وما ذكره قول الخصاص وفي الفتح إنه الأشبه بالفقه۔

## باب فی النفقات

### (نفقة کا بیان)

(۶۳۹) مرد پر بیوی اور نابالغ اولاد کا نفقہ واجب ہے

#### سوال

مفتی صاحب! میری شادی کو تقریباً ساڑھے سات سال کا عرصہ ہو گیا جس میں ساڑھے پانچ سال تک میں اپنے شوہر کے ساتھ رہی اس عرصہ کے دوران وہ مجھے خرچہ وغیرہ نہیں دیتے تھے۔ مجھے اور بچوں کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے لہذا دو سال پہلے میں بچوں کو لے کر اپنی امی کے گھر آگئی ہوں۔ ان دو سالوں میں بھی انہوں نے میری خبر نہیں لی اور نہ ہی بچوں کی، نہ ہی ملنے آئے، البتہ مجھے واپس لے جانا چاہتے ہیں لیکن میں نے انکار کر دیا کیونکہ میرے تین بچے ہیں اور وہ کسی قسم کا خیال نہیں رکھتے۔ ہمیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

\* کیا ایسی صورت میں، میں دوسری شادی کر سکتی ہوں؟

\* اگر شادی کروں تو کتنی عدت گزارنی پڑے گی؟

برائے مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں۔

#### الجواب بعون الملک الوہاب

آپ کے شوہر کا اس طرح رویہ اختیار کرنا انتہائی برا ہے ان پر بیوی اور بچوں کا نفقہ واجب ہے، آپ کے خاندان کے بڑوں کو چاہیے کہ ان کے بڑوں کے ذریعے ان کو سمجھائیں کہ وہ بیوی بچوں کا نفقہ دینے کیلئے تیار ہو جائیں جب وہ تیار ہو جائیں تو آپ کیلئے مناسب یہی ہے کہ ان کے ساتھ گھر بسالیں اور اگر وہ کسی بھی طریقہ سے اس کیلئے تیار نہیں ہوتے ہیں تو آپ کو شش کر کے ان سے خلع لے لیں اور پھر تین حیض عدت گزرنے کے بعد دوسری شادی کر سکتی ہیں البتہ بغیر خلع یا طلاق کے آپ ہرگز دوسری شادی نہیں کر سکتیں۔

لمافی البخاری (۸۰۸/۲): باب إذا لم ینفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغیر علمه ما یکفیها وولدها

بالمعروف: عن عائشة رضی اللہ عنہا أن ہند بنت عتبة، قالت: یا رسول اللہ إن أبا سفیان

رجل شحیح و لیس یعطینی ما یکفینی وولدی، إلا ما أخذت منه وهو لا یعلم، فقال: خذی ما

یکفیک وولدک، بالمعروف۔

وفی الدر المختار (۵۷۲/۲) باب النفقة: (ونفقة الخیر تجب علی الخیر بأسباب ثلاثة زوجية وقرابة وملک)۔۔۔ (فتجب للزوجة) بنکاح صحیح۔۔۔ (علی زوجها)۔

وفی (۵۸۰/۲): (وللزواج الإنفاق علیها بنفسه) ولو بعد فرض القاضي خلاصة (إلا أن يظهر للقاضي عدم إنفاقه فيفرض) أي يقدر (لها) بطلبها مع حضرتہ ویأمره إن شکت مطلقہ ولم یکن صاحب مائدة لأن لها أن تأکل من طعامه وتتخذ ثوبا من کرباسه بلا إذنه فإن لم یعط حبسه ولا تسقط عنه النفقة خلاصة وغيرها وقوله (فی کل شهر) أي کل مدة تناسبه کیوم للمحترف وسنة للدهقان وله الدفع کل یوم كما لها الطلب کل یوم عند المساء للیوم الآتی۔

وفی الرد تحتہ: قوله (فإن لم یعط الخ) تفریع علی قوله لیعطیها وفی الفتح امتنع عن الإنفاق علیها مع اليسر لم یفرق بینهما ویبیع الحاكم ماله علیہ ویصرفه فی نفقتها فإن لم یجد ماله یجبسه حتی ینفق علیها ولا یفسخ ولا یبایع مسکنه وخادمه لأنه من أصول حوائجه وهي مقدمة علی دیونه۔۔۔ وأن بعض المتأخرین اعتبر ما مر من التفصیل فی حال الزوج۔

## (۶۲۰) مالدار بیوی کو کیسا نفقہ دینا واجب ہے

### سؤال

مفتی صاحب! میری بیوی اتفاق سے اونچے خاندان سے آگئی ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ میں تبلیغ میں تھا اور کراچی کے ہی مہنگے علاقے ڈیفنس کی ایک لڑکی کا باپ اور بھائی میرے ساتھ تشکیل میں تھے۔ انہیں میں شاید اچھا لگا اور انہوں نے بعد میں مجھ سے اپنی بیٹی کے رشتے کی بات کی۔ میں متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ بہر حال سرپرستوں میں بات ہوگئی اور یہ شادی انجام پاگئی۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ وہ لڑکی تو بہت اعلیٰ خاندان کی ہے۔ اس کا کھانا، پینا، پہننا ہمارے گھر والوں سے بہت اونچا ہے نیز ویسے کپڑے وغیرہ تو میں کبھی نہیں خرید سکتا۔ اب میں کیا کروں کافی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک صاحب تو کہہ رہے تھے جب اونچے خاندان میں شادی کی ہے تو اونچا کھانا، پلانا فرض ہے، اب کھلاؤ۔ میں کافی پریشان ہوں۔ مفتی صاحب مجھے میرے مسئلے کا شرعی حل تحریر فرمادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

شادی کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے، جس میں تین چیزیں شامل ہیں:

۱۔ کھانا ۲۔ کپڑے ۳۔ رہائش

یہ تینوں چیزیں دینا مرد کی ذمہ داری ہے لیکن مالداری اور وسعت کے اعتبار سے شوہر کو معیار بنایا جائے گا یا بیوی کو تو اس بارے میں فتویٰ اس پر ہے کہ دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا یعنی اگر دونوں امیر ہیں تو امیروں والا کھانا، کپڑے اور رہائش فراہم کرنا ہوں گی اور اگر دونوں غریب ہیں تو غریبوں والی لیکن اگر ایک امیر اور ایک غریب ہو تو دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے متوسط قسم کا نفقہ واجب ہوگا لہذا اگر مرد امیر اور عورت غریب ہو تو مرد پر اپنے جیسا کھانا کھلانا واجب نہ ہوگا بلکہ متوسط کھانا عورت کو کھلائے گا نہ امیروں والا نہ غریبوں والا البتہ بہتر اس صورت میں یہ ہے کہ جو خود کھار رہا ہے، پھین رہا ہے ویسا ہی انتظام بیوی کے لئے بھی کر دے اور اسی طرح اگر مرد غریب اور عورت امیر ہو تو مرد پر متوسط قسم کا کھانا، کپڑے اور رہائش فراہم کرنا ضروری ہوگا جو اگرچہ شوہر کی وسعت سے زیادہ ہوگا لیکن کشادگی آنے تک زائد پیسے شوہر کے ذمے قرض ہوتے رہیں گے۔

لہذا صورت مسئلہ میں آپ کی اہلیہ چونکہ اعلیٰ اور امیر خاندان سے ہیں اور آپ مالداری میں ان سے کم ہیں لہذا آپ پر متوسط (یعنی آپ کی حیثیت سے اوپر اور بیوی کی حیثیت سے کم) قسم کا نفقہ واجب ہے آپ کی بیوی کو چاہئے کہ اپنے معیار سے کچھ نیچے اتریں اور آپ کو بھی چاہئے کہ کہیں سے قرض لے کر یا بیوی خود اپنے پیسوں سے خرچ کرے اور آپ وسعت کے بعد اسے ادا کر دیں۔ شرعی لحاظ سے یہی آپ کے مسئلے کا حل ہے۔

لما فی الدر المختار (۵۷۲/۳): فتستحق النفقة (بقدر حالهما) به یفتی یخاطب بقدر وسعه والباقي

دین إلى المیسرة ولو موسرا وهي فقيرة لا یلزمه أن یطعمها مما یأکل بل یندب۔

وفي الشامية تحته: قوله (به یفتی) كذا فی الهدایة، وهو قول الخفاف، وفي الولوالجية وهو الصحيح

وعليه الفتوى، وظاهر الرواية اعتبار حاله فقط وبه قال جمع كثير من المشايخ ونص عليه محمد

وفي التحفة والبدائع أنه الصحيح، مجرد لکن المتون والشروح على الأول وفي الخانية وقال بعض

الناس يعتبر حال المرأة قال في البحر وتفوقوا على وجوب نفقة الموسرين إذا كانا موسرين وعلى

نفقة المعسرین إذا كانا معسرین وإنما الاختلاف فيما إذا كان أحدهما موسرا والآخر معسرا

فعلى ظاهر الرواية الاعتبار لحال الرجل فإن كان موسرا وهي معسرة فعليه نفقة الموسرين

وفي عكسه نفقة المعسرین وأما على المفتی به فتجب نفقة الوسط في المسألتين وهو فوق نفقة

المعسرة ودون نفقة الموسرة اهـ۔

[تنبيه] صرحوا ببيان اليسار والإعسار في نفقة الأقارب ولم أر من عرفهما في نفقة الزوجة

ولعلمهم وكلوا ذلك إلى العرف والنظر إلى الحال من التوسع في الإنفاق وعدمه ويؤيده قول

البدائع حتى لو كان الرجل مفرطا في اليسار يأكل خبز الحواري ولحم الدجاج والمرأة مفرطة

فی الفقر تَأْكُلُ فِي بَيْتِ أَهْلِهَا خَبِزَ الشَّعِيرِ يَطْعَمُهَا خَبِزَ الحِنْطَةِ وَلَحْمَ الشَّاةِ قَوْلُهُ ( وَيَخَاطِبُ النِّخْرَ )  
صَرَحَ بِهِ فِي الْهَدَايَةِ وَقَدْ غَفَلَ عَنْهُ فِي غَايَةِ الْبَيَانِ فَقَالَ إِذَا كَانَ مَعْسَرًا وَهِيَ مُوسِرَةٌ وَأَوْجِبْنَا  
الْوَسْطَ فَقَطَّ كَلْفَنَاهُ بِمَا لَيْسَ فِي وَسْعِهِ قَوْلُهُ ( وَالْبَاقِي ) أَي مَا يَكْمُلُ نَفَقَةَ الْوَسْطِ -

## (۶۴۱) بیوی کا الگ گھر کے مطالبہ کا حکم

### سوال

ایک باپ کئی ارمان لئے اپنے بیٹے کی شادی کراتا ہے شروع سے تمام بیٹے والدین کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ دوسرے بیٹے کی شادی ہے لیکن چند دن بعد بہو کہتی ہے کہ مجھے الگ مکان دلو، میں ساس سر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ بیوی کا الگ کمرہ ہے، البتہ کچن ساتھ مشترک ہے۔ گھر میں اتنی جگہ نہیں کہ الگ کچن بنایا جائے لہذا بیوی شوہر پر الگ گھر کا دباؤ ڈال رہی ہے۔ کیا شوہر پر بیوی کو الگ اور اچھا گھر دینا ضروری ہے؟ شرعاً شوہر پر کس طرح کی رہائش دینا ضروری ہے؟

### الجواب بعون الملک الوھاب

شوہر پر نکاح کے بعد معروف طریقے کے مطابق بیوی کو رہائش فراہم کرنا شرعاً ضروری ہے۔ بیوی کو رہائش کیلئے الگ مکان دینا ضروری ہے یا گھر کا ایک کمرہ بیوی کیلئے خاص کر دینا کافی ہے؟ فقہ حنفی کے مشہور عالم علامہ زلیخی رحمۃ اللہ علیہ تمبین الحقائق میں تحریر فرماتے ہیں:

"(وَالسَّكْنَى فِي بَيْتِ خَالٍ عَنْ أَهْلِهِ وَأَهْلِهَا) أَي تَجِبُ لَهَا السَّكْنَى فِي بَيْتِ لَيْسَ فِيهِ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِهِ، وَلَا مِنْ أَهْلِهَا..... وَلَوْ أَخْلَى لَهَا بَيْتًا مِنْ دَارٍ، وَجَعَلَ لَهُ مِرَافِقًا، وَغَلَقًا عَلَى حِدَّةٍ كَفَاهَا لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ بِذَلِكَ"

"اور رہائش دینا ایسے کمرے میں جو شوہر اور بیوی دونوں کے گھر والوں سے خالی ہو یعنی شوہر پر ایسے کمرے میں جس میں تیسرا کوئی نہ ہو رہائش دینا واجب ہے..... اگر شوہر گھر کا ایک کمرہ اس کے لئے خالی کر دیتا ہے اور سہولت فراہم کر دیتا ہے اور اس کمرے کا الگ تالا ہو تو یہ کافی ہے کیونکہ مقصود (الگ رہائش) کا حصول اس طرح ہو جاتا ہے۔"

(تمبین الحقائق للزلیخی رحمۃ اللہ علیہ ۳ / ۵۸)

نیز در مختار میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(و كَذَا تَجِبُ لَهَا السَّكْنَى فِي بَيْتِ خَالٍ عَنْ أَهْلِهِ) سَوَى طِفْلِهِ الَّذِي لَا يَفْهَمُ الْجَمَاعَ... (وَأَهْلِهَا) وَلَوْ وَلَدًا مِنْ غَيْرِهِ بِقَدْرِ حَالِهَا كَطَعَامٍ وَكَسُوءَةٍ وَبَيْتٍ مُنْفَرِدٍ مِنْ دَارٍ لَهُ غُلُقٌ، زَادَ فِي الْاِخْتِيَارِ وَالْعَيْنِي



وموافق ومراد الازوم کنیف ومطبخ ویذبغی الإفتاء به، بجر (کفاها) لحصول المقصود، هداية۔  
 ”اور اسی طرح شوہر پر بیوی کیلئے رہائش فراہم کرنا ایسے کمرے میں جو مرد کے گھر والوں سے خالی ہو واجب ہے (سوائے مرد کا کسی اور بیوی سے ایسا بچہ جو جماع کو نہ سمجھتا ہو) اور عورت کے گھر والوں سے بھی خالی ہو) اگرچہ عورت کا پہلے شوہر سے بچہ ہی کیوں نہ ہو (دونوں کی حالت کے بقدر) جیسے کپڑے، کھانے اور علیحدہ کمرہ جس میں الگ تالا ہونے کا معاملہ ہے۔ اختیار اور عینی میں یہ زیادتی بھی ہے کہ دیگر سہولیات بھی ہوں۔ ان کی مراد بیت الخلاء اور باورچی خانہ ہے اسی پر فتویٰ دینا مناسب ہے (یہ عورت کیلئے کافی ہے) کیونکہ اس سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ ہدایت۔“ (الدر المختار ۳/۴۰۰)

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے رد المحتار میں در مختار کی اس عبارت کے تحت مفصل بحث فرمائی ہے جو تقریباً دو صفحات پر مشتمل ہے۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قوله (بقدر حالهما) أي فی اليسار والإعسار فليس مسكن الأغنياء كمسكن الفقراء كما فی البحر.... قوله (وبیت منفرد) أي ما يبات فيه وهو محل منفرد معين قهستاني والظاهر أن المراد بالمنفرد ما كان مختصاً بها ليس فيه ما يشار إليها أحد من أهل الدار قوله (له غلق) بفتح الحاء ما يغلق ويفتح بالمفتاح قهستاني قوله (زاد في الاختيار والعيني) ومثله في الزيلعي وأقره في الفتح بعد ما نقل عن القاضي الإمام أنه إذا كان له غلق يخصه وكان الخلاء مشتركاً ليس لها أن تطالبه بمسكن آخر..... قلت والحاصل أن المشهور وهو المتبادر من إطلاق المتون أنه يكفيها بيت له غلق من دار سواء كان في الدار ضربها أو أحمائها.“

” (مصنف کا قول: دونوں کی حالت کے بقدر سکنی واجب ہے) یعنی کشادگی اور تنگدستی کے اعتبار سے لہذا مالدار کا گھر اور فقیر کا گھر دونوں میں رہائش کے اعتبار سے فرق ہو گا جیسا کہ بحر میں ہے..... (الگ کمرہ) یعنی جہاں رات گزارا جائے اور وہ ایک معین علیحدہ جگہ کا نام ہے قہستانی اور بظاہر علیحدہ ہونے سے مراد عورت کے ساتھ مخصوص ہونا ہے جس میں گھر والوں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہ ہو (اس کا تالا ہو) غلق لام کے فتح کے ساتھ ہے مراد جسے چابی کے ذریعے کھولا یا بند کیا جاسکے قہستانی، (اختیار اور عینی میں یہ زیادتی ہے) اسی طرح زیلعی میں بھی یہ زیادتی موجود ہے اور فتح القدر میں اسے برقرار رکھا گیا ہے اور اس سے پہلے یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام قاضی سے روایت ہے کہ جب کمرے میں ایسا تالا ہو جو اس کمرے کے ساتھ مخصوص ہو اور بیت الخلاء مشترک ہو لیس لہا ان تطالبہ بمسکن آخر تو پھر عورت کیلئے الگ رہائش کے مطالبے کا حق نہ ہوگا..... میں کہتا ہوں کہ خلاصہ یہ نکلا کہ مشہور اور متون کے اطلاق سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ ایک ایسا کمرہ جو اس عورت کیلئے خاص ہو کافی ہے اگرچہ گھر میں اس کی سوکن اور سسرالی رشتے دار بھی رہتے ہوں“

نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

"إذ لا شك أن المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان فعلى المفتي أن ينظر إلى حال أهل زمانه وبلده إذ بدون ذلك لا تحصل المعاشرة بالمعروف وقد قال تعالى ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ معروف (یعنی اچھی طرح رہائش دینے کا عرف) زمانے اور جگہ کے تبدیل ہونے سے تبدیل ہوتا رہتا ہے مفتی کو چاہیے کہ اپنے زمانے والوں کا رواج دیکھے اور اپنے شہر کے حالات پر غور کرے کیونکہ اس کے بغیر معروف طریقے سے معاشرت ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لا تضاروهن لتضيقوا عليهن"

(شامیہ ۳/۶۰۲)

شادی کے بعد عورت کو رہائش فراہم کرنے میں میاں اور بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہے دونوں امیر ہیں تو الگ گھر دینا ہوگا وگرنہ اسی گھر میں الگ کمرہ مع ضروریات زندگی کے فراہم کرنا واجب ہوگا، بہر حال اگر شادی کے وقت لڑکی ایک ہی گھر میں رہنے پر تیار ہوگئی ہو تو پھر بعد میں دونوں کی حیثیت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

لما في العناية على الهداية (۳/۳۸۰): وقال في ظاهر الرواية يقول لما زوجت نفسها من معسر فقد رضيت بنفقة المعسرين فلا تستوجب على الزوج الا بحسب حاله۔

وفي الشامية (۳/۶۰۰): قوله (ومفاده لزوم كنيف ومطبخ) أي بيت الخلاء وموضع الطبخ بأن يكون داخل البيت أو في الدار لا يشاركها فيهما أحد من أهل الدار قلت وينبغي أن يكون هذا في غير الفقراء الذين يسكنون في الربوع والأحواش بحيث يكون لكل واحد بيت يخصه وبعض المرافق مشتركة كالخلاء والتنور وبئر الماء ويأتي تمامه قريبا۔۔۔ إذ لا شك أن المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان فعلى المفتي أن ينظر إلى حال أهل زمانه وبلده إذ بدون ذلك لا تحصل المعاشرة بالمعروف وقد قال تعالى {ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن}۔

(۶۳۲) بیوی کو رہائش دینا واجب ہے

سوال

ہمارا خاندانی نظام بکھر گیا ہے چنانچہ شادی سے پہلے لڑکی والوں کی طرف سے علیحدہ گھر کا مطالبہ ہوتا ہے، اور شادی کے بعد تو اکثر جھگڑوں کی بنیاد ہی علیحدہ گھر کا مطالبہ ہوتا ہے۔ کیا شرعاً عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ علیحدہ گھر کا مطالبہ کرے یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں اولاً یہ سمجھیں کہ شادی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں اپنا پرستی اور بے جا شرائط بعد میں فریقین کے لئے انتہائی مضر اور نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ ان سے گھر آباد اور خوشحال ہونے کے بجائے اضطراب اور بے اعتدالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہی گھرانے عموماً خوشحال اور ہنستے بستے ہیں جہاں بہوشوہر کے گھر والوں کے ساتھ رہنے کی کوشش کرے شادی سے قبل یا بعد الگ گھر کے مطالبے ان رشتوں میں دراڑ ڈالتے ہیں۔

اگر واقعی صورتحال یہی ہو کہ ساتھ رہنا دشوار ہو تو پھر شرعاً میاں بیوی کی مالی حالت کو دیکھا جائے گا اگر دونوں امیر ہیں تو پھر شوہر پر الگ گھر کا انتظام کرنا ضروری ہوگا اور اگر دونوں امیر نہ ہوں تو پھر اسی گھر میں فقط ایک ایسا الگ کمرہ جس میں تمام ضروریات زندگی علیحدہ ہوں فراہم کرنا کافی ہوگا بیوی کیلئے اس سے زیادہ کا مطالبہ جائز نہ ہوگا۔

لمافی الہندیۃ (۵۵۶/۱): الفصل الثانی فی السکنی: تجب السکنی لہا علیہ فی بیت خال عن أهلہ وأهلہا إلا أن تختار ذلك کذا فی العینی شرح الکنز۔

وفی الشامیۃ (۶۰۱/۳): ولو أراد أن یسکنہا مع ضرعہا أو مع أحمائها کأملہ وأختہ وبننتہ فأبت فعلیہ أن یسکنہا فی منزل منفرد لأن إباءہا دلیل الأذى والضرر ولأنہ محتاج إلی جماعہا ومعاشرتها فی أي وقت یتفق لا یمكن ذلك مع ثالث۔

وفیہ أیضاً (۶۰۱/۳): ذلك یختلف باختلاف الناس ففی الشریفۃ ذات الیسار لا بد من أفرادہا فی دار ومتوسط الحال یکفیہا بیت واحد من دار۔ الخ۔

## (۶۳۳) عورت کا سوکن کے ساتھ ایک گھر میں رہنے سے انکار کرنا

## سؤال

ایک عورت اپنے شوہر سے یہ کہتی ہے کہ میں اپنی سوکن کے ساتھ نہیں رہ سکتی تو کیا شوہر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس کے لئے الگ گھر یا کمرہ بنوائے؟ نیز اگر عورت یہ کہے کہ میں تمہاری ماں کے ساتھ نہیں رہ سکتی تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

اگر شوہر نے عورت اور اس کی سوکن کو ایک ہی کمرے میں رکھا ہوا ہے تو دونوں عورتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ مطالبہ کریں کہ ہمیں الگ رہائش فراہم کی جائے الگ رہائش سے مراد یہ ہے کہ ایک ایسا کمرہ جس کے ساتھ ضروریات زندگی بیت الخلاء، باورچی خانہ وغیرہ الگ ہوں اور اگر الگ الگ دو گھروں میں ٹھہرائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ الغرض اگر ایک شخص تعدد ذرائع کرتا ہے تو ان کے

حقوق اور عدل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

لسانی الہندیۃ (۵۵۶/۱): الفصل الثانی فی السکنی : تجب السکنی لها علیہ فی بیت خال عن أهلہ وأهلها إلا أن تختار ذلك کذا فی العینی شرح الکنز۔۔۔ امرأة أبت أن تسکن مع ضرقتها أو مع أمانتها كأمه و غيرها فإن كان فی الدار بیوت فرغ لها بیتا وجعل لبیتها غلقا علی حدة لیس لها أن تطلب من الزوج بیتا آخر فإن لم یکن فیها إلا بیت واحد فلها ذلك وإن قالت لا أسکن مع أمتک لیس لها ذلك۔

وفی الدرالمختار (۶۰۱/۳): قلت وفی البدائع ولو أراد أن یسکنها مع ضرقتها أو مع أمانتها كأمه وأخته و بنته فأبت فعلیہ أن یسکنها فی منزل منفرد لأن إباءها دلیل الأذى والضرر ولأنه محتاج إلى جماعها ومعاشرتها فی أي وقت یتفق لا یمكن ذلك مع ثالث حتی لو كان فی الدار بیوت وجعل لبیتها غلقا علی حدة قالوا لیس لها أن تطالبه بآخرها۔

(۶۴۴) ایک گھر کے ہوتے ہوئے دوسرے گھر کا مطالبہ جائز نہیں

### سوال

ایک شخص جو کہ شادی شدہ ہے، وہ اپنے بھائی کے ساتھ ایک بنگلے میں رہتا ہے، لیکن رہائش دونوں کی الگ الگ ہے۔ اس کے باوجود اس شخص کا سسر اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ میری بیٹی کیلئے کوئی اور مکان لے لو اور اس بنگلے میں اس کو نہ ٹھہراؤ۔ آیا سسر کا یہ مطالبہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شوہر پر بیوی کا نان نفقہ اور رہائش دینا لازم ہے جس میں دونوں کی حالت کو مد نظر رکھا گیا ہے اور اس سے بیوی کا حق ادا ہو گیا لہذا سسر کا یہ مطالبہ کہ میری بیٹی کیلئے کوئی اور مکان لو، ناجائز ہے۔

لسانی الشامیۃ (۵۹۹/۳): مطلب فی مسکن الزوجة قوله ( وكذا تجب لها ) أي للزوجة السکنی أي الإسکان وتقدم أن اسم النفقة یعمها لکنه أفردھا لأن لها حکما یخصھا نھر قوله ( خال عن أهلہ الخ ) لأنها تتضرر بمشاركة غیرها فیہ لأنها لا تأمن علی متاعها ویمنعھا ذلك من المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع إلا أن تختار ذلك لأنها رضیت بانتقاص حقها هداية۔

وفی الفقہ الاسلامی (۸۰۳/۷): الواجب الثالث۔ المسکن: یجب للزوجة أيضاً مسکن لائق بها إما

بملاک أو کراء أو إعارة أو وقف، لقوله تعالى: {أَسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ} [الطلاق] أي بحسب سعتكم وقدرتكم المالية، وقوله سبحانه: {وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ} [النساء] ومن المعروف أن يسكنها في مسكن، ولأنها لا تستغني عن المسكن للاستئجار عن العيون وحفظ المتاء۔

## (۶۳۵) عورت کا الگ پورشن اور کچن کا مطالبہ کرنا

### سوال

میری شادی ۷ سال قبل ہوئی تھی میری ساس کارویہ میرے ساتھ صحیح نہیں رہا ذرا سی بات پر میرے شوہر سے شکایتیں کی جاتی تھیں شروع میں خاموش رہی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کارویہ مزید خراب ہوتا چلا گیا نہ صرف مجھ سے بلکہ میری بیٹی کے ساتھ بھی ان کارویہ کافی خراب رہا۔

میری ساس نے مجھ سے کہا کہ تو ہے کس باپ کی بیٹی کیسے آئی ہے اس گھر میں جبکہ انہوں نے خود رشتہ مانگ کر شادی کی تھی۔ ایک دفعہ کہا کہ میں تو تیری ماں کو باہر کھڑے ہو کر گالیاں دوں۔ اسی طرح انہوں نے مجھے کہا کہ میں دوسروں کے ٹکڑوں پر پلٹی ہوں۔ ان باتوں کی وجہ سے میں نے ان سے بات کرنا تو چھوڑ دی تھی لیکن ساتھ رہتے ہوئے بہت سے مسئلے ہوتے رہے۔ میری طبیعت خراب ہو تو کوئی کمرے میں آ کر یہ نہیں پوچھتا کہ مجھے کچھ چاہیے تو نہیں لیکن چاہتے ہیں کہ میں ان کے تمام کام کروں اور یہ سب اپنا حق سمجھ کر کروایا جاتا ہے۔ وہ یہ بھی کہہ چکی ہیں کہ تو نوکرانی ہے پکائے گی تو کھائے گی اور یہ بھی کہ اس گھر پر میرا کوئی حق نہیں۔

پچھلے سال میرے جیٹھ نے مجھ سے کافی بدتمیزی سے بات کی (بچوں کے حوالے سے) اور کہا کہ ”میں تیرا حشر بگاڑ دوں گا اگر میرے بچوں کو ہاتھ بھی لگایا تو یہ تیرے باپ کا گھر نہیں ہے“ گھر میں ساس سسر کے ہونے کے باوجود وہ کچھ نہیں بولے جبکہ میری ساس نے کہا کہ ”تو تو ہے ہی ایسی کہ جیٹھ کے منہ لگی“ ہر وقت مجھے دو ٹکے کی چھو کری کہا جاتا تو میں امی کے ہاں آگئی۔ بڑوں کے درمیان بات چیت ہوئی اور میں واپس چلی گئی۔ شروع میں تو وہ خاموش رہیں لیکن پھر وہی رویہ شروع ہو گیا۔ طبیعت خراب ہوئی تو میں امی کے ہاں آگئی کیونکہ وہاں میری دیکھ بھال نہیں ہو سکتی تھی۔

مجھے امی کے ہاں ۶ ماہ ہو چکے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ میرے ایک جیٹھ الگ ہو چکے ہیں۔ اوپر پورشن میں دیور اور نیچے دوسرے جیٹھ رہتے ہیں۔ شریعت اس حوالے سے کیا کہتی ہے کہ اگر میں:

(۱) الگ گھر کا مطالبہ کرتی ہوں یا

(۲) اس گھر میں رہتے ہوئے الگ پورشن اور الگ کچن کا مطالبہ کرتی ہوں۔

(۳) اس حوالے سے شوہر کا رویہ میرے ساتھ کیا ہونا چاہیے؟

(۴) کیا کہتی ہے شریعت شادی شدہ عورت کے نان نفقہ اور سکنی کے بارے میں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت مطہرہ میں شوہر کے ذمہ بیوی کا نان و نفقہ اور سکنی (رہائش) واجب ہے اور سکنی (رہائش) سے مراد یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایک ایسا کمرہ مہیا کرے جس کو تالا لگا کر بند کیا جاسکے اور اس کمرہ میں کسی اور کا آنا جانا نہ ہو نیز ضروریات زندگی وغیرہ اس کے ساتھ ہوں لہذا صورت مسئلہ میں آپ کا اپنے شوہر سے الگ کمرہ اور الگ کچن وغیرہ کا مطالبہ کرنا صحیح ہے اور شوہر کو چاہیے کہ وہ احسن طریقے سے آپ کے اس مطالبے کو پورا کرے نیز آپ حتی الامکان کوشش کریں کہ ساس سسر اور دیگر رشتہ داروں سے آپ کے تعلقات اچھے رہیں اور آپس میں میل جول برقرار رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی پریشانی کو آسان فرمائیں۔ آمین۔

لہا فی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۳): وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔

وفی الہندیۃ (۵۳۲/۱): الباب السابع عشر فی النفقات وفیہ ستۃ فصول الفصل الأول فی نفقة الزوجة تجب علی الرجل نفقة امرأته۔۔۔ (۵۳۹/۱): والنفقة الواجبة المأکول والملبوس والسکنی أما المأکول فالدقیق والماء والملح والحطب والدهن کذا فی التتارخانیۃ وکما یفرض لها قدر الکفایۃ من الطعام کذلک من الآدام کذا فی فتح القدیر۔۔۔ (۵۵۶/۱): الفصل الثانی فی السکنی تجب السکنی لها علیہ فی بیت خال عن أهلہ وأهلها إلا أن تختار ذلک کذا فی العینی شرح الکنز۔۔۔ امرأۃ أبت أن تسکن مع ضرمتها أو مع أحمائها کأبہ وغیرها فإن کان فی الدار بیوت فرغ لها بیتا وجعل لبیتها غلقا علی حدة لیس لها أن تطلب من الزوج بیتا آخر فإن لم یکن فیها إلا بیت واحد فلها ذلک۔

وفی الدر المختار (۵۹۹/۲): (وکذا تجب لها السکنی فی بیت خال عن أهلہ)۔۔۔ (وأهلها) ولو ولدها من غیرہ بقدر حالہما کطعام وکسوة وبت منفرد من دار له غلق زاد فی الاختیار والعینی ومرافق ومراده لزوم کنیف ومطبخ وینبغی الإفتاء به بجر (کفاما) لحصول المقصود هداية وفي البحر عن الخانیۃ یشرط أن لا یكون فی الدار أحد من أحماء الزوج یؤذیها ونقل المصنف عن الملتقط کفایتہ مع الأحماء لا مع الضرائر فلکل من زوجته مطالبته ببیت من دار علی حدة۔

وفی الشامیۃ (۶۰۰/۳): قوله (ومفاده لزوم کنیف ومطبخ) أي بیت الخلاء وموضع الطبخ بأن

يكونا داخل البيت أو في الدار لا يشاركها فيهما أحد من أهل الدار قلت وينبغي أن يكون هذا في غير الفقراء الذين يسكنون في الربوع والأحواش بحيث يكون لكل واحد بيت يخصه وبعض المرافق مشتركة كالحلاء والتنور وبئر الماء ويأتي تمامه قريبا -- وذكر الخصاص أن لها أن تقول لا أسكن مع والديك وأقربائك في الدار فأفرد لي دارا قال صاحب الملتقط هذه الرواية محمولة على الموسرة الشريفة وما ذكرنا قبله أن أفراد بيت في الدار كاف إنما هو في المرأة الوسط اعتبارا في السكنى بالمعروف اهـ

قلت والحاصل أن المشهور وهو المتبادر من إطلاق المتون أنه يكفيها بيت له غلق من دار سواء كان في الدار ضرقتها أو أحماؤها وعلى ما فهمه في البحر من عبارة الخانية وارتضاه المصنف في شرحه لا يكفي ذلك إذا كان في الدار أحد من أمائها يؤذيها وكذا الضرة بالأولى وعلى ما نقله المصنف عن ملتقط صدر الإسلام يكفي مع الأحماء لا مع الضرة وعلى ما نقلنا عن ملتقط أبي القاسم وتجنيسه للأستروشي أن ذلك يختلف باختلاف الناس ففي الشريفة ذات اليسار لا بد من أفرادها في دار ومتوسط الحال يكفيها بيت واحد من دار ومفهومه أن من كانت من ذوات الإعسار يكفيها بيت ولو مع أمائها وضرقتها كأكثر الأعراب وأهل القرى وفقراء المدن الذين يسكنون في الأحواش والربوع وهذا التفصيل هو الموافق لما مر من أن المسكن يعتبر بقدر حالهما ولقوله تعالى {أسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم} وينبغي اعتماده في زماننا هذا فقد مر أن الطعام والكسوة يختلفان باختلاف الزمان والمكان وأهل بلادنا الشامية لا يسكنون في بيت من دار مشتملة على أجنب وهذا في أوساطهم فضلا عن أشرفهم إلا أن تكون دارا مورثة بين إخوة مثلا فيسكن كل منهم من جهة منها مع الاشتراك في مرافقها فإذا تضررت زوجة أحدهم من أمائها أو ضرقتها وأراد زوجها إسكانها في بيت منفرد من دار لجماعة أجنب وفي البيت مطبخ وخلاء يعدون ذلك من أعظم العار عليهم فينبغي الإفتاء بلزوم دار من بابها نعم ينبغي أن لا يلزمه إسكانها في دار واسعة كدار أبيها أو كداره التي هو ساكن فيها لأن كثيرا من الأوساط والأشراف يسكنون الدار الصغيرة وهذا موافق لما قدمناه عن الملتقط من قوله اعتبارا في السكنى بالمعروف إذ لا شك أن المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان فعلى المفتي أن ينظر إلى حال أهل زمانه وبلده إذ بدون ذلك لا تحصل المعاشرة بالمعروف وقد قال تعالى {ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن}.

## (۶۴۶) بیوی کیلئے سال میں کتنی مرتبہ کپڑے بنانا ضروری ہے؟

### سوال

اگر کسی کی شادی ہو جائے تو مرد پر عورت کیلئے سال میں کتنی بار کپڑے خرید کر دینے لازم ہوں گے۔ اگر عورت کے پاس اپنا ذاتی مال ہو تو کیا پھر بھی مرد پر یہ کپڑے بنانا واجب ہوں گے؟

### الجواب بعون الملک الوحاب

جب عورت عقد نکاح سے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرتی ہے تو اس کا نان و نفقہ کپڑے وغیرہ شوہر کے ذمے لازم ہوتے ہیں۔ چاہے عورت امیر ہو یا غریب اور سال میں دو مرتبہ کپڑے بنانا شوہر کے ذمے ضروری ہے باقی جیسے عرف اور ضرورت پڑ جائے تو شوہر کے ذمے ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق بیوی کو نفقہ اور کپڑے دے۔

لمافی التاتارخانیہ (۱۸۳/۲): فی الخانیة تجب علی الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمیة و الفقیرة والغنیة دخل بها أو لم یدخل بها و النفقة الواجبة المأکول والملبوس والسکنی۔

وفی الہندیة (۵۴۲/۱): الباب السابع عشر فی النفقات و فیہ ستة فصول الفصل الأول فی نفقة الزوجة تجب علی الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمیة و الفقیرة والغنیة دخل بها أو لم یدخل کبیرة کانت المرأة أو صغیرة یجامع مثلها کذا فی فتاوی قاضی خان۔۔۔ (۵۵۵/۱): الکسوة واجبة علیه بالمعروف بقدر ما یصلح لها عادة صیفا و شتاء کذا فی التاتارخانیة ناقلا عن الیناییع وإنما تفرض الکسوة فی السنة مرتین فی کل ستة أشهر مرة کذا فی المبسوط۔

وفی الدر المختار (۵۸۰/۳): (وتفرض لها الکسوة فی کل نصف حول مرة) لتجدد الحاجة حرا و بردا۔ وفی الشامیة (۵۸۰/۳): و اعلم أن تقدير الکسوة مما یختلف باختلاف الأماكن والعادات فیجب علی القاضی اعتبار الکفاية بالمعروف فی کل وقت ومکان فإن شاء فرضها أصنافا وإن شاء قومها وقضی بالقیمة کذا فی المجتبی و فی البدائع الکسوة علی الاختلاف کالنفقة من اعتبار حاله فقط أو حالهما بجر قوله (فی کل نصف حول مرة) إلا إذا تزوج و بنی بها ولم یبعث لها کسوة فتطالبه بها قبل نصف الحول و الکسوة کالنفقة فی أنه لا یشرط مضي المدة بجر عن الخلاصة و حاصله أنها تجب لها معجلة لا بعد تمام المدة۔



## رسالة

## القول بالمساواة

فی

أن الفتوى على ظاهر الرواية في نفقة الزوجات

ایک یا ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں ادائیگی نفقہ شوہر کی حالت

کے بقدر ہوگا یا مایاں اور بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا

مسئلہ ہذا سے متعلق فقہی عبارات، شرعی نصوص، دلالت النص یا قیاس سے اثبات،

کتب فقہ کی روشنی میں ظاہر الروایۃ کی ترجیح اور متعلقہ ابحاث پر تفصیلی اور تحقیقی فتویٰ

## (۶۴۷) متعدد بیویوں کے درمیان مساوات قرآن و حدیث سے ثابت ہے

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو فقہاء کے مفتی بہ قول کے مطابق شوہر پر اپنی بیویوں کے فقر اور غناء کے مطابق نفقہ لازم آتا ہے حالانکہ بیوی ہونے کے اعتبار سے تو سب برابر ہیں اور سب سے ایک قسم کا استمتاع حاصل کرتا ہے تو نفقہ بھی ایک ہونا چاہیے؟ اور بیویوں کے حال کے اعتبار سے نفقہ دیں گے تو میاں بیوی اور بیویوں کے آپس میں بھی جھگڑے اور فسادات شروع ہونگے کہ ایک بیوی جو کہ غنی ہے جس کو عمدہ کھانے اور قیمتی لباس وغیرہ مہیا کیا جاتا ہے وہ دوسری فقیر بیوی کو دکھائے گی اور اس کو طعنہ دے گی اور چھیڑے گی جس کی وجہ سے آپس میں لڑیں گی اور فقیر بیوی شوہر سے بھی لڑے گی کہ فلاں بیوی کے لئے قیمتی کپڑے خریدے اور میرے لئے بے قیمت وغیرہ وغیرہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو بیوی غنی ہے ظاہر ہے اس کے پاس مال بھی ہوگا خود اپنے لئے عمدہ اور قیمتی سامان خرید سکتی ہے اور گھر والوں کی طرف سے بھی ان کو عمدہ سامان ملتا ہے بخلاف فقیر بیوی کہ نہ تو خود اس کے پاس کچھ مال ہوتا ہے اور نہ گھر والوں کی طرف سے کچھ زیادہ ملتا ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ فقیر بیوی کو زیادہ اور عمدہ دینا چاہیے بخلاف غنی بیوی کے۔

ان مذکورہ باتوں کے باوجود فقہاء نے جو یہ فیصلہ کیا ہے کہ نفقہ میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہوگا اس کی کیا وجہ ہے اور کس نص کی بنیاد پر فقہاء نے یہ فتویٰ دیا ہے؟ اور مذکورہ خرابیاں اور فسادات جو اس فیصلہ کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں ان کا جواب کیا ہوگا اور ان جھگڑوں، نفرتوں اور فسادات کو ختم کرنے کا شرعی حل کیا ہوگا۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

بیویوں کے مابین عدل و برابری قرآن و حدیث کے صریح نصوص سے ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء کی عبارات تساوی بین الزوجات کی طرف مشیر ہیں اور انہوں نے باب النفقہ کے تحت مذکور خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو قسم کے باب میں ذکر نہیں کیا بلکہ قسم کا معاملہ مطلقاً عدل کا ذکر کیا ہے البتہ بعض فقہاء متاخرین نے باب النفقہ کے تحت مذکور خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر قسم کے معاملہ کو بھی قیاس کیا ہے اور اسی کو مفتی بہ بتایا ہے جو کہ قیاس در قیاس ہے اور صریح نصوص کی موجودگی میں بے وزن معلوم ہوتا ہے جب کہ اس قول پر مسائل کے ذکر کردہ اشکالات بھی واقع ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ میں اس قول پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے، لہذا مسائل کا بعض فقہاء کے قول کو لے کر احناف کے مذہب پر اشکالات وارد کرنا صحیح نہیں۔

لمافی الجوہرۃ النیرۃ (۹۴/۲) کتاب النکاح: (قوله وإذا کان للرجل امرأتان حرتان فعلیہ أن یعدل بینہما فی القسم بکریں کانتا أو ٲیبین أو إحداهما بکرا والأخرى ٲیبا) أو کانت إحداهما حدیثۃ والأخرى قدیمة وسواء کن مسلمت أو کتابیات أو إحداهما مسلمة والأخرى کتابیة فإنہ ینبغی أن یعدل بینہما فی المأکول والمشروب والملبوس۔

وفی التاتارخانیة (۳۵۹/۳): المتفرقات فی القسم: فی الهدایة: (قوله وإذا کان للرجل امرأتان حرتان فعلیہ أن یعدل بینہما فی القسم: وفی السراجیة: وفی الماکول والملبوس بکریں کانتا أو ٲیبین أو إحداهما بکرا والأخرى ٲیبا۔

وفی الہندیة (۳۴۰/۱): الباب الحادی عشر فی القسم: ومما یجب علی الأزواج للنساء العدل والتسویة بینہن فیما یملکہ والبتوتۃ عندها للصحبة والمؤانسة لا فیما لا یملک وهو الحب والجماع۔

(۶۳۸) مذکورہ فتوے پر ایک استدراک اور بیویوں کے نفقہ میں تساوی سے متعلق تفصیلی فتویٰ

## سؤال

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیۃ! میرے پاس آپ کے محترم و مؤقر دارالافتاء کا ملفوفہ مسئلہ تھا مجھے اس مسئلے پر کچھ تحفظات ہیں کیونکہ میں نے بھی اس سلسلے میں کچھ مراجعت کی تھی لہذا آپ کی خدمت میں وہ لکھ رہا ہوں، ازراہ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

سب سے پہلی بات ”اکثر فقہاء کی عبارات تساوی بین الزوجات کی طرف مشیر ہیں اور انہوں نے باب النفقۃ کے تحت مذکور خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو قسم کے باب میں ذکر نہیں کیا“ مفتی صاحب یہ بات جواب میں کیوں لکھی گئی؟؟؟ بندہ سمجھ نہیں پایا کیونکہ البحر الرائق، مطاوی علی الدر، شامیہ، ہدایہ ان سب میں دونوں جگہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے پھر یہ کہنا کہ قسم کے باب میں اکثر فقہاء نے اس قول کو ذکر نہیں کیا، یہ اکثر فقہاء کون ہیں؟ جنہوں نے تفریق کی ہو۔

دوسری بات ”بعض فقہاء کے قیاس اور پھر اسے قیاس در قیاس“ قرار دینے کی ہے یہ بھی کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اذلاً خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول قیاس نہیں صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مفتی بہ قرار دے کر حضرت ہند بنی شہبہ کی حدیث نفقہ سے ثابت کیا ہے۔ قیاس ثانوی درجے میں ہے لہذا قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو مطلقاً قیاس کہنا درست نہیں اور پھر قسم کے باب میں اسے قیاس در قیاس کہنا محل نظر ہے بلکہ قسم کے باب میں خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیتا اس کے مفتی بہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ قسم کو نفقہ پر قیاس کرنے کی وجہ

سے!!!۔۔۔ نیز ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس سلسلہ میں دیکھ لیا جائے انہوں نے اس اشکال کا بھی جواب دیا ہے کہ خصاص رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل خبر واحد اور ظاہر الروایۃ کی دلیل آیت قرانیہ ہے۔

تیسری بات یہ کہ ”صریح نصوص کی موجودگی میں بے وزن معلوم ہوتا ہے“ یہ صریح نصوص کون سے ہیں؟ ایک آیت ”لِیُنْفِقُوا ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ“ کے علاوہ کون سا نص ظاہر الروایۃ کی دلیل ہے؟ اور اس نص کا بھی صاحب ہدایہ نے جواب دیا ہے کہ یہ موذل ہے اسے بھی دیکھ لیا جائے۔

چوتھی بات یہ کہ ”حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ میں اس قول پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے لہذا مسائل کا بعض فقہاء کے قول کو لے کر احناف کے مذہب پر اشکالات وارد کرنا صحیح نہیں“ اس عبارت میں حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو تو لے لیا گیا دوسری طرف ”مرغینانی، ابن الہمام، ابن نجیم، طحاوی، شامی رحمۃ اللہ علیہم“ سب کے سب معتمد علیہم فی الفتاویٰ حضرات کو بعض فقہاء بنا دیا گیا اور پھر ان بعض کے مذہب کو اس طرح لکھا گیا ہے جس سے احساس کمتری کا شبہ ہو رہا ہے۔ جبکہ بات واضح ہے بیوی کے مرغی یا دال کھانے سے فتویٰ تبدیل نہیں ہوتا۔ ملفوفہ مسئلہ میں مسائل نے عقلی اشکالات کئے ہیں لیکن جب دوسری طرف اتنے بڑے بڑے حضرات ایک بات کہہ رہے ہیں ان کے پاس نقلی و عقلی دلائل ہیں اور وہ مخالف کے دلائل کا جواب بھی لکھ رہے ہیں اور پھر بحر، بدائع، ہدایہ، شامیہ میں اسے مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، اس پر ایسے الفاظ لکھ دینا مجیب کی طرف سے تسامح معلوم ہوتا ہے۔

مفتی صاحب میرے سوال میں اگر کوئی سخت لفظ آ گیا ہو تو معذرت خواہ ہوں مجھے ایسے سوال لکھنے کا طریقہ نہیں آتا..... ازراہ کرم شفقت فرماتے ہوئے میرے چاروں اشکالات کے جواب دے دیں اور ان میں پوچھی گئی باتوں کی تعیین کر دیں اور آخر میں بتا دیں کہ وہ کون سے بعض یا اکثر فقہاء ہیں جنہوں نے ظاہر الروایۃ پر فتویٰ دیا ہے، کیونکہ دوسری روایت کو مفتی بہ قرار دینے والوں کے نام میں نے لکھ دیئے ہیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسؤلہ میں اولاً تنقیح مسئلہ ضروری ہے ورنہ مسئلہ میں موجود اغلاق مزید پیچیدگی کا سبب بنے گا، دراصل حقوق الزوجین میں شوہر پر بیوی کو جو نفقہ دینا ہوتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں:

## نفقہ کی دو صورتوں کا بیان

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ ایک بیوی ہو اور اسے نفقہ دینا ہو اس میں میاں، بیوی دونوں کی مالداری اور فقر کے اعتبار سے حالت کو مد نظر رکھا جائے گا یا صرف شوہر کی حالت کا لحاظ ہوگا..... الخ اس صورت سے فقہاء ”باب النفقہ“ میں بحث کرتے ہیں اور اس میں مجتہدین حنفیہ کے اقوال اور مفتی بہ کا تعیین یہیں باب النفقہ میں ہوتا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کو نفقہ کس طرح دینا ہوگا، سب بیویوں میں عدل کرنا ہوگا یا ہر بیوی کی حالت غناء اور فقر کو مد نظر رکھ کر ہر بیوی کا الگ الگ تعین ہوگا (جو کہ لازماتمام بیویوں میں تفریق کا سبب ہوگا) اس مسئلہ سے فقہاء ”باب القسم“ یعنی متعدد بیویوں میں حقوق کی تقسیم کے باب میں بحث کرتے ہیں اور اس سلسلے میں راجح یا مرجوح کا ذکر ”باب القسم“ میں ہی ہوتا ہے۔

ہم دونوں صورتوں اور اس سے متعلق تفصیلات کا الگ الگ ذکر کریں گے پہلے ہم باب النفقة میں موجود ایک بیوی کی صورت میں موجود تفصیلات ذکر کرتے ہیں۔

## [ ۱ ] باب النفقة

اگر کسی شخص کی ایک بیوی ہو تو اسے نفقہ دینے میں میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا یا صرف میاں کی حالت کا اعتبار ہوگا یا صرف بیوی کی حالت کو مد نظر رکھا جائیگا، اس سلسلے میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہوگا جبکہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق میاں بیوی دونوں کی حالت کو مد نظر رکھا جائیگا اور بعض حضرات نے اس قول کو بھی لیا ہے کہ صرف بیوی کی حالت کا اعتبار ہوگا۔

میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کرنے کے اعتبار سے مسئلے کی چار صورتیں بنیں گی:

(۱) دونوں مالدار ہوں۔

(۲) دونوں غریب ہوں۔

(۳) شوہر مالدار، بیوی غریب ہو۔

(۴) بیوی مالدار، شوہر غریب ہو۔

ان چار میں سے پہلی دو صورتوں میں تو ظاہر الروایۃ اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق کوئی فرق نہ ہوگا۔ پہلی صورت میں مالداروں والا نفقہ دینا ہوگا، ظاہر الروایۃ کے مطابق تو اس لئے کیونکہ شوہر مالدار ہے اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اس لئے کیونکہ دونوں مالدار ہیں۔ دوسری صورت میں غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا، ظاہر الروایۃ کے مطابق شوہر غریب ہے اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق دونوں غریب ہیں۔

## ثمرہ اختلاف

اختلاف کا ثمرہ تیسری اور چوتھی صورت میں ظاہر ہوگا، ظاہر الروایۃ کے مطابق تو جواب واضح ہے کہ صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہے لہذا تیسری صورت میں شوہر کے مالدار ہونے کی وجہ سے مالداروں والا نفقہ اور چوتھی صورت میں شوہر کے غریب ہونے کی وجہ

سے غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا (نفقہ سے مراد کھانا، رہائش اور کپڑے وغیرہ ہیں)۔

البتہ اس تیسری اور چوتھی صورت میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق کیا کیا جائیگا؟ تو تیسری صورت میں جبکہ شوہر مالدار اور بیوی غریب ہو اس صورت میں اگرچہ شوہر امیر ہے لیکن دونوں کی حالت کا اعتبار ہے لہذا شوہر پر متوسط قسم کا نفقہ دینا ضروری ہوگا یعنی اپنی حیثیت سے کم اور بیوی کی حیثیت سے زیادہ درمیانی نفقہ دینا ہوگا۔ فقہاء نے اس کی بہت سے مثالیں دی ہیں۔ ہم ایک مثال صرف سمجھانے کے لئے ذکر کرتے ہیں۔ بالفرض امیر لوگوں کے ایک کپڑے کی قیمت دس ہزار ہے اور غریب عورتوں کی ایک ہزار، جبکہ متوسط عورتیں پانچ ہزار کا کپڑا پہنتی ہیں۔ اب اگر شوہر امیر ہے بیوی غریب ہے تو شوہر نہ بیوی کو دس ہزار والا کپڑا دلانے کا اور نہ ایک ہزار والا بلکہ پانچ ہزار والا متوسط کپڑا دلانے گا۔ نیز چوتھی صورت میں جبکہ شوہر غریب ہو اور بیوی امیر ہو اس صورت میں بھی شوہر پر متوسط قسم کا نفقہ بیوی کو دینا ہوگا، یہاں یہ اشکال ذہن میں آسکتا ہے کہ شوہر تو غریب ہے ایک ہزار کے جوڑے کی حیثیت والا ہے اور بیوی امیر ہے دس ہزار والا جوڑا پہنتی ہے تو متوسط یعنی پانچ ہزار والے جوڑے کے پیسے یہ غریب شوہر کیسے لائے گا اس کے پاس تو ایک ہزار ہی ہیں یہ تکلیف مالا یطاق ہے!!!!!! اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر قرض لے گا یا بیوی اپنے پیسوں سے متوسط نفقہ کی مقدار خرچ کرے گی اور شوہر بعد از وسعت یہ قرض اداء کرے گا، اس طرح یہ شوہر پر تکلیف مالا یطاق نہیں بلکہ شوہر قرض لے کر بیوی کو متوسط نفقہ دینے پر قادر ہے۔

(نوٹ: کپڑے کی مثال صرف بات سمجھانے کے لئے دی گئی ہے قیمت کا فرق عرف وغیرہ کے اعتبار سے ملحوظ رکھنا ہوگا اپنے عرف کے اعتبار سے امیر، متوسط اور غریب کے نفقہ کا فرق پہچانا جاسکتا ہے)۔

## ظاہر الروایۃ اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق مسئلے کی چار صورتیں

لہذا اس تفصیل کی روشنی میں ظاہر الروایۃ کے مطابق چاروں صورتوں کا خلاصہ یہ ہوگا۔

(۱) شوہر اور بیوی دونوں مالدار ہوں۔ (مالداروں والا نفقہ دینا ہوگا)

(۲) شوہر اور بیوی دونوں غریب ہوں۔ (غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا)

(۳) شوہر امیر اور بیوی غریب ہو۔ (امیروں والا نفقہ دینا ہوگا)

(۴) شوہر غریب اور بیوی امیر ہو۔ (غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا)

قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق جواب کا خلاصہ یہ ہوگا۔

(۱) شوہر اور بیوی دونوں مالدار ہوں۔ (مالداروں والا نفقہ)

(۲) شوہر اور بیوی دونوں غریب ہوں۔ (غریبوں والا نفقہ)

(۳) شوہر امیر اور بیوی غریب ہو۔ (متوسط نفقہ دینا ہوگا)

(۲) شوہر غریب اور بیوی امیر ہو۔ (متوسط نفقہ دینا ہوگا)

## ظاہر الروایۃ کے دلائل کا بیان

ظاہر الروایۃ اور قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل پر بھی ایک نظر کر لی جائے:

ظاہر الروایۃ کے مطابق صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہے۔ دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) قال اللہ تعالیٰ: لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ (الطلاق: ۷)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: عَلَى الْمَوْسِعِ قَدْرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ

(البقرة: ۲۳۶)

(۳) ظاہر الروایۃ کے مطابق صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہے اس کی عقلی وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ بیوی جب اس شخص سے

شادی پر راضی ہوگئی تو اب وہ امیر ہے یا غریب اپنے اعتبار سے خرچ کرے گا، قرآن پاک کے بہت سے صریح نصوص اسی پر دال ہیں ایک مقام پر ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِمَّا كَسَبْتُمْ مِّنْ أَمْوَالِكُمْ (سورة الطلاق: ۶)

لہذا اب اگر شوہر غریب اور بیوی مالدار ہے تو یہ کہنا کہ شوہر پر بیوی کو غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا کیونکہ وہ خود شادی پر راضی ہوئی ہے یہ اس سے زیادہ آسان ہے کہ ہم شوہر پر متوسط نفقہ واجب کر دیں جس کے لئے اس غریب کو قرض لینا پڑے۔

## قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کا بیان

قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق میاں، بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہے ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ہند بنی شیبہ کی حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے نفقہ نہ دینے پر ان سے فرمایا تھا:

"خذني ما يكفيك وولدك بالمعروف" [بخاری ۸۰۸/۲]

(باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بخير علمه ما يكفيها وولدها بالمعروف)

اپنے شوہر کے مال سے معروف طریقے پر اتنا لے لے جو تجھے اور تیرے بچوں کو کافی ہو جائے، یہاں آپ ﷺ نے

معروف طریقے سے (عورت کی کفایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے) شوہر کے مال سے لے لینے کا حکم ارشاد فرمایا ہے جو کہ اس بات پر دال ہے کہ میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہے اور حدیث میں معروف کے لفظ سے وسط مراد ہے۔

(۲) قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ کی عقلی دلیل بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر بیوی فقیرہ ہے تو وہ شوہر کی طرف سے مالداروں والے نفقے کی

ضرورت مند نہیں بلکہ متوسط بھی اس کی کفایت سے زیادہ ہے پھر مالداروں والا نفقہ دینا کوئی معنی نہیں رکھتا لہذا متوسط نفقہ دیا جائے گا۔

(۳) قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ نص ”لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ“ میں صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہے اور وہ بھی بقدر وسعت، لہذا اگر شوہر غریب اور بیوی مالدار ہے تو شوہر کو متوسط نفقہ دینے پر مجبور کرنا نص کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر جتنا دے سکتا ہے وہ ابھی دے گا باقی شوہر کے ذمے قرض ہے جو بعد از وسعت اداء کرے گا لہذا نص کے موجب پر عمل ہو رہا ہے فی الحال شوہر کو اتنا ہی دینے کا کہا جا رہا ہے جو اس کے پاس ہے باقی اس کے ذمے قرض ہے۔

یہاں تک تو ہم نے ایک بیوی کو نفقہ دینے سے متعلق ظاہر الروایۃ اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف، ثمرہ اختلاف، دلائل، اشکال اور ان کے جوابات ذکر کر دیئے آخری اور اہم مرحلہ ان میں سے مفتی بہ کونسا قول ہے؟ اس کا ہے۔

## مسئلہ ہذا میں مفتی بہ قول کا بیان

مسئلہ زیر بحث میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ مفتی بہ ہے۔ اعلام فقہاء احناف رحمہم اللہ نے اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے لہذا ایک بیوی کو نفقہ دینے میں شوہر اور بیوی دونوں کے غناء اور فقر کو دیکھا جائیگا۔ ہماری تحقیق کے مطابق سب سے پہلے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے قول خصاف پر فتویٰ نقل کیا ہے جس کے بعد تمام متاخرین اسی پر فتویٰ نقل کرتے آئے ہیں سوائے بعض فقہاء کے جن کا ذکر ہم اگلی سطور میں کریں گے، البتہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ سے قبل ان دونوں اقوال کا ذکر ملتا ہے لیکن مفتی بہ ہونے کی صراحت کہیں نہیں۔

## قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی بہ قرار دینے والے فقہاء

مسئلہ ہذا میں درج ذیل حضرات نے قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی بہ قرار دیا ہے:

(۱) ہدایہ	(۲) تمبین الحقائق	(۳) فتح القدير	(۴) عنایۃ	(۵) انہر الفائق
(۶) البحر الرائق	(۷) الجوهرة النيرة	(۸) مجمع الانهر	(۹) ہندیہ	(۱۰) طحطاوی علی الدر
(۱۱) شامیہ				

ان حضرات نے مسئلہ ہذا میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ محیط برحانی، خانہ اور تاتارخانیہ میں بھی مسئلہ ہذا میں اختلاف ذکر ہے، لیکن کسی قول پر فتویٰ کی صراحت نہیں۔ البتہ سراجیہ اور البنایۃ علی الہدایۃ میں بظاہر ظاہر الروایۃ کو ترجیح دی گئی ہے، نیز بدائع الصنائع میں ظاہر الروایۃ کی تصحیح قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں نقل ہے۔ محیط اور تاتارخانیہ میں کسی قول پر فتویٰ تو نقل نہیں البتہ مسئلہ ہذا سے متعلق ایک اہم بات یہ نقل ہے کہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ان کی کتاب ”ادب القاضی“ سے لیا گیا ہے اور ادب القاضی میں خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے اشارات متعارض ہیں، یعنی امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں خود متعارض ہے۔ ایک جگہ وہ صرف شوہر کی حالت کے اعتبار کا قول کرتے ہیں تو ایک جگہ انہوں نے میاں، بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کیا ہے۔



محیط اور تاتار خانہ میں مذکور یہ بات ”باب النفقة“ میں بھی خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مشتتبہ کر دیتی ہے۔ ہم یہاں تک بحث کو روک دیتے ہیں۔ ایک بیوی سے نفقہ سے متعلق ”باب النفقة“ کی ایجابات کا خلاصہ اور حاصل ہم نے یہاں تک ذکر کر دیا، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ چند کتب کے باب النفقة سے حوالہ جات یہاں نقل کر دیئے جائیں تاکہ بات سمجھنا آسان ہو جائے۔ ہم محیط برہانی، ہدایہ، بدائع الصنائع اور بنایہ کی باب النفقة میں ذکر عبارات من وعن نقل کر رہے ہیں:

محیط میں ہے:

”ثم في ظاهر رواية الأصل المعتبر في فرض النفقة حال الزوج في اليسار والإعسار، وهكذا ذكر في شرح القدوري وهذا لقوله تعالى: {على الموسع قدره وعلى المقتر قدره} (البقرة: ۲۳۶) وقال الله تعالى: {فلينفق مما آتاه الله لا يكلف الله نفسا إلا ما آتاها} (الطلاق: ۷) وذكر الخصاف في النفقات أنه يعتبر حالهما في اليسار والإعسار حتى لو كانا موسرين كان لها نفقة الموسرين، ولو كانا معسرين فلها نفقة المعسرين، وإن كانت موسرة والزوج معسر يفرض لها فوق ما يفرض لو كانت معسرة فيقال له: لا تكلف لأن تطعمها خبز البر وباجة أو باجتين فهذا هو معنى اعتبار حالهما، وإشارات الخصاف: قال في الكتاب: وكل جواب عرفته في فرض النفقة من اعتبار حال الزوج أو اعتبار حالها فهو الجواب في الكسوة إذ المعنى لا يختلف“

(المحيط البرهاني ۲/۲۸۷)

ہدایہ میں ہے:

”ويعتبر في ذلك حالهما) جميعا قال العبد الضعيف وهذا اختيار الخصاف وعليه الفتوى وتفسيره أنهما إذا كانا موسرين --- وقال الكرخي رحمه الله يعتبر حال الزوج وهو قول الشافعي رحمه الله لقوله تعالى {لينفق ذو سعة من سعته} وجه الأول قوله عليه الصلاة والسلام لهند امرأة أبي سفيان رضي الله عنه خذي من مال زوجك ما يكفيك وولدك بالمعروف اعتبر حالها وهو الفقه فإن النفقة تجب بطريق الكفاية والفقيرة لا تفتقر إلى كفاية الموسرات فلا معنى للزيادة وأما النص فنحن نقول بموجبه أنه يخاطب بقدر وسعه والباقي دين في ذمته ومعنى قوله بالمعروف الوسط وهو الواجب وبه يتبين أنه لا معنى للتقدير كما ذهب إليه الشافعي رحمه الله“

(الهداية المطبوع مع فتح القدير ۲/۲۲۲)

بدائع میں ہے:

”وأما الثاني وهو بيان من يقدر به هذه النفقة فقد اختلف فيه أيضا ذكر الكرخي أن قدر

النفقة والكسوة يعتبر مجال الزوج في يساره وإعساره لا مجالها وهو قول الشافعي أيضا وذكر الخصاص أنه يعتبر مجالهما جميعا حتى لو كانا موسرين فعليه نفقة اليسار وإن كانا معسرين فعليه نفقة الإعسار وكذلك إذا كان الزوج معسرا والمرأة موسرة ولا خلاف في هذه الجملة فأما إذا كان الزوج موسرا والمرأة معسرة فعليه نفقة اليسار على ما ذكره الكرخي وعلى قول الخصاص عليه أدنى من نفقة الموسرات وأوسع من نفقة المعسرين -- وجه قول الخصاص إن في اعتبار حالتها في تقدير النفقة والكسوة نظرا من الجانبين فكان أولى من اعتبار حال أحدهما و الصحيح ما ذكره الكرخي لقوله تعالى { لينفق ذو سعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لا يكلف الله نفسا إلا ما آتاهما } وهذا نص في الباب" (بدائع الصنائع ۵/۱۵۲)

البنایہ میں ہے:

"(وهذا اختيار الخصاص وعليه الفتوى) أي على اختيار الخصاص الفتوى وظاهر الرواية عن أصحابنا اعتبار حال الرجل في اليسار والإعسار دون حال المرأة. وبه صرح محمد في الأصل والحاكم في "الكافي" وصاحب "الشامل" في قسم المبسوط، والإمام الإسيباني في "شرح الطحاوي" وإليه ذهب الكرخي وكثير من مشايخنا المتأخرين، كصاحب "التحفة" وصاحب "النافع" وغيرهم، وهو قول الشافعي." (البنایہ شرح الهدایة ۲/۱۵۶)

یہ تھیں مسئلہ ہذا میں بعض کتب کی عبارات جو آپ نے مطالعہ فرمائیں۔ بہر حال ہدایہ میں جو بحث مسئلہ ہذا میں نقل کی گئی ہے اسے تقریباً اکثر متاخرین احناف نے لیا ہے۔ فتح القدر، البحر الرائق، تمییز الحقائق، ہندیہ، طحاوی اور شامیہ میں قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ پر ہی فتویٰ نقل کیا گیا ہے لہذا ایک بیوی کو نفقہ دینے سے متعلق اسی پر فتویٰ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہے۔ باقی کتب کے حوالہ جات مسئلہ کے آخر میں نقل کر دیئے گئے ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔

## مطلقة عورت کو متعہ دینے سے متعلق بھی مذکورہ اختلاف اور قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ کی ترجیح

نیز مطلقہ عورت کو متعہ دینے کے مسئلہ میں بھی فقہاء نے قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"قوله (وتعتبر المتعة بجالهما) أي فإن كانا غنيين فلها الأعلى من الثياب أو فقيرين فالأدنى أو مختلفين فالوسط وما ذكره قول الخصاص وفي الفتح إنه الأشبه بالفقه والكرخي اعتبر حالها واختاره القدوري والإمام السرخسي اعتبر حاله وصححه في الهداية قال في البحر فقد اختلف

الترجيح والأرجح قول الخصاص لأن الولوالجي صححه وقال وعليه الفتوى كما أفتوا به في النفقة" [شامية ۱۱۱/۳]

مسئلے سے متعلق تفصیلات اور مفتی بہ کا تعین یہاں تک ختم ہوا۔ مسئلے میں جو مالہ اور ماعلیہ تھے مختصراً ذکر کر دیئے گئے، اب ہم ایک سے زائد بیویوں سے متعلق باب القسم پر بحث و تنقیح پیش کریں گے، اس کے بعد باب النفقة اور باب القسم سے متعلق چند باتیں مشترکہ طور پر احقر پر بعد از تحقیق و تفحص واضح ہوئی ہیں انہیں سپرد قرائن کر دیا جائیگا اور آپ کے استفتاء میں ذکر کردہ اشکالات اور خلط و بحث کا بھی تفصیلی جائزہ لیا جائیگا۔

## [۲] باب القسم

حقوق الزوجین میں بیوی کے نفقے سے متعلق یہ دوسری صورت ہے اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اب انہیں نفقہ دینے میں میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائیگا یا صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہوگا؟ اگر دونوں کی حالت کا اعتبار ہو تو ہر بیوی اور شوہر کی حالت کا الگ الگ جائزہ لیا جائیگا اور ہر بیوی کا نفقہ الگ متعین ہوگا، اس صورت میں تمام بیویوں میں نفقہ میں مساوات نہ ہوگی مثلاً ایک امیر شخص ہے اس کی دو بیویاں ہیں ایک امیر اور ایک غریب، تو امیر کو امیروں والا نفقہ دے گا اور غریب کو متوسط قسم کا نفقہ دینا ہوگا لہذا دونوں بیویوں کے درمیان نفقہ، طعام، رہائش اور کپڑے وغیرہ میں تفاوت ہوگا۔

اور اگر صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہو تو پھر تمام بیویوں میں ہر چیز میں مساوات ہوگی پس شوہر اگر امیر ہے تو تمام بیویوں کو امیروں والا نفقہ دے گا اور اگر شوہر غریب ہے تو غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا۔

اس پورے مسئلے کو فقہاء ”باب القسم“ میں ذکر کرتے ہیں، یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ کسی بھی فقیہ نے باب النفقہ میں (ایک بیوی کو نفقہ دینے میں ظاہر الروایۃ اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد) ”باب النفقہ“ میں ہی اسے ذکر نہیں کیا بلکہ ”باب القسم“ میں بعض فقہاء نے اس اختلاف کو ذکر کر دیا ہے جبکہ بعض فقہاء نے باب القسم میں بھی اس اختلاف کو ذکر نہیں کیا اور بعض فقہاء نے مطلقاً دو بیویوں میں نفقہ وغیرہ میں عدل کا قول کیا ہے۔

## متعدد بیویوں سے متعلق باب القسم میں مذکور اختلاف سے متعلق اصحاب کتب کے تین گروہ

گو یا کہ اس باب میں فقہاء کے تین گروہ ہیں:

(۱) وہ فقہاء جنہوں نے ”باب القسم“ میں قول خصاف اور ظاہر الروایۃ کے اس اختلاف کو ذکر کیا ہے اور قول خصاف کو ترجیح

دی ہے۔

(۲) وہ فقہاء جنہوں نے باب القسم میں اس اختلاف کو ذکر نہیں کیا۔

(۳) وہ فقہاء جنہوں نے ”باب القسم“ میں مطلقاً دو بیویوں میں نفقہ وغیرہ میں عدل کا قول کیا ہے۔

یہاں تک ذکر کردہ تنقیح مسئلہ اگر ملحوظ رہے تو آگے بات سمجھنا آسان ہوگی۔ یہ بات تو سامنے آگئی کہ گزشتہ صفحات میں ذکر

باب النفقة“ کے حوالوں میں کسی بھی کتاب میں ”باب النفقة“ میں دو بیویوں کے نفقہ میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ یا ظاہر الروایۃ کا کچھ ذکر نہیں۔ یہ بحث اگر ہے تو بعض کتب میں ”باب القسم“ میں اسے لیا گیا ہے۔

پہلے ہم ان حضرات کا نام ذکر کر دیں جنہوں نے ”باب القسم“ میں بھی یہ اختلاف ذکر کر کے قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ ہونے کو ذکر کیا ہے:

(۱) تمیین الحقائق (۲) انہر الفائق (۳) البحر الرائق (۴) طحاوی علی الدر (۵) شامیہ

ان حضرات نے ”باب القسم“ میں بھی ”باب النفقة“ والا اختلاف نقل کر کے قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی بہ قرار دیا ہے اور عدل بین الزوجات فی النفقة کی نفی کی ہے۔ اس کے علاوہ درج ذیل حضرات وہ ہیں جنہوں نے ”باب القسم“ میں نفقہ میں عدل یا غیر عدل کی بحث کو چھیڑا ہی نہیں بلکہ باب القسم میں فقط رات گزارنے میں مساوات کا ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے:

(۱) محیط برہانی (۲) خانہ (۳) ہدایہ  
(۴) فتح القدر (۵) ملتقى الابحر (۶) عنایۃ  
(۷) بنایہ (۸) ہندیہ

درج بالا کتب میں دو بیویوں کے نفقہ سے متعلق کسی قسم کا ذکر نہیں۔

اس کے علاوہ اب ہم ان حضرات فقہاء کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے ”باب القسم“ میں عدل بین الزوجات کے قول کو لیا ہے اور خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترک کر دیا ہے۔

(۱) تاتارخانیہ (۲) بدائع الصنائع (۳) ولوالجیہ (۴) سراجیہ (۵) مجمع الانہر  
(۶) الجوهرة النيرة (۷) الدر المختار

یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے قسم کے باب میں نفقہ میں دو بیویوں کے درمیان مطلقاً عدل کے قول کو لیا ہے اور ظاہر الروایۃ کے مطابق شوہر کی حالت کا اعتبار کیا ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بدائع الصنائع اور پھر شامیہ سے درمختار اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کی عبارات نقل کر دی جائیں، مسئلے پر مزید بحث اس کے بعد کی جائیگی۔

بدائع ”باب القسم“ میں ہے:

”ومنها وجوب العدل بين النساء في حقوقهن وجملة الكلام فيه أن الرجل لا يخلو إما أن يكون له أكثر من امرأة واحدة وإما أن كانت له امرأة واحدة فإن كان له أكثر من امرأة فعليه العدل بينهن في حقوقهن من القسم والنفقة والكسوة وهو التسوية بينهن في ذلك حتى لو

كانت تحت امرأتان حرتان أو أمتان يجب عليه أن يعدل بينهما في المأكل والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة والأصل فيه قوله تعالى {فإن خفتن ألا تعدلوا فواحدة} (بدائع الصنائع ۲/۳۰۸)

در مختار میں ہے:

"(يجب) وظاهر الآية أنه فرض مهر (أن يعدل) أي أن لا يجور (فيه) أي في القسم بالتسوية في البيتوتة (وفي الملبوس والمأكل) والصحة - الخ -"

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

"(قوله وفي الملبوس والمأكل) أي والسكنى ، ولو عبر بالنفقة لشمّل الكل - - قال في البحر قال في البدائع يجب عليه التسوية بين الحرتين والأمتين في المأكل والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة وهكذا ذكر الولوالجي والحق أنه على قول من اعتبر حال الرجل وحده في النفقة وأما على القول المفتى به من اعتبار حالهما فلا فإنه إحداهما قد تكون غنية والأخرى فقيرة فلا يلزم التسوية بينهما مطلقاً في النفقة -"

(شامية ۲/۳۰۳)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے "اعلاء السنن" اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے "بذل المجہود" باب القسم میں تسویہ اور عدل فی النفقہ کے قول کو ہی اختیار فرمایا ہے۔

## [تنبیہ] باب القسم میں نقلاً و عقلاً ظاہر الروایہ کی ترجیح

یہاں راقم الحروف یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ نقلاً و عقلاً ہر اعتبار سے قسم کے باب میں ظاہر الروایہ کو ہی لینا راجح اور صواب معلوم ہوتا ہے۔ بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ عدل بین الزوجات پر صریح دال ہیں۔ قسم کے باب میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو لینا جو کہ عدل بین الزوجات کے منافی ہے درست معلوم نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِثْلِي وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعْوُلُوا . (النساء: ۳)

"عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرلو، دو، دو عورتوں سے اور تین، تین عورتوں سے اور چار، چار عورتوں سے، پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ تم عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو" (ترجمہ از بیان القرآن)

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"اللهم هذه قسمتي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك ولا أملك" (ترمذی ۱/۲۱۷)  
 "اے اللہ یہ میری تقسیم ہے اس میں جس کا میں مالک ہوں پس میرا مواخذہ نہ کرنا اس پر جس کا تو مالک ہے اور میں اس کا مالک نہیں"

ایک اور حدیث میں ہے:

"من كانت له امرأتان فمال إلى أحدهما جاء يوم القيامة وشقه مائل" (ابوداؤد)  
 "جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے دن آئیگا اور اس کی ایک جانب جھکی ہوگی"

آپ ﷺ اور اکابرین امت متعدد بیویوں میں از حد استطاعت مساوات فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت میں کچھ زیادتی ہونے پر بھی اللہ تعالیٰ سے عدم مواخذہ کی دعا مانگی جبکہ محبت استطاعت سے خارج شئی ہے، پھر نان نفقہ جو کہ عدل میں بنیادی حیثیت کی حامل شئی ہے اس میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو لے کر مساوات کو ضروری قرار نہ دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ صرف رات گزارنے میں قسم کا اعتبار کرنے سے قرآن پاک کی آیت "وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَدْرُوا هَا كَالْمَعْلَقَةِ" اور "فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا" کا مطلب مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ صرف رات گزارنے میں مساوات تو کوئی اتنا مشکل کام نہیں کہ اس پر یہ آیات نازل ہوں۔ نیز تاتارخانیہ، بدائع، فتاویٰ ولولوالجیہ، سراجیہ، مجمع الانہر، الجوہرۃ العیروۃ اور الدر المختار میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ صرف شوہر کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے ایک سے زائد بیویوں میں مساوات ضروری ہوگی۔

## امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول خود متعارض ہے

نیز محیط اور تاتارخانیہ کے حوالے سے گذر چکا کہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول خود متعارض ہے، وہ اپنی کتاب "ادب القاضی" میں کہیں میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کرنا ذکر کرتے ہیں تو کہیں ظاہر الروایۃ کی طرح صرف شوہر کی حالت کا اعتبار کرتے ہیں لہذا ان کے اپنے اقوال میں تعارض نفقہ میں ہی ان کے قول کو مشتبہ کر دیتا ہے چہ جائیکہ قسم میں بھی اسے لے لیا جائے۔

لہذا احقر کی ناقص رائے میں قسم کے باب میں اسی قول کو لینا مناسب ہے کہ تمام بیویوں میں مساوات کی جائے چاہے ایک امیر اور ایک غریب ہو، دونوں کو رہائش، طعام اور کپڑے وغیرہ میں ایک ہی طرح کا انتظام کیا جائے، یہی شرعی نصوص اور فقہی عبارات سے قریب تر ہے۔ یہی علماء پاک و ہند کی رائے ہے۔

## متعدد بیویوں سے متعلق اردو فتاویٰ میں اختیار کردہ رائے کا بیان

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند [۲۸۹/۸] پر باب: بیویوں میں عدل و مساوات پر حقوق الزوجین کے تحت بہت سے فتاویٰ میں حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی رائے اختیار فرمائی ہے، نیز فتاویٰ محمودیہ [۴۳۵/۱۳] پر بھی تسویہ بین الزوجین فی النفقة کا فتویٰ موجود ہے اور امداد الفتاویٰ [۵۲۹/۲] پر ”نفقة الزوجین میں تسویہ کی تحقیق“ کے عنوان سے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے امداد الفتاویٰ میں موجود اس فتوے کا چونکہ مستدرک فتوے میں بھی ذکر تھا لہذا احقر یہاں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل فتویٰ نقل کر رہا ہے۔

### عنوان: نفقة زوجین میں تسویہ کی تحقیق

سوال: فقہ کی اکثر کتابوں میں یہ دیکھا ہے اور غالباً جناب کی بھی زبان سے سنا ہے کہ نفقہ میں دونوں بیویوں کو برابر رکھنا چاہیے لیکن شامی میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے ”والحق انه علی قول من اعتبر حال الرجل و حده فی النفقة و اما علی القول المفتی به من اعتبار حالهما فلا، فان احدهما قد تكون غنية و الاخری فقيرة فلا يلزم التسوية بينهما مطلقاً فی النفقة“ اور یہی عبارت بحر الرائق میں بھی ہے اس کا مفہوم تو میں یہ سمجھا کہ قول مفتی بہ یہ ہے کہ نفقہ کے بارے میں دونوں بیویوں کی حیثیت دیکھی جائے گی اور مطلق مساوات ضروری نہ رہے گی اور اگر میں مفہوم سمجھا نہیں ہوں تو اس کی تصحیح فرمائی دی جائے؟

الجواب: میں نے یہ روایت آج ہی دیکھی مگر دیکھنے کے بعد بھی رائے سابق نہیں بدلی وجہ خدشہ یہ ہے کہ اول تو یہ مسئلہ اپنے اصل سے باب القسم یعنی العدل کا نہیں باب النفقة کا ہے جس میں زوجہ کے یسار اور اعسار کی بحث بمقابلہ زوج کے ہے جس میں نفقہ کی مؤنت ہے زوجہ کا حق اور زوج کی مؤنت دونوں پر نظر کر کے بحث پیدا ہو گئی۔ اس پر باب القسم کے جزئیہ کو قیاس کر لیا گیا اور قیاس کرنے والے بھی نہ مجتہدین ہیں نہ مرجحین تو اول تو خود اصل مسئلہ قیاسی جو کہ ظنی تھا پھر اس قیاسی پر قیاس کرنے سے جو حاصل ہو گا وہ اصل سے بھی ضعیف ہو کر اضعف ہو جائیگا۔ خصوصاً جب قاس بھی ضعیف ہو پھر خود صحت قیاس کی ایک فارق کی وجہ سے متکلم فیہ بھی ہے وہ فارق یہ ہے کہ اصل میں مقابلہ ہے من علیہ الحق و من له الحق کا اور ان دونوں کی بناؤں میں تساوی نہیں اس لئے وجہ تعدیل میں اختلاف ہو سکتا ہے ہر قائل نے دونوں بناؤں کی رعایت کا طریق تجویز کرنے میں مختلف رائے قائم کی جس میں اہل معاملہ میں سے کسی کی ترجیح کسی پر لازم نہیں آتی اور یہاں مقابلہ ہے ایک من له الحق کا دوسری من له الحق سے جو بناء استحقاق میں تساوی ہیں پھر باوجود تساوی فی بناء الاستحقاق محض ایک وصف خارج یعنی یسار کی وجہ

سے جس کا بناء استحقاق پر کوئی اثر نہیں ایک کو دوسری پر ترجیح دینا ابطال ہے بناء استحقاق کا ایک وصف خارج کے سبب جو ترجیح بلا مرجح ہے۔ غرض قیاس کی صحت بھی ضعیف پھر قانس بھی ضعیف اور قیاس در قیاس کی وجہ سے بھی ضعیف مسئلے میں اتنے ضعف پھر وجوب عدل سے تعارض کیونکہ وہ نصوص اپنے اطلاق سے اس صورت کو بھی شامل ہیں کہ ایک موسرہ ہو اور ایک فقیرہ اور تخصیص و تقييد کی کوئی دلیل نہیں اس لئے یہ حکم سخت مخدوش ہے پھر دوسرے قواعد اس کو منقضي ہیں کہ اگر اس حکم پر عمل بھی کیا جاوے تو زوج کی رائے پر اس کا مدار نہ رکھا جاوے گا بلکہ قضاء قاضی کی حاجت ہوگی کیونکہ اس صورت میں جو فقیرہ کی طرف سے نزاع ہوگا کہ وہ دوسرے قول کو لینا چاہے گی اس کا قاطع صرف قضاء قاضی ہو سکتا ہے اور عجب نہیں کہ اسی احتمال نزاع کی بناء پر اصل مسئلہ میں بھی قضاء قاضی شرط ہوگی میں نے منقول نہیں دیکھا شاید تلاش سے مل جاوے لیکن باوجود اس کے اگر کسی مفتی کو اس قول میں شرح صدر پیدا ہو جاوے اور عامی کو اس کے فتوے میں شرح صدر ہو جاوے تو افتاء اور اخذ جائز ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۲/۵۲۹)

حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ آپ نے مطالعہ کیا اس میں حضرت نے نفقہ کے باب میں بھی قول خصاف کو ظنی قیاسی اور ضعیف تک تحریر فرما دیا ہے نیز قسم کے باب میں تو اس پر عمل کو اضعف قرار دیا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کے مطابق نفقہ میں ہی یہ قول قیاس ہے اور قسم میں اسے لینا قیاس در قیاس ہے۔

## ایک وضاحت اور بعض اشکالات کا بیان

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ فی الوقت ہم نفقہ میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی بہ قرار دینے پر بحث نہیں کرتے کیونکہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اکثر متاخرین حنفیہ نے اسے مفتی بہ قرار دیا ہے اگرچہ اس پر اشکالات وارد ہوتے ہیں مثلاً ایک اشکال یہ ہے کہ اس میں آیت "لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ" پر حدیث ہند خبر واحد کے ذریعے اضافہ کیا گیا ہے خبر واحد کے ذریعے مجمل کی وضاحت تو ہو سکتی ہے لیکن صریح نص پر زیادتی درست نہیں۔

اس اشکال کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہیں لیکن جواب کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ آیت سے شوہر کی حالت کا اعتبار معلوم ہوتا ہے اور حدیث سے بیوی کی حالت کا اعتبار معلوم ہو گیا لہذا دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائیگا۔ باقی اس جواب میں جو تفصیلات ہیں انہیں حوالہ جات میں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے۔

بندہ ناچیز کی رائے میں یہ جواب وزنی نہیں ہے کیونکہ یہی تو زیادتی ہے جو خبر واحد کے ذریعے کی جا رہی ہے۔ ظاہر الروایۃ کے مطابق صرف شوہر کی حالت کا اعتبار آیات قرآنیہ کے مطابق اور اصول استدلال حنفیہ سے قریب تر ہے۔

ایک اور اشکال قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ پر یہ بھی ہوتا ہے کہ "لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ" میں تو آپ نے حدیث ہند سے



اضافہ کر دیا لیکن آیت ”عَلَى الْمَوْسَىٰ قَدْرًا وَعَلَى الْقَافِرِينَ قَدْرًا“ تو اس سے زیادہ صریح ہے اس کا کیا جواب ہوگا؟ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسکے بعد ”متاعا بالمعروف“ کے الفاظ ہیں اور معروف یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کی حالت اور اپنی حالت دونوں کا اعتبار کرتے ہوئے نفقہ لازم ہو کیونکہ معروف یہ ہے کہ مالدار کو وہ نہ دیا جائے جو فقیر کو دیا جا رہا ہے۔ اس جواب پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔

الغرض باب النفقة میں بھی قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ کو لینے پر بہت سے اشکالات وارد ہوتے ہیں جنہیں حضرات فقہاء نے ذکر کر کے ان کے جوابات دیئے ہیں جن پر بحث و مباحثہ کی گنجائش موجود ہے جبکہ ظاہر الروایۃ بے غبار ہے اس پر نصوص قرآنیہ کے مطابق کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ بیوی جب شادی پر راضی ہوگئی تو شوہر کی جتنی وسعت ہوگی اتنا کھلائے گا۔ جو خود کھائے گا وہی بیوی کو کھلائے گا لیکن چونکہ تقریباً تمام متاخرین نے قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ کو باب النفقة میں مفتی بہ قرار دیا ہے لہذا احقر کے نزدیک نفقات کے باب میں اسی پر فتویٰ ہے کہ میاں بیوی دونوں کی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے نفقہ دینا ہوگا۔ شوہر امیر اور بیوی غریب ہو تو متوسط نفقہ ہوگا، نیز شوہر غریب اور بیوی امیر ہو تب بھی متوسط نفقہ دینا ہوگا جس کے لئے شوہر قرض لے گا۔

## باب القسم میں ظاہر الروایۃ کی ترجیح کی وجوہ

لیکن قسم کے باب میں ظاہر الروایۃ کو ہی لیا جائیگا اور دو بیویوں میں ان کی حالت کو مد نظر رکھنے کے بجائے شوہر حسب استطاعت دونوں کو برابر ایشیاء فراہم کرے گا۔ اس کی وجوہات مختصر ادرج ذیل ہیں:

(۱) قسم میں عدل کا قول آیت قرآنیہ میں موجود و جو عدل کے موافق ہے۔

(۲) احادیث کثیرہ سے ثابت دو بیویوں میں مساوات تب ہی ممکن ہے جب ظاہر الروایۃ کو لیا جائے۔

(۳) تاتارخانیہ، بدائع، ولوالجیہ، سراجیہ، مجمع الانہر، الجوهرة النيرة اور درمختار میں عدل کے قول کو ہی لیا گیا ہے۔

(۴) اس کے علاوہ بہت سے مصنفین نے تو قسم کے باب میں اس مسئلہ کو ذکر ہی نہیں کیا۔

(۵) جن حضرات نے ذکر کیا ہے اور قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی بہ قرار دیا ہے انہوں نے قسم کو نفقہ پر ہی قیاس کیا ہے جبکہ قسم میں عدل کا وجوب یا فرضیت تو نص قرآنی سے ثابت ہے۔

(۶) وجہ استحقاق (یعنی زوجیت) نفقہ میں دونوں بیویاں برابر ہیں، پھر ایک خارجی وصف مالدار کی بناء پر ایک کو زیادہ دینا اور دوسرے کو کم دینا درست معلوم نہیں ہوتا جبکہ وجہ استحقاق نفقہ یعنی زوجیت میں دونوں مساوی ہیں۔

ان مختلف وجوہ اور تصریحات فقہاء کی بناء پر احقر کی ناقص رائے میں قسم کے باب میں قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں لیا جائیگا نیز اردو فتاویٰ میں سے بھی کوئی فتویٰ احقر کی نظر سے ایسا نہیں گزرا جس میں قسم کے باب میں بھی قول خصاص رحمۃ اللہ علیہ کو لیا گیا ہو۔ یہ وہ کچھ تھا جو احقر پر بعد از تحقیق و تفحص ظاہر ہوا، حسب استطاعت تحریر کر دیا گیا ہے جن حضرات اعلام کا ذکر آیا یا جن کی رائے سے اختلاف کیا

گیا ہے ظاہر ہے دلیل کی بناء پر کیا گیا ہے، یہ سب بہت ذیشان اور علم و عمل میں بلند مقام کے حامل تھے لیکن دلیل کی بنیاد پر اختلاف دور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے چلتا آ رہا ہے اور مسئلہ زیر بحث میں بھی خود کتب حنفیہ میں دو طرح کے اقوال ہیں لہذا ترجیح و شواہد کا پیش کرنا ضروری امر ہے۔ راقم الحروف نے کتب فقہ سے جو اخذ کیا سامنے تحریر کر دیا۔ احقر ان مشائخ کو اپنے سر کا تاج اور ان کی شفاعت کا حصول بھی اپنے لئے بہت بڑا سرمایہ سمجھتا ہے۔ اس ساری بحث کو فقہی نظر سے مطالعہ کیا جائے یہی ہمارے اکابر کا شیوہ اور طرز عمل رہا ہے۔

## سائل کے اشکالات کے جوابات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں آپ کے ذکر کردہ اشکالات کے جوابات بھی مختصراً لکھ دیئے جائیں اگرچہ پوری تحقیق کے درمیان خود ہی آپ کو اپنے سوالوں کے جوابات مل چکے ہوں گے۔

(۱) پہلی بات آپ نے یہ ذکر کی کہ اکثر فقہاء کی عبارات تساوی بین الزوجات کی طرف مشیر ہیں یہ بات گزشتہ فتوے میں درست نہیں۔ اس کا جواب واضح ہو گیا کہ قسم کے باب میں خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول تمام فقہاء نے ذکر نہیں کیا۔ تمبین، نہر، بحر، طحاوی اور شامیہ میں قسم کے باب میں بھی قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو لیا گیا ہے جبکہ تاتارخانیہ، بدائع، ولوالجیہ، ہراجیہ، مجمع الانہر، جوہرۃ اور درمختار میں عدل اور تساوی بین الزوجات کا قول لیا گیا ہے نیز اس کے علاوہ کتب میں ہماری معلومات کے مطابق قسم کے باب میں اس سے بحث ہی نہیں کی گئی لہذا آپ کا یہ کہنا کہ ہدایہ میں بھی قسم کے باب میں خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیا گیا ہے یہ بات درست نہیں۔ قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو قسم کے باب میں ہدایہ، فتح القدر وغیرہ میں ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ نیز اس تفصیل سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اکثر فقہاء نے قسم کے باب میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو لیا ہے یا تساوی بین الزوجات کے قول کو!!!!

(۲) دوسرا اشکال قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو قیاس اور پھر قسم میں بھی اسے لینے کو قیاس در قیاس کہنے کا ہے جبکہ قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ حدیث ہند رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ اس اشکال کا جواب واضح ہے کہ اسے قیاس ہم نے نہیں بلکہ حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرار دیا ہے اور یہ تمام الفاظ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے استعمال فرمائے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ آچکا ہے، اس کے یہ الفاظ دو ڈھے جائیں:

”یہ مسئلہ اپنی اصل سے باب القسم یعنی العدل کا نہیں باب النفقہ کا ہے..... اس پر باب القسم کے جزئیہ کو قیاس کر لیا گیا اور قیاس کرنے والے بھی نہ مجتہدین ہیں نہ محسین تو اول تو خود اصل مسئلہ قیاسی جو کہ ظنی تھا پھر اس قیاس پر قیاس کرنے سے جو حاصل ہو گا وہ اصل سے بھی اضعف ہو جائیگا۔ خصوصاً جب قانس بھی ضعیف ہو پھر خود صحت قیاس کی ایک فارق کی وجہ سے متکلم فیہ بھی ہے وہ فارق یہ ہے کہ..... الخ

(امداد الفتاویٰ ۲/۵۲۹)

راقم عرض کرتا ہے کہ حقیقتاً دیکھا جائے تو قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ باب النفقہ میں بھی اصلاً قیاس اور عقلی بنیاد پر ہے۔ حدیث ہند

سے استدلال اور نص قرآنی پر اضافہ اتنی قوت نہیں رکھتا نیز باب القسم میں بھی اس قول کو لانا قسم کو نفقہ پر ہی قیاس کرنا ہے۔  
(۳) تیسرا اشکال ظاہر الروایۃ کے نصوص سے متعلق ہے اس کا جواب بھی آگیا۔ راقم نے گزشتہ صفحات میں ظاہر الروایۃ کے مستدل نصوص اور مرجحات ذکر کر دیئے ہیں۔

(۴) چوتھا اشکال آپ نے یہ کیا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے آپ نے دوسری جانب موجود اتنے بڑے بڑے فقہاء کے مذہب کو ترک کر دیا۔ گویا ایک جانب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسری جانب تمام فقہاء جنہیں فتویٰ میں بعض فقہاء لکھ دیا گیا ہے۔ اس اشکال کا جواب دینا بظاہر ضروری نہیں رہا لیکن راقم الحروف سائل کی تشفی کے لئے مختصراً ذکر کر رہا ہے۔  
باب النفقة میں راقم کے نزدیک بھی قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ ہی مفتی بہ ہے۔ گزشتہ متصلہ فتویٰ میں بھی احقر نے نفقہ کے باب میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو ترک نہیں کیا بلکہ قسم کے باب میں ظاہر الروایۃ کو لیا ہے، آپ کا اشکال بظاہر باب القسم پر ہی ہے۔ راقم الحروف اولاً ان حضرات کا ذکر کر دے جنہوں نے نفقہ میں بھی ظاہر الروایۃ کو لیا ہے۔  
بنایہ میں ہے:

"وظاهر الرواية عن أصحابنا اعتبار حال الرجل في اليسار والإعسار دون حال المرأة. وبه صرح محمد في الأضل والحاكم في "الكافي" وصاحب "الشامل" في قسم المبسوط، والإمام الإسيجاني في "شرح الطحاوي"، وإليه ذهب الكرخي وكثير من مشايخنا المتأخرين، كصاحب "التحفة" وصاحب "النافع" وغيرهم، وهو قول الشافعي...." (البنایہ ۲/۸۵۶)

"ہمارے اصحاب سے ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ صرف مرد کا اعتبار ہوگا مالداری اور تنگ دستی میں عورت کا نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اصل میں یہی تصریح فرمائی ہے اور حاکم نے کافی میں، صاحب شامل نے قسم مبسوط میں اور امام اسیجانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الطحاوی میں یہی تصریح فرمائی ہے، کرنی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ہمارے بہت سے مشائخ متأخرین مثلاً صاحب تحفہ اور صاحب نافع وغیرہ نے بھی یہی مذہب اختیار کیا ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔"  
نیز فتح القدیر میں علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو نفقات میں مفتی بہ قرار دیا ہے، لیکن ظاہر الروایۃ سے متعلق فرماتے ہیں:

"وقول الكرخي هو ظاهر الرواية وقال به جمع كثير من المشايخ ونص عليه محمد وقال في التحفة انه الصحيح..." (فتح القدیر ۲/۳۸۰)

"کرنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ظاہر الروایۃ ہے مشائخ کی ایک بڑی تعداد نے اسے اختیار کیا ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کی تصریح فرمائی ہے اور تحفہ میں ہے بے شک یہی قول صحیح ہے۔"

یہ تو نفقات کے باب میں تصریحات تھیں البتہ قسم کے باب میں ذکر کر دیا گیا کہ قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو چند حضرات فقہاء نے

لیا ہے نیز آپ کا یہ کہنا کہ صاحب ہدایہ اور صاحب بدائع نے بھی قسم کے باب میں قول خصاف کو لیا ہے یہ درست نہیں۔ صاحب ہدایہ نے تو باب القسم میں مسئلہ ہذا سے بحث ہی نہیں فرمائی اور صاحب بدائع نے عدل بین الزوجات کے قول کو لیا ہے۔ ہندہ نے گزشتہ فتویٰ میں صرف حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کر کے ظاہر الروایۃ پر فتویٰ نہیں دیا تھا بلکہ اولاً نصوص قرآن و حدیث، ثانیاً تاریخانیہ، بدائع ولو الجیہ، سراجیہ، مجمع الانہر، الجوهرة النيرة اور درمختار کے قول عدل بین الزوجات کو اختیار فرمانے پر فتویٰ دیا تھا۔

### [ خلاصہ کلام ] مسئلہ ہذا میں راجح کا بیان

مسئلہ ہذا میں بعد از تحقیق جو کچھ ظاہر ہوا بندے نے تحریر کر دیا ہے۔ آخر میں راقم کے نزدیک راجح یہی ہے کہ باب النفقة میں تو قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ پر فتویٰ ہو اور ایک بیوی کو نفقہ دینے میں میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے شوہر پر نفقہ فرض ہو لیکن باب القسم میں ظاہر الروایۃ کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے۔ دو یا دو سے زائد بیویوں کو شوہر فقط اپنی حالت کے اعتبار سے مساوی نفقہ دے گا اور عدل بین الزوجات ضروری ہوگا۔ یہی نصوص اور درایت کے قریب تر ہے۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء: ۳): فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ

أَذْنَىٰ لِلْأَعْوَابِ.

وفی التفسیر القرطبی (۲۰/۵): الحادیۃ عشر: قوله تعالى فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً قَالَ الضحاك وغيره فی الميل والمحبة والجماء والعشرة والقسم بین الزوجات الأربع والغلات والإثنين "فواحدة" فمنع من الزيادة التي تؤدي الى ترك العدل فی القسم وحسن العشرة وذلك دليل علی وجوب ذلك والله اعلم۔

وفی الہندیۃ (۱/۳۴۰) باب القسم: ومما یجب علی الأزواج للنساء العدل والتسوية بینهن فیما یملکھن والبيتوتة عندها للصحبة والموانسة لا فیما لا یملک وهو الحب والجماء کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

وفیه ایضاً: وإذا أراد الفرض والزوج موسراً یأکل الخبز الحواری واللحم المشوي والمرأة معسرة أو علی العکس اختلفوا فیہ والصحیح أنه یعتبر حالهما کذلک فی الفتاویٰ الغیائیة وعلیه الفتویٰ حتی کان لها نفقة اليسار إن کان موسرین ونفقة العسار إن کان موسرین وإن کانت موسرة وهو معسر لها فوق ما یفرض لو کانت معسرة فیقال له أطعمها خبز البر وباجة أو باجتین وإن کان الزوج موسراً مفرط اليسار نحو أن یأکل الحلواء واللحم المشوي والباجات وهي فقيرة

كانت تأكل في بيتها خبز الشعير لا يجب عليه أن يطعمها ما يأكل بنفسه ولا ما كانت تأكل في بيتها ولكن يطعمها خبز البر وباجة أو باجتين وفي ظاهر الرواية يعتبر حال الزوج في اليسار والإعسار كذا في الكافي وبه قال جمع كثير من المشايخ رحمهم الله تعالى وقال في التحفة إنه الصحيح كذا في فتح القدير وقال مشايخنا رحمهم الله تعالى والمستحب للزوج إذا كان موسرا مفرط اليسار والمرأة فقيرة أن يأكل معها ما يأكل بنفسه قال في الكتاب وكل جواب عرفته في فرض النفقة من اعتبار حال الزوج أو اعتبار حالهما فهو الجواب في الكسوة كذا في الذخيرة إذا كان معسرا وهي موسرة سلم لها قدر نفقة المعسرات في الحال والزائد يبقى دينا في ذمته كذا في التبيين-

وفي الدر المختار (٢٠٢/٣) باب القسم: (يجب) وظاهر الآية أنه فرض مهر (أن يعدل) أي أن لا يجور (فيه) أي في القسم بالتسوية في البيتوتة (وفي الملبوس والمأكل) والصحة-

وفي الشامية: (٢٠٢/٣) باب القسم: وقد علمت أن العدل في كلامه بمعنى عدم الجور لا بمعنى التسوية فإنها لا تلزم في النفقة مطلقا قال في البحر: قال في البدائع: يجب عليه التسوية بين الحرتين والأمتين في المأكل والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة، وهكذا ذكر الولوالجي والحق أنه على قول من اعتبر حال الرجل وحده في النفقة وأما على القول المفتى به من اعتبار حالهما فلا فإن إحداهما قد تكون غنية والأخرى فقيرة، فلا يلزم التسوية بينهما مطلقا في النفقة وبه ظهر أنه لا حاجة إلى ما ذكره المصنف في المنع من جعله ما في المتن مبني على اعتبار حاله-

وفي الدر المختار (٥٤٣/٣) باب النفقة: (بقدر حالهما) به يفتى يخاطب بقدر وسعه والباقي دين إلى الميسرة ولو موسرا وهي فقيرة لا يلزمه أن يطعمها مما يأكل بل يندب-

وتحته في الشامية: (قوله به يفتى) كذا في الهداية وهو قول الخفاف وفي الولوالجية: وهو الصحيح وعليه الفتوى وظاهر الرواية اعتبار حاله فقط، وبه قال جمع كثير من المشايخ، ونص عليه محمد وفي التحفة والبدائع أنه الصحيح بجر، لكن المتون والشروح على الأول وفي الخانية: وقال بعض الناس يعتبر حال المرأة قال في البحر: واتفقوا على وجوب نفقة الموسرين إذا كانا موسرين، وعلى نفقة المعسرين إذا كانا معسرين، وإنما الاختلاف فيما كان أحدهما موسرا والآخر معسرا، فعلى ظاهر الرواية الاعتبار لحال الرجل، فإن كان موسرا وهي معسرة فعليه نفقة

الموسرين، وفي عكسه نفقة المعسرین وأما علی المفتی به فتجب نفقة الوسط فی المسألتین۔ علی

علی مسئلہ کے مکمل حوالہ جات درج ذیل ہیں:

- (۱) تفسیر مظہری (۹/۲)، (۳۲۳/۱)  
 (۲) اعلاء السنن (۱۱/۲۷۳) ط۔ ادارۃ القرآن  
 (۳) اعلاء السنن (۱۱/۱۳۵)  
 (۴) بذل الجہود (۳/۲۶۳) باب فی المقام عند البکر  
 (۵) النفقة النافع، کتاب النفقات (۲/۶۸۷)  
 (۶) ملتقى الأبحر، باب القسم (۱/۵۳۸)  
 (۷) مجمع الأنهر، باب القسم (۱/۵۳۸)  
 (۸) ملتقى الأبحر، باب النفقة (۲/۱۷۶)  
 (۹) مجمع الأنهر، باب النفقة (۲/۱۷۶)  
 (۱۰) المحیط البرہانی، باب النفقة (۳/۲۸۷، ۲۸۳)  
 (۱۱) الخانیۃ علی حاشیہ الہندیۃ، فصل فی القسم (۱/۳۳۹)  
 (۱۲) الهدایۃ (المطبوع مع فتح القدر) باب القسم (۳/۴۳۳)  
 (۱۳) الهدایۃ (المطبوع مع فتح القدر) باب النفقة (۳/۳۷۹)  
 (۱۴) التاتاریخانیۃ، باب القسم (۳/۳۵۷)  
 (۱۵) التاتاریخانیۃ، باب النفقة (۵/۲۶۵)  
 (۱۶) التاتاریخانیۃ (۳/۳۷۱)  
 (۱۷) فتح القدر، باب النفقة (۲/۳۸۰)  
 (۱۸) العنایۃ شرح الہدایۃ، باب النفقة (۳/۳۸۰)  
 (۱۹) بدائع الصنائع، فصل فی وجوب العدل بین النساء (۳/۶۰۸)  
 (۲۰) بدائع الصنائع، کتاب النفقة (۵/۱۵۲)  
 (۲۱) الولو الجیمیۃ (۱/۳۳۹)  
 (۲۲) تبیین الحقائق، باب القسم (۲/۶۲۸)  
 (۲۳) تبیین الحقائق، باب النفقة (۳/۳۰۰)  
 (۲۴) النهر الفائق، باب النفقة (۲/۵۰۷)  
 (۲۵) النهر الفائق، باب القسم (۲/۲۹۳)  
 (۲۶) السراجیۃ، باب القسم (۳۰)  
 (۲۷) السراجیۃ، باب القسم (۳۰)  
 (۲۸) السراجیۃ، باب نفقة الزوجات (۳۰)  
 (۲۹) الجوهرة النيرة، مطلب فی القسم (۲/۱۵۰)  
 (۳۰) الجوهرة النيرة، کتاب النفقات (۲/۲۶۲)  
 (۳۱) البناية (۳/۸۵۶)  
 (۳۲) البحر الرائق، باب القسم (۳/۳۸۱)  
 (۳۳) البحر الرائق، باب النفقة (۳/۲۹۷)  
 (۳۴) طحاوی علی الذر، باب القسم (۲/۸۸)  
 (۳۵) طحاوی علی الذر، باب النفقة (۱/۵۳۷)  
 (۳۶) الدر المختار، باب القسم (۳/۲۰۲)  
 (۳۷) طحاوی علی الذر، باب النفقة (۲/۲۵۰)  
 (۳۸) الدر المختار، باب القسم (۳/۲۰۲)  
 (۳۹) الثامیۃ، باب القسم (۳/۲۰۲)  
 (۴۰) الثامیۃ، باب النفقة (۳/۵۷۳)

## (۶۴۹) کیا بیوی کو جیب خرچ دینا ضروری ہے؟

### سوال

مفتی صاحب! ایک شخص اپنی بیوی کو نان، نفقہ، سکنی اور ضروریات کی تمام اشیاء میسر کرتا ہے لیکن ان کو جیب خرچ کیلئے نقد کوئی رقم نہیں دیتا تو کیا خاوند پر نان نفقہ وغیرہ کے علاوہ اپنی اہلیہ کو جیب خرچ دینا شرعاً، یا قانوناً یا اخلاقاً فرض، واجب ہے یا نہیں؟ بالخصوص جب بیوی اپنے بہن، بھائیوں کو عطیہ یا غرباء کو صدقہ و خیرات کرنے کے جذبہ سے سرشار ہو؟

(۲) جب بیوی اپنے والدین کے گھر شوہر کی اجازت سے آئے تو کیا وہ اپنی بہن کے گھر شوہر کی اجازت سے جائے گی جبکہ اس کو اس کے محارم اپنے ساتھ لے کر جاتے ہیں اور کیا شوہر کا ان (اپنی بیوی) کو بہن کے ہاں جانے سے روکنا شرعاً و اخلاقاً درست ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعت محمدی کی روشنی میں تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

(۱) شادی کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے زوجین اور ان کے خاندانوں کے درمیان محبت، دلجوئی اور راحت کا ذریعہ بنایا ہے لیکن یہ رشتہ باعث مسرت و خوشی اسی وقت بن سکتا ہے جب جانین سے ان سب حقوق کی رعایت رکھی جائے جو شرعاً مقرر ہیں یا جو دیانہ و اخلاقاً زوجین کے لئے لازم ہیں اگر اس میں صرف قضاءً اہمقرر شدہ حقوق کو دیکھا جائے اور دیانہ و اخلاقاً جو حقوق ہیں ان کا بالکل خیال نہ رکھا جائے تو یہ رشتہ محبت و دلجوئی سے تبدیل ہو کر مختلف قسم کی ناچاقیوں کا ذریعہ بن جاتا ہے، جیسے بیوی کے ذمہ شوہر کا کھانا پکانا اور کپڑے دھونا وغیرہ قضاءً لازم نہیں لیکن شوہر کی رعایت رکھتے ہوئے دیانہ اس کو اس کا حکم دیا جاتا ہے اسی طرح اگرچہ بیوی کے لئے والدین کی زیارت کے لئے جانے کی مدت شرعاً ایک ہفتہ ہے اور دیگر رشتہ داروں کے لئے ایک سال ہے لیکن دیانہ و اخلاقاً شوہر کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ اس عرصہ سے پہلے بھی اس کو اس کی بہن اور دیگر رشتہ داروں سے ملالیا کرے بشرطیکہ اس میں فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲) شوہر کے ذمہ بیوی کے لئے بقدر کفایت معروف طریقے سے کھانے پینے، رہائش اور دیگر ضروریات اصلہ کا خرچہ شرعاً واجب ہے، لہذا صورت مسئلہ میں اگر شوہر اپنی بیوی کو نان و نفقہ، سکنی اور ضروریات کی تمام اشیاء میسر کر دیتا ہے تو مزید اس کے ذمہ بیوی کو جیب خرچ دینا واجب نہیں البتہ اگر گنجائش کے مطابق تبرعاً دے دیتا ہے تو ثواب کا مستحق ہوگا۔

لما فی البحر الرائق، باب النفقة (۲/۲۹۶): ولم یذكر المصنف تقدیراً للنفقة لما فی الذخيرة وغیرها من أنه لیس فی النفقة عندنا تقدیر لازم لأن المقصود من النفقة الكفاية وذلك مما یختلف فیہ طباع الناس وأحوالهم ویختلف باختلاف الأوقات أيضاً ففي التقدير بمقدار إضرار بأحدهما والذي قال فی الكتاب إن كان الزوج معسراً فرض القاضي لها النفقة أربعة دراهم فهذا لیس

بتقدير لازم بل إنما قدره محمد لما شاهد في زمانه فالذي يحق على القاضي في زماننا اعتبار الكفاية بالمعروف وأصله حديث هند حيث اعتبر الكفاية وفي البدائع وإذا كان وجوبها على الكفاية فيجب على الزوج ما يكفيها من الطعام والإدام والدهن لأن الخبز لا يؤكل عادة إلا مأدوما وأما الدهن فلا بد منه للنساء۔

وفي الشامية (۵۷۳/۳): قال في البحر واتفقوا على وجوب نفقة الموسرين إذا كانا موسرين وعلى نفقة المعسرین إذا كانا معسرین وإنما الاختلاف فيما إذا كان أحدهما موسرا والآخر معسرا فعلى ظاهر الرواية الاعتبار لحال الرجل فإن كان موسرا وهي معسرة فعليه نفقة الموسرين وفي عكسه نفقة المعسرین وأما على المفتی به فتجب نفقة الوسط في المسألتين وهو فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة اهـ۔۔ (۵۸۰/۳): فإن المفروضة أو المدفوعة لها ملك لها فلها الإطعام منها والتصدق۔۔ (۶۹۲/۳): مطلب في الكلام على المؤنسة: قيل لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين وقيل يمنع ولا يمنعها من الدخول إليها في كل جمعة وغيرهم من الأقارب في كل سنة هو المختار اهـ

## (۶۵۰) بچے کی پیدائش کا خرچ کس پر ہے؟

### سوال

مفتی صاحب! میں نے چار ماہ قبل اپنی بیوی کو طلاق دی تھی، اس وقت وہ حاملہ تھی، اب بچے کی پیدائش کا وقت قریب ہے، تو میرے سرال والے یہ مطالبہ کر رہے ہیں، کہ بچے کی پیدائش (ڈیلیوری) کا خرچہ دو، میں پہلے سے دو بچوں کا خرچہ دے رہا ہوں، اب یہ تیسرا بچہ پیدا ہوگا کیا اس کی پیدائش کا خرچہ مجھے دینا ہوگا اور بچے کی پیدائش کے بعد کب سے اس کا خرچہ دینا میرے ذمہ لازم ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

واضح رہے کہ نابالغ اولاد کا خرچہ پیدائش کے وقت سے بالغ ہونے تک باپ ہی کے ذمہ لازم ہوتا ہے اور لڑکی کا خرچہ اس کی شادی ہو جانے تک باپ کے ذمہ لازم ہوتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں بچے کی پیدائش کے تمام اخراجات آپ کے ذمہ دینا واجب ہیں اور پیدائش کے وقت ہی سے بقیہ اولاد کی طرح اس بچے کا خرچہ بھی آپ کے ذمہ لازم ہوگا۔

لہافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۳) وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔



وفي الشامية (۶۱۲/۲): مطلب الصغیر والمکتسب نفقة في كسبه لا على أبيه ( قوله بأنواعها ) من الطعام والكسوة والنسكنى --- ( قوله لطفله ) هو الولد حين يسقط من بطن أمه إلى أن يحتلم. ويقال جارية ، طفل ، وطفلة ، كذا في المغرب .  
وفيه أيضاً (۶۱۲/۲): قوله ( لا يشاركه ) جملة استثنائية أو حالية من الضمير المضاف إليه في تجب لطفله الفقير الخ تأمل -

## (۶۵۱) بیوی کا نوکرانی کا مطالبہ کرنا

### سؤال

مفتی صاحب! میری شادی ۳ ماہ قبل ایک عالمہ لڑکی سے ہوئی تھی وہ گھر کے کام کرنے سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کوئی نوکرانی مقرر کر لو اب اگر میں کام کیلئے نوکرانی رکھ لوں تو پھر بھی میرے اوپر بیوی کا نفقہ وغیرہ شرعاً واجب ہوگا یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

عورت کے لئے شوہر پر نفقہ کا وجوب عورت کے شوہر کے لئے محبوس ہونے کی وجہ سے ہے اور جب تک عورت کی طرف سے نشوز اور نافرمانی نہ پائی جائے شوہر پر نفقہ واجب ہوگا لہذا عورت کا گھر کے کام کاج کرنے سے انکار کرنا اور نوکرانی کا مطالبہ کرنا نشوز اور نافرمانی میں داخل نہیں کہ جس کی وجہ سے نفقہ ساقط ہو جائے بلکہ اگر شوہر مالدار ہے تو اس پر نوکرانی رکھنا لازم ہے۔  
 واضح رہے کہ اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے صرف حقوق واجبہ کو ادا کرتے رہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا برتاؤ نہ کریں تو ان کا آپس میں خوشگوار زندگی گزارنا تقریباً ناممکن ہے لہذا عورت پر دیانتہ واجب ہے کہ وہ گھر کے کام کاج اور شوہر کی خدمت کرے اور اگر بغیر کسی عذر کے وہ گھر کے کام کاج نہیں کرتی تو عند اللہ ماخوذ ہوگی۔

لہافی القرآن الکریم: لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ۔

وفيه ايضاً: وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔

وفي الدر المختار (۵۴۹/۳): ( امتنعت المرأة ) من الطحن والخبز ( إن كانت ممن لا تخدم ) أو كان بها علة ( فعليه أن يأتيها بطعام مهياً وإلا ) بأن كانت ممن تخدم نفسها وتقدر على ذلك ( لا ) يجب عليه ولا يجوز لها أخذ الاجرة على ذلك لوجوبه عليها ديانة ولو شريفة لأنه عليه الصلاة والسلام قسم الأعمال بين علي وفاطمة فجعل أعمال الخارج على علي رضي الله تعالى عنه والداخل على فاطمة رضي الله تعالى عنها مع أنها سيدة نساء العالمين -

وفی الشامیة (۵۷۹/۳): قوله ( فعلیه أن یأتیها بطعام مهیاً ) أو یأتیها بمن یکفیها عمل الطبخ والخبز ہندیة قوله ( لا یجب علیہ ) وفی بعض المواضع تجبر علی ذلك قال السرخسی لا تجبر ولكن إذا لم تطبخ لا یعطیها الإدام وهو الصحیح کذا فی الفتح -- قوله ( لوجوبہ علیہا دیانۃ ) فتفتی بہ لکنہا لا تجبر علیہ إن أبت بدائعہ -

وفیہ أيضاً (۵۸۸/۳): مطلب فی نفقة خادم المرأة قوله ( وتجب لخادمها المملوک لها ) لأن کفایتها واجبة علیہ وهذا من تمامہا إذ لا بدلہا منہ -

## (۶۵۲) بیوی کا علاج معالجہ اور تجہیز و تکفین شوہر پر لازم ہے

### سؤال

مفتی صاحب! جس طرح بیوی کا نان نفقہ اور مہر شوہر پر فرض ہے، کیا اسی طرح بیوی کا علاج معالجہ اور تجہیز و تکفین کا خرچہ بھی بیوی کے چھوڑے ہوئے مال کے باوجود اس کے شوہر پر فرض ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسؤلہ سے پہلے ایک بات جاننا ضروری ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں جن نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سے ایک نعمت نیک اور خوش اخلاق بیوی بھی ہے۔ شریعت مطہرہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت، محبت اور الفت سے زندگی گزارو۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ شوہر اگر ایک لقمہ بھی محبت کے ساتھ اپنی بیوی کے منہ میں دیتا ہے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میرے پاس ایک دینار ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو تو اپنی ذات پر خرچ کر پھر اس نے پوچھا ایک اور بھی ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنی بیوی پر خرچ کر دے..... الخ۔

ظاہر ہے کہ اگر اپنی رفیقہ حیات کے ساتھ خوشیوں بھری زندگی گزارنی ہو تو اس کے لئے زندگی کے نشیب و فراز، دکھ سکھ میں بھی ایثار اور چشم پوشی سے کام لینا ہوگا، جو کہ شریعت میں عین مطلوب ہے۔ اس کے برخلاف اگر ایک آدمی اپنی زوجہ کو صحت کی حالت میں تو اپنے پاس رکھے اور اس سے نفع اٹھائے اور مرض کی حالت میں بیوی کے مال سے علاج معالجہ کرے یا اس کے والدین کے ہاں پہنچا دے تو اس سے خصوصاً اس دور میں جبکہ مزاج میں تنگی اور تلخی پیدا ہو چکی ہے، باہمی رنجشیں، عداوت اور امور خانہ داری کے درہم برہم ہونے کے سوا اور کچھ جنم نہیں لے گا۔

جب آپ نے یہ سمجھ لیا تو اب صورت مسؤلہ میں شریعت مطہرہ کی رو سے اگرچہ قانوناً بیوی کے علاج معالجہ کا خرچہ شوہر پر لازم

نہیں ہے لیکن فقہاء نے اس سے پیدا ہونے والے کثیر مفاسد کو اور کثرت امراض کی وجہ سے علاج کے اخراجات زیادہ ہونے کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اب دینار یہ اخراجات شوہر ہی کو برداشت کرنے ہوں گے اور نفقہ میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح بیوی اگر فوت ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین کے اخراجات بھی شوہر پر لازم ہوں گے۔

لما فی نیل الاوطار (۱۴۰/۴): ۲۹۶۳۔ وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: تصدقوا، قال رجل: عندی دینار، قال: تصدق به علی نفسک، قال: عندی دینار آخر، قال: تصدق به علی زوجتک۔

وفی الطحطاوی (۳۷۱/۱): (قوله واختلف فی الزوج) ای هل یجب کفن زوجته علیہ (قوله والفتویٰ علی وجوب کفنها علیہ) غنیة كانت أو فقیرة غنیا کان أو فقیرا وصححه الولوالجی فی فتاواه من النفقات۔

وفی الشامیة (۵۷۵/۳): قوله (كما لا یلزمه مداواتها) أي إتیانه لها بدواء المرض ولا أجره الطیب ولا الفصد ولا الحجامة ہندیة عن السراج۔

وفی الفقہ الاسلامی (۷۲۸۰/۱۰): نفقات العلام: قرر فقہاء المذاهب الأربعة أن الزوج لا یجب علیہ أجور التداوی للمرأة المریضة من أجره طیب وحاجم وفاصد وثمان دواء، وإنما تكون النفقة فی مالها إن كان لها مال، وإن لم یکن لها مال، وجبت النفقة علی من تلزمه نفقتها؛ لأن التداوی لحفظ أصل الجسم، فلا یجب علی مستحق المنفعة، كعمارة الدار المستأجرة، تجب علی المالك لا علی المستأجر، وكما لا تجب الفاکهة لغیر آدم۔

ویظهر لدي أن المداواة لم تكن فی الماضي حاجة أساسیة، فلا یحتاج الإنسان غالباً إلى العلاج؛ لأنه یلتزم قواعد الصحة والوقایة، فاجتهاد الفقہاء مبني علی عرف قائم فی عصرهم۔ أما الآن فقد أصبحت الحاجة إلى العلاج كالحاجة إلى الطعام والغذاء، بل أهم؛ لأن المریض یفضل غالباً ما یتداوی به علی كل شيء، وهل یمكنه تناول الطعام وهو یشكو ویتوجع من الآلام والأوجاع التي تبرح به وتجهده وتهدده بالموت؟! لذا فإنی أرى وجوب نفقة الدواء علی الزوج كغیرها من النفقات الضروریة، ومثل وجوب نفقة الدواء اللازم للولد علی الوالد بالإجماع۔ وهل من حسن العشرة أن یتمتع الزوج بزوجه حال الصحة، ثم یردها إلى أهلها لمعالجتها حال المرض؟

## (۶۵۳) بیوی کی تجہیز و تکفین اور دیگر رسوم کا خرچہ

### سوال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) اگر بیوی کا انتقال ہو جائے تو اس کے کفن اور قبر کا خرچہ اور قبرستان سے مرد آتے ہیں مرنے والے کے گھر تو جو کھانا بنتا ہے وہ کھانا چاہیے یا نہیں؟ اس کو ہمارے معاشرے میں کڑوی روٹی کہتے ہیں۔ کفن، قبر کا خرچ اور کڑوی روٹی کا خرچہ کس کی ذمہ داری ہے، شوہر کی یا مرنے والی کے باپ کی؟ ہماری کچھ رسم یہ ہے کہ اگر بیوی مر جائے تو سارا خرچ اس کے باپ یا بھائی پر ڈالتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) لڑکی والے ذات کے اعتبار سے سید ہیں اور مذہب قادیانی ہے قادیانی کی لڑکی کو مسلمان کر کے اس سے شادی کر لی ہے

اب اس لڑکی کے ماں باپ اپنے نواسہ نواسیوں کو پٹروں کی صورت میں کسی کے ہاتھ تحفہ بھیجیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) باپ اپنی جائیداد جیتے جی اولاد میں تقسیم کر سکتا ہے، اگر کر سکتا ہے تو کس طرح کر سکتا ہے؟ اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) رسم سوئم، دسواں اور چالیسواں وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

(۵) فقیر کو چالیس روز تک دوروٹی دینا لازم سمجھا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

بیوی کی شرعی تجہیز و تکفین یعنی مسنون کفن، خوشبو کا خرچہ اور غسل، دفن اور قبرستان اٹھا کر لے جانے کی اجرت و مزدوری شوہر پر لازم ہے اور اہل میت کی طرف سے لوگوں کے لئے کھانا تیار کرنا مکروہ اور قبیح بدعت ہے اور اسی طرح رسم سوئم، دسواں اور چالیسواں وغیرہ بھی بدعت ہیں نیز چالیس روز تک فقیر کو دوروٹیاں دینے کو لازم سمجھنا بھی درست نہیں، البتہ حسب استطاعت صدقہ و خیرات کرنا میت کے لئے باعثِ اجر و ثواب ہوگا لہذا شرعی کفن دفن کے اخراجات شوہر پر لازم ہیں نہ کہ مرحومہ کے والد اور بھائی پر اور کفن دفن کی فضول خرچیاں مثلاً قبر کو پختہ کرنا اور ماربل وغیرہ لگانا اور اسی طرح قبرستان سے واپس آنے والے لوگوں کو کھانا کھلانا، تیجے، دسویں اور چالیسویں وغیرہ کے اخراجات اور فقیر کو چالیس روز تک دوروٹیاں دینے کا خرچہ نہ شوہر پر لازم ہے نہ مرحومہ بیوی کے والد یا بھائی پر، لہذا ان امور سے اجتناب کرنا چاہئے۔

(۲) قادیانی کا حکم مرتد کا ہے اُن کے گھر جانا ہی درست نہیں، نہ کسی قسم کا تعلق رکھنا درست ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ۱/۹۸)

قادیانی وغیرہ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا درست نہیں، لہذا نواسہ اور نواسیوں کیلئے جو وہ تحائف کپڑوں وغیرہ کی صورت میں

يجب ہیں ان کا قبول کرنا درست نہیں۔

(۳) باپ اپنی جائیداد زندگی میں اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کر سکتا ہے اور یہ تقسیم بطور میراث کے نہیں ہوگی بلکہ یہ والد کی طرف سے اولاد کو تحفہ و ہدیہ ہوگا اور اس میں بیٹوں اور بیٹیوں کو برابر برابر دینا مستحب ہے۔

(۵،۳) دونوں بدعت ہیں۔

لما في الشامية (۲/۲۰۶) كتاب الصلوة ، مطلب في كفن الزوجة: قوله ( وإن تركت مالا الخ ) اعلم أنه اختلفت العبارات في تحرير قول أبي يوسف ففي الخانية والخالصة والظهيرية أنه يلزمه كنفها وإن تركت مالا وعليه الفتوى وفي المحيط والتجنيس والواقعات وشرح المجمع لمصنفه إذا لم يكن لها مال فكفنها على الزوج وعليه الفتوى --- والذي اختاره في البحر لزومه عليه موسرا أو لا لها مال أو لا لأنه ككسوتها وهي واجبة عليها مطلقا قال وصححه في نفقات الولوالجية اه --- [ تنبيه ] --- ثم اعلم أن الواجب عليه تكفينها وتجهيزها الشرعيات من كفن السنة أو الكفاية وحنوط وأجرة غسل وحمل ودفن دون ما ابتداء في زماننا من مهللين وقرء ومغنين وطعام ثلاثة أيام ونحو ذلك ومن فعل ذلك بدون رضا بقية الورثة البالغين يضمنه في ماله -

وفي الشامية (۲/۲۳۰): مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: وقال أيضا ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة وروى الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة اه وفي البزازية ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقرء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره وفيها من كتاب الاستحسان وإن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا اه وأطال في ذلك المعراج وقال وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى اه -

وفي الدر المختار (۵/۶۹۶): وفي الخانية لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة لأنها عمل القلب وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار وإن قصده فسوى بينهم يعطي البنت كالابن عند الثاني وعليه الفتوى ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم -

## (۶۵۴) قبل از رخصتی نفقہ کا حکم

## سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص نے ۲۰ سال کی عمر میں نکاح کیا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تو قبل از رخصتی شوہر کے ذمے نان نفقہ آئے یا نہیں؟ اور تبرعاً دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر لڑکی کے گھر والے مطالبہ کریں کہ یہ آپ کی بیوی ہے اس کا خرچہ دو تو کیا خرچہ دینا ضروری ہے؟ ازراہ کرم شرعی حکم بیان فرمادیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

جب لڑکے اور لڑکی کے درمیان عقد نکاح ہو جائے تو شرعاً وہ میاں بیوی بن جاتے ہیں اور اس کے بعد لڑکے کو یہ حق ہوتا ہے جب چاہے بیوی کی رخصتی طلب کر لے اور شوہر کے مطالبہ پر لڑکی والوں کا لڑکی کو رخصت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر شوہر رخصتی کا مطالبہ کرتا ہے لیکن لڑکی والے بغیر کسی شرعی عذر کے رخصتی نہیں دے رہے تو شوہر پر بیوی کا نفقہ دینا ضروری نہیں شرعی عذر کی مثال یہ ہے کہ نکاح کے وقت فوراً مہر ادا کرنا طے پایا ہو اور شوہر نے مہر ادا نہ کیا ہو یا شوہر غصب شدہ مکان میں رخصت کر کے لے جانا چاہتا ہو تو اگر بیوی رخصتی سے انکار کرے تو یہ شرعاً معتبر ہے اور بیوی کو نفقہ ملے گا لیکن اگر بغیر کسی شرعی عذر کے انکار کرے ہے تو پھر یہ ناشزہ ہے اور اس کے لئے نفقہ نہ ہوگا البتہ اگر شوہر نے رخصتی کا مطالبہ نہ کیا ہو تو پھر یہ عورت کی طرف سے نافرمانی شمار ہے اور عورت کو نفقہ ملے گا۔

لہذا صورت مسئلہ میں اگر لڑکے نے رخصتی کا مطالبہ نہیں کیا تو شرعاً اس پر لڑکی کو نفقہ دینا ضروری ہے اور اگر وہ رخصتی کا مطالبہ کر رہا ہے لیکن لڑکی والے کسی شرعی عذر سے منع کر رہے ہیں تب بھی نفقہ دینا ضروری ہوگا لیکن اگر شوہر کے مطالبہ پر بغیر کسی شرعی عذر کے رخصتی میں تاخیر کی جا رہی ہو تو پھر شوہر پر نفقہ دینا ضروری نہ ہوگا البتہ تبرعاً دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

لمافی الدر المختار المطبوع مع الطحطاوی (۲/۲۵۲) (باب النفقة): (ولو هي في بيت أبيها) إذا لم يطالبها الزوج بالنقلة به يفتى وكذا إذا طالبها ولم تمتنع أو امتنعت (للمهر أو مرضت في بيت الزوج) فإن لها النفقة استحساناً لقيام الاحتباس۔

وفي الطحطاوی تحت هذه العبارة: (قوله: ولو هي في بيت أبيها) قال في البحر: وأشار المصنف إلى أن شرط وجوب النفقة تسليم المرأة نفسها إلى الزوج وقت وجوب التسليم ونعني بالتسليم التخليية وهي أن تخلى بين نفسها و زوجها برفع الموانع من وطئها أو الاستمتاع بها إذا كان المانع من قبلها أو من قبل غير الزوج فلو تزوج ببالغة حرة صحيحة سليمة ونقلها إلى بيته فلها

النفقة فان طال بها بالنقلة وامتنعت فان كان امتناعها بحق بأن امتنعت لاستيفاء مهرها المعجل فلها النفقة وكذا لو طال بها بالنقلة بعد ما أوفاه المهر الى دار مخصوبة فامتنعت فلها النفقة لأنه بحق --- (قوله: به يفتى) وقال بعض المتأخرين من ائمة بلخ لا تستحق النفقة اذا لم تزف الى بيت الزوج والفتوى على جواب الكتاب وهو وجوب النفقة اذا لم يطالبها بالنقلة بجر-

وفي الشامية تحت عبارة الدر (۵۷۵/۲): قوله (ولو هي في بيت أبيها) تعميم لقوله فتجب للزوجة وهذا ظاهر الرواية فتجب النفقة من حين العقد الصحيح وإن لم تنتقل إلى منزل الزوج إذا لم يطلبها وقال بعض المتأخرين لا تجب ما لم تزف إلى منزله وهو رواية عن أبي يوسف واختاره القدوري وليس الفتوى عليه وتاممه في الفتح قوله (إذا لم يطالبها الخ) الأخصر والأظهر أن يقول به يفتى إذا لم تمتنع من النقلة بخير حق في الفتح -

## ۶۵۵ بیوی کا بلا اجازت شوہر کی رقم استعمال کرنا

### سؤال

مفتی صاحب! زید اپنی بیوی زینب کو پورا خرچہ نہیں دیتا جس کی وجہ سے زید کی بیوی، بچوں کی صحیح پرورش نہیں کر سکتی۔ اب زید بیوی اس کی عدم موجودگی میں اس کی جیب سے کچھ پیسے وغیرہ نکال لیتی ہے۔ زید کی بیوی کا یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور بعد میں سے بتانا ضروری ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں اگر واقعہ یہی ہو تو زینب اپنے شوہر کی جیب سے بقدر ضرورت پیسے لے سکتی ہے اور شوہر کو بتانا بھی ضروری

لمافی البخاری (۸۰۷/۲): حدثنا ابن مقاتل، أخبرنا عبد الله، أخبرنا يونس، عن ابن شهاب، أخبرني عروة، أن عائشة رضي الله عنها، قالت: جاءت هند بنت عتبة، فقالت: يا رسول الله، إن أبا سفيان رجل مسيك، فهل علي حرج أن أطعم من الذي له عيالنا؟ قال: لا، إلا بالمعروف - وفي عمدة القارى شرح صحيح البخارى (۲۱/۲۱): (باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه ما يكفيها وولدها بالمعروف) أي هذا باب يذكر فيه إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن

تأخذ بغير علمه ما يكفيها وولدها (قوله بالمعروف) أي باعتبار عرف الناس في نفقة مثلها ونفقة ولدها۔

## (۶۵۶) بوقت عقد شہر میں گھر بنانے کی شرط لگانا درست ہے

### سوال

کچھ عرصہ قبل میری شادی ماموں زاد سے ہوئی جو کہ شہر سے کچھ دور ایک دیہات میں رہتے ہیں۔ عقد کے دوران یہ بات طے ہوئی تھی کہ لڑکی کو شہر میں مکان بنا دیا جائے گا اور لڑکی شہر میں رہے گی۔ شادی کے بعد سے اب تک میں بڑی تنگی سے دیہات میں ہی اپنے شوہر کے ساتھ رہی ہوں اور میری ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی ہے، لیکن اب میں مزید دیہات میں نہیں رہنا چاہتی کیونکہ وہاں شہری زندگی جیسے سہولیات اور بچوں کی معیاری تعلیم کیلئے مراکز میسر نہیں ہیں۔ کچھ دن قبل میں شوہر کی اجازت کے ساتھ اپنے ماں باپ کے گھر میں آ گیا اور اب میرا دیہات میں واپس جانے کا ارادہ نہیں ہے بلکہ میں آئندہ زندگی شہر میں ہی گزارنا چاہتی ہوں۔ آپ حضرات سے پوچھنا ہے کہ کیا میرے لئے شرعاً شہر میں رہنے کا مطالبہ کرنا درست ہے جبکہ عقد کے دوران اس کی شرط لگائی گئی تھی اور کیا جتنا عرصہ میں ماں باپ کے گھر گزار رہی ہوں ان ایام کے نان نفقہ کا مطالبہ اپنے شوہر سے کر سکتی ہوں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شرعاً شوہر کے ذمہ بیوی کے کھانے پینے کا خرچہ، کپڑے اور سکنی (گھر میں ایک کمرہ بیوی کے لئے مختص کرنا جس میں اس کا سامان ہو اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس میں داخل نہ ہو) دینا واجب ہے یا ان کے علاقہ میں جس قسم کا سکنی دینے کا رواج بشرطیکہ بیوی کی ضروریات پوری ہو سکیں لیکن عقد نکاح کے وقت کسی چیز کی شرط لگائی جائے اور وہ شرط عقد نکاح کے منافی نہ ہو تو اس شرط لگانا صحیح ہے اور بیوی اس کا مطالبہ کر سکتی ہے اور شوہر کو اس شرط کا پورا کرنا ضروری ہے لہذا صورت مسئلہ میں عقد نکاح کے وقت شہر میں گھر بنا کر دینے کی جو شرط لگائی گئی تھی وہ شرط صحیح ہے اور آپ اس شرط کا مطالبہ کر سکتی ہیں اور شوہر کو اس شرط کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ شرط کے پورا ہونے تک آپ والدین کے گھر رہیں اور شوہر سے خرچہ کا مطالبہ کر سکتی ہیں یا نہیں، تو اس بارے میں کوئی صریح حوالہ تو نہیں ملا مگر تو اعداد سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عقد نکاح کے وقت چونکہ شرط لگائی گئی تھی اور شوہر کو اس شرط کا پورا کرنا ضروری ہے اس وجہ سے آپ شرط کے پورا ہونے تک والدین کے گھر میں رہ کر شوہر سے خرچہ کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔

(نوٹ): آپ کے لئے مشورہ یہ ہے کہ اگر شوہر کسی وجہ سے اس شرط کو پورا نہیں کر سکتا ہے تو اس شرط کی وجہ سے خود کو اور شوہر اور دیگر رشتہ داروں کو پریشان نہ کریں بلکہ آپ اپنے شوہر کے ساتھ گاؤں میں خوشی سے رہیں۔

لِمَا فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ (الطَّلَاق: ۴): لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ۔



وفي الهندية (۵۵۶/۱): الفصل الثاني في السكنى تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أمه وأهلها إلا أن تختار ذلك كذا في العيني شرح الكنز --- امرأة أبت أن تسكن مع زوجها أو مع أحمائها كأمه وغيرها فإن كان في الدار بيوت فرغ لها بيتا وجعل لبيتها غلقا على حدة ليس لها أن تطلب من الزوج بيتا آخر فإن لم يكن فيها إلا بيت واحد فلها ذلك وإن قالت لا أسكن مع أمتك ليس لها ذلك وكذلك لو قالت لا أسكن مع أم ولدك كذا في الظهيرية۔

وفي الدر المختار (۵۸۶/۳): حتى لو شرط في العقد أن النفقة تكون من غير تقدير والكسوة كسوة الشتاء والصيف لم يلزم فلها بعد ذلك طلب التقدير فيهما۔

وفي الرد تحتہ: قوله (لم يلزم الخ) كذا ذكره في البحر جثا ووجهه أن ذلك الشرط وعدمه سواء لأن ذلك هو الواجب عليه بنفس العقد سواء شرطه أو لا وإنما يعدل إلى التقدير بشيء معين بالصلح والتراضي أو بقضاء القاضي إذا ظهر له مطلقه فتصير النفقة بذلك لازمة عليه وديننا بذمته حتى لا تسقط بمضي المدة ويصح الإبراء عنها وقبل ذلك لا تصير كذلك كما علمت۔

وفي الفقه الاسلامي (۶۵۰/۹): مذهب الحنفية: إن كان الشرط صحيحاً يلائم مقتضى العقد، ولا يتنافى مع أحكام الشرع وجب الوفاء به كاشتراط المرأة أن يسكنها وحدها في منزل لا مع أهلها أو مع صرّتها، أو ألا يسافر بها سافراً بعيداً إلا بإذن أهلها.

## (۶۵۷) نافرمان عورت کو نفقہ مانگنے کا حق نہیں

### سوال

اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے لڑ جھگڑ کر اپنے والدین کے ہاں چلی جاتی ہے اور بعد میں یہ عورت نان نفقہ کا مطالبہ کرے یا اس کے والدین کہیں کہ ہم نے اس قدر اس پر خرچہ کیا ہے، لہذا اتنی رقم ادا کرو یا یہ بیمار ہو گئی تھی اور ہم اسے فلاں ڈاکٹر کے پاس لے گئے اور اتنا خرچہ آیا۔ کیا یہ خرچہ شوہر کے ذمے ہے کہ وہ ادا کرے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ شوہر کا عورت پر بہت حق ہے، اللہ تعالیٰ نے شوہر کا بڑا حق بتایا ہے، شوہر کو راضی اور خوش رکھنا بڑی عبادت ہے، اس کو ناراض کرنا بڑا گناہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو عورت پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھے اور آبرو کو بچاتی رہے یعنی پاکدامن رہے اور اپنے شوہر کی تابعداری کرتی رہے تو اس کو اختیار ہوگا

جس دروازے سے چاہے جنت میں چلی جائے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کے لئے کہتا تو عورت کو ضرور حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کی موت ایسی حالت پر آئے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنتی ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں اگر بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے گھر سے چلی جائے اور اپنے والدین کے گھر میں رہنے لگے تو شریعت کی اصطلاح میں یہ عورت ناشزہ (نافرمان) ہے لہذا اس کا ہر قسم کا نفقہ شرعاً شوہر سے ساقط ہو جاتا ہے، اگر اس کے بعد عورت نفقے کا دعویٰ کرے تو اس کو نفقہ نہیں دیا جائے گا۔

لمافی الخانیة علی هامش الہندیة (۳۲۶/۱): والناشزة لانفقة لها وهي التي خرجت عن منزل الزوج بغیر اذنه بغیر حق۔

وفی الدرالمختار (۵۷۶/۲): و (خارجة من بیتہ بغیر حق) وهي الناشزة حتی تعود ولو بعد سفرہ۔

## (۶۵۸) شوہر کی اجازت کے بغیر میکے جانے سے نفقہ کا حکم

### سؤال

ایک عورت شوہر سے ناراض ہو کر اپنے میکے چلی گئی والدین خرچہ برداشت کرتے رہے۔ آیا اب اس کے شوہر کے ذمہ ہے کہ پچھلے سالوں کا خرچہ دے یا لازم نہیں؟ برائے مہربانی جلدی جواب عنایت فرما کر مشکور و ممنون فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

بیوی کا شوہر کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اپنے میکے یا دوسری جگہ جانے سے اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں شوہر کے ذمہ گزشتہ سالوں کا نفقہ لازم نہیں۔

لمافی الہندیة (۵۳۵/۱): وإن نشزت فلا نفقة لها حتی تعود إلى منزله والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه بخلاف ما لو امتنعت عن التمکن فی بیت الزوج لأن الاحتباس قائم۔۔۔ وإن كانت سلمت نفسها ثم امتنعت لاستيفاء المهر لم تكن ناشزة فی قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا فی فتاوی قاضی خان۔

وفی الدرالمختار (۵۷۶/۲): و (خارجة من بیتہ بغیر حق) وهي الناشزة حتی تعود ولو بعد سفرہ خلافاً للشافعی والقول لها فی عدم النشوز بیمنها وتسقط به المفروضة لا المستدانة فی الأصح۔ وفی الشامیة تحتہ: قوله (وهي الناشزة) أي بالمعنی الشرعی أما فی اللغة فهي العاصیة علی الزوج

المبغضة له -

وفی الشامية (۵۹۳/۳): مطلب لا تصیر النفقة دینا إلا بالقضاء أو الرضا: قوله (والنفقة لا تصیر دینا الخ) أي إذا لم ینفق علیها بأب غاب عنها أو كان حاضرا فامتنع فلا یطالب بها بل تسقط بمضي المدّة -

وفی (۵۷۶/۳): قوله (وتسقط به) أي بالنشوز النفقة المفروضة یعنی إذا كان لها علیه نفقة أشهر مفروضة ثم نشزت سقطت تلك الأشهر الماضية -- ومقتضى هذا أنها لو عادت إلى بینه لا یعود ما سقط -

## (۶۵۹) بیوی کی نافرمانی کی وجہ سے بچے کے نفقہ کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص نے ایک مطلقہ عورت سے شادی کی جس کے سابق شوہر سے دو بچے بھی تھے، اب جبکہ اس عورت سے ایک بچہ بھی ہو گیا لیکن وہ عورت بنیادی حقوق ادا کرنے کے باوجود ساتھ رہنے پر رضامند نہیں تو اس صورت میں اس شخص پر اس بچے کا نفقہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ قرآن و احادیث کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئلہ میں بچے کے والد پر اپنے بچے کا نفقہ دینا ضروری ہے۔

لمافی الہندیة (۵۶۰/۱): الفصل الرابع فی نفقة الأولاد نفقة الأولاد الصغار علی الأب لا یشاركه فیها أحد کذا فی الجوہرۃ النيرة۔

وفی الدر المختار (۶۱۸/۳): (ولیس علی أمہ إرضاعه) قضاء بل دیانۃ (إلا إذا تعینت) فتجبر کما مر فی الحضانة وكذا الظئر تجبر علی إبقاء الإجارة بزازیة (ویستأجر الأب من ترضعه عندها) لأن الحضانة لها والنفقة علیہ۔

وفی الفقہ الاسلامی (۷۳۱۵/۱۰): المطلب الثالث - من تجب علیہ نفقة الأولاد: اتفق الفقہاء علی أنه إذا كان الأب موجوداً وموسراً أو قادراً علی الکسب فی رأی الجمهور، فعلیہ وحده نفقة أولاده، لا یشاركه فیها أحد، لقوله تعالى: {وعلى المولود له..} [البقرة] الذي یفید حصر النفقة فیہ، ولأنهم جزء منه، فنفقتهم وإحیاءهم کنفقة نفسه۔

## (۶۶۰) عورت کا محض میکہ میں رہنے سے نفقہ ساقط نہ ہوگا

## سوال

مفتی صاحب! 22-7-06 کو میری شادی جبران سے ہوئی تھی۔ شادی کے چند دنوں بعد ہی جھگڑے شروع ہو گئے اور آئے دن بڑھتے رہے حتیٰ کہ 6-10-08 کو بھی میرے شوہر کی عین موجودگی میں معمول کے مطابق جھگڑا شروع ہوا۔ میری ساس اور میرے جیٹھ نے مجھے اور میرے والدین کو گالیاں دیں، برا بھلا کہا اور بہت لعن طعن کی اور مجھ سے گھر سے نکل جانے کا کہا۔ ساتھ ہی میرے والد کو کئی مرتبہ فون پر کہا کہ آکر اپنی بیٹی کو لے جائیں۔ اب ہم اسے رکھنا نہیں چاہتے۔ اگر آپ لینے نہیں آئے تو ہم گھر سے باہر نکال دیں گے تب میرے والد میری ساس کے گھر آکر مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے نہ تو میں خود اپنی مرضی سے آئی ہوں اور نہ ہی میرے والد اپنی مرضی سے میری ساس کے گھر سے مجھے لائے ہیں۔ 6-10-08 سے اب تک ۳۱ ماہ تک نہ تو میرے شوہر، ساس، جیٹھ نے مجھ سے یا میرے والدین سے کسی قسم کا رابطہ کیا اور نہ ہی کوئی خرچہ دیا۔

(۱) آپ سے قرآن و سنت کی روشنی میں فتویٰ چاہتی ہوں کہ 6-10-08 سے آج تک یعنی ۳۱ ماہ کا نان نفقہ یا خرچہ کی ذمہ داری میرے شوہر پر عائد ہوئی یا والدین پر جبکہ میں آج تک اپنے شوہر کے نکاح میں ہوں اور مسلسل ۳۱ ماہ سے اپنے والدین کے ہاں رہائش پذیر ہوں۔

(۲) 6-10-08 کو میری ساس نے مجھے گھر سے نکالتے وقت میرے ۲ ماہ کے لڑکے کو لے لیا تھا جو ابھی تک یعنی ۳۱ ماہ سے مسلسل میرے شوہر کے پاس ہے اور میرے والد نے میری ساس سے یہ بھی کہلوایا کہ بچے کو ماں کا دودھ پلانے کی اجازت دے دو لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور بچے نے صرف ۲ ماہ ہی میرا دودھ پیا ہے۔ اس سے متعلق بھی فتویٰ چاہتی ہوں کہ میں اپنے شوہر سے اپنے بچے کو لے سکتی ہوں یا نہیں اور کتنی عمر تک؟ اس وقت اس بچے (لڑکے) کی عمر دو سال نو ماہ ہے۔ مفتی صاحب! میں اپنے نان نفقہ اور بچے کے متعلق قرآن و سنت کی روشنی میں فتویٰ کی طلب گار ہوں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

۱۔ جب تک کوئی عورت ناشزہ (نافرمان) نہ ہو تب تک اس کا نان و نفقہ شوہر پر ہوتا ہے، محض عورت کے والدین کے گھر رہنے سے، خاوند اخراجات کی ذمہ داری سے بری نہیں ہوتا اور صورت مسئلہ میں بتقدیر صحت واقعہ آپ ناشزہ نہیں ہیں کیونکہ آپ کا قصور نہیں ہے بلکہ سسرال والوں نے زبردستی آپ کو گھر سے نکال دیا ہے لہذا مذکورہ مدت یعنی (۳۱) ماہ کا نان و نفقہ آپ کے شوہر پر لازم ہے اور یہ خرچہ آپ اپنے شوہر سے لے سکتی ہیں۔

۲۔ شریعت نے بچے کی پرورش کا حق سات سال تک ماں کو دیا ہے لہذا سات سال کی عمر کو پہنچنے تک آپ اپنے بیٹے کو اپنے

پاس رکھ سکتی ہیں اور اس وقت تک آپ کے شوہر یا کسی اور کے لئے بچے کو آپ سے دور رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے البتہ سات سال کے بعد اگر شوہر مطالبہ کرتا ہے تو بچہ اس کے حوالہ کیا جائے گا۔

لَمَّا فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ (البقرة: ۲۳۳): وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْمِيَ الرِّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلِّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔

وفی مشکوٰۃ المصابیح (ص ۲۹۳): وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله بن عمرو رضي الله عنه أن امرأة قالت: يا رسول الله إن ابني هذا كان بطني له وعاء وثديي له سقاء وحجري له حواء وإن أباه طلقني وأراد أن ينزعه مني فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أنت أحق به ما لم تنكحي". رواه أحمد وأبو داود۔

وفی الدر المختار (۵۷۲/۳): (فتجب للزوجة)۔۔۔ (على زوجها)۔۔۔ (ولو هي في بيت أبيها) إذا لم يطالبها الزوج بالنقله به يفتى۔

وفیه أيضاً (۵۶۶/۳): (والحاضنة) أما أو غيرها (أحق به) أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى لأنه الغالب ولو اختلفا في سنه فإن أكل وشرب ولبس واستنجى وحده دفع إليه ولو جبرا وإلا لا (والأم والجدة) لأم أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية۔

وفی الشامیة (۵۹۳/۳): قوله (وبعد) أي وبعد القضاء أو الرضا ترجع لأئها بعده صارت ملكا لها كما قدمناه ولذا قال في الخانية لو أكلت من مالها أو من المسألة لها الرجوع بالمفروض اه وكذا لو تراضيا على شيء ثم مضت مدة ترجع بها ولا تسقط۔

## (۶۶۱) عورت پر باپ کی بات ماننا مقدم ہے یا شوہر کی؟

### سؤال

ایک لڑکی سمیرہ کی شادی طے پاگئی اور نکاح سے ایک دن قبل لڑکے والوں کی طرف سے سامان واپس کر دیا گیا اور بات ختم ہوگئی۔ لڑکی کا باپ اور بھائی بے انتہا پریشان تھے کہ کیا کریں؟ اسی اثناء میں رشتہ داروں میں سے ایک لڑکے کے والدین نے لڑکی والوں کو حوصلہ دیا اور اپنے لڑکے کے عمر کا رشتہ لڑکی کے ساتھ طے کر دیا کہ کل مقررہ دن پر ہم نکاح کر لیں گے اور رخصتی ۲، ۳ ماہ بعد کریں

گے۔ آپ لوگوں کی عزت رہ جائے گی۔ لڑکی والوں نے بہت شکر ادا کیا کہ ہمیں دیندار لوگ مل گئے اور پھر چند ماہ بعد لڑکی رخصت ہو کر اپنے سرال میں آگئی۔ تقریباً ۳ ماہ لڑکی نے اپنے شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی گزارے اسی دوران لڑکی اُمید سے ہو گئی تو لڑکی کے باپ نے کہا کہ اس کو ایک ہفتہ کیلئے ہمارے گھر بھیج دو تو اس کے شوہر نے اپنی بیوی کو اس کے باپ کے کہنے پر بھیج دیا۔ اس کے باپ نے ایک ہفتہ کے بعد لڑکی کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ لڑکے نے اپنی بیوی سے فون پر بات کی تو لڑکی کے باپ نے فون کرنے پر بھی پابندی لگا دی۔ لڑکی کے شوہر نے اپنی بیوی سے سرال میں جا کر بات کی تو لڑکی نے کہا میں نہیں جاسکتی کیونکہ میرے باپ نے منع کر دیا ہے جو میرا باپ کہے گا میں وہی کروں گی۔ میرا باپ جو کر رہا ہے وہ صحیح کر رہا ہے میں اپنے باپ کی بات نہیں ٹال سکتی۔

اس کے بعد لڑکے کے گھر والوں نے جا کر لڑکی کے باپ سے بات کی لیکن وہ نہیں مانا۔ لڑکی کے شوہر نے جا کر لڑکی کی بہن سے بات کی لیکن وہ لوگ کسی طرح بھی راضی نہیں ہوئے۔ لڑکی کی بہن نے کہا کہ ہمارا باپ قانون جانتا ہے وہ صحیح کر رہا ہے۔ اس کے بعد برادری کے لوگوں نے بات کی لڑکے کے بھائیوں نے اور بہنوں نے بات کی لیکن لڑکی کے باپ نے کسی کی بات نہیں مانی اور کہا کہ میں نے جو جہیز کا سامان دیا تھا وہ باندھ کر دیدو، میں لڑکی کو نہیں بھیجوں گا کیونکہ حمل کے دوران جو علاج وغیرہ ہوتا ہے اور کچھ پیچیدگیاں ہوتی ہیں آپ علاج نہیں کرا سکو گے۔ میں جہاں مطمئن ہوں گا وہاں سے علاج کراؤں گا۔ لڑکے والوں نے کہا ایسی بات نہیں ہے ہم ہر طرح علاج کرائیں گے، آخر ہمارے گھر میں ہمارے بھائیوں کی بیویاں رہتی ہیں اور ان کے بچے بھی ہیں۔ ہم جہاں آپ کہو گے وہاں لے جائیں گے لیکن لڑکی کا باپ راضی نہیں ہوا اور اس نے دونوں گھرانوں کے درمیان جو تحفے یا چیزیں بھیجی جاتی تھیں کھانا وغیرہ وہ بھی واپس کر دیں اور پابندی لگا دی مجبور ہو کر لڑکے والوں نے خاموشی اختیار کر لی۔

وقتاً فوقتاً لوگ مذاکرات کے لئے جاتے رہے لیکن بات نہیں بنی۔ اس دوران تقریباً سات ماہ کا عرصہ گزر گیا جب حمل کا وقت آیا تو لڑکے کے سالے نے فون کیا کہ تمہاری بیوی اسپتال میں ہے اور آپریشن کی ضرورت پڑ سکتی ہے، آپ دستخط کرنے کے لئے آ جاؤ۔ لڑکے نے کہا کہ میں چھ سات ماہ سے صورتحال سے لاعلم ہوں مجھے کچھ پتہ نہیں ہے، میں صرف دستخط کرنے کیلئے کیسے آؤں اس نے کہا کہ آنا یا مت آنا تمہاری مرضی ہے۔ تمہاری بیوی تمہیں یاد کر رہی ہے، بہر حال لڑکا نہیں گیا اور وہاں بچی کی پیدائش ہو گئی بچی پیدا ہونے کی اطلاع نہیں دی گئی۔ بہر طور لڑکے نے ساتویں دن بچی کا عقیقہ کیا اور بکری ذبح کی کہ چلو ہم نے بچی کو دیکھا نہیں ہے، وہ اپنے نانا کے گھر پر ہے۔ ہم نے عقیقہ کا گوشت ان کو بھیجا، وہ بھی واپس کر دیا گیا۔ بچی کی پیدائش کے دو ہفتے بعد پھر مذاکرات کئے گئے۔ لڑکے والوں کی طرف سے لڑکے کا بہنوئی گیا اور لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کو بھیجنے پر راضی ہو گیا۔ لڑکا خود اپنے والد بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ گیا اور اپنی بیوی اور بچی کو لے کر آ گیا۔

معلوم کرنا ہے کہ از روئے شریعت بچی کی پیدائش کا خرچہ اور لڑکی جو کہ بغیر شوہر کی رضامندی کے اپنے باپ کے گھر رہتی ہے اس کے علاج وغیرہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے؟

اس کے بعد لڑکی تقریباً ڈیڑھ ماہ اپنے شوہر کے ساتھ رہی اور شوہر نے اس کا اس کی مرضی کے موافق اور اپنے سرال

والوں کی مرضی کے موافق علاج وغیرہ کرایا۔ لڑکی خوش و خرم رہی اور اس دوران لڑکی کے گھر والے بہن، بھابھیاں وغیرہ ملنے آتی رہیں اور اکثر چھوٹی بچی کو نانا ملنے کے لئے اپنے گھر منگواتے رہے۔ کوئی مسئلہ نہیں ہوا، پھر لڑکی کے گھر والوں نے کہا کہ ہماری بیٹی کو دو مہینے کے لئے بھیج دو۔ لڑکے نے کہا کہ دو ماہ کا عرصہ بہت زیادہ ہے، دو ہفتے کے لئے لے جاؤ لیکن لڑکی کے گھر والے راضی نہیں ہوئے تو لڑکے نے اور اس کے گھر والوں نے خوشی سے دو ماہ کیلئے بھیج دیا۔ اس دوران لڑکا اپنی بچی کو منگوا لیتا اور کچھ دیر کے بعد واپس بھیج دیا جاتا۔ اکثر بچی کی دادی بچی کو منگوا لیتیں پھر بھیج دیا جاتا۔ اچانک لڑکی کے باپ نے لڑکے کو کہا کہ ہمارے ساتھ کھانا کھا لو۔ لڑکا کھانا کھانے ان کے گھر چلا گیا تو لڑکے سے اسکے بہنوئی کا فون نمبر لیا اور لڑکے کے بہنوئی کو بلوایا اور ان سے بات کی کہ میں اب لڑکی کو نہیں بھیجوں گا۔ آپ جہیز کا سامان باندھ کر رکھیں۔ لڑکے نے اپنی بیوی سے رابطہ کیا تو اس نے کہا کہ میں کچھ نہیں کر سکتی، میرے بڑے میرے والد جو کچھ کر رہے ہیں میں بات نہیں کر سکتی۔ اس کے بعد بچی کو اس کی دادی نے منگوا لیا تو جواب دیا گیا کہ بچی نہیں جائے گی جس کو ملنا ہے یہاں آ کر مل لے۔

کیا از روئے شریعت نانا کو اختیار ہے کہ بچی کو اس کے والد یا دادا، دادی کو ملانے سے منع کر دے اس کے بعد پھر وہی حالات ہیں اور علیحدگی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ لڑکا اور اس کے گھر والے طلاق نہیں دینا چاہتے، لڑکا چاہتا ہے کہ ہماری بچی ماں باپ دونوں کے سائے میں پرورش پائے لیکن لڑکی کا باپ لڑکی کو طلاق دلوانا چاہتا ہے۔

اگر خدا نخواستہ علیحدگی ہوئی تو اس صورت میں بچی کی پرورش کا اختیار کس کو ہوگا کیونکہ لڑکا تو طلاق نہیں دینا چاہتا اور اگر لڑکی کی طرف سے یا اس کے والد کی طرف سے خلع کا مطالبہ ہو تو بچی کو اس کا باپ اپنے پاس رکھ سکتا ہے؟ یا اگر لڑکی کا باپ خلع لینے کی صورت میں لڑکی کے اور بچی کے نان و نفقہ کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ از روئے شریعت وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرمادیں۔

(۱) لڑکی کی طرف سے خلع کی صورت میں لڑکی کا باپ نان و نفقہ کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ (واضح رہے کہ لڑکا طلاق نہیں دینا چاہتا۔)

(۲) بچی کی پیدائش کا خرچہ اور لڑکے کی بیوی جو بغیر شوہر کی رضامندی کے اپنے باپ کے کہنے پر باپ کے گھر رہتی رہی ہے

اس کے علاج وغیرہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے؟

(۳) از روئے شریعت لڑکی کے باپ کا لڑکی کو شوہر سے ملنے سے روکنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) لڑکی کا بار بار اپنے شوہر سے کہنا کہ تمہارے گھر میں تمہاری بیوی ہوں اور باپ کے گھر میں ان کی بیٹی ہوں۔ باپ کی

بات مانوں گی، آپ کی نہیں مانوں گی جائز ہے یا نہیں؟

(۵) کیا نانا کو اختیار ہے کہ نواسی کو اس کے باپ یا دادا دادی سے ملنے سے روک دے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

مذکورہ تفصیل کے مطابق جو آپ نے بیان کی اگر وہ درست ہو اور آپ کی طرف سے کوئی ظلم و تعدی نہیں ہے تو آپ کا اپنی بیوی

کو بار بار بلانا اور لڑکی کے باپ کا شوہر کو ملنے سے منع کرنا جائز نہیں اور آپ کی بیوی کا جواب دینا کہ باپ کے گھر میں ان کی بات مانوں گی آپ کی نہیں یہ نافرمانی میں داخل ہے لہذا جتنے دن لڑکی باپ کے گھر رہی ان دنوں کے نان نفقے کا مطالبہ کرنا لڑکی کے باپ کے لئے درست نہیں۔

(۲) بچی کا خرچہ (یعنی لباس وغیرہ) باپ کے ذمے لازم ہوگا اور شوہر کے بلانے کے باوجود لڑکی اپنے باپ کے گھر رہی لہذا بیوی کی نافرمانی کی وجہ سے اس کے علاج و معالجے کا خرچہ شوہر کے ذمے لازم نہ ہوگا۔

(۳) از روئے شرع باپ کو زوجین کے درمیان مصالحت کی کوشش کرنی چاہیے نہ یہ کہ بیٹی کو شوہر سے ملنے سے روکا جائے باپ کا یہ فعل قطعاً جائز نہیں۔

(۴) لڑکی کے یہ الفاظ کہنا ”کہ تمہارے گھر میں تمہاری بیوی ہوں اور باپ کے گھر میں ان کی بیٹی ہوں اور باپ کے گھر میں باپ کی بات مانوں گی آپ کی نہیں“ یہ کہنا درست نہیں بلکہ یہ شوہر کی نافرمانی ہے کیونکہ باپ کے گھر جانے سے نکاح ختم نہیں ہوتا کہ شوہر کی نافرمانی کی اجازت ہو بلکہ بیوی پر شوہر کی اطاعت لازم ہے جبکہ وہ خلاف شرع کام کا حکم نہ دے، لہذا عورت کی مذکورہ بات کی وجہ سے شوہر کے ذمے اس کا نفقہ لازم نہیں۔

(۵) نانا کو اختیار نہیں کہ وہ نواسی کو باپ، دادا، دادی سے ملنے سے روکے بلکہ یہ اختیار شوہر کو ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک ہفتے تک اپنے گھر والوں سے ملنے سے روک دے۔

نوٹ: پیدائش کے بعد سے لے کر ۹ سال تک بچی کی پرورش کا حق ماں کو ہے اس کے بعد بچی کو باپ کے حوالے کیا جائے گا البتہ بچی کا نفقہ دونوں صورتوں میں باپ کے ذمے لازم ہوگا۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء: ۳۴): الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔

وفی البحر الرائق (۳۲۱/۴) باب النفقة: وقد استفيد مما ذكرناه أن لها الخروج إلى زيارة الأبوين والمحارم فعلى الصحيح المفتي به تخرج للوالدين في كل جمعة بإذنه وبغير إذنه ولزيارة المحارم في كل سنة مرة بإذنه وبغير إذنه وأما الخروج للأهل زائداً على ذلك فلها ذلك بإذنه۔

وفی الدر المختار (۳۲۱/۴) باب الخلع: (ولا بأس به عند الحاجة) للشقاق بعدم الوفاق (بما يصلح للمهر) بغير عكس كلي لصحة الخلع بدون العشرة وبما في يدها وبطن غنمها۔

وفی الشامية (۳۲۱/۴): قوله (للسقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلها ليصلحوا بينهما فإن لم يصلحوا جاز الطلاق والخلع اه ط وهذا هو الحكم المذكور في الآية وقد أوضح



الكلام عليه في الفتح آخر الباب۔

وفي الدر المختار (۵۷۶/۳): و (خارجة من بيته بغير حق) وهي الناشئة حتى تعود ولو بعد سفره  
خلافًا للشافعي والقول لها في عدم النشوز بيمينها۔  
وفي الرد تحتہ: قوله (وهي الناشئة) أي بالمعنى الشرعي أما في اللغة فهي العاصية على الزوج  
المبغضة له۔

## (۶۶۲) عدتِ وفاتِ کے بعد عورت کا سسرال میں رہنا

### سؤال

اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، اب عورت کو عدت کے بعد شوہر کے گھر میں رہنے کی اجازت ہے یا نہیں جبکہ اس گھر میں اس کے جوان دیور بھی موجود ہیں؟ اگر اجازت ہے تو قرآن و حدیث کی رو سے جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

- ۱۔ اگر یہ گھر شوہر کا ہے اور عورت اور اس کے بچوں کی ملکیت میں ہے تو دیور وغیرہ کا اس گھر میں رہنا جائز نہیں۔
- ۲۔ اگر گھر سسر کا ہے اور اس گھر میں جو کچھ حصہ شوہر کو ملتا تھا وہ حصہ بیوی کی طرف منتقل ہو رہا ہے تو بیوی کو چاہیے کہ اس حصہ میں رہے جو اس کی طرف منتقل ہوا ہے۔
- ۳۔ اگر گھر شوہر کا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حصہ گھر کا زوجہ کو ملتا ہے تو اس عورت کو چاہیے کہ عدت و فوات کے بعد سسرال چھوڑ کر اپنے میکے چلی جائے۔
- ۴۔ اگر سسرال والوں کو مرحوم کی اولاد سے بے پناہ محبت ہے اور مرحوم کی زوجہ کا احترام و عفت ان کے دلوں میں پہلے کی طرح موجود ہے اور وہ ان کو اپنے ساتھ رکھنے کے خواہشمند ہیں تو اس صورت میں عورت کو چاہیے کہ پردہ کی رعایت کرتے ہوئے سسرال والوں کے ساتھ رہے بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔

لمافی الشامیة (۵۳۷/۳): وإذا طلقها زوجها وليس لها إلا بيت واحد فينبغي أن يجعل بينه وبينها حجابًا وكذلك في الوفاة إذا كان له أولاد رجال من غيرها فجعلوا بينهم وبينها سترًا أقامت وإلا انتقلت اه وأنت خبير بأن هذا نص ظاهر الرواية فوجب المصير إليه ولعل وجه خشية الفتنة حيث كانوا رجالا معها في بيت واحد وإن كانوا محارم لها بكونهم أولاد زوجها كما قالوا بكرامة الخلوة بالصهرة الشابة۔

وفی الفتاوی اللجنۃ (۲۱/۱۷): ینجوز الکلام مع زوجة الأخر بقدر الحاجة، إذا كانت متحجبة وأمنت الفتنة، وكان ذلك بغیر خلوة بها.

## (۶۶۳) شوہر کا بیوی بچوں کو طعنے دینا

### سوال

ایک شخص شادی سے قبل بے روزگار تھا۔ شادی کے ۵ ماہ بعد نوکری لگی۔ آج اللہ کا شکر ہے ۳ بچے ہیں اور اللہ کا دیا سب کچھ ہے لیکن اس شخص میں ایک عادت انتہائی عجیب ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے بیوی، بچوں کو طعنے دیتا ہے۔ بچوں کو کاروبار کیلئے پیسے دیئے تھے اور بیوی کو اس کی ضروریات کیلئے پیسہ دیتا ہے، گھر میں کوئی کمی بھی نہیں لیکن اٹھتے بیٹھتے اس شخص کا معمول ہے، ذرا سی بات پر طعنے دینا کہ تم لوگوں پر میرا احسان ہے، میں نہ ہوتا تو بھیک مانگ رہے ہوتے آج جو بدن پر کپڑا ہے میرا کمایا ہے، چاہوں تو بھیک منگوادوں۔ بچوں کو یہ بھی کہتا ہے تمہارے پاس جو کچھ ہے میرا دیا ہے، جتنے بڑے بن جاؤ میرے پیسے سے بنو گے۔ کیا اس شخص کا یہ رویہ درست ہے؟ اور کیا شرعاً یہ اس شخص کی ذمہ داری نہیں کہ بیوی بچوں کو پیسے دے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

بیوی بچوں پر احسان جتلانا اور بات بات پر انہیں طعنے دینا درست نہیں یہ شرعاً نیکی کر کے اسے تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ شرعاً شوہر کے ذمے بیوی کا نان نفقہ اور رہائش کا بندوبست کرنا واجب ہے۔ بیوی پر اس کا یہ خرچ احسان ہی نہیں تو اس پر طعنے دینا یا احسان جتلانا ایک لغو اور فضول حرکت ہے البتہ بچوں کو بالغ ہونے کے بعد کاروبار وغیرہ کیلئے پیسہ دینا شرعاً باپ پر واجب نہیں، یہ اس کی طرف سے تبرع اور احسان ہے لیکن شرعاً احسان کر کے (وہ بھی اپنے خون اور اولاد پر) اسے جتلانا درست نہیں بلکہ الٹا گناہ کا سبب ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں اولاد تو بیوی پر شوہر کا احسان جتلانا بالکل لغو اور بہودہ حرکت ہے کیونکہ بیوی کو نفقہ دینا شرعاً اس پر واجب ہے، نہ دینے پر عند اللہ اس کی پکڑ ہوگی، البتہ بچوں کو کاروبار کیلئے دیا پیسہ اس کا احسان ہے لیکن اس پر اولاد پر احسان جتلانا، طعنے دینا درست نہیں، کیا معلوم اس کو تنگدستی کے بعد شادی اور ان اولاد کی برکت سے ہی فراوانی عطا کی گئی ہو اور اس کے ان کلمات سے ناراض ہو کر اللہ اس پر تنگدستی کو مسلط فرمادیں نیز مستقبل میں ان بچوں کا کمایا ہوا بڑھاپے کے وقت اس کے بھی کام آئے گا اور یہی اولاد اس کا سرمایہ ہوں گے البتہ بیوی بچوں کو بھی چاہیے کہ اس شخص کا مزاج سمجھیں اور ان کی ہلکی پھلکی باتوں کو خندہ پیشانی سے تسلیم کر لیں اس پر اللہ بھی انہیں اجر دے گا اور گھر کا سکون بھی بحال رہے گا کیونکہ بہر حال یہ ان کا حق ہے کہ انہیں گھر کا بڑا اور سرپرست تسلیم کیا جائے اور اگر مزاج کی ترشی کے باعث وہ کچھ غلط الفاظ کہہ دیتے ہیں تو ان سے تسامح کر دیا جائے، یہی دنیا و آخرت میں سکون اور فرحت کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں انہیں جواب دینا یا اسے اپنے ساتھ ظلم شمار کرنا، مسئلے کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دے گا جو کہ گھر والوں میں سے

کسی ایک کیلئے بھی مفید نہ ہوگا۔

لمافی البخاری (۲/۴۰۵): عن مصعب بن سعد، قال: رأى سعد رضي الله عنه، أن له فضلا على من دونه، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم۔  
 وفي الهندية (۱/۵۶۰): الفصل الرابع في نفقة الأولاد نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد كذا في الجوهرة النيرة۔۔۔ (۱/۵۶۳): ونفقة الإناث واجبة مطلقا على الآباء ما لم يتزوجن إذا لم يكن لهن مال كذا في الخلاصة ولا يجب على الأب نفقة الذكور الكبار إلا أن الولد يكون عاجزا عن الكسب لزمانة أو مرض ومن يقدر على العمل ولكن لا يحسن العمل فهو بمنزلة العاجز كذا في فتاوى قاضي خان۔

## (۶۶۳) نامرد پر بھی بیوی کا نفقہ واجب ہے

### سوال

ایک آدمی نامرد ہے جماع نہیں کر سکتا اس کی شادی ہوئی اور بیوی صحت مند جماع کے قابل لڑکی ہے۔ اس صورت میں نامرد پر بیوی کا نفقہ واجب ہوگا یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

عنین (نامرد) پر اس کی بیوی کا خرچہ واجب ہے، اگرچہ جماع پر قدرت نہ ہو کیونکہ بیوی کا یہ خرچہ جماع کا عوض نہیں بلکہ خاوند کے گھر میں رہنے کا بدلہ ہے۔

لمافی الهندية (۱/۵۶۶): وإن كان الزوج صغيرا والمرأة كبيرة فلها النفقة لوجود التسليم كذلك إذا كان الزوج مجبوبا أو عنيانا أو مريضا لا يقدر على الجماع أو خارجا للحج فلها النفقة لوجود التسليم كذا في البدائئ۔

وفي الدر المختار (۳/۵۷۲): (فتجب للزوجة)۔۔۔ (على زوجها) لأنها جزاء الاحتباس وكل مجبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته۔

وفي الشامية (۳/۵۷۸): لأن الاحتباس جاء لمعنى من جهته لا من جهتها كما لو كان مريضا أو صغيرا أو مجبوبا أو عنيانا۔

## (۶۶۵) والد کا نفقہ اور انہیں جیب خرچی دینے کا حکم

## سوال

ایک شخص کی بیوی بھی موجود ہے اور اس شخص کی بیٹیوں اور بیٹوں کی بھی شادیاں ہو گئی ہیں لیکن پھر بھی اس شخص کے دوسروں کی عورتوں اور بے ریش لڑکوں سے ناجائز تعلقات ہیں اور غلط کام کرتا ہے۔ اب اس شخص کا بیٹا پوچھتا ہے کہ میں ایک ملازم شخص ہوں اور ماں باپ بھی میرے ساتھ رہتے ہیں یعنی ان کے اخراجات بھی میں ادا کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں اپنے باپ کو جیب خرچی بھی دیتا ہوں اور مجھے معلوم بھی ہے یہ غلط کام میں خرچ کرتا ہے، اگر خرچہ نہیں دیتا تو ناراض ہو جاتا ہے اور بولنا بھی چھوڑ دیتا ہے اور بعض اوقات خرچہ نہ دینے کی وجہ سے والدہ پر غصہ کرتا ہے اور مارنے لگ جاتا ہے اور ہم چھڑانے کیلئے جاتے ہیں تو تلخ کلامی بھی ہو جاتی ہے جبکہ قرآن و حدیث میں آیا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، ان کو آف تک نہ کہو۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں کہ میں باپ کو پیسے دوں یا نہ دوں؟ نیز یہ بات بھی ہے کہ اگر کم خرچہ دیتا ہوں تو پھر بھی نہیں لیتے اور تلخ کلامی ہو جاتی ہے۔ براہ کرم اس مسئلہ کے اندر میری راہنمائی فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

اگر آپ ان کے ضروری اخراجات (مثلاً طعام، لباس اور رہائش) مکمل ادا کرتے ہیں تو آپ پر یہ لازم نہیں ہے کہ آپ انہیں علیحدہ سے جیب خرچی (نقد کی صورت میں) بھی دیں خصوصاً اس وقت جبکہ وہ ان پیسوں کو غلط کاموں میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ یہ تعاون علی المعصیت ہے جو کہ جائز نہیں ہے اور والدین کی اطاعت اس وقت واجب ہے جب وہ شریعت کے مطابق ہولہذا اگر وہ جیب خرچ کو گناہ کے کاموں میں استعمال کرتے ہیں تو ان کو جیب خرچ نہ دیا کریں نیز انہیں اس فعل شنیع سے دور رکھنے کیلئے مختلف تدابیر اور طریقے استعمال کریں مثلاً جن لوگوں کے گھر میں آنے سے وہ ایسے کاموں میں ملوث ہو سکتے ہیں ان کا داخلہ گھر میں بند کر دیں۔

لہافی القرآن الکریم (لقمان: ۱۵): وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا... الآية

وفی بدائع الصنائع (۱۹۲/۵): فصل وأما بیان مقدار الواجب من هذه النفقة فنفقة الأقارب مقدره بالكفاية بلا خلاف لأنها تجب للحاجة فتقدر بقدر الحاجة وكل من وجبت عليه نفقة غيره يجب عليه له المأكل والمشرب والملبس والسكنى والرضاع إن كان رضيعاً لأن وجوبها للكفاية والكفاية تتعلق بهذه الأشياء۔

وفیه ایضاً (۱۶۱/۵): وروى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال إن أطيّب ما يأكل الرجل من

کسبه وإن ولده من کسبه فکلوا من کسب أولادکم إذا احتجتم إلیه بالمعروف والحديث حجة بأوله وآخره أما بآخره فظاهر لأنه صلی الله علیه وسلم أطلق للأب الأکل من کسب ولده إذا احتاج إلیه مطلقاً عن شرط الإذن والعوض فوجب القول به -  
 وفي الشامية (۶۲۲/۳): قوله ( النفقة ) أشار إلى أن جميع ما وجب للمرأة وجب للأب والأمر علی الولد من طعام وشراب وكسوة وسكنی حتی الخادم بجر -

## ۶۶۶) اولاد کا نفقہ والد پر کب واجب ہوتا ہے

### سؤال

منفقی صاحب! اولاد جب بالغ ہو جائے تو اس کا نفقہ اور اس کی شادی کے مصارف والد کے ذمہ ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

اولاد کا نفقہ والد کے اوپر واجب ہونے کیلئے فقہائے کرام نے چند شرائط ذکر کئے ہیں جہاں یہ شرائط موجود ہوں ان کا نفقہ والد کے ذمہ ہوگا اور جہاں یہ شرائط موجود نہ ہوں ان کا نفقہ والد کے اوپر لازم نہیں ہوگا۔

(۱) طفولیہ (نا بالغ ہونا)۔ اس سے بالغ اولاد خارج ہوگی لیکن اگر بالغ اولاد میں سے کوئی مجنون یا بیمار [مثلاً نابینا ہونا] یا علمین وغیرہ کا طالب ہو تو ان صورتوں کے اندر بالغ ہونے کے باوجود ان کا نفقہ والد کے ذمے لازم ہوگا۔

(۲) فقر۔ اس سے مالدار اولاد خارج ہوگی کیونکہ اس صورت میں ان کے مال میں سے ان کے اوپر خرچ ہوگا۔

(۳) عجز عن الکسب۔ اس سے وہ اولاد خارج ہوگی جو کسب پر قادر ہو۔

اس طرح لڑکیوں کے اندر اگر بلوغ بھی پایا جائے تب بھی ان کی شادی ہونے تک ان کا نفقہ والد کے ذمے ہوگا۔

دوسرا جزء: شادی کے مصارف، جس اولاد کا نفقہ والد کے ذمے لازم ہو ان کی شادی کے مصارف بھی والد کے ذمے ہوں

لما فی الہندیۃ (۵۶۳/۱): طلبۃ العلم إذا كانوا عاجزین عن الکسب لا یہتدون إلیہ لا تسقط نفقتهم عن آبائهم إذا كانوا مشغولین بالعلوم الشرعیۃ لا بالخلافیات الرکیکة وهذیان الفلاسفة ولهم رشد وإلا لا تجب کذا فی الوجیز للکردری و نفقة الإناث واجبة مطلقاً علی الآباء ما لم یتزوجن إذا لم یکن لهن مال کذا فی الخلاصة ولا یجب علی الأب نفقة الذکور الکبار إلا

أب الولد يكون عاجزا عن الكسب لزمانة أو مرض ومن يقدر على العمل لكن لا يحسن العمل فهو بمنزلة العاجز كذا في فتاوى قاضي خان۔

## (۶۶۷) ماں کا اپنے بیٹے سے نفقہ لینا

### سوال

میرا پھوپھی زاد بھائی کاروبار میں میرا شریک ہے اور وہ خود برطانیہ میں ہوتا ہے، بہت مالدار ہے پیسے کی خوب ریل پیل ہے لیکن اپنی والدہ کو خرچ دینے میں نہایت بخل سے کام لیتا ہے اور بہت ہی کم پیسے بھیجتا ہے جس میں اس کی والدہ کا گزارہ نہایت مشکل ہوتا ہے، جبکہ اپنے سسرال میں خوب کھلے دل سے خرچ کرتا ہے۔ اس کی والدہ یعنی میری پھوپھی مجھ سے مطالبہ کرتی ہیں کہ تم اس کے نفقہ میں سے مجھے خرچ دیا کرو تو کیا شریعت کی رو سے اپنے شریک کو بتائے بغیر اس کے نفع میں سے اس کی والدہ کو خرچ کیلئے رقم دے سکتے ہوں؟ براہ کرم شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

آپ کے پھوپھی زاد بھائی پر اپنی ماں کو بقدر کفایت نفقہ دینا واجب ہے اور اگر بیٹا نہیں دیتا یا کم دیتا ہے تو ماں، بیٹے کے مال میں سے بقدر ضرورت کسی بھی طرح لے سکتی ہے لیکن ایک شریک ہونے کی حیثیت سے آپ اپنے شریک (پھوپھی زاد بھائی) کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں دے سکتے۔

لہا فی القرآن الکریم (الاسراء: ۲۳): وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ الآية۔

وفی صحیح البخاری (۸۰۹/۲): باب { وعلى الوارث مثل ذلك } [البقرة] وهل على المرأة منه شيء: عن عائشة رضي الله عنها قالت هند يا رسول الله، إن أبا سفيان رجل شحيح، فهل علي جناح أن آخذ من ماله ما يكفيني وبني؟ قال: خذي بالمعروف.

وفی الشامیة (۳۰۰/۳) (کتاب الشركة): قوله (في الامتناء) الأولى حذفه لأنه أجنبي في التصرف لا في الامتناء عنه إلا أن يقال قوله أجنبي أي كأجنبي ويكون هذا بياناً لوجه الشبه ط قوله (عن تصرف مضر) احتراز به عن الغير المضر كالانتفاع ببیت وخادم وأرض في غيبة شريكه۔

وفیه أيضاً (۳۲۸/۳): قوله ( ولم يترك أحدهما الخ ) لأن الإذن بينهما في التجارة والزكاة ليست منها۔

## (۶۶۸) بڑوں کی خدمت وغیرہ کس پر لازم ہے؟

### سوال

مفتی صاحب! میرے دادا اور والد کا انتقال ہو گیا ہے جبکہ دادی ہمارے ساتھ رہائش پذیر ہیں اور اکثر بیمار رہتی ہیں، میری والدہ اور بہنیں وغیرہ ان کا ہر لحاظ سے خیال کرتے ہیں، دواء وغیرہ اور کھانا پینا ان کا ہمارے ساتھ ہی ہے۔ ہماری دادی کی کچھ جائیداد تھی جو کہ انہوں نے ایک دارالافتاء سے طریقہ معلوم کر کے ہمارے قبضے میں دے دی تھی کیونکہ ہماری دادی کہتی ہیں کہ میں جس کے ساتھ شروع سے رہتی آئی ہوں اور جو بہو اور پوتے اور پوتیاں ساری زندگی میری خدمت کرتے ہیں، یہ ان کا حق ہے جبکہ ان کی دیگر اولاد جن میں دو بہنیں یعنی ان کی بیٹیاں ہیں، وہ صاحب استطاعت ہیں۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ ہماری دادی کی جو بڑی بیٹی ہیں وہ ہمیشہ ہم سے آکر لڑتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تم لوگ ان کی خدمت نہیں کرتے، تم ان کو کھلاتے نہیں ہو اور جب ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے تو کہتی ہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، اور پورے خاندان میں ہم کو بدنام کیا ہوا ہے کہ یہ لوگ صحیح سے خیال نہیں کرتے۔

ابھی گزشتہ اتوار کو وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ہمارے گھر پر آئیں جیسا کہ ان کا معمول ہے، اس وقت میں بھی موجود تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ جاؤ ان کو جو سلا کر دو کیونکہ یہ لوگ تو پلاتے نہیں ہیں۔ اس وقت ہم نے کچھ نہیں کہا اور خاموش ہو گئے پھر تھوڑی دیر بعد میری والدہ سے کہنے لگیں کہ تم ان کو پھل کھلا رہی ہو یا نہیں؟ ہم نے کہا جب ان کی خواہش ہوتی ہے اور یہ مانگتی ہیں تو ہم ان کو دیدیتے ہیں کیونکہ ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ جب یہ مانگیں اس وقت دیں۔ آجکل ان کو الٹیاں بہت ہو رہی ہیں، تو ہمارے گھر کا فریج کھول کر دیکھنے لگیں کہ پھل کہاں رکھے ہیں چونکہ ہماری دادی ٹھنڈے پھل نہیں کھاتیں اس لئے ہم کچن میں رکھتے ہیں تو ان کو فریج میں نظر نہیں آئے، لہذا فوراً کہنے لگیں کہ دیکھا میں کہتی ہوں نا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو۔ ہم نے کہا کہ آپ کچن میں آ کر دیکھ لیں کہ رکھے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اس پر کہنے لگیں کہ قیامت کے دن تمہاری پکڑ ہوگی کہ تم لوگ خدمت نہیں کرتے۔ اس پر میں نے کہا کہ قیامت کے دن صرف ہماری نہیں آپ لوگوں کی بھی پکڑ ہوگی کیونکہ خدمت صرف پوتے پوتیوں اور بہو پر لازم نہیں بلکہ تمام اولاد پر لازم ہے۔ جس میں آپ بھی اور آپ کی اولاد بھی شامل ہیں تو کہنے لگیں نہیں صرف تم لوگوں پر فرض ہے، کیونکہ جائیداد تو تم لوگوں نے لی ہے اور ہمارے اوپر نہیں، ہم تو صرف اتوار کو آئیں، یہ بھی ہمارا احسان ہے اور بھی بہت کچھ کہا۔

آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں اصل خدمت کس پر فرض ہے؟ کیا جس طرح ہم پر ہے آیا ان پر اور ان کی اولاد پر بھی فرض ہے؟ یعنی ان کی بیٹی اور نواسے نواسیوں پر بھی یا صرف ہم پر؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو بہو پر ساس سر کی خدمت فرض ہے یا نہیں؟ آیا کرنی چاہیے اگر نہ کرے تو کچھ مواخذہ تو نہیں ہوگا اور یہ بات بھی یاد رہے کہ ہمیں کوئی لالچ نہیں کہ ہم اپنی

دادی کی خدمت کرتے ہیں۔ اگر دادی ہمیں کچھ نہ بھی دیتیں تو اس صورت میں بھی میں اور میری والدہ خدمت کرنے پر تیار ہیں، تھے اور رہیں گے۔ براہ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

ضعیف ماں کی خدمت شرعاً تمام اولاد پر فرض ہے البتہ اولاد و وفات پا چکی ہو تو پھر پوتے اور پوتیوں پر فرض ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں آپ کی دادی کی خدمت ان کی تمام آل و اولاد پر لازم ہے البتہ ان کی بیٹیوں اور بیٹوں پر ان کا حق زیادہ بنتا ہے کہ وہ ان کی خوب خدمت کریں اور جو کچھ ان کا نان و نفقہ ہے وہ برداشت کریں۔ اپنے بڑوں اور بزرگوں کی خدمت کو سعادت اور اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھنا چاہیے اور ساس بھی چونکہ ماں کا درجہ رکھتی ہے اس لئے بہو کو چاہیے کہ اپنی ماں کی طرح اس کو خیال رکھے اور اس معاملے میں آپ لوگوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے کو کہنے کے بجائے خود ان کی خدمت میں لگیں۔

باقی اپنی زندگی میں دادی نے اپنی ملکیت سے بخشی جس کو جو دید یا اس پر دوسروں کو خفگی کا اظہار نہ کرنا چاہیے اور نہ اس سے شرم یہ لازم آتا ہے کہ اب وہی ان کی تاحیات خدمت کریں اور دوسرے کے ذمہ سے ان کا حق ساقط ہو گیا البتہ اگر دادی کے پاس وہ زمین اپنی نہ ہو بلکہ دادا کی زمین ان کے پاس بغیر تقسیم کے موجود ہو تو پھر دادی کا اس زمین کو کسی اور کو ہبہ کرنا جائز نہیں، اس میں دادا کے تہا ورشہ کو شرعی طریقے پر حق ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح فہم و سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

لمافی التفسیر المظہری (۳۳۱/۵): ولا تقل لہما أف حین تمیط عنہما الخلاء والبول کما کانا یمیطان عنک صغیرا۔

وفی الہندیۃ (۵۶۶/۱): وإذا کان لہ بنت وابن ابن فالنفقة علی البنت خاصة وإن کان المیراث بینہما۔

وفیہ أيضاً (۵۶۶/۱): وتجب نفقة الإناث الکبار من ذوی الأرحام وإن کن صحیحات البدن إذا کان بہن حاجة إلى النفقة کذا فی الذخیرة۔

وفی الشامیۃ (۶۲۳/۳): (قوله والمعتبر فیہ القرب والجزئیۃ لا الإرث) أي الأصل فی نفقة الوالدين والمولودین القرب بعد الجزئیۃ دون المیراث کذا فی الفتح أي تعتبر أولاً الجزئیۃ أي جهة الولاد أصولاً أو فروعا وتقدم علی غیرها من الرحم، ثم یقدم فیہا الأقرب فالأقرب، ولا ینظر إلى الإرث --- ولولہ بنت وابن ابن فعلى البنت لقربہا فی الجزئیۃ وإن اشترکا فی الإرث کما فی الفتح وغیرہ۔

وفی (۶۲۳/۳): وكذا تجب فی بنت وابن ابن علی البنت فقط لقربہا ذخیرة۔



## (۶۶۹) ماں کی تیمارداری بیٹوں پر ہے یا بیٹیوں پر؟

## سوال

ہم ۸ بہن بھائی ہیں۔ ۵ بہنیں اور ۳ بھائی ہیں۔ پانچوں بہنوں کی شادیاں ہو گئی ہیں اور دو بھائی شادی شدہ ہیں، باپ کا انتقال ہو گیا ہے اور ماں کو فالج ہے اور وہ بیمار ہیں۔ چھوٹی بہن کے پاس امی رہتی تھیں، اس کی مجبوری ہے اس وجہ سے چھوٹی بہن نے بڑے بھائی کے پاس امی کو بھجوادیا تھا۔ چھ مہینے رکھنے کے بعد بڑی بھابھی کہہ رہی ہیں کہ اب امی کو کوئی بہن یا بھائی رکھے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ بتائیں کہ ہماری امی اب کس کے پاس رہ سکتی ہیں؟ عین نوازش ہوگی۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ وبالوالدین احساناً (تم اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو) چنانچہ ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں جس کی وجہ سے محتاج خدمت ہو جائیں، ان کی زندگی اولاد کے رحم و کرم پر رہ جائے، اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بے رخی بھی محسوس ہو تو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دل جوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اپنا زمانہ طفولیت یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں جس طرح انہوں نے اپنی راحت و خواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا، اب جبکہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا تو عقل و شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے اس سابق احسان کا بدلہ ادا کرو۔

شریعت مطہرہ میں والدین کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اولاد پر برابر ہے لہذا صورت مسئلہ میں آپ کی والدہ کا نان و نفقہ اور خدمت تمام بہن بھائیوں پر لازم ہے لیکن چونکہ شادی شدہ بہنوں کو ان کے شوہروں کی طرف سے کچھ مشکلات کا سامنا ہوتا ہے لہذا جو ان کی زینہ اولاد ہیں وہ اس خرچہ کو برداشت کریں نیز اگر داماد اپنی ساس کو اپنے گھر میں رکھنے کی اجازت نہ دے تو بھائیوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ماں کو اپنے ساتھ رکھیں۔

لمافی الترمذی (۲۵۲/۱): عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن أطيّب ما أكلتم من کسبکم وإن أولادکم من کسبکم . قال وفي الباب عن جابر وعبد اللہ بن عمرو . قال أبو عیسیٰ هذا حدیث حسن .

وفي بدائع الصنائع (۱۵۶/۵): وكذا في نفقة والدته لعدم المشاركة في السبب وهو الولادة والاختصاص بالسبب يوجب الاختصاص بالحكم وكذا لا يشارك الإنسان أحد في نفقة جده

وجدته عند عدم الأب والأم لأن الجد يقوم مقام الأب عند عدمه والجدة تقوم مقام الأم عند عدمها ولو كان له ابنا فنفته عليهما على السواء وكذا إذا كان له ابن وبنت ولا يفضل الذكر على الأنثى في النفقة لاستوائهما في سبب الوجوب وهو الولادة۔  
 وفي الدر المختار (۲/۲۳۲): (النفقة لأصوله)۔۔ (الفقراء)۔۔ (بالسوية) بين الابن والبنت۔۔ (والمعتبر فيه القرب والجزئية)۔

وفي الفقه الاسلامي (۱۰/۴۲۳): استقلال الولد بنفقة أبويه: لا يشارك الولد في نفقة أبويه أحد؛ لأنه أقرب الناس إليهما۔

وفي (۱۰/۴۵۵): فإن تعدد الفروع فقال الحنفية: إن اتحدت درجة قرابتهم كابنين أو بنتين أو ابن وبنت، وجبت النفقة بالتساوي بينهم، سواء كانوا وارثين أم بعضهم وارثاً والآخر غير وارث، للتساوي في القرب والجزئية، ولا ينظر إلى أن الابن يأخذ ضعف البنت في الميراث.

## (۶۷۰) باپ کے انتقال کے بعد مطلقہ ماں کو واپس لانا

### سؤال

ایک عورت کو اس کے شوہر نے دو تین سال قبل طلاق دی تھی اور اس کو ایک مکان دیا تھا اور اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا رہتا تھا۔ اس آدمی کی اور اولاد بھی ہے جو اس کے ساتھ رہتی تھی۔ اب اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کی اولاد کی خواہش ہے کہ ہم اپنی والدہ کو اپنے گھر لے آئیں اور وہ ہمارے ساتھ رہیں۔ آیا شرعاً اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

### الجواب بعون الملک الوحاب

آپ کی والدہ کو طلاق ہو جانے سے آپ اور آپ کی والدہ کے مقدس رشتے میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ شریعت نے فرقت کی صورت میں والدہ کو اولاد کی پرورش کا ایک خاص وقت تک حقدار قرار دیا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ آپ اپنی والدہ محترمہ کو عزت و احترام کے ساتھ گھر لے آئیں اور خوب ان کی خاطر مدارت کریں کیونکہ آپ پر ان کی خدمت کرنا لازم ہے۔

لہافی القرآن المبین (الاحقاف: ۱۵): وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا۔ الآية

وفي التفسير روح المعاني (۱۴/۹، الجز ۲۶): فقال: وصينا الإنسان بأن يحسن بوالديه إحساناً ولعل التنوين للتفخيم أي إحساناً عظيماً۔

وفی الہندیۃ (۵۴۱/۱): الباب السادس عشر فی الحضانة: أحق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح أو بعد الفرقة الأمر إلا أن تكون مرتدة أو فاجرة غیر مأمونة کذا فی الکافی۔

## (۶۷۱) والدین کے ہوتے ہوئے نانا کا کفالت کرنا

### سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص اپنے نواسے کی کفالت کرنا چاہتا ہے۔ بچہ گاتو ماں باپ کے پاس مگر اس کے نانا اس کا خرچہ دینا چاہتے ہیں، کیا شرعی اعتبار سے ایسا کرنا درست ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں مذکورہ شخص کا اپنے نواسے کی کفالت کیلئے خرچہ دینا شرعاً درست ہے۔

لمافی الہندیۃ (۳۹۲/۴): باب فی الہبة للصغیر: الموهوب له إن کان من أهل القبض فحق القبض إليه وإن کان الموهوب له صغیراً أو مجنوناً فحق القبض إلى ولیہ و ولیہ أبوہ أو وصیہ أیہ ثم جده ثم وصیہ وصیہ ثم القاضی ومن نصبه القاضی۔  
وفی الشامیۃ (۶۹۶/۵) کتاب الہبة: فأفاد أن غیر المأکول لا یباح لهما إلا لحاجة وضعوا هدايا الختان بین یدی الصبی فما یصلح له کثیاب الصبیان فالهدیۃ له۔

## (۶۷۲) باپ نہ ہو تو بہنوں کا خرچہ کس پر ہے؟

### سؤال

ہم تین بہن بھائی ہیں اور تقریباً ۹ سال پہلے ہمارے والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔ میرے چار ماموں ہیں۔ میرے بڑے ماموں محمد اقبال نے میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کو اپنی سرپرستی میں لیا۔ میرے دوسرے ماموں افضل احمد نے مجھے (عرفات حسین کو) اپنی سرپرستی میں لیا اور میرے تیسرے ماموں محمد عرفان نے میری چھوٹی بہن (ملکہ فائزہ) کو اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا۔ ہم تینوں مذکورہ بہن بھائی کی بمعہ شادی بیاہ کی ذمہ داری میرے تینوں ماموں نے اپنے اوپر لے لی۔

جناب آج سے تقریباً ایک سال پہلے میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کی کچھ مسائل کی بنا پر میری بڑی مامی اور ان کی بیٹیوں سے لڑائی ہو گئی تھی۔ جناب میری یتیم بہن کو گھر سے نکلنے پر مجبور کیا گیا۔ پھر میرے چاروں ماموں خالادوں نے بہت کوشش کی کہ لڑائی زیادہ

نہ بڑھنے دیں اور یہ مسئلہ کسی طرح حل کروائیں مگر میری بڑی مامی، میری بہن (ملکہ اسماء) کو اپنے گھر میں رکھنے کے لئے راضی نہیں ہوئیں۔

اس وقت میرے ماموں بڑی مشکل میں تھے کیونکہ میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کی شادی کی عمر تھی اور کوئی بھی یہ ذمہ داری لیتا نہیں چاہتا تھا۔ میرے سارے ماموں اس مسئلے پر سر جوڑ کر بیٹھے لیکن جب کوئی حل نہیں نکل سکا تو میرے چھوٹے ماموں (محمد عرفان) جنہوں نے میری چھوٹی بہن (ملکہ فائزہ) کو اپنی سرپرستی میں لیا تھا، انہوں نے کہا کہ اس لڑکی (ملکہ اسماء) کو میں اپنے گھر میں رکھ لیتا ہوں اور چونکہ اس کی تربیت بڑے بھائی اقبال اور بھابی نے کی ہے اس لئے میں صرف شادی تک کی ذمہ داری لیتا ہوں اور شادی کے بعد میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔ پھر میرے چھوٹے ماموں (محمد عرفان) اور ان کی بیوی میری مامی میری بہن (ملکہ اسماء) کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور اس کو تمام وہی حقوق دیئے جو ان کے بچوں کیلئے حاصل تھے حتیٰ کہ میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کی تعلیم جو میرے بڑے ماموں (محمد اقبال) کے گھر رک گئی تھی اس کو بھی دوبارہ شروع کروادیا۔

میرے ماموں محمد عرفان اور ان کی بیوی نے میری بہن (ملکہ اسماء) کی شادی کے سلسلے میں بہت کوششیں کی اور اس پورے سال میں میری بہن (ملکہ اسماء) کے تقریباً آٹھ رشتے آئے اور ان رشتوں کو میری بہن (ملکہ اسماء) نے پسند بھی کیا لیکن پھر وہ کسی نہ کسی بہانے ان رشتوں کو منع کر دیتی۔ آج سے دو ماہ پہلے میرے دوسرے ماموں افضل احمد نے ایک رشتے کو میری بہن (ملکہ اسماء) کی شادی کے لئے فائل بھی کیا تھا تو میری بہن (ملکہ اسماء) نے شادی کرنے سے منع کر دیا۔ وہ کہتی ہے یہ رشتہ بہت اچھا ہے مجھے خود نہیں پتا میں اس کا کیوں منع کر رہی ہوں، کوئی چیز ہے جو مجھے شادی کرنے سے روکتی ہے لہذا میں کسی بھی طور پر شادی نہیں کر سکتی۔ ہم سب لوگوں نے بہت زور دیا اسے سمجھایا مگر وہ ابھی تک اپنے اس فیصلے پر قائم ہے اور وہ کسی بھی طور پر شادی نہ کرنے کا عہد کر چکی ہے۔

میرے ماموں محمد عرفان نے مجبوراً میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کو میرے پاس چھوڑ دیا تو میرے بڑے ماموں افضل احمد جنہوں نے میری پرورش کی ہے میری بہن (ملکہ اسماء) کو اپنے گھر میں رکھنے سے منع کر دیا اور کہا کہ عرفات حسین کو میں نے پالا ہے اس کی ذمہ داری میری ہے اور یہ شادی کے بعد بھی میرے ساتھ رہے گا اور مذکورہ بہن کی ذمہ داری عرفات حسین کو نہیں لینے دوں گا اور میرے ماموں افضل احمد نے ایسا اس وجہ سے کہا کیونکہ میں ابھی اس قابل نہیں ہوں، نوکری تو ہے مگر میری تنخواہ صرف چھ ہزار ہے، میں کیسے گزارا کروں گا؟ اب میری بہن (ملکہ اسماء) بے یار و مددگار کبھی ایک خالہ کے اور کبھی دوسری خالہ کے غرض تھوڑے تھوڑے دن چاروں خالوں کے ہاں رہتی ہے اور اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔

جناب اس مسئلے پر روشنی ڈالیں اور ہمارے لئے کوئی حل تجویز فرمائیں نیز یہ بھی کہ میرے بڑے ماموں (افضل احمد) خدا نخواستہ اللہ تعالیٰ کہ ہاں گنہگار تو نہیں ہو رہے ہیں جو میری بہن (ملکہ اسماء) کو میرے پاس رہنے نہیں دے رہے مگر وہ صرف ایسا میری وجہ سے کر رہے ہیں کیونکہ مجھے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جبکہ میں بھی بہت پریشان ہوں۔ جانتا ہوں کہ میری بہن کی ذمہ داری میری ہے مگر میری تنخواہ بہت کم ہے، جناب چھ ہزار میں کیا کروں گا۔

اس مسئلے میں چند نکات آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں تاکہ آپ کو مسئلہ حل کرنے میں آسانی ہو:

(۱) جب میرے امی ابو کا انتقال ہوا تھا تو ہمارا ایک مکان تھا جو کہ (240,000) میں فروخت ہوا تھا۔ اس رقم کے دو حصے تھے (120,000) میرے یعنی (عرفات حسین) کے سرپرست (افضال احمد) اور ایک ایک حصہ (60,000) (60,000) ساٹھ ساٹھ ہزار روپے میری دونوں بہنوں کے سرپرست محمد اقبال اور محمد عرفان کو دیئے گئے تھے۔ ہمارا وہ مکان کاغذات نامکمل ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ تھا لہذا فروخت کر دیا۔

(۲) میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کی عمر تقریباً ۲۵ سال ہے اور اب اس کا کوئی کفیل نہیں ہے۔ میں (عرفات حسین) میری عمر ۲۲ سال ہے، ملازمت کرتا ہوں مگر تنخواہ بہت کم ہے اور اپنے ماموں (افضال احمد) کی سرپرستی میں ان کے گھر میں خوشحال رہتا ہوں۔

(۳) چھوٹی بہن (ملکہ فائزہ) کی عمر تقریباً ۱۹ سال ہے وہ میرے ماموں محمد عرفان کی سرپرستی میں بہت خوش ہے۔

جناب میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) جو اپنے شادی نہ کرنے کے فیصلے پر قائم ہے۔ شرعی طور پر اس کے لئے کیا حکم ہے؟ میرے لئے کیا اور میرے چاروں ماموں کیلئے کیا حکم ہے؟ بالترتیب بتائیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ برائے مہربانی تحریری طور پر اور بڑے کھلے انداز میں ہماری راہنمائی کیجئے۔ عین نوازش ہوگی۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

(۱) آپ کی بڑی بہن (ملکہ اسماء) کا نفقہ (خرچہ) شرعاً آپ پر لازم ہے اور آپ کے ماموں کو شرعاً یہ حق نہیں ہے کہ وہ آپ کو مذکورہ بہن کی کفالت سے منع کریں، بصورت دیگر گنہگار ہوں گے اور اسی طرح آپ کے چاروں ماموں پر اخلاقی طور پر یہ لازم ہے کہ وہ آپ کی مذکورہ بہن کی کفالت میں آپ کی مدد کریں۔

(۲) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”نکاح کرنا میری سنت ہے اور جو میری سنت پر عمل نہ کرے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں“ (ابن ماجہ ص ۱۳۲) لہذا مذکورہ وعید سے بچنے کے لئے، آپ کی بڑی بہن (ملکہ اسماء) کو چاہیے (اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو) اپنے مذکورہ فیصلہ کو ترک کر دے اور شادی کرنے پر راضی ہو جائے، ورنہ گنہگار ہوگی۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ: ۲۳۳): وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ.

وفی سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی فضل النکاح (ص ۱۴۲): عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: النکاح من سنتی، فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی وتزوجوا فإنی مکاثر بکم الأمر، ومن کان ذا طول فلینکح، ومن لم یجد فعلیہ بالصیام، فإن الصوم لہ وجاء.

وفی الہندیۃ (۵۶۶/۱) الفصل الخامس فی نفقة ذوی الارحام: وتجب نفقة الإناث الکبار من ذوی

الأرحام وإن کن صحیحات البدن إذا کان بهن حاجة إلى النفقة کذا فی الذخيرة --- ولو كانت له ثلاثة إخوة متفرقین فالنفقة علی الأخ لأب وأم وعلی الأخ لأمر علی قدر الميراث أسداسا۔

وفی الدرالمختار (۶۲۹، ۶۲۷/۳): (و) تجب أيضا (لکل ذي رحم محرم صغير أو أنثى) مطلقا (ولو) كانت الأنثى (بالغة) صحیحة --- (بقدر الإرث) لقوله تعالیٰ { وعلی الوارث مثل ذلك } و لذا (يجبر علیه) --- ولو إخوة متفرقین فسدها علی الأخ لأمر والباقي علی الشقيق (کإرثه)۔  
وفی الدرالمختار (۷/۳) کتاب النکاح: (و) یکون (سنة) مؤكدة فی الأصح فیأثم بترکه ویشاب إن نوى تحصينا وولدا۔ الخ۔

وفی الشامية: قوله (فیأثم بترکه) لأن الصحیح أن ترک المؤکدة مؤثم کما علم فی الصلاة بحر۔

## (۶۷۳) شادی سے پہلے لڑکی کا نفقہ باپ پر واجب ہے

### سؤال

مفتی صاحب! بڑی یعنی بالغہ غیر شادی شدہ لڑکی کا نفقہ کس پر ہے وضاحت کریں۔

### الجواب بعون الملک الوهاب

بالغہ غیر شادی شدہ لڑکی اگر غریب ہو (اور اس کی اپنی ملکیت میں خرچے کیلئے پیسے نہ ہوں) تو اس کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔  
اگر باپ نہ ہو، تو جو قریبی وارث (یعنی قریبی رشتہ دار) ہو تو اس پر نفقہ واجب ہے۔

لما فی خلاصة الفتاویٰ (۶۳/۲): نفقة البنت البالغة المعسرة علی الأب کالصغيرة۔

لما فی الدر المختار (۶۱۳/۳): (وکذا) تجب (لولده الكبير العاجز عن الکسب) کأنثی مطلقا۔  
وفی الرد تحتہ: قوله (کأنثی مطلقا) أي ولو لم یکن بها زمانة تمنعها عن الکسب فمجرد الأنوثة عجز إلا إذا کان لها زوج فنفقتها علیه ما دامت زوجة وهل إن نشزت عن طاعته تجب لها النفقة علی أبيها محل تردد فتأمل وتقدم أنه ليس للأب أن یؤجرها فی عمل أو خدمة وأنه لو کان لها کسب لا تجب علیه --- لو قدر علی اکتساب ما لا یکفیه فعلى أبيه تکمیل الكفاية۔

## (۶۷۴) بھائیوں کے مشترکہ کاروبار میں بہنوں کا حق

### سوال

والد صاحب حیات ہیں اور چار بھائی مشترکہ طور پر کام کرتے ہیں اور سب کمائی بڑے بھائی کے پاس ہوتی ہے۔ ہر بھائی بقدر ضرورت استعمال کرتا ہے جبکہ والد صاحب حیات ہیں۔ اب مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ کیا شرعاً ان بھائیوں کی مشترکہ کمائی میں بہنوں کا حق بنتا ہے یا نہیں؟ بہنیں شادی شدہ ہیں اور جس وقت بھائیوں نے کام شروع کیا اس وقت یا تو والد صاحب پر قرضہ تھا یا کچھ تھوڑے سے پیسے ہوں گے۔

### الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئلہ میں چونکہ بہنیں شادی شدہ ہیں لہذا ان کا نفقہ انہی کے شوہروں پر واجب ہے۔ والد صاحب اور بھائیوں پر ان کا نفقہ نہیں۔ والد صاحب کے مال میں بہنوں کا بھی حق اس وقت بنتا ہے جب والد کا انتقال ہو جائے چونکہ آپ کے والد صاحب زندہ ہیں لہذا ان کے مال میں بہنوں کا حق نہیں۔ ہاں اگر ان کے شوہر فقیر ہوں تو مالدار والد یا بھائی پر ان کا نفقہ لازم ہوگا اور بعد میں ان کے شوہروں کے پاس پیسے آجائیں تو ان سے مقدار نفقہ وصول کر لیں۔

لہافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۳): وَالْوَالِدَاتُ يُرْضَعْنَ اَوْ لَا دَهْنَ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِيَنْ اَرَادَ اَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا۔ الآیة

وفی القدوری، کتاب النفقات (ص ۱۸۰): النفقة واجبة للزوجة علی زوجها مسلمة كانت أو كافرة اذا سلمت نفسها فی منزله فعليه نفقتها وكسوتها۔۔۔ وسكناها۔ الخ۔

وفی الشامیة (۵۹۳/۳): مطلب فی الأمر بالاستدانة علی الزوج: قوله (وتجب الإدانة الخ) قال فی الاختیار المعسرة إذا كان زوجها معسرا ولها ابن من غیره موسر أو أخ موسر فنفقتها علی زوجها ویؤمر الابن أو الأخ بالإنفاق علیها ويرجع به علی الزوج إذا أیسر ویجس الابن أو الأخ إذا امتنع لأن هذا من المعروف قال الزیلعی فتبین بهذا أن الإدانة لنفقتها إذا كان الزوج معسرا وهي معسرة تجب علی من كانت تجب علیه نفقتها لولا الزوج۔

## فصل فی حقوق الزوجین والعدل بین الأزواج

(زوجین کے حقوق اور ایک سے زائد بیویوں میں عدل کا بیان)

(۶۷۵) شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق

سوال

مفتی صاحب! شوہر کے بیوی پر اور بیوی کے شوہر پر کیا حقوق ہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوحاب

شوہر پر عورت کے حقوق یہ ہیں کہ شوہر بیوی کو کھانا کپڑا بقدر وسعت دے، رہنے کیلئے مکان دے، علم دین یعنی نماز و روزہ و غسل جنابت کے مسئلے بتلائے، گناہ کبیرہ مثل بے پردگی، چغتل خوری، غیبت، گالی گلوچ سے روکے۔ شوہر کے ذمے بیوی کے ان تمام حقوق کی ادائیگی واجب ہے اگر عورت بدزبانی کرے تو صبر کرنا بہتر و مناسب ہے۔

شوہر کے حقوق بیوی پر یہ ہیں کہ وہ ہر اس کام میں جس سے خدا کی نافرمانی نہ ہو شوہر کی تابعداری کرے۔ شوہر کے حکم کے بغیر نفل نماز، نفل روزہ نہ رکھے۔ اپنی عزت و عصمت کی حفاظت کرے نیز شوہر کے مال کی محافظ بنے، بغیر اس کے حکم کے اس کا مال خرچ نہ کرے، اس کو اپنا حاکم مانے۔ الغرض شوہر کے حقوق بیوی پر بہت ہیں یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

لما فی التفسیر المظہری (۲۹۹/۱): وَلَهُنَّ أَى لِلنِّسَاءِ عَلَى الْأَزْوَاجِ حَقٌّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ لِلْأَزْوَاجِ فِي الْوَجُوبِ وَاسْتِحْقَاقِ الْمَطَالِبَةِ لَا فِي الْجِنْسِ بِالْمَعْرُوفِ بَكُلِّ مَا يَعْرِفُ فِي الشَّرْعِ مِنْ أَدَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ وَحَسَنِ الصَّحْبَةِ فَلَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَقْضِدَ ضَرَارَ الْآخِرِ بَلْ يَنْبَغِي أَنْ يَرِيدُوا إِصْلَاحًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنِّي أَحْبَبْتُ أَنْ أَتَزَيَّنَ لِامْرَأَتِي كَمَا تَحِبُّ امْرَأَتِي أَنْ تَتَزَيَّنَ لِي لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ عَنْ مَعَاوِيَةَ الْقَشِيرِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ أَنْ تَطْعَمَهَا إِذَا طَعَمْتَ وَأَنْ تَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبَ الْوَجْهَ وَلَا تَقْبَحَ وَلَا



تجبر إلا في البيت رواه أحمد وأبو داود وابن ماجه وعن جعفر بن محمد عن أبيه عن جابر في قصة حجة الوداع قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في خطبته يوم عرفة فاتقوا الله في النساء فانكم أخذتموهن بامان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولكم عليهن ان لا يؤطبن فرشكم أحدا تكرهونه فان فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف رواه مسلم --- وعن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خيركم خيركم لاهله وانا خيركم لاهلى رواه الترمذي-

وفي صحيح مسلم (٢٧٢/١): عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا باتت المرأة هاجرة فراش زوجها لعنتها الملائكة حتى تصبح-

وفي سنن ابن ماجه (ص ١٣٣): عن حكيم بن معاوية ، عن أبيه رضي الله عنه أن رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم: ما حق المرأة على الزوج؟ قال: أن يطعمها إذا طعم ، وأن يكسوها إذا اكتسى ، ولا يضرب الوجه ، ولا يقبح ، ولا يهجر إلا في البيت.

وفيه أيضاً: عن سليمان بن عمرو بن الأحوص ، حدثني أبي رضي الله عنه أنه شهد حجة الوداع مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فحمد الله ، وأثنى عليه ، وذكر ووعظ ، ثم قال: استوصوا بالنساء خيرا ، فإنهن عندكم عوان ، ليس تملكون منهن شيئا غير ذلك ، إلا أن يأتين بفاحشة مبينة ، فإن فعلن ، فاهجروهن في المضاجع ، واضربوهن ضربا غير مبرح ، فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا ، إن لكم من نساءكم حقا ، ولنساءكم عليكم حقا ، فأما حقكم على نساءكم ، فلا يوطئن فرشكم من تكرهون ، ولا يأذن في بيوتكم لمن تكرهون ، إلا وحقهن عليكم أن تحسنوا إليهن في كسوتهن وطعامهن.

وفيه أيضاً: عن سعيد بن المسيب ، عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال: لو أمرت أحدا أن يسجد لأحد ، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها ، ولو أن رجلا أمر امرأته أن تنقل من جبل أحمر إلى جبل أسود ، ومن جبل أسود إلى جبل أحمر ، لكان نولها أن تفعل.

وفي الدر المختار (٥٤٢/٣): وشرعا (هي الطعام والكسوة والسكنى) وعرفا هي الطعام (ونفقة الغير تجب على الغير بأسباب ثلاثة زوجية وقرابة وملك) بدأ بالأول لمناسبة ما مر أو لأنها أصل الولد (فتجب للزوجة) بنكاح صحيح --- (على زوجها) لأنها جزاء الاحتباس وكل

مجبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته-

وفه (٥٤٩/٢): (ويجب عليه آلة الطحن وخبز وآنية شراب وطبخ ككوز وجرة وقدر ومغرفة) وكذا سائر أدوات البيت كحصر ولبد وطنفسة وما تنظف به وتزيل الوسخ كمشط وأشنان -- (وتفرض لها الكسوة في كل نصف حول مرة) لتجدد الحاجة حرا وبردا (ولللزوج الإنفاق عليها بنفسه)-

رسالة

# فلاح الدارين

فی

# حقوق الزوجین

زوجین میاں، بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق

اور معاشرتی زندگی کی تفصیلات کا بیان

## (۶۷۶) میاں بیوی کے حقوق

### سؤال

مفتی صاحب! میاں اور بیوی کے ایک دوسرے پر کیا کیا حقوق ہیں ذرا تفصیل سے بیان فرمادیں، اور کیا ان حقوق پر لڑنا، جھگڑنا جائز ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

میاں، بیوی کا تعلق انتہائی اہم اور نازک نوعیت کا حامل ہے یہ ایک دیر پا اور تحمل و برداشت کا متقاضی عقد ہے۔ ایک شخص جب عورت کو اپنے نکاح میں لیتا ہے تو وہ تاحیات اس کے ساتھ رہنے کا عزم کرتا ہے اسی لئے شریعت میں ایسا نکاح جو پیشگی کے لئے نہ ہو بلکہ ایک مخصوص مدت تک کے لئے عقد کیا جائے تو یہ نکاح ہی نہیں بلکہ حرام کاری اور زنا کے حکم میں ہے۔ ہر مسلمان کے کچھ حقوق ہوتے ہیں، لہذا جب نکاح کا معاملہ اتنی اہمیت اور توجہ کا حامل ہے تو اس کے حقوق بھی اتنے ہی اہم ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"خیرکم خیرکم لأہلہ وأنا خیرکم لأہلی و إذا مات صاحبکم فدعوه". (مشکوٰۃ ۲/۲۸۱)  
 "تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل کے لئے بہتر ہو اور میں اپنے اہل کے لئے سب سے بہتر ہوں اور جب تم میں سے ایک مر جائے تو اس کو چھوڑ دو (اور اس کا صرف ذکر خیر کرو)۔"

اسی طرح بے شمار احادیث میں پیغمبر دو جہاں ﷺ نے میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق بیان فرمائے ہیں ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم: أي النساء خير؟ قال: "التي تسره إذا نظر وتطيعه إذا أمر ولا تخالفه في نفسها ولا مالها بما يكره".

"آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ بہترین عورت کونسی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے اس کا شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے اور جب وہ اسے کسی چیز کا حکم دے تو اسے بجالائے اور اس کے مال اور اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی ایسا فعل نہ کرے جو اسے (شوہر کو) ناپسند گذرے۔"

(مشکوٰۃ ۲/۲۸۳)

ایک اور حدیث میں ہے:

وعن حكيم بن معاوية القشيري عن أبيه قال: قلت: يا رسول الله ما حق زوجة أحدنا عليه؟ قال:

" أن تطعمها إذا طعمت وتكسوها إذا اكتسيت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تفجر إلا في

البيت". رواه أحمد وأبو داود وابن ماجه

"حکیم بن معاویہ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہماری بیویوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا کہ جب تم کھاؤ تو انہیں کھلاؤ جب تم پہنو تو انہیں پہناؤ اور چہرے پر نہ مارو، لعن طعن یا گالیاں نہ دو اور ان سے علیحدہ رہائش اختیار نہ کرو (اور اگر کسی وجہ سے علیحدہ رہنا ضروری ہو تو) گھر میں ہی علیحدہ رہ لو۔"

(مشکوٰۃ ۲/۲۸۱)

الغرض اس طرح کی بے شمار احادیث کتب حدیث میں بکھری پڑی ہیں۔ محدثین نے صفحات کے صفحات اور زندگیاں ان کے جمع کرنے میں گزار دیں۔ یہ تمام احادیث ہمارے لئے نمونہ ہیں، ان کے مطابق اگر ہم ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی فکر کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب ہوگی۔ اگر اپنی نفسانیت یا ہٹ دھرمی کو ہی زندگی گزارنے کے لئے طے کر لیا جائے اور صرف اپنے حقوق لینا یاد رہے اور خود پر جو حقوق لازم ہیں ان کی طرف بالکل التفات ہی نہ کیا جائے تو اس کا نتیجہ بربادی ہے..... دنیا کی زندگی بھی اجیرن اور آخرت کا گھر بھی دکھتا انگارا..... لہذا ذیل میں قرآن کریم کی آیات اور پیغمبر دو جہاں کے فرامین سے مستفاد فقہاء کرام کے طے کردہ میاں بیوی کے ایک دوسرے پر موٹے موٹے حقوق تحریر کئے جا رہے ہیں۔

## مرد پر بیوی کے حقوق

(۱) مرد پر بیوی کا پہلا حق جماع کرنا ہے یعنی چار ماہ سے زائد تک ہمبستری نہ کرنا جائز نہیں اگر کسی وجہ سے ہمبستری میں چار ماہ سے زائد وقفہ آ رہا ہو تو بیوی کی اجازت ضروری ہے اور چار ماہ سے کم میں بھی بیوی جیسے جیسے مطالبہ کرے تو اس کا حق زوجیت ادا کرنا چاہئے۔

(۲) مرد پر بیوی کے لئے کھانے پینے اور کپڑوں کا انتظام کرنا ضروری ہے سال میں دو مرتبہ کپڑے بنانے کا حق بیوی کو حاصل ہے۔ نیز اس انتظام کرنے میں میاں اور بیوی دونوں کی مالداری اور غربت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر دونوں امیر ہیں تو اعلیٰ، غریب ہیں تو ادنیٰ، ایک امیر ایک غریب ہے تو متوسط نفقہ [کھانا، پینا، کپڑے وغیرہ ضروریات] واجب ہے۔

(۳) مرد پر بیوی کے لئے رہائش کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔ ہر بیوی کو الگ گھر دلانا ضروری نہیں البتہ ایسا کرہ جس کے ساتھ بچن اور ہاتھ روم علیحدہ سے ہو اور وہ صرف بیوی کے استعمال میں ہوں کسی غیر کا اس میں دخل نہ ہو، ایسی رہائش دینا مرد پر لازم ہے۔

(۴) عورت اگر نافرمان یا بدتمیز نہ ہو تو اسے اپنے ساتھ بسانا اور آباد کرنا ضروری ہے خدائے بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:

وَعَاشِرُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء: ۱۹) اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزارہ کرو۔

لہذا مرد کا بیوی سے بلاوجہ غلیحہ رہنا درست نہیں۔

(۵) مرد پر ضروری ہے کہ ہفتے میں ایک مرتبہ بیوی کو اس کے والدین سے ملائے۔ چاہے اس کی کوئی بھی صورت ہو اور اگر مرد نہیں ملاتا تو عورت کو ہفتے میں ایک بار اپنے والدین سے ملنے کا حق حاصل ہے۔

(۶) شوہر پر ضروری ہے کہ بدگمانی اور حد سے تجاوز کرنے سے گریز کرے۔ ڈیوٹی پر جاتے ہوئے باہر سے تالا لگا دینا وغیرہ امور سے اجتناب کرے۔ اگر عورت کی کوئی غیر شرعی بات سامنے آئے تو اولاً اسے پیار سے سمجھائے، پھر ڈانٹ کر سمجھائے، پھر بھی بات نہ بنے تو بستر غلیحہ کرے اور پھر بھی بات نہ بنے تو خاندان والوں کے ذریعے معاملے کو سلجھانے کی کوشش کرے اور آخری حل شریعت میں طلاق رکھا گیا ہے، احسن طریقے سے طلاق دے دے لیکن مرد کو چاہئے کہ اپنے اندر بردباری اور تحمل کا مادہ پیدا کرے۔ مرد کی یہ شان نہیں کہ بات بات پر مار دھاڑ کر نائیز طلاق پر طلاق دیتے جانا، یہ غلط اقدام ہیں۔ اس سلسلے میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق افہام و تفہیم، کچھ سننا کچھ سنانا کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے معاملے کو حل کرنا شرعاً محمود ہے۔ خاندان کا ٹوٹ جانا یا فتنہ فساد برپا کرنا نہ مسئلے کا حل ہے اور نہ شرعاً قابل تعریف۔

اس تشریح کا یہ مطلب نہیں کہ مرد اور عورت ازدواجی معاملات میں یکساں اور ایک ہی درجے میں ہیں بلکہ مرد شرعاً تو ام اور گھر کا سربراہ ہے۔ اس کا حکم مقدم ہے۔ گھر کی تمام پالیسیاں بنانا مرد کا کام ہے۔ طلاق دینا مرد کا حق ہے۔ اس کی رضامندی کے بغیر چاہے بڑے سے بڑا کورٹ ہو یہ عقد تحلیل نہیں کر سکتا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد ڈکٹیٹر بن جائے اور ہر مسئلے کو کوڑے سے حل کرنے کی کوشش کرے۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی حیات کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اپنی کثیر التعداد ازدواج مطہرات کے ساتھ زندگی بسر فرماتے تھے۔ سوائے ایک آدھ تلخ واقعات کے (جسے بھی حل کر لیا گیا) پوری حیات مبارکہ میں کوئی ناخوشگوار کیفیات یا روز روز کے جھگڑے نظر نہیں آتے۔ الغرض مرد کی حاکمیت کو بھی شریعت نے ایک حد دی ہے اور اسی حد میں وہ درست ہے۔

(۷) ایک اور حق مرد پر بیوی کا یہ ہے کہ اس کے علاج معالجہ کا بندوبست کرے۔

(۸) بچے کو دودھ پلانا عورت پر ضروری نہیں۔ اگر عورت دودھ نہیں پلاتی تو بچے کے لئے دایہ کا انتظام کرنا مرد پر ضروری ہے، لیکن عورت اگر دودھ پلا سکتی ہے اور کوئی ضرر نہ ہو تو اسے بچے کو خود دودھ پلانا چاہئے۔ یہ بچے کے لئے بھی مفید اور ازدواجی معاملات میں معاون بھی ہوگا۔

(۹) شوہر پر ضروری ہے چار ماہ سے زائد بیوی کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ رہے البتہ بیوی کی اجازت کے ساتھ رہ سکتا ہے لیکن یہ تفصیل اس وقت ہے جب کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر اندیشہ ہو تو مرد کا گھر سے باہر رہنا بیوی کی اجازت سے بھی درست نہیں۔

## عورت پر شوہر کے حقوق

(۱) عورت پر مرد کا سب سے پہلا حق تو یہ ہے کہ مرد کو جب بھی خواہش ہو تو وہ ہمبستری سے (بلا عذر شرعی) منع نہ کرے۔ دراصل نکاح کا اصل مقصد عفت کا حصول اور پاکدامنی اختیار کرنا ہے اور اس کے لئے میاں بیوی کا ایک دوسرے کی خواہش کا احترام کرنا ضروری ہے۔ ایک حدیث میں یہاں تک ارشاد ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتأته وإن كانت على التنور". رواه الترمذي

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب مرد بیوی کو اپنی ضرورت کے لئے بلائے تو اسے چاہیے کہ فوراً چلی آئے اگرچہ تنور پر بیٹھی ہو (اور تنور میں لگی روٹی جل جائے)۔"

(مشکوٰۃ ۲/۲۸۱)

اس حدیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مرد کا ہمبستری کا حق کتنا ضروری ہے۔ چاہے روٹی ضائع ہو رہی ہو تو ہو جائے، لیکن اس حق میں تاخیر نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح".

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جب مرد بیوی کو بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کر دے اور مرد غصے کی حالت میں رات گزار دے (اور یہ عورت اس سے معافی مانگ کر اس کا حق ادا نہ کرے) تو فرشتے ایسی عورت پر صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔"

(مشکوٰۃ ۲/۲۸۱)

(۲) عورت پر مرد کا دوسرا حق یہ ہے کہ وہ اپنی عزت و عصمت اور شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے مال کی حفاظت کرے اور ہر ایسے شخص سے جس سے ملنا شوہر کو پسند نہ ہونے سے اجتناب کرے۔ اگر وہ نا محرم ہو تو ملنا کسی صورت میں درست نہیں۔

(۳) شوہر کے والدین کی خدمت، شوہر کے چھوٹے بھائی بہنوں کی خدمت یہ حکم کے درجے میں بیوی پر ضروری نہیں۔ اگر وہ نہیں کرتی تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن دیانتہ و اخلاقی بیوی کو شوہر کے والدین اور چھوٹے بھائی بہنوں کی خدمت کرنا چاہیے۔ بیوی اگر گھر کو ہنستا بستاد یکھنا چاہتی ہے تو اسے اپنے اوپر لازم حکم سے آگے چل کر اخلاقی آداب کو بھی بجالانا ہوگا اور فیما بینہا و بین اللہ اسے یہ امور انجام دینے چاہئیں۔

(۴) شوہر کے گھر کا کام کاج، کپڑے دھونا، جھاڑو لگانا، ہانڈی پکانا بیوی پر دیانتہ ضروری ہیں، لیکن یہ سب حکم کے درجے میں لازم نہیں۔ اس میں بھی نمبر ۳ والی تفصیل ہے۔ یہ معاملات افہام و تفہیم سے حل کرنے والے ہیں۔ اگر بیوی کو کوئی عذر ہے تو شوہر کو چاہیے ان کاموں کے لئے انتظام کرے۔ اگر عذر نہ ہو تو بیوی کو چاہیے کہ امور خانہ داری کو بطریق احسن ادا کرے کیونکہ یہ سب شرما

اگرچہ حکم کے درجے میں نہیں اور نہ جبراً ان کی انجام دہی کرائی جاسکتی ہے، لیکن دونوں جہانوں کے پیغمبر کی لخت جگر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی سنت ضرور ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے نکاح کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمے باہر کے امور اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذمے گھر کے امور لگائے تھے، جو کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا انجام دیتی تھیں حتیٰ کہ ایک مرتبہ آٹا گوندھنا اور اس جیسے پر مشقت امور سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھک گئیں، ان دنوں آپ رضی اللہ عنہا کے پاس چند غلام آئے ہوئے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا غلام لینے حضور رضی اللہ عنہما کے پاس آئیں، حضور رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی درخواست سن کر جو جواب دیا، وہ یہ ہے:

”هَبِّئِكُنَّ يَتَامَى بَدْرٍ“

”بدر کے یتیم تم سے سبقت لے گئے“ یعنی بدر کے یتیم تم سے زیادہ مستحق ہیں۔

لہذا عورت کو چاہیئے بقدر استطاعت یہ تمام امور انجام دے۔

(۵) بیوی پر شوہر کی اطاعت بھی لازم ہے۔ اس کے حکم کو بجالانا، اسے گھر کا سربراہ سمجھنا ضروری ہے۔ آپ رضی اللہ عنہما نے ایک

حدیث میں ارشاد فرمایا:

وعن أبي هريرة قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " لو كنت أمر أحدنا أن يسجد لأحد

لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها " . رواه الترمذي

”اگر میں کسی کو کسی کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو ضرور بیوی کو شوہر کے سامنے سجدہ کا حکم دیتا۔“ (مشکوٰۃ ۲/۲۸۱)

ایک اور حدیث میں ہے:

" المرأة إذا صلت خمسا وصامت شهرها وأحصنت فرجها وأطاعت بعلها فلتدخل من أي

أبواب الجنة شاءت "

”ایک عورت اگر بیچ وقت نماز پڑھے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے، اپنی عصمت کی حفاظت کرے، اپنے شوہر کی اطاعت

کرے (اگر دنیا میں یہ کام کرے تو آخرت میں) اسے اختیار ہوگا جس دروازے سے جنت میں داخل ہونا چاہے، ہو جائے۔“

(مشکوٰۃ ۲/۲۸۱)

اس سے بڑی بشارت اور کیا ہو سکتی ہے لہذا عورت پر مرد سے بدزبانی کرنا یا تکرار کرتے ہوئے روبرو جواب دینا قطعاً درست

نہیں۔ تحمل اگرچہ مرد کے لئے بھی ضروری ہے، لیکن عورت کے لئے گھر کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے تحمل و برداشت مرد سے زیادہ ضروری ہے۔

(۶) مرد اگر بیوی کا پورا مہر ادا کر چکا ہے تو اب اگر وہ بیرون ملک بھی عورت کو سفر پر لے جانا چاہ رہا ہے تو لے جاسکتا ہے۔ شرعاً

اس میں بیوی کو منع کرنے کا حق نہیں۔

(۷) بیوی کو چاہیئے کہ شوہر کے سامنے زیب و زینت اختیار کرے اور ایسی کیفیت میں رہے جس سے مرد کے دل کو فرحت



ملے۔ پراگندہ بال میلے کپڑے اور بد بودار پیراہن مرد کے لئے تنفر کا باعث ہوگا اور یہ تکدر آئندہ رفتہ رفتہ برے نتائج دے گا۔

الغرض میاں کے بیوی پر اور بیوی کے میاں پر حقوق کی فہرست (چاہے وہ شرعاً حکم کے درجے میں ہوں یا اخلاقی فرائض میں سے ہوں) یہ فہرست بہت طویل ہے۔ زندگی تب ہی بہتر ہو سکتی ہے جب بات حقوق سے آگے نکل کر کی جائے۔ ایثار و ہمدردی اور دوسرا اگر آپ کا حق ادا نہیں کر رہا تو اسے اچھے طریقے سے برداشت کرنا ہی وہ امور ہیں جو زندگیوں میں خوشیاں لا سکتے ہیں۔ حقوق لینے سے زیادہ حقوق ادا کرنے کی فکر بہت سے مسائل کو خود ہی حل کر سکتی ہے لہذا میاں بیوں کو اتفاق و یگانگت سے رہنا چاہیے۔ ایسا گھر جہاں جھگڑے فساد نہ ہوں اور زوجین خوشی سے زندگی گزار رہے ہوں وہ اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے اور اس کے رسول ﷺ کو بھی، لہذا معاملات کو افہام و تفہیم سے سلجھا یا جائے۔ ایک دوسرے پر طعن و تشنیع یا مار دھاڑ سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک، دوسرے کو شرعی امور کی انجام دہی میں کمزور دیکھے تو اسے طریقے سے سمجھائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے شریعت کے مطابق چلنے کی توفیق دی ہے اور اپنے ساتھی کے لئے دعا کرتا رہے۔

الغرض اسی طرح مسائل حل ہو سکتے ہیں اور میاں بیوی کی زندگی دنیا میں جنت بن سکتی ہے، آپس میں شک و شبہات، بے اعتمادی، لعن طعن، غیبت یہ سب وہ امور ہیں جو اس رشتے کو دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں البتہ اگر افہام و تفہیم سے معاملہ حل نہ ہو سکے تو جو تفصیل مرد کے طلاق کے حق میں گزری، اس کے مطابق آخری درجے میں مرد کے لئے اس سفر کو ایک طلاق (اپسے طہر میں جس میں ہمبستری نہ کی ہو) دے کر منقطع کر دینا جائز ہے۔ اس پر گناہ نہ ہوگا لیکن ایک ساتھ تین طلاقیں دینا یا بغیر عذر کے صرف نفسانیت یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے طلاق دینا یہ جائز نہیں۔ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے (چاہے عذر ہو یا بلا عذر دی جائے ہر صورت میں) مرد گنہگار ہوگا، لیکن بالاجماع ان طلاقوں کا وقوع ہو جائے گا۔ عورت حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جائیگی۔ اب رجوع کی کوئی صورت نہیں۔ یہ فعل سخت گناہ اور خلاف شرع ہے کیونکہ اس میں واپسی کے تمام دروازے خود بند کر دیئے جاتے ہیں نیز بغیر وجہ کے یا ظلم مرد کی طرف سے ہو تو احسن طریقے سے ایک طلاق دینے کی صورت میں بھی مرد گنہگار اور عند اللہ ماخوذ ہوگا الغرض صرف ایک طلاق احسن وہ بھی بوقت ضرورت [یعنی جب عورت کی غلطی ہو] اباحت کے درجے میں جائز ہے۔

لہذا ان ذکر کردہ تفصیلات کو ذہن نشین رکھا جائے نیز اس ذیل میں علاقے کے علماء سے استفادہ کیا جاتا رہے اور اکابر کی زیر بحث مسئلے سے متعلق کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ اگر کوئی خاص صورت درپیش ہو تو تحریری شکل میں فتویٰ بھی لیا جاسکتا ہے۔ اپنی زندگی کو دین کے مطابق گزارا جائے نہ یہ کہ دین کو اپنی زندگی کے مطابق کیا جائے۔ امید ہے کہ اگر ان باتوں پر عمل کیا جائے گا تو زندگی جنت کا نمونہ بن جائیگی، جس کے اثرات بچوں کی زندگیوں پر بھی اچھے پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو اور ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

## (۶۷۷) عورت پر خاوند کی اطاعت ضروری ہے

### سوال

مفتی صاحب! کچھ والدین یا لڑکی کے سر پرست بیٹی بیاہ دینے کے باوجود اس پر اور اس کے اہل سسرال پر مسلط رہنا چاہتے ہیں اور بیٹی کو اس کے شوہر و سسرالی بزرگوں کے منشاء کے خلاف اپنے ساتھ لے جا کر میکہ میں رکھنا چاہتے ہیں جس سے دیگر معاشرتی خرابیوں کے احتمال کے علاوہ حقوق زوجیت کی ادائیگی میں بھی یقینی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے لہذا اس مسئلہ سے متعلق احکام شریعت کیا ہیں تحریر فرمادیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

ازدواجی زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے لہذا اس کو اچھے طریقے سے گزارا جائے اور میاں بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے اور عورت کو اپنے خاوند کی اطاعت کرنا چاہیے۔ خاوند کی اجازت کے بغیر اور خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہیے لہذا صورت مسئلہ میں عورت کو خاوند کی اجازت کے بغیر اور اس کو میکہ والوں کے پاس رکھنا صحیح نہیں ہے اور جو عورت بغیر کسی شرعی مانع اور عذر کے حقوق زوجیت میں خاوند کیلئے رکاوٹ بنے تو احادیث میں ایسی عورت پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

نیز وہ سر پرست جو بیٹی بیاہ دینے کے باوجود اس پر اور اس کے اہل سسرال پر مسلط رہتے ہیں اور بیٹی کو ان کے خلاف بڑھکاتے ہیں ان کا یہ فعل درست نہیں بلکہ خود ان کیلئے اور آئندہ چل کر ان کی بیٹی کیلئے مضر ہے نیز شرعاً بھی اس کی گنجائش نہیں لہذا انہیں چاہیے کہ لڑکی کو اس کے سسرال والوں کے ساتھ نباہ کی ترغیب دیں۔

لمافی فتح الباری (۲۳۱/۹): وقد وقع في رواية يزيد بن كيسان عن أبي حازم عند مسلم بلفظ والذي نفسي بيده ما من رجل يدعو امرأته إلى فراشها فتأبى عليه الا كان الذي في السماء ساخطا عليها حتى يرضى عنها - الخ - -- [قوله: فأبى أن تجيء] زاد أبو عوانة عن الأعمش كما تقدم في بدء الخلق فبات غضبان عليها وبهذه الزيادة يتجه وقوع اللحن لأنها حينئذ يتحقق ثبوت معصيتها بخلاف ما إذا لم يغضب من ذلك فإنه يكون إما لأنه عذرهما وإما لأنه ترك حقه من ذلك -

وفي الشامية (۳/۳): قوله (أي حل استمتاع الرجل) أي المراد أنه عقد يفيد حكمه بحسب الوضع الشرعي وفي البدائع أن من أحكامه ملك المتعة وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر أعضائها استمتاعاً أو ملك الذات والنفس في حق التمتع على اختلاف مشايخنا في ذلك اهـ بجر -

## (۶۷۸) بیوی کیلئے چیل اور کپڑے بنانے کا حکم

### سوال

کیا خواتین اپنے شوہروں سے جیب خرچ کا مطالبہ کر سکتی ہیں؟ نیز میں اپنے شوہر سے کہتی ہوں کہ مہینہ دو مہینہ میں مجھے اور بچوں کو کسی تفریحی جگہ پر لے کر چلا کریں تو نال جاتے ہیں۔ کیا اس طرح کا مطالبہ شرعاً میرا حق نہیں؟ اور مرد پر سال میں کتنی دفعہ اپنی بیوی کے کپڑے بنانا اور چیل وغیرہ دلانا لازم ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت نے ذمہ دارانہ طور پر عورت کے تین حقوق مرد پر لازم کئے ہیں۔

(۱) نان و نفقہ یعنی کھانے پینے کا خرچ۔

(۲) لباس یعنی بیوی کے کپڑے اور چیل وغیرہ کا خرچ۔

(۳) سکنی یعنی رہائش کا بندوبست۔

شوہر کو اپنی حیثیت کے مطابق انتظام کرنا ضروری ہے۔ عورت کے کھانے پینے اور کپڑے کی پوری ذمہ داری مرد پر ڈالی گئی ہے وہ خود بھی کھائے گا اور بیوی کو بھی کھلائے گا، وہ خود بھی پہنے گا اور بیوی کو بھی پہنائے گا البتہ سال بھر میں کم از کم دو مرتبہ کپڑے بنانے کا حق بیوی کو حاصل ہے۔ نیز بیوی بچوں کو تفریح پر لے جانا جائز ہے بشرطیکہ شریعت کے منافی جگہ نہ ہوں اور وہاں منکرات (بے پردگی وغیرہ) کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

لمافی الشامیة (۵۸۳/۳): وتقدم أنه يجب لها مداس رجلها والظاهر أنه لا خلاف فيه إذا كان المراد

به ما تلبسه في البيت وكذا الخف أو الجوارب في الشتاء لدفع البرد الشديد۔

وفي الفقه الاسلامی (۴۹۰/۱): وأقل ما يجب من الكسوة قميص (ثوب مخطط يستر جميع البدن)

وسراويل (وهو ثوب مخطط يستر أسفل البدن ويصون العورة) وخمار أو مقنعة (وهو ما

يغطي به الرأس) ومداس أو مكعب (وهو مداس الرجل من نعل أو غيره)۔

## (۶۷۹) بیوی کتنے دنوں میں ہم بستری کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

### سوال

ایک شخص سے میں نے سنا کہ مرد پر فقط ایک مرتبہ وطی کرنا واجب ہے اس کے بعد عورت کا حق ختم ہو جاتا ہے اگر کوئی سال بھر

بھی واپس نہ کرے تو صرف اس نے نامناسب کام کیا کوئی گناہ نہیں ہوگا، دوسرے آدمی نے کہا حضرت عمرؓ کے حکم پر ایک مرد پر ہر چوتھے دن واپس کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

(۱) کیا واقعی عورت شوہر سے زندگی بھر واپس کا مطالبہ نہیں کر سکتی؟

(۲) جو شوہر حقوق ادا نہ کرتا ہو وہ گناہگار نہ ہوگا؟

(۳) اگر کر سکتی ہے تو کتنے دنوں بعد مطالبہ کر سکتی ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شرعاً نکاح کرنے کے بعد زوجین پر ایک دوسرے کے حقوق کا ادا کرنا واجب ہے اور ان میں جان بوجھ کر بغیر کسی عذر کے کوتاہی کرنے والا عند اللہ گنہگار ہوگا اور قضاء زندگی میں ایک مرتبہ واپس کرنے سے حق زوجیت ادا ہو جاتا ہے البتہ عند اللہ اور دیانۃ شوہر پر واجب ہے کہ وقتاً فوقتاً حق زوجیت ادا کرتا رہے۔

لہذا صورت مسؤلہ میں (۱) شرعاً عورت حق زوجیت کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اس کیلئے کوئی خاص مدت مقرر نہیں ہے لیکن چار ماہ سے زیادہ عرصہ تاخیر بغیر بیوی کی اجازت کے جائز نہیں البتہ بیوی کی رضامندی سے اگر شوہر چار ماہ سے زیادہ مدت تک حق زوجیت ادا نہ کرتا ہو، تو اس صورت میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(۲) شوہر حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں گنہگار ہوگا۔ (۳) تفصیل جرنمبر (۱) میں گزر گئی ہے۔

لمافی الشامیة (۳/۲۰۲، ۲۰۳): قوله (ویسقط حقها بمرّة) قال فی الفتح واعلم أن ترک جماعها مطلقاً لا یجوز له صرح أصحابنا بأن جماعها أحياناً واجب دیانۃ لکن لا یدخل تحت القضاء والإلزام إلا الوطأة الأولى ولم یقدروا فیہ مدة ویجب أن لا یبلغ به مدة الإیلاء إلا برضاها وطیب نفسها به اهـ۔۔۔ وبه علم أنه کان علی الشارح أن یقول ویسقط حقها بمرّة فی القضاء أي لأنه لو لم یصبها مرّة یؤجله القاضي سنة ثم یفسخ العقد أما لو أصابها مرّة واحدة لم یتعرض له لأنه علم أنه غیر عنین وقت العقد بل یأمره بالزیادة أحياناً لوجوبها علیہ إلا لعذر ومرض أو عنة عارضة أو نحو ذلك۔

### (۶۸۰) شوہر کے چھوٹے بھائی بہنوں کی خدمت

#### سوال

میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ گزشتہ دسمبر کے مہینے میں میری شادی ایک اچھے گھرانے میں ہو گئی۔ میں اپنے سسرال

میں ہر طرح سے خوش ہوں البتہ ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ میرے شوہر کے دو بھائی اور تین بہنیں ہیں اور یہ سب چھوٹے ہیں۔ میرے شوہر ان کے سارے کام بھی مجھ سے کراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ مفتی صاحب! میں یہ سب کام کرتی ہوں لیکن ان سے کہتی ہوں کہ یہ خدا کی طرف سے مجھ پر لازم امور نہیں۔ اس پر کبھی وہ جھگڑتے ہیں۔ مجھے امید ہے آپ کی تحریر دیکھ کر وہ مجھ سے الجھنا ختم کر دیں گے۔ ازراہ کرم جلد از جلد جواب عنایت فرمادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

میاں بیوی کو ایک دوسرے کی باتوں پر تحمل کرنا از حد ضروری ہے۔ معمولی اختلاف پر آپس میں جھگڑنا مناسب نہیں۔ شریعت نے میاں بیوی پر بعض امور بطور حکم لازم فرمائے ہیں جن کی بجا آوری سے چارہ نہیں اور انہیں نہ کرنے کی صورت میں گرفت موجود ہے البتہ شریعت نے بعض امور حسن اخلاق اور احسان میں سے بھی رکھے ہیں اور شریعت کی نظر میں ان پر عمل مدوح ہی نہیں بلکہ زندگی کی گاڑی کے چلنے کیلئے از حد ضروری بھی ہے لیکن یہ دوسری قسم کے امور جبری نہیں اگر کوئی نہیں کرتا تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ شوہر کے بھائی بہنوں کی خدمت چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے حکم کے درجے میں بیوی پر نہیں لیکن حسن معاشرت اور اخلاق و کردار کا تقاضہ ہے کہ بیوی شوہر کے چھوٹے بھائی بہنوں کی ضروریات کی دیکھ بھال کرے اس سے شوہر کا دل بھی خوش ہوگا اور معصوم بچوں پر شفقت کا ثواب بھی ملے گا لہذا آپ دونوں کو چاہئے کہ ان لفظی جھگڑوں میں نہ پڑیں۔ آپ خوشدلی سے ثواب کی نیت کے ساتھ اسے اپنا کام سمجھ کر بچوں کی دیکھ بھال کریں اور شوہر بھی ایک غیر لازمی حکم کو ذمہ داری اور فرض کا درجہ دینے سے اجتناب کریں یہی دونوں کیلئے بہتر ہے اور اسی میں آپ کے گھر کیلئے بہتری ہے۔

لما فی الشامیة (۲/۶۰۳): قوله (وینعہا الخ) ولا تتطوع للصلاة والصوم بغیر اذن الزوج بجر عن الظہیریة قلت ینبغی تقیید الصلاة بصلاة التہجد فی اللیل لأن فی ذلك منعا لحقہ وتنقیصا لجمالہا بالسہر والتعب وجمالہا حقہ أيضا كما مر أما غیرہ ولا سیما السنن الرواتب فلا وجه لمنعہا كما لا یخفی --- والذي ینبغی تحریرہ أن یکون له منعہا عن کل عمل یؤدی إلى تنقیص حقہ أو ضررہ أو إلى خروجہا من بیتہ۔

### (۶۸۱) بہو پراساس سر کی خدمت کرنا

#### سؤال

میری شادی کو تقریباً ۵ سال ہو گئے ہیں ویسے تو میری بیوی بہت اچھی ہے بس اس میں ایک خرابی ہے کہ وہ میرے والدین کے ساتھ بدزبانی سے پیش آتی ہے لیکن بدزبانی اس وقت کرتی ہے جب وہ اس سے اپنا کام کروائیں کبھی تو کر دیتی ہے اور کبھی بد اخلاقی

سے پیش آتی ہے میرے والد اکثر کہتے رہتے ہیں کہ تم طلاق دیدو لیکن میں نے ان کو سمجھایا تو وہ پتہ نہیں کس عالم سے یہ لکھوا کر لے آئے کہ اگر بیٹا باپ کے کہنے پر طلاق نہ دے تو اس کا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔

اب مفتی صاحب میں کافی پریشان ہوں دو مہینے سے میری بیوی اپنے میکے میں ہے اور کہتی ہے کہ مجھ کو الگ گھر لے کر دو جب میں واپس آؤں گی وگرنہ نہیں۔ اب آپ بتائیں میرا نکاح ختم ہو آیا نہیں اور مجھ کو موجودہ صورت حال میں کیا کرنا چاہیے کس طرح سے میں اپنی بیوی کو حاصل کر سکتا ہوں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

ساس وسر بہو کیلئے والدین کا درجہ رکھتے ہیں اور اس پر اخلاقاً یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان کی خدمت کرے اور ان کے ساتھ حسن سلوک والا معاملہ کرے اور بیٹے پر والدین کی اطاعت ضروری ہے جب تک کہ وہ خلاف شرع کام کا حکم نہ کریں، البتہ طلاق دینے کا اختیار شریعت نے صرف خاوند کو دیا ہے اگر خاوند کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا آدمی اس کی بیوی کو طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ لہذا صورت مسئلہ میں آپ کے والد کے کہنے سے (کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو) طلاق واقع نہیں ہوئی نیز اگر آپ نے اپنی بیوی کو ایک ایسا کمرہ مہیا کیا ہو جہاں آپ کی بیوی کے علاوہ کسی اور کا آنا جانا نہ ہو، اور بیت الخلاء، باورچی خانہ بھی موجود ہو تو آپ پر علیحدہ گھر بنا کر دینا ضروری نہیں ہے اور آپ کی بیوی کیلئے بھی دوسرے گھر کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہوگا۔ دونوں خاندانوں کے بڑوں کو چاہیے کہ مل بیٹھ کر معاملہ حل کریں۔

لبافی القرآن الکریم (العنکبوت: ۸): وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا.

(الاسراء: ۲۳): وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا.

(الطلاق: ۶): أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وَجْدِكُمْ وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لِيُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ.

وفی مجمعہ الاقصر (۱۸۵/۲): [و یجب علی الزوج أن یسکنها] أي الزوجة لقوله تعالیٰ أسکنوهن من حیث سکنتم [فی بیت] أي فی مکان یصلح مأوی للإنسان حیث أحب لکن بین جیران صالحین سیما إذا کان ممن یتهم بالإیذاء [خال عن أهله] أي الزوج [وأهلها] أي محرم الزوجة لأههما یتضرران بالسکنی مع الناس إذ لا یأمنان علی متاعهما ویمنعهما من الاستمتاع والمعاشرة إلا أن ترضی ہی بأهلہ أو یرضی هو بأهلها --- [ویکفیها بیت] أي کامل المرافق مفرد من دار [إذا کان له] أي للبیت [غلق] بالتحریک ما یخلق ویفتح بالمفتاح لحصول المقصود وهو الأمان والمعاشرة۔

وفی الشامیة (۵۹۹/۲): مطلب فی مسکن الزوجة قوله (وکذا تجب لها) أي للزوجة السکنی ---

قوله (خال عن أهله الخ) لأنها تتضرر بمشاركة غيرها فيه لأنها لا تأمن على متاعها ويمنعها ذلك من المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع -- إذا كان له غلق يخصه وكان الخلاء مشتركا ليس لها أن تطالبه بمسكن آخر قوله (ومفاده لزوم كنيف ومطبخ) أي بيت الخلاء وموضع الطبخ بأن يكونا داخل البيت أو في الدار لا يشاركها فيهما أحد من أهل الدار -- فإن كانت دار فيها بيوت وأعطى لها بيتا يخلق ويفتح لم يكن لها أن تطلب بيتا آخر إذا لم يكن ثمة أحد من أحماء الزوج يؤذيها اهـ

وفي الفتاوى اللجنة (۲۶۵/۱۹): ليس في الشرع ما يدل على إلزام الزوجة أن تساعد أمر الزوج إلا في حدود المعروف وقدر الطاقة؛ إحسانا لعشرة زوجها، وبرا بما يجب عليه بره. وفيه أيضا (۲۶۶/۱۹): حسن المعاملة مطلوب من المسلمة مع والدي زوجها ومع غيرها، ولكنها مع والدي زوجها أكد؛ لما في ذلك من حسن العشرة وإعانة الزوج على بر والديه. وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

## (۶۸۲) شوہر کے گھر کے کام کاج کا حکم

### سوال

میری شادی کو پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اچھی زندگی بسر ہو رہی ہے۔ میری بیوی بڑے سادے ذہن کی عورت ہے گزشتہ ہفتے محلے کے کسی گھر میں ایک دینی مجلس میں گئی جب واپس آئی تو کہنے لگی کہ عورتوں پر لازم نہیں کہ وہ مردوں کے کپڑے دھوئیں اور انہیں کھانا پکا کر دیں میں نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ بس یہ رٹ لگاتی رہی کہ تم مرد ہم عورتوں پر ظلم کرتے ہو، انہیں ان کے حقوق نہیں دیتے۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر میں مفتی صاحب کا تحریری فتویٰ لا کر دکھا دوں تو تمہارا دماغ درست ہو جائے گا؟ کہنے لگی ہاں مجھے مفتی صاحب پر بھروسہ ہے۔ ان کی ہر بات قرآن و حدیث کے موافق ہوتی ہے۔

آنجناب سے گزارش ہے کہ تفصیلی فتویٰ مرحمت فرمائیں کہ آیا ہانڈی، روٹی اور کپڑے دھونا عورت کی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر کون یہ کام انجام دے گا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

میاں بیوی کا رشتہ انتہائی طویل اور دیر پا ہوتا ہے۔ شریعت نے بعض امور ان دونوں میاں بیوی کیلئے ایسے طے کئے ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے اور جن کے بغیر چارہ کار نہیں، انہیں حقوق واجبہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً شوہر پر عورت کے نان نفقہ اور رہائش کا حکم اور

بیوی پر (اگر کوئی شرعی عذر مانع نہ ہو تو) وطی پر قدرت دینے کا حکم، لیکن بعض امور اس ذیل میں ایسے ہیں کہ وہ اخلاق اور دیانت پر مبنی ہیں جن کے بغیر خوشحال زندگی نہیں گزر سکتی یہ امور دیانت و واجب ہوتے ہیں اور شریعت کا مزاج بھی اس سلسلے میں ان امور پر عمل کرنے کا ہوتا ہے لیکن شریعت انہیں لازمی اور حتمی قرار نہیں دیتی اور جبراً ان امور کی انجام دہی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ شوہر کے گھر کی صفائی اور کھانا پکانا وغیرہ اس دوسری قسم سے متعلق ہیں۔

بیوی اگر گھر کو ہنستے بستے اور خوشحال دیکھنا چاہتی ہے تو اسے چاہیے کہ خوشدلی سے ان امور کو انجام دے البتہ شوہر پر بھی لازم ہے کہ اس کی استطاعت سے زیادہ کام (مثلاً کپڑے دھلوانا، وغیرہ) میں احتیاط سے کام لے اور اگر بیوی کی طبیعت، ان امور کے انجام دینے کی نہ ہو اور اس کی صحت وغیرہ پر اثر انداز ہو سکتی ہو تو اسے ان کاموں پر مجبور کرنے کے بجائے نوکرانی کا بندوبست کر لے۔ الغرض یہ امور ایسے ہیں جو مل بیٹھ کر خوشدلی سے حل کرنے کے ہیں جیسا کہ قرون اولیٰ میں عورتوں کی جنت میں سردار حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی زندگی نمونہ ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے تمام امور انجام دیتیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے باہر کے امور انجام دیتے تھے۔ زندگی کی گاڑی ان دو پہیوں کے چلنے سے ہی چل سکتی ہے۔ ایثار و ہمدردی ہی وہ امور ہیں جو زندگیوں میں خوشیاں لاسکتے ہیں، اپنے اوپر جبری واجب احکام کی تفصیل یاد کر کے فقط انہیں ہی انجام دینا اور شریعت کے مزاج سے التفات نہ کرنا، دانشمندی نہیں بلکہ مستقبل میں بہت سی پریشانیوں کا سبب بن سکتا ہے۔

لہذا صورتِ مسئلہ میں آپ کی بیوی کو چاہیے کہ گھر کے کام خوشدلی سے انجام دیں اور ایسی مجالس میں شریک ہوں جو مستند علماء کے ماتحت منعقد ہوں۔ ہر قسم کی مجالس میں شرکت اور اس میں کی گئی ادھوری باتوں پر مسئلے کھڑے کرنا درست نہیں۔

لمافی الدر المختار (۵۷۹/۳): ( امتنعت المرأة ) من الطحن والخبز ( إن كانت ممن لا تخدم ) أو كان بها علة ( فعليه أن يأتيها بطعام مهياً وإلا ) بأن كانت ممن تخدم نفسها وتقدر على ذلك ( لا ) يجب عليه ولا يجوز لها أخذ الاجرة على ذلك لوجوبه عليها ديانة ولو شريفة لأنه عليه الصلاة والسلام قسم الأعمال بين علي وفاطمة فجعل أعمال الخارج على علي رضي الله تعالى عنه والداخل على فاطمة رضي الله تعالى عنها مع أنها سيدة نساء العالمين بحر۔  
وفي الرد المحتج: قوله ( فعليه أن يأتيها بطعام مهياً ) أو يأتيها بمن يكفيها عمل الطبخ والخبز هندية۔

(۶۸۳) شوہر بیوی کو کب مار سکتا ہے؟

سؤال

حضرت مفتی صاحب! شوہر بیوی کو کب اور کتنا مار سکتا ہے؟ اگر بیوی گھر کی صفائی نہ کرے یا کھانا وغیرہ نہ پکائے تو اس پر بیوی کو



مارنا جائز ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ شریعت اتفاق و اتحاد سے زندگی گزارنے کا درس دیتی ہے، معمولی باتوں پر جھگڑے اور ماردھاڑ شریعت کے نقطہ نظر سے درست نہیں۔ خاص کر یہ معاملہ جب میاں بیوی کے درمیان تعلق کا ہو تو بے انتہا تحمل اور قوت برداشت کا متقاضی ہوتا ہے۔ میاں بیوی کو ایک دوسرے کی خامیاں نظر انداز کرنا اور خوبیوں پر نظر رکھتے ہوئے زندگی گزارنا ضروری ہے۔ زوجین کی زندگی میں بہت سے موڑ ایسے آتے ہیں جب صبر، تحمل اور قوت برداشت ہی وہ چیزیں ہیں جو ان کے درمیان موجود رشتے کو باقی رکھتے ہیں ورنہ ان کا انجام طلاق یا خلع کی صورت میں علیحدگی پر منج ہوتا ہے جو کہ بہت سے مفاسد کو جنم دیتا ہے۔

نیز میاں بیوی کے ایک دوسرے پر بہت سے حقوق دیائے واجب ہیں۔ شوہر کے گھر کا کھانا بنانا، صفائی کرنا وغیرہ امور اسی قسم سے ہیں، یہ بیوی پر جبری حکم نہیں لیکن گھر کا نظام چلنے کیلئے حضرت فاطمہ الزہراء اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی سنت ضرور ہیں اور اسی میں خوشحالی مضمر ہے لہذا ان امور پر شوہر کو چاہئے کہ بیوی کو احسن طریقے سے آمادہ کرے اور سلیقہ سے ان کے انجام دہی کی تلقین کرے اور اگر وہ گھر کی صفائی یا کھانا پکانا نہیں کرتی تو ان امور کو نہ کرنے پر شوہر بیوی کو مار نہیں سکتا کیونکہ یہ امور فقط اخلاقاً واجب ہیں حکم کے درجے میں نہیں۔

البتہ اگر بیوی شوہر کی نافرمانی کرے، اسے اپنے اوپر قدرت نہ دے یا خلاف شرع امور کی مرتکب ہو وغیرہ تو ان چیزوں پر شرعاً بطور تنبیہ کے اولاً اسے سمجھایا جائے، اگر سمجھ نہ آئے تو سختی سے تنبیہ کی جائے، اگر پھر بھی باز نہ آئے تو بستر علیحدہ کر لیا جائے، اس کے بعد بھی وہ نہ سمجھے تو شرعاً شوہر کیلئے بیوی کو مارنے کا حق ہے، البتہ ہلکے سے مارا جائے مثلاً ہاتھ سے کندھے پر ۳ دفعہ مار دیا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ مقصود سمجھانا ہے اذیت یا تکلیف دینا نہیں اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ نہ مارنا بہر حال بہتر ہے۔ معاملے کو افہام و تفہیم سے سلجھایا جائے یہی مستقبل میں بہتری کا سبب بن سکتا ہے۔

لمافی التفسیر المنیر (۵/۵۶): قال ابن عباس: إذا أطاعته في المضجع، فليس له أن يضربها.

الضرب غير المبرح: أي المؤذي إيذاء شديدا كالضرب الخفيف باليد غلى الكتف ثلاث مرات، أو بالسواك أو بعود خفيف لأن المقصود منه الصلاح لا غير --- ولا يضربها بسوط ولا بعصا، وأن يراعي التخفيف لأن المقصود هو الزجر والتأديب لا الإيلام والإيذاء، كما يفعل بعض الجهلة. ومع أن الضرب مباح فإن العلماء اتفقوا على أن تركه أفضل.

وفي الهندية (۱/۵۴۸): وإن قالت لا أطبخ ولا أخبز قال في الكتاب لا تجبر على الطبخ والخبز وعلى الزوج أن يأتيها بطعام مهيا أو يأتيها بمن يكفيها عمل الطبخ والخبز.

وفي المفصل (۲۰۸/۴): وقد يكون فائدة معرفة الزوج بأن جمهور الفقهاء لا يرون من الواجب على الزوجة القيام بخدمة زوجها ولا قيامها بشؤون البيت وخدمته --- وأن لا يحاسب الحساب العسير إذ قصرت في ذلك لأن ما تقوم به ليس من الواجب عليها عند جمهور الفقهاء --- وللزوج حق تأديب زوجته إذا قصرت في أداء حق الله عليه وإذا قصرت في أداء حقوقه التي أوجبها الشرع عليها وحق الله عليها هو فعل ما أمرها به وترك ما نهاها عنه الخ.

## (۶۸۳) شوہر کا چار ماہ سے زائد سفر پر جانے کا حکم

### سوال

میں اس وقت کراچی میں رہتا ہوں۔ میری بیوی اور بچے لاہور میں ہیں۔ میں اس وقت کراچی میں ہوں۔ میرا ایک تبلیغی دوست ہے تبلیغی جماعت میں کافی پرانا ہے۔ اسے دینی معلومات بھی ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ جلد گھر جائیں چار ماہ کے اندر بیوی کے پاس جانا ضروری ہوتا ہے۔ میں کافی پریشان ہوا کیونکہ میں تو تقریباً ساڑھے ساٹھ ماہ سے کراچی میں ہوں ملازمت کا مسئلہ ہے آیا ان کی بات صحیح ہے؟ شوہر بیوی سے کتنا عرصہ جدا رہ سکتا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوحاب

صورت مسئلہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ ہمستری کرنا یہ میاں اور بیوی دونوں کا حق ہے البتہ شادی کے بعد ایک مرتبہ ہمستری کرنا حکم کے درجہ میں شوہر پر واجب ہے۔ اگر ایک بار ہمستری نہ کی تو قاضی ایک سال علاج کی مہلت دے کر میاں بیوی میں تفریق کرنے کا (بشرطیکہ عورت مطالبہ کرے)۔ نیز ایک سے زائد مرتبہ جیسے جیسے میاں بیوی کی خواہش ہو وقتاً فوقتاً حقوق زوجیت ادا کرنا دیا جائے واجب ہے، یعنی فیما بینہ و بین اللہ شوہر کیلئے ضروری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً ہمستری کرتا رہے البتہ یہ وقفہ چار ماہ سے زائد نہیں ہونا چاہئے، اگر چار ماہ سے زائد وقفہ آ رہا ہو تو بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔ اگر وہ اجازت دے دیتی ہے اور بیوی سے علیحدہ رہنے میں کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر چار ماہ سے زائد بھی علیحدہ رہا جاسکتا ہے۔

جہاں تک بات ہے سفر کی اور میاں بیوی کے الگ الگ شہروں میں زندگی بسر کرنے کی تو اس میں بھی چار ماہ سے زائد کے سفر کیلئے بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے البتہ اگر بیوی کے کسی فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو بیوی کی اجازت سے بھی اتنا طویل سفر اکیلے کرنا درست نہیں۔ اس میں بہتر تو یہ ہے کہ بیوی کو ساتھ لے جائے یا چار ماہ سے قبل وقتاً فوقتاً گھر آتا رہے یا گھر کے قریب ہی ملازمت یا دیگر مسائل کا حل تلاش کرے۔ الغرض بیوی سے چار ماہ سے زائد بغیر اجازت کے علیحدہ رہنا درست نہیں نیز آج کے پرفتن دور میں اتنا عرصہ [چار ماہ سے کم] بیوی سے اس کی اجازت کے ساتھ اہر رہنا بیوی کے کسی بھی فتنے میں پڑنے کا سبب بن سکتا ہے لہذا حتی الامکان

پرہیز کیا جائے۔ اگر اتفاقاً ایک آدھ بار کوئی ایسا طویل سفر درپیش آجائے تو بیوی سے اجازت لے کر اس سفر پر جانے میں حرج نہیں لیکن اسے معمول بنا لینا خصوصاً جوان بیوی کے حق میں عقلمندی نہیں بلکہ خود کو فتنوں میں پیش کرنے کے مترادف ہے جو حوصلہ افزا نہیں بلکہ قابل ترک بات ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں آپ کو چاہئے کہ وقتاً فوقتاً ملازمت سے چھٹی لے کر گھرا ہو جاتے رہا کریں یا بیوی کو بھی کراچی بلا لیں اگر یہ دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں تو لاہور میں ہی ملازمت تلاش کر لیں کیونکہ مال سے زیادہ عزت اور اہل و عیال اہم ہیں لہذا آپ فوراً گھر جائیں اور آئندہ اگر اتفاقاً کبھی چار ماہ سے زائد کے سفر پر جانا ہو تو بیوی کو اعتماد میں لیں پھر جائیں بیوی سے اجازت لئے بغیر یوں سات ماہ تک الگ شہر میں رہنا درست نہیں۔

لمافی السنن الکبری للبیہقی (۲۹/۹): عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال : خرج عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ من اللیل فسمع امرأة تقول :

**تصاول هذا اللیل واسود جانبہ**

**وارقنی أن لا حیب إلا عبہ**

**فواللہ لو لا اللہ إني أراقبہ**

**تحرك من هذا السریر جو انبہ**

فقال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لحفصة بنت عمر رضی اللہ عنہما : کم أكثر ما تصبر المرأة عن زوجها؟ فقالت : ستة أو أربعة أشهر. فقال عمر رضی اللہ عنہ : لا أحبس الجيش أكثر من هذا.

وفي تاریخ المدينة (۲/۴۵۹): عن المغيرة قال سأل عمر رضی اللہ عنہ حفصة رضی اللہ عنہا متى يشتد علی المرأة فقد زوجها فقالت شهرين لا تباليه وأربعة تكون بين الأمرين والستة الأشهر فجعل مغازی الناس ستة أشهر۔

وفي رواية زيد بن أسلم فقالت تصبر المرأة عن زوجها أربعة اشهر وخمسة أشهر وذلك أن تلك مدة العدة، فقال عمر رضی اللہ عنہ يسير الناس إلى غزاتهم شهرا ثم يرجعون شهرا ويقيمون أربعة أشهر فوقت ذلك الناس۔

وفي المبسوط للسرخسی (۲۲۱/۵): والصحيح أنه يؤمر بأن يؤنسها بصحبته أحيانا من غير أن يكون في ذلك شيء مؤقت۔

وفي الشامية (۲/۲۰۲): قوله (ويسقط حقها بمرّة) قال في الفتح واعلم أن ترك جماعها مطلقا لا

یجل له صرح أصحابنا بأن جماعها أحياناً واجب ديانة لكن لا يدخل تحت القضاء والإلزام إلا الوطأة الأولى ولم يقدرُوا فيه مدة ويجب أن لا يبلغ به مدة الإيلاء إلا برضاها وطيب نفسها به اهـ۔۔۔ وفي البدائع لها أن تطالبه بالوطء لأن حله لها حقها كما أن حلها له حقه وإذا طالبت به عليه ويجبر عليه في الحكم مرة والزيادة تجب ديانة لا في الحكم عند بعض أصحابنا وعند بعضهم عليه في الحكم اهـ وبه علم أنه كان على الشارح أن يقول ويسقط حقها بمرّة في القضاء أي لأنه لو لم يصبها مرّة يؤجله القاضي سنة ثم يفسخ العقد أما لو أصابها مرّة واحدة لم يتعرض له لأنه علم أنه غير عنين وقت العقد بل يأمره بالزيادة أحياناً لوجوبها عليه إلا لعذر ومرض أو عنة عارضة أو نحو ذلك۔

## (۶۸۵) جہاد، کسب معاش یا کسی ادارے میں ملازمت کیلئے باہر رہنا

### سوال

ایک شادی شدہ آدمی اپنی بیوی کو چھوڑ کر کسی غیر ملک یا شہر جاتا ہے تو اس کو کب تک واپس لوٹ کر آنا چاہئے۔ کیا اسلام نے اس کا کوئی وقت یا کوئی حد مقرر کی ہے؟

(۲) اگر کافی عرصے تک اس کا شوہر ذریعہ معاش کے سلسلے کی وجہ سے نہ آسکے تو کیا اس صورت میں اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی؟

(۳) یا کافی عرصے تک نہ آئے اور وہ وہاں پر اپنے بیوی بچوں کیلئے کمانے گیا ہو تو وہ کمائی اس کے بیوی بچوں کیلئے جائز ہے؟ کیونکہ وہ عرصہ دراز سے بیوی سے دور ہے یا بیوی سے نہیں ملا ہے۔

(۴) سنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جہاد پر جاتے تھے ان پر پابندی لگائی تھی کہ وہ ۳ مہینے کے اندر واپس آ کر بیوی سے رجوع کریں اور پھر واپس چلے جائیں۔

(۵) ہمارے یہاں بہت سارے محکمے ایسے ہیں جن سے متعلق لوگ اپنے گھر سے دور رہتے ہیں مثلاً پولیس یا فوج وغیرہ، کیا اس صورت میں وہ اپنی بیوی کے حقوق پورے نہیں کر رہا ہے؟ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۶) جو قانون حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا کیا آج بھی اس پر عمل کرنا چاہئے؟ جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے تو ان کے بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں؟ تبلیغ کیلئے بھی علماء اکثر دوسرے ملک سال دو سال کیلئے بھی جاتے ہیں، اس بارے میں بھی بیان فرمائیں۔ برائے کرم تمام سوالات کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

(۱) شادی شدہ آدمی کے عام حالات میں جہاد میں جانے کی صورت میں اگر زوجہ کی دلی رضامندی سے اجازت ہو، اور اس کے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ بھی نہ ہو اور اولاد کی صورت میں ان کی تعلیم اور تربیت کے ضائع ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو اور والدین کو اس کی خدمت کی ضرورت بھی نہ ہو، اور ان دونوں کی طرف سے دلی رضامندی سے اجازت بھی ہو تو عام حالات میں جہاد پر جانے اور چار ماہ سے زیادہ وقت تک گھر نہ آنے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ جانے کی بھی شرعاً اجازت نہیں کیونکہ جہاد فرض کفایہ ہے اور والدین کی خدمت، زوجہ کے حقوق فرض عین ہیں اور فرض کفایہ کی ادائیگی میں فرض عین کو چھوڑنے کی شرعاً اجازت نہیں۔

البتہ کبھی ضرورت کے موقع پر بیوی کی اجازت سے طویل سفر اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں اور محض دولت اکٹھی کرنے کیلئے اس کو معمول بنالینا دوسری بات ہے، ایسی صورت میں فتنے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے معاش کے حصول کیلئے طویل سفر کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اگر فتنے کا ظن غالب ہو تو بیوی کی اجازت کے باوجود طویل سفر کرنا جائز نہیں، اگرچہ مدت چار ماہ سے بھی کم ہو، قریب میں بھی معاش کے ذرائع میسر ہو سکتے ہیں۔

(۲) مذکورہ صورت میں اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔

(۳) وہ کمائی بیوی، بچوں کیلئے حلال ہے، بشرطیکہ وہ مال حلال ہو۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم لکھ کر بھیجا تھا کہ چار ماہ سے زیادہ لشکروں کو نہ روکا جائے اور ایک روایت میں چھ ماہ کا ذکر ہے،

البتہ فقہاء نے چار ماہ والی روایت کو ترجیح دی ہے۔

(۵) ان حکموں میں بعض افراد کی رہائش کا انتظام مع اہل و عیال وہیں ہوتا ہے اور بقیہ افراد کو عام طور پر چار ماہ میں رخصت مل

جاتی ہے۔

(۶) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے، آج بھی اس پر عمل کو لازم قرار دینا چاہئے، تاہم اگر کوئی

ادارہ اس قانون پر عمل نہ کرے اور اس ادارے کو ایسے افراد میسر ہوں جو یا تو غیر شادی شدہ ہوں یا ہوں تو شادی شدہ لیکن قریب کے

افراد ہوں یا وہ طویل مسافت کے باوجود اپنے اہل کو بھی اپنے ساتھ رکھ سکتے ہوں تو کوئی حرج نہیں اور اگر اس ادارے کے ذمہ دار

حضرات اپنے قوانین شروع ہی سے بتادیں، پھر بھی اگر کوئی شخص طویل مسافت اختیار کر کے اس ادارے میں کام کرے گا اور زوجہ کے

حقوق میں کوتاہی کا مرتکب ہوگا تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا، ایسی صورت میں اس کو تاہی سے اس ادارے کے ذمہ دار حضرات بری الذمہ

ہوں گے۔ تبلیغ میں جانے اور حصول علم کیلئے سفر کرنے کا بھی وہی حکم ہے، جو پہلی شق میں جہاد کا حکم گزر چکا ہے۔

لمافی السنن الکبری للبیہقی (۲۹/۹): عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: خرج عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

من اللیل فسمع امرأة تقول:

تطاول هذا الليل واسود جانبه  
وأرقتني أن لا حبیب إلا عبه  
فوالله لولا الله إني أراقبه  
تمرك من هذا السرير جوانبه

فقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه لحفصة بنت عمر رضي الله عنهما: كم أكثر ما تصبر المرأة عن زوجها؟ فقالت: ستة أو أربعة أشهر. فقال عمر رضي الله عنه: لا أحسن الجيش أكثر من هذا.

وفي الدرالمختار (۲/۳۰۲): (وفي الملبوس والمأكول) والصحبة (لا في المجامعة) كالمحبة بل يستحب ويسقط حقها بمرّة ويجب ديانة أحيانا ولا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها وفي الرد تحت: قوله (بل يستحب) أي ما ذكر من المجامعة --- قوله (ويسقط حقها بمرّة) قال في الفتح واعلم أن ترك جماعها مطلقا لا يحل له صرح أصحابنا بأن جماعها أحيانا واجب ديانة لكن لا يدخل تحت القضاء والإلزام إلا الوطأة الأولى ولم يقدروا فيه مدة ويجب أن لا يبلغ به مدة الإيلاء إلا برضاها وطيب نفسها به اهـ وفي الفقه الاسلامي وادلته (۶۵۹۹/۹) حكم الاستمتاع أو هل الوطء واجب؟ قال الحنفية: للزوجة أن تطالب زوجها بالوطء؛ لأن حله لها حقها، كما أن حلها له حقه، وإذا طالبت به يجب على الزوج. وقال المالكية: الجماع واجب على الرجل للمرأة إذا انتفى العذر.

(۶۸۶) فوجی کتنا عرصہ ٹریننگ پر جا سکتا ہے؟

سؤال

مفتی صاحب! بسا اوقات کسی سپاہی یا مجاہد کو دوران ٹریننگ چھ ماہ اور سال تک چھٹی نہیں ملتی تو کیا اس سپاہی یا مجاہد کیلئے اپنی بیوی سے اتنی مدت تک دور رہنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوہاب

مرد کا اپنی بیوی کے حقوق زوجیت کو چار ماہ کی مدت کے اندر اندر پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی آدمی چار ماہ سے زائد اپنی بیوی سے دور رہتا ہے اور وہ بیوی اس کی طرف محتاج ہے تو وہ آدمی گناہگار ہوگا لہذا سپاہیوں یا مجاہدین کو چار ماہ کے اندر اندر چھٹی لے کر

گھر جانا چاہیے البتہ اگر ان کی بیویاں جماع کی محتاج نہ ہوں اور وہ اجازت دے دیں تو چار ماہ سے زائد بھی رکھا جاسکتا ہے۔  
 لمافی التفسیر المظہری (۵۰/۲): (وعاشروهن بالمعروف) بالإنصاف فی الفعل وأداء الحقوق و  
 الإحسان فی القول۔

وفی المصنف لعبد الرزاق (۱۵۱/۴): عبد الرزاق عن بن جریج قال أخبرني من أصدق أن عمر رضي الله عنه  
 وهو يطوف سمع امرأة وهي تقول:

**تطاول هذا الليل واخضل جانبه**

**وأرقني إذ لا خليل الأعبه**

**فلولا حذار الله لا بشيء مثله**

**لزعزع من هذا السرير جوانبه**

فقال عمر رضي الله عنه فمالك قالت أغربت زوجي منذ أربعة أشهر وقد اشتقت إليه فقال أردت سوء  
 قالت معاذ الله قال فاملكي على نفسك فإنما هو البريد إليه فبعث إليه ثم دخل على حفصة فقال  
 إني سائلك عن أمر قد أمني فأفرجيه عنه كم تشتاق المرأة إلى زوجها فخففت رأسها  
 فاستحيت فقال فإن الله لا يستحي من الحق فأشارت ثلاثة أشهر وإلا فأربعة فكتب عمر ألا  
 تجبس الجيوش فوق أربعة أشهر۔

وفی الشامیة (۲۰۲/۳): ویؤید ذلك أن عمر رضي الله تعالى عنه لما سمع في الليل امرأة تقول:  
 فوالله لولا الله تخشى عواقبه لرحزح من هذا السرير جوانبه فسأل عنها فإذا زوجها في الجهاد،  
 فسأل بنته حفصة: كم تصبر المرأة عن الرجل: فقالت أربعة أشهر، فأمر أمراء الأجناد أن لا  
 يتخلف المتزوج عن أهله أكثر منها، ولو لم يكن في هذه المدة زيادة مضارة بها لما شرع الله تعالى  
 الفراق بالإيلاء فيها.

**(۶۸۷) بیوی کا سفر پر جانے سے انکار کرنا**

**سؤال**

زید اور فاطمہ کی شرعی طریقہ سے شادی ہوئی لڑکا کفو بھی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد زوج ترک وطن کرتا ہے اور زوجہ ترک وطن  
 پر رضامند نہیں ہوتی اور سفر پر اس کے ہمراہ جانے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ وہ اپنے حقیقی بھائیوں اور باپ وغیرہ کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ آیا

اس صورت میں شوہر، بیوی کو اپنے ہمراہ جبراً سفر پر لے جاسکتا ہے یا نہیں؟ زوجہ کے انکار پر زوج جبر و تشدد کرتا ہے آیا اس کا یہ فعل جائز ہے؟ زوجہ باعصمت ہے، اپنے بھائیوں کو نہ چھوڑنے کے علاوہ اور کوئی وجہ انکار کی نہیں ہے۔

### الجواب بعون الملک الوحاب

اگر شوہر نے اپنی بیوی کو اس کا مکمل مہر دیدیا ہے اور اب اس کو سفر میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک لے جانا چاہتا ہے تو خاوند کو از روئے شرع اس بات کی اجازت حاصل ہے، لیکن اگر مہر ادا نہیں کیا تو پھر اس کو سفر پر لے جانے پر مجبور نہیں کر سکتا، اور اس صورت میں بیوی پر جبر و تشدد کرنا یہ ظلم ہوگا، لہذا صورت مسئولہ میں اگر زید نے اپنی بیوی فاطمہ کو مکمل مہر حوالہ کر دیا ہے اور اب وہ بیوی کو باہر ملک لے جانا چاہتا ہے تو زید کو یہ حق حاصل ہے لیکن اگر اس نے مہر بھی دیدیا ہو اور باہر ملک لے جانے کی صورت میں عورت کو ضرر دینا مقصود ہو یا غالب گمان ہو کہ اس کو ضرر لاحق ہوگا مثلاً عورت کو مارا گیا یا اس کے حقوق کو پورا نہیں کرے گا تو پھر باہر لے جانے کی اجازت نہیں ہے، نیز اگر زید نے اپنی بیوی کو مہر حوالہ نہ کیا ہو تب بھی وہ بیوی کو باہر ملک چلنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

لمافی التاتارخانیة (۱۱۵/۳): من: وفي فتاوى الشيخ أبو الليث: إذا أراد الزوج أن يخرج المرأة من بلد إلى بلد وقد أوفاهما مهرها فجواب الكتاب أن له ذلك۔

وفي الهندية (۳۱۶/۱): ولو دخل الزوج بها أو خلا بها برضاها فلها أن تمنع نفسها عن السفر بها حتى تستوفي جميع المهر على جواب الكتاب۔۔۔ وإذا أوفاهما مهرها نقلها إلى حيث شاء۔

وفي الشامية (۱۳۸/۳): قلت وفيه أنه بعد تصريح الكافي بأن الفتوى على جواز النقل وقول القنية إنه الصواب كيف يكون ضعيفا نعم لو اقتصر على الترجيح بفساد الزمان لكان أولى لكن ينبغي العمل بما مر عن البزازية من تفويض الأمر إلى المفتي حتى لو رأى رجلا يريد نقلها للإضرار بها والإيذاء لا يفتيه ولا سيما إذا كانت من أشرف الناس ولم تكن القرية مسكنا لأمثالها فإن المسكن يعتبر مجالها كالنفقة كما سيأتي في بابها۔

### (۶۸۸) میاں کا بیوی کو اپنے گھر نہ بسانا

#### سوال

ایک بچی حنا کی شادی ہوئی۔ شوہر کی والدہ صاحبہ کا شادی سے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ اس دوران ۲۰۰۲ء میں ایک بچی (واعظ) پیدا ہو گیا اور ۲۰۰۳ء میں ایک بچی (حضرتی) پیدا ہوئی۔ شوہر کی بڑی بہن فرح نے دانش کو بہکانا شروع کیا پہلے کھانا بند کیا پھر علاج بند کیا، بچی خود کما کر انہی کے گھر خانہ داری چلاتی رہی۔ جب زیادہ بیمار ہوتی تو والدہ کے گھر چلی آتی۔ شوہر ایک دن بھی ڈاکٹر



کے پاس نہیں لے کر گیا۔ شادی سے اب تک جب ظلم سہتے ہوئے بھاگ کر گھر آتی تو میں بحیثیت والدہ بچی کو پھر سسرال چھوڑ آتا۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ میں نے شادی نہیں کی ہے جس نے شادی کرائی ہے وہ جانے۔

آج ڈیڑھ سال سے والدین کے یہاں بیٹھی ہے نہ حنا نے شوہر سے بات کی اور نہ آواز سنی اور نہ وہ یہاں آتا ہے۔ شوہر کہتا ہے کہ خلع لے لو میں طلاق اس لئے نہیں دوں گا کہ میرے پاس مہر دینے کے پیسے نہیں ہیں۔ مہر ۲۵،۰۰۰ روپے دینا نہیں چاہتا ہے اور صرف زبان کی حد تک کہتا ہے کہ وہ آجائے اور میرے یہاں رہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، وہ نہیں چاہتا کہ بیوی ساتھ رہے۔ اب لڑکی کے والدین کیا کریں؟ کتنے عرصے لڑکی شوہر سے علیحدہ رہ سکتی ہے؟ طلاق وہ دینا نہیں چاہتا کیا خلع خود بخود ہو جائے گا؟ دوسری شادی کب کر سکتی ہے؟ دونوں چھوٹے بچوں کا پوچھتا ہے اور نہ خرچ دیتا ہے، اور نہ دینا چاہتا ہے کیا کیا جائے؟ دولہا کی بہن فرح کے مطابق کہ ان کے یہاں مرد کے پاس وقت نہیں ہے کہ فیصلہ کرے۔ کیا عدالت فیصلہ کرے گی یا تھانہ؟ کیا خلع کے بعد عدت میں بیٹھنا ہے اور کتنا عرصہ؟ لڑکی کی عمر ابھی ۲۵ سال ہے۔ اب حنا ڈیڑھ سال بعد کسی لڑکی کی معرفت سے ملنا چاہتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

(۱) بیوی کے ساتھ حسن سلوک نہ کرنا اور اس کے حقوق ادا نہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے

ہیں:

وَعَاشِرُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا

(النساء: ۱۹)

ترجمہ: اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو، اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شیء کو ناپسند کرو اور اللہ

تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔ (بیان القرآن للعثمانوی ۱/۱۶۶)

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زور دیتے ہوئے بطور وصیت ارشاد فرمایا:

فاتقوا اللہ فی النساء فإنکم أخذتموهن بأمان اللہ واستحللتم فروجهن بکلمات اللہ. (مسلم، ۱/۳۹۷)

ترجمہ: عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے ان کو امان سے لیا اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمات سے

اپنے لئے حلال کیا ہے۔

اسی طرح بیوی پر شوہر کی مکمل اطاعت واجب ہے جب تک وہ اس سے گناہ کے کام کا مطالبہ نہ کرے۔ اس کو شوہر کی نافرمانی

سے بچنا چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أریب النار فإذا أكثر أهلها النساء، یکفرن قیل: أیکفرن باللہ؛

قال: "یکفرن العشیر، ویکفرن الإحسان، لو أحسنت إلى إحداهن الدهر، ثم رأیت منک شیئا.

قالت: ما رأيت منك خيرا قط "

(البخاری، ۹/۱)

"مجھے جہنم اور آگ دکھائی گئی، پس اچانک میں نے دیکھا کہ جہنم کے اکثر باشندے عورتیں ہیں۔ یہ کفر کرتی ہیں۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا۔ کیا یہ اللہ کا انکار کرتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں۔ ساری عمر اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ احسان کرو پھر وہ تم سے کوئی ناگوار چیز دیکھ لے تو کہتی ہے کہ میں نے تجھ سے کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔"

لہذا میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے چاہئیں اور کسی کے باتوں میں نہیں آنا چاہیئے۔

(۲) میاں بیوی دونوں خاندانوں کے بڑے اور سمجھ دار لوگوں کو چاہیئے کہ وہ مل بیٹھ کر اس مسئلے کو خلاص کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کریں اور دونوں کو سمجھا کر ان کے درمیان غلط فہمیاں دور کریں اور ان کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی نصیحت کریں۔ اگر پھر بھی دونوں میں نہ بن سکے تو بیوی کو کسی بھی طرح شوہر سے خلع یا طلاق لینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(۳) خلع خود بخود نہیں ہوتا اس کی صورت یہ ہے کہ بیوی شوہر سے کہے کہ مہر کے بدلے یا کسی مال کے بدلے مجھ سے خلع کر لو اور شوہر قبول کرے تو خلع (یعنی طلاق بائن) واقع ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ خلع میں شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر عدالت سے یکطرفہ خلع لیا گیا تو شرعاً یہ خلع معتبر نہیں۔

(۴) خلع یا طلاق کے بعد بیوی کو تین حیض عدت گزارنی ہوگی، اس کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

(۵) دونوں بچوں کا نفقہ باپ پر واجب ہے، اگر وہ نہیں دیتا تو گنہگار ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۳۵): وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكْمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكْمًا مِنْ أَهْلِهَا... الآية۔

وفی التاتاریخانیة (۲۳۲/۳): (کتاب النفقات): وفی المنافع: ونفقة الصغیر واجبة علی ایه وان خالفه فی دینہ۔

وفی الشامیة (۲۳۱/۳): قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستانی عن شرح الطحاوی السنة إذا وقع بین الزوجین اختلاف أن یجتمع أهلها لیصلحوا بینهما فإن لم یصلحوا جاز الطلاق والخلع اھط وهذا هو الحكم المذكور فی الآية وقد أوضح الكلام علیہ فی الفتح آخر الباب۔

## (۶۸۹) لڑکی والوں کا بیٹی کو اپنے گھر بیٹھا لینا

### سوال

کافی عرصے سے ہمارے بیٹے اور بہو میں کچھ تلخ کلامی چل رہی تھی۔ ایک روز ہماری بہو کی بہن آئی اور اس نے ہماری بہو سے کہا کہ بھابھی کے بھائی کی شادی ہے اور تم نے ضرور شریک ہونا ہے اور وہ لوگ ان لوگوں کو دعوت نہیں دیں گے۔ دوسرے روز ہماری بہو بغیر کسی کو بتائے پڑوس میں چلی گئی۔ جب ساس نے بہو کو گھر میں نہ دیکھا تو معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ پڑوس میں ہے۔ اسے بلایا اور کہا کہ ہماری بہو بیٹی بغیر بتائے نہیں جاتیں، اس پر ساس اور بہو میں تلخ کلامی ہو گئی۔ شام کو شوہر نے بیوی سے معلوم کیا کہ آپ کا منہ کیوں بنا ہوا ہے؟ بیوی نے شوہر سے کہا کہ تمہاری ماں نے ڈنگ مارا ہے اور تم نیولے اور گندے کیڑے کی پیدائش ہو۔ یہاں تک کہ شوہر کے گریبان تک ہاتھ ڈال دیا۔

کیا اسلام میں بیوی اپنے شوہر اور اس کی ماں کو گالی دے سکتی ہے۔ اس کے جواب میں شوہر پھر کیا کہہ سکتا ہے؟ جس پر شوہر نے کہا کہ تمہاری ماں کے منہ پر تھوکوں گا، تمہیں تمہاری ماں نے یہی تربیت دی ہے۔ جس پر ہم نے بہو سے کہا کہ بیٹا کچھ عرصے سے تمہارا رویہ ناقابل برداشت ہے لہذا ہم نے اس کو اس کی ماں کے گھر بھیج دیا۔ ہمارا لڑکا جب اپنے سسرال گیا تو انہوں نے لڑکے کو مارنے کی دھمکی دی اور کہا کہ تم اپنا بچہ لے جاؤ اور ہماری بہن کو طلاق دے دو۔ دوسرے روز ہم گئے اور ہم نے کہا کہ بھائی دس منٹ کیلئے میرے ساتھ مسجد میں بیٹھ کر میری چار باتیں سن لو، آپ جیسے کہو گے ہم تمہاری بات مان لیں گے۔ اس عرصے کو چھ مہینے گزر گئے نہ تو وہ ہماری بہو کو بھیجتے ہیں، نہ بات کرتے ہیں۔ ہماری بہو آنا چاہتی ہے مگر وہ آنے نہیں دیتے اور وہ ہماری بہو سے کہتے ہیں ہمیں مار دو اور تم اپنا گھر بسالو۔

کیا ہمارے ہاں مسلمان لڑکی شوہر سے بدکلامی کا حق رکھتی ہے اور لڑکی والے ایسا کرنے کا حق رکھتے ہیں؟ برائے مہربانی اس کا حل بتادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

کسی معاشرہ کا کامیاب ترین اور نیک بخت گھرانہ وہ ہوتا ہے جس کے افراد خصوصاً میاں بیوی میں محبت و الفت، اتفاق و اتحاد اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا خوب اہتمام اور لحاظ ہو تو ایسا گھر دنیا میں جنت نظیر بن جاتا ہے۔ ایک گھر کے افراد سے متعلق حقوق کی جو فہرست ہے اس میں سرفہرست میاں بیوی کے حقوق ہیں۔ جس طرح بیوی کے حقوق شوہر کے ذمہ واجب ہیں اسی طرح شوہر کے حقوق بیوی پر ہیں۔ ان حقوق میں یہ بات بھی ہے کہ بیوی پر شوہر کی عزت، احترام و اکرام واجب ہے۔ اس کیلئے شوہر کو تکلیف دینا حرام ہے۔ جو عورت اپنے شوہر کو گالیاں اور تکلیف دینے سے اجتناب نہیں کرتی اس کے بارے میں احادیث مبارکہ میں سخت وعیدیں

آئی ہیں لہذا بشرط صحت واقعہ صورت مسئلہ میں عورت مذکورہ پر توبہ واستغفار لازم ہے نیز سسرال والوں کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے داماد کو ماریں اور اپنی لڑکی کو اپنے گھر بٹھالیں۔ ان لوگوں کو اس فعل سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء): وَإِنْ أَمْرًا خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهَا أَنْ یُصَلِّحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَیْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا۔

(الروم: ۲۱): وَمِنْ آیَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآیَاتٍ لِقَوْمٍ یَتَفَكَّرُونَ۔

وفی الفقہ الاسلامی (۳۲۲/۴): المبحث الثالث - الحقوق المشتركة بین الزوجین: أغلب الحقوق السابقة خصوصاً حق الاستمتاع وما یتبعه هی حقوق مشتركة بین الزوجین، لكن حق الزوج علی زوجته أعظم من حقها علیه، لقوله تعالى: { وللرجال علیهن درجة } [البقرة] وليس لكل من الزوجین تحسین الخلق لصاحبه والرفق به واحتمال أذاه وسوء طباعه، لقوله تعالى: { والصاحب بالجنب } [النساء] أي الإحسان له، وللحديث المتقدم: استوصوا بالنساء خیراً وحديث خياركم خياركم لنسائه۔

وفی اللجنة الدائمة (۲۲۶/۱۹): س: ما حکم المرأة التي ترفع صوتها علی صوت زوجها أثناء الحديث؟ ج: المشروع أن یتخاطب الزوجان بما یجلب المودة ویقوی الروابط الزوجية، وأن یتجنب کل منهما رفع الصوت علی صاحبه، أو مخاطبته بما یکرهه؛ لقوله سبحانه وتعالى: { وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ }

## (۶۹۰) بیوی کو والدین سے ملنے سے منع کرنا

### سؤال

مفتی صاحب! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اس کے والدین سے ملنے نہ دے تو بیوی کو کیا کرنا چاہیے؟ جبکہ والدین کے بھی تو اولاد پر بے شمار حقوق ہوتے ہیں تو شوہر کا حکم ماننا ضروری ہے یا والدین کو چھوڑ دینا؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

شوہر کا حکم ماننا ضروری ہے اور لازم ہے لیکن شوہر کی اجازت نہ دینے پر والدین کو چھوڑنا درست نہیں ہے، اس کی بہتر صورت تو

یہ ہے کہ ہفتہ، دس دن میں والدین خود آکر لڑکی سے ملاقات کر لیں البتہ شوہر کی بغیر اجازت بیوی کو شرعاً ہفتہ میں ایک مرتبہ والدین کے ساتھ ملاقات کرنے کا حق حاصل ہے۔

لمافی الہندیۃ (۵۵۷/۱): وإذا أراد الزوج أن يمنع أباهما أو أمها أو أحدا من أهلها من الدخول عليه في منزله اختلفوا في ذلك قال بعضهم لا يمنع من الأبوين من الدخول عليها للزيارة في كل جمعة وإنما يمنعهم من الكينونة عندها وبه أخذ مشايخنا رحمهم الله تعالى وعليه الفتوى كذا في فتاوی قاضي خان وقيل لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة مرة وعليه الفتوى كذا في غاية السروجی۔

## (۶۹۱) بے پردگی والے میکے میں بیوی کو جانے سے منع کرنا

### سؤال

زید اپنی بیوی کو ماں کے گھر جانے سے روکتا ہے۔ اسے ظن غالب ہے کہ وہاں بے پردگی ہوگی کیونکہ اس کے میکے میں شرعی پردہ نہیں کیا جاتا۔ زید اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اس کی والدہ وغیرہ یہاں آکر لڑکی سے مل جایا کریں۔ لڑکی کی ماں اب مسئلے کو بڑھا رہی ہیں اور تفریق کرانا چاہتی ہیں۔ مفتی صاحب! ازراہ کرم آپ بتائیں کہ کیا شرعاً یہ ضروری نہیں کہ زید اپنی بیوی کو میکے جانے سے روکے جبکہ وہاں پردے کا اہتمام نہیں اور اس پر لڑکی والوں کا تفریق کرانا جائز ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں اولاً یہ بات سمجھئے کہ میاں بیوی کا رشتہ زندگی بھر کے ایک بندھن کا نام ہے اس میں باہمی مزاج کو سمجھنا اور ایک دوسرے کی رعایت رکھنا از حد ضروری ہے۔ معمولی اختلاف کو افہام، تفہیم کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کرنا لائق تحسین امر ہے اور تفریق یا طلاق کا اختیار کرنا شرعاً ممدوح نہیں۔

لہذا سوال مذکور میں اولاً تو شوہر کی بھی کوتاہی ہے کہ جب اسے لڑکی کے گھر کے ماحول کا خلاف شرع ہونا معلوم تھا تو رشتے پر حامی کیوں بھری اور جب رشتہ کیا ہے تو اب تسامح اور تحمل سے کام لے۔ ثانیاً بیوی کی بھی ذمہ داری ہے کہ جب شوہر اس کی نازیبا حرکات اور نامحرم کے سامنے بے پردہ آنے سے غصہ ہوتا ہے تو وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی بقیہ زندگی کیلئے مشکلات کا خاتمہ کرے۔

لہذا صورت مسئلہ میں:

(۱) پہلے تو شوہر کو چاہئے کہ لڑکی کو خود جا کر میکے میں اس کے رشتہ داروں سے ملا لائے شوہر خود جائے گا تو بے پردگی کا احتمال بھی

نہ رہے گا۔

(۲) اگر بیوی کو اکیلے بھیج رہا ہے تو سوء ظن سے کام نہ لے اور بیوی پر اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہوئے پردے کی تفصیلات اسے

بتادے۔

(۳) میاں، بیوی اور بیوی کے گھر والوں کو چاہیے کہ مل بیٹھ کر معاملے کو حل کر لیں شوہر کا فقط اس بات کی اجازت دے دینا کہ

اس کے والدین وغیرہ یہاں آکر مل جائیں کافی نہیں بلکہ شوہر کو بھی کچھ لچک دکھانا ضروری ہے اس کی بہتر صورت وہی ہے کہ خود جا کر ملا لائے اور لڑکی کے گھر والوں کو بھی چاہیے کہ ان معمولی اختلافات پر ایک بے بسائے گھر کو ختم کرنے کے بارے میں نہ سوچیں بلکہ اپنے گھر کے ماحول کو شرعی سانچے میں ڈھالیں۔

(۴) نیز بیوی کی بھی شرعی ذمہ داری ہے کہ اپنی عزت و عصمت کی حفاظت کرے اور ہر اس شخص سے جو اس کا نامحرم ہو یا

شوہر کو بیوی کا اس شخص سے ملنا برا لگتا ہو، ان افراد سے ملنے سے اجتناب کرے اور خواہ مخواہ بے بسائے گھر کو تباہ کرنے پر نہ تلے۔

لمافی الشامیة (۶۰۲/۳): وعن أبي يوسف في النوادر تقييد خروجها بأن لا يقدر على إتيانها فإن

قدرا لا تذهب وهو حسن وقد اختار بعض المشايخ منعها من الخروج إليهما وأشار إلى نقله في شرح

المختار والحق الأخذ بقول أبي يوسف إذا كان الأبوان بالصفة التي ذكرت وإلا ينبغي أن

يأذن لها في زيارتهما في الحين بعد الحين على قدر متعارف أما في كل جمعة فهو بعيد فإن في كثرة

الخروج فتح باب الفتنة خصوصا إذا كانت شابة والزوج من ذوي الهيئات بخلاف خروج الأبوين

فإنه أيسر وهذا ترجيح منه لخلاف ما ذكر في البحر أنه الصحيح المفتى به من أنها تخرج

للوالدين في كل جمعة بإذنه وبدونه وللمحارم في كل سنة مرة بإذنه۔

وفيه أيضاً (۱۳۶/۳): ثم رأيت في نفقات البحر ذكر عن النوازل أنها تخرج بإذنه وبدونه۔

## (۶۹۲) ماں کے حکم پر بیوی کے حقوق ادا نہ کرنا

### سوال

اگر کوئی شخص ایک عورت سے شادی کر لے پھر اس کو طلاق نہ دی ہو اور اس کے اس عورت سے دو بچے بھی پیدا ہو جائیں اور اس

نے اپنی بیوی کو اس کے والدین کے گھر بھیج دیا۔ اس عورت کو اپنے والدین کے گھر میں چھ سال ہو گئے۔ شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ کسی

قسم کا تعلق نہیں ہے، نہ اس کو خرچہ دیتا ہے اور نہ اس سے بات چیت کرتا ہے اور طلاق بھی نہیں دیتا ہے۔

پھر اس مرد نے دوسری شادی کر لی۔ اس عورت سے بھی اس کے چار یا پانچ بچے پیدا ہو گئے اور وہ عورت اس کے گھر میں رہتی

ہے لیکن وہ مرد اپنی بیوی سے بات چیت نہیں کرتا۔

پھر اس نے تیسری شادی کر لی۔ یہ تمام باتیں جو اس مرد نے کی ہیں یہ اپنی ماں کے کہنے کی وجہ سے کی ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اپنی والدہ کی اس معاملے میں بات ماننا صحیح ہے یا نہیں؟ اور ایسی ماں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت مطہرہ نے کسی کی حق تلفی کی قطعاً اجازت نہیں دی۔ چاہے وہ والدین سے متعلق ہو یا زوجین سے اور جس طرح شوہر پر لازم ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ رکھے اسی طرح شوہر پر یہ بھی لازم ہے کہ بیوی کے نان و نفقہ کا خیال رکھے اور اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باریاں مقرر کرے لہذا اعتدال کے ساتھ ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی یکساں طور پر واجب ہے۔ اگر کسی ایک کی حق تلفی میں دوسرے کو خوش کرنا پایا جائے تو یہ گناہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

(لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق)

”خالق کی معصیت (والے امور) میں مخلوق کی اطاعت (جائز) نہیں۔“

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کام جس سے خالق کی نافرمانی ہو اور مخلوق کی رضا مندی ہو قطعاً حرام ہے لہذا صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ مذکورہ شخص پر واجب ہے کہ وہ والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اپنی بیویوں کے حقوق بھی مکمل طور پر ادا کرے، اگر بیویوں کے حقوق کی ادائیگی سے والدہ ناخوش ہوں یا منع کریں تو ان کے حکم کو ماننا جائز نہیں۔ نیز والدہ کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے بیٹے کو بیویوں کی حق تلفی کرنے پر مجبور نہ کریں اور اپنے کئے ہوئے عمل پر اللہ تعالیٰ سے ندامت کے ساتھ توبہ کریں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ بڑے غفور و رحیم ہیں۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء: ۱۲۹): وَلَٰكِنْ تَسْتَطِيعُوْنَ اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا

تَمِيلُوْا اٰكْلَ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمَعْلُوْقَةِ۔

(العنکبوت: ۸): وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ

فَلَا تُطِعْهُمَا۔

(البقرة: ۲۳۳): وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلِّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا۔

(الاحزاب: ۳۶): وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ

اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا۔

وفی جامع الترمذی (۲۱۷/۱): عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا كان عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط۔

## (۶۹۳) شوہر کا ڈیوٹی پر تالہ لگا کر جانا

### سوال

مفتی صاحب! زید جب صبح نوکری پر جاتا ہے تو دروازے پر تالہ لگا کر جاتا ہے۔ اس کی بیوی اس بات پر راضی نہیں۔ اس کے دو معصوم بچے بھی ہیں۔ کیا شرعاً شوہر کو یہ اختیار ہے کہ نوکری پر جاتے ہوئے تالہ لگا کر چلا جائے؟ کیا یہ بیوی کے ساتھ حق تلفی نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شوہر اور بیوی کا باہمی اتفاق و اعتماد، مستقبل میں ان کے بچوں کی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے آپس میں معمولی سی باتوں پر چیقلش اور جھگڑے پورے گھر کے ماحول کو متاثر کرتے ہیں۔ آپس میں بدظنی اور بے اعتمادی وہ دیمک ہے جو اس تعلق کو آہستہ آہستہ کترتی جاتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں اولاً شوہر کو چاہیے کہ بیوی پر بدگمانی سے اجتناب کرے قرآن و حدیث میں اس پر سخت نکیر وارد ہوئی ہے اور یہ نامناسب ہونے کے ساتھ ساتھ بیوی کی عزت نفس کو مجروح بھی کرنا ہے نیز دروازے پر تالہ لگا کر جانے سے کسی بھی حادثے کی صورت (مثلاً گھر میں آگ بھڑک اٹھے یا باہر کوئی ایمر جنسی ہو جائے) میں بیوی بچے گھر سے نکل نہ سکیں گے اور شوہر کا اس طرح تالہ لگا کر جانا ان کی ہلاکت یا بڑے نقصان کا سبب بن سکتا ہے جس کے باعث شوہر گناہ گار ہوگا اور اس کا یہ عمل درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔

نیز بیوی کو بھی اپنی عزت، عصمت و آبرو کی حفاظت کرنی چاہیے یہ شوہر کا بھی حق ہے اور خدائے بزرگ و برتر کا حکم بھی ہے کسی بھی ایسے قول یا فعل سے پرہیز کرے جو شوہر کے دل میں بدگمانی کا سبب بنے اس کی اجازت کے بغیر گھر سے قدم باہر نہ نکالے اور شوہر کی عدم موجودگی میں کسی کو گھر میں نہ آنے دے الغرض اتنا با کردار اور بے لچک رویہ اختیار کرے کہ شوہر اس پر اعتماد کرنے پر مجبور ہو جائے اور اپنی اس غیر فطری حرکت سے باز آجائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

لمافی الکلام المجید (الحجرات: ۱۲): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ۔

وفی بدائع الصنائع (۲/۶۰۷): فصل ومنها ملك الحبس والقيد وهو صيرورتها ممنوعة عن الخروج والبروز لقوله تعالى { أسكنوهن } والأمر بالإسكان فهي عن الخروج والبروز والإخراج إذ



الأمر بالفعل فهي عن ضده وقوله عز وجل {وقرن في بيوتكن} وقوله عز وجل {لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن} ولأنها لو لم تكن ممنوعة عن الخروج والبروز لاختل السكن والنسب لأن ذلك مما يريب الزوج ويحمله على نفي النسب -  
 وفي الهندية (۳۳۱/۱): وله أن يمنعها من أكل ما يتأذى من رائحته ومن الغزل وعلى هذا له أن يمنعها من التزيين بما يتأذى بريجه - - فإن أرادت أن تخرج إلى مجلس العلم بلا إذنه لم يكن لها ذلك فإن وقعت لها نازلة وزوجها عالم بها أو جاهل لكنه يسأل عالما لا تخرج وإلا فلها أن تخرج -

## (۶۹۳) جماع کے وقت دعا پڑھنے کا حکم

### سوال

میری شادی ایک دیندار خاتون سے ہوئی۔ میں خود بھی دین پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ شادی کی پہلی رات بیوی نے مجھے بتایا کہ جماع سے قبل دعا پڑھنا ضروری ہوتی ہے۔ مجھے علم نہ تھا خیر میں نے دعائیں یاد کر لیں لیکن اس رات بیوی نے مجھے قریب نہ آنے دیا تو کیا اس کا یہ عمل درست تھا؟ اور کیا دعائیں پڑھے بغیر جماع حرام ہے؟ ازراہ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

عورت پر خاوند کی اطاعت کرنا جب کہ معصیت کا حکم نہ دے واجب ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کو بستر کی طرف یعنی جماع کیلئے بلائے اور بیوی انکار کرے اور خاوند ناراضگی کی حالت میں رات گزار دے تو ایسی عورت پر صبح تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں اور جماع کی دعا پڑھنا مستحب ہے اگر کسی نے بغیر دعا پڑھے جماع کر لیا تو بلا کراہت جائز ہے گناہ نہیں۔  
 لہذا صورت مسئلہ میں عورت کا خاوند کو قریب نہ آنے دینا ایک مستحب شئی کی وجہ سے (جو کہ گناہ نہیں) درست نہیں بلکہ عورت ترک واجب کی وجہ سے گنہگار ہوگی لہذا مناسب ہے کہ عورت کو مسئلہ سے آگاہ کیا جائے اور حدیث مذکور میں جو وعید وارد ہوئی ہے سنائی جائے البتہ خاوند کو چاہئے کہ وہ مسنون دعا یاد کر لے کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو آدمی اپنی گھر والی کے پاس آئے اور وہ یہ دعا پڑھے: (اللهم جنبني الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا) ترجمہ: "اے اللہ مجھے شیطان سے محفوظ رکھ اور جو تو ہمیں دے اسے (بھی) شیطان (کے شر) سے محفوظ رکھ۔" (بخاری)

اگر ان سے کوئی اولاد پیدا ہو جائے تو شیطان اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

لما فی التفسیر المظہری (۲۶۸/۱): (وقال ربکم ادعونی أستجب لکم) اعلم ان الدعاء منه ما هو فريضة وهو قوله تعالى اهدنا الصراط المستقيم، صراط الذين انعمت عليهم أو سنة مؤكدة كالدعاء في القعدة الأخيرة -- وأما سؤال كل أمر يحتاج إليه العبد في الدنيا والآخرة والاستعاذة من كل شر فمأثور به مستحب بإجماع العلماء۔

وفي مشکوة المصابيح (ص ۲۸۰): وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح". متفق عليه: وفي رواية لهما قال: "والذي نفسي بيده ما من رجل يدعو امرأته إلى فراشه فتأبى عليه إلا كان الذي في السماء ساخطا عليها حتى يرضى عنها"

وفيه أيضا (۲۸۱/۲): وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لو كنت آمر أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها". رواه الترمذي وفي بدائع الصنائع (۶۱۳/۳): فصل ومنها وجوب طاعة الزوج على الزوجة إذا دعاها إلى الفراش لقوله تعالى { ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف }۔

وفي الهندية (۵۲۵/۱): وسئل بعض العلماء عن امرأة لها زوج لا يصلي والمرأة تأبى أن تكون معه قال ليس لها ذلك كذا في الظهيرية

وفي الدر المختار (۱۳۲/۳): (ولها منعه من الوطء) دواعيه شرح مجمع (والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما) لأن كل وطءة معقود عليها فتسليم البعض لا يوجب تسليم الباقي (لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى لأن المعروف كالمشروط۔

وفي الشامية (۲۰۸/۳): قوله (في كل مباح) ظاهره أنه عند الأمر به منه يكون واجبا عليها كأمر السلطان الرعية به ط۔

(۶۹۵) خاوند کو معصیت سے بچانے کیلئے بیوی کا دور رہنا

سؤال

مفتی صاحب! محمد ناصر بلا عذر روزہ رتوڑتا ہے بیوی نے اس کو کافی سمجھایا لیکن وہ نہیں سمجھتا، علاقے والوں نے اس کے ساتھ

تعلق بھی ختم کر دیا ہے۔ اب علاقے کے لوگ اس کی بیوی سے کہتے ہیں تم بھی اس سے الگ ہو جاؤ اور والدین کے گھر چلی جاؤ لیکن وہ کہتی ہے کہ میں اس طرح اگر کروں گی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ ناصر کی بیوی کو علاقے والوں کا اس طرح کہنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو بیوی کیلئے کیا حکم ہے جبکہ ناصر بیوی کے بغیر کسی اور گناہ میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر خاوند معصیت و برے افعال میں مبتلا ہو تو عورت کو چاہیے کہ خاوند کو محبت اور پیار سے اور نرم لہجے میں سمجھائے تاکہ وہ شریعت کے احکام کی پابندی کرنے لگ جائے، زجر و توبیخ اور خاوند کو نصیحت کے طور پر اگر عورت گھر چلی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن ایسا عمل جس سے خاوند کی دل آزاری ہو اور نافرمانی کا باعث ہو جائز نہیں اور اس کے لئے دعا و استغفار کثرت سے کرے اگر خاوند سے کسی بنا پر عام افراد کیلئے مقاطعہ ہو تب بھی بیوی کیلئے اس سے مقاطعہ نہیں مثلاً دو ربیوی میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ایک غزوہ میں عدم شرکت کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم خداوندی مقاطعہ ہوا تو اولاً ان حضرات کی بیویاں ان کے ساتھ تھیں کیونکہ شوہر خصوصاً جب اس کی عمر زیادہ ہو، بیوی کی خدمت کا محتاج ہوتا ہے۔

لہافی القرآن الکریم (التحریم: ۶): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

وفی بدائع الصنائع (۲/۶۱۳): فصل ومنها ولاية التأديب للزوج إذا لم تطعه فيما يلزم طاعته: الأمر يبدأ بالموعظة على الرفق واللين دون التغليظ في القول فإن قبلت وإلا غلظ القول به فإن قبلت وإلا بسط يده فيه وكذلك إذا ارتكبت محظورا سوى النشوز ليس فيه حد مقدر فللزوج أن يؤدبها تعزيرا لها۔

وفی الشامیة (۳/۷۸): فرع فی فصول العلامی إذا رأى منكرا من والديه يأمرهما مرة فإن قبلتا فبها وإن كرهما سكت عنهما واشتغل بالدعاء والاستغفار لهما فإن الله تعالى يكفيه ما أمهه من أمرهما۔

(۶۹۶) عورت کا بغیر کسی وجہ کے شوہر کے پاس نہ رہنا

### سؤال

ہمارے ایک دوست کراچی میں رہتے ہیں اور ان کی بیوی بھی کراچی میں رہتی ہیں، لیکن عرصہ چار سال ہو گئے ہیں دوست نے کافی کوشش کی رجوع کرنے کی لیکن ان کی بیوی تیار نہیں ہیں۔ آپ سے پتہ یہ کرنا ہے کہ ان دونوں کے نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

آپ ہمیں بتائیے کہ حدیث کے اعتبار سے ہمارے دوست کو کیا کرنا چاہیے۔ بیوی آنا نہیں چاہتی، وجہ بھی نہیں بتاتی، نقطہ یہ کہتی ہے کہ میں ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔

## الجواب بعون الملک الوحاب

صورت مسئلہ میں شرعاً نکاح باقی ہے لہذا عورت کا بغیر عذر شرعی کے اپنے شوہر سے الگ تھلگ رہنا ناجائز ہے اور ایسی عورت کے متعلق احادیث میں انتہائی سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں، چنانچہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اذا باتت المرأة مهجرة فرائش زوجها لعنتها الملائكة حتى ترجع۔

”اگر ایک عورت اپنے شوہر کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ واپس لوٹے۔“

(بخاری، ۲/۲۷۲)

اس مضمون کی متعدد روایات کتب احادیث میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا بغیر عذر شرعی کے ایک رات شوہر سے الگ گزارنا عورت کو مستحق لعنت بنا دیتا ہے۔ اگر میاں بیوی کے درمیان کچھ اختلافات ہیں تو بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں کے والے ان کے درمیان صلح صفائی کرادیں تاکہ وہ دونوں خوشگوار زندگی گزار سکیں اور اگر صلح صفائی کی کوئی صورت نہ ہو اور ان کا آپس میں اتفاق سے رہنا ناممکن ہو تو پھر شوہر کو چاہیے کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دیدے جس میں اس نے وطی نہ کی ہو یا عورت، شوہر کو خلع پر راضی کر کے خلع لے لے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۳۵): وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا۔ الآية

(البقرة: ۲۲۹): فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يَاقِيَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ۔

وفی الشامیة (۳/۲۲۱): قوله (للسقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستانی عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلها ليصلحوا بينهما فإن لم يصلحوا جاز الطلاق والخلع اهـ ط وهذا هو الحكم المذكور في الآية وقد أوضح الكلام عليه في الفتح آخر الباب۔

(۶۹۷) نافرمان بیوی کو گھر پر بند کرنا

## سوال

ہمارے ہاں نکاح کا مہر چار، پانچ لاکھ ہوتا ہے جوڑکی کا باپ یا جو بھی ولی ہو، نکاح سے پہلے لے لیتا ہے اور ہمارے

شادی بیاہ کا یہی طریقہ ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ میں نے ایک لڑکی سے اسی طریقے پر شادی کی لیکن کچھ عرصہ بعد لڑکی میکے چلی گئی اور واپس آنے سے انکار کر دیا۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ لڑکی اپنے بھائیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ اپنی بہن کی شادی کرانے کے بہانے روپے بٹورتے ہیں اور جب شادی ہو جاتی ہے اور پیسے لے لیتے ہیں تو بہن کو گھر لے آتے ہیں اور شوہر سے جھگڑا شروع کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ تنگ آ کر طلاق دے دیتا ہے اور اب میرے ساتھ بھی یہی کچھ کرنا چاہتے ہیں لیکن میں طلاق دینا نہیں چاہتا، کیونکہ میری بیوی حمل سے ہے اور اس لئے بھی کہ میرا چار پانچ لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے جبکہ ہمارے ہاں کوئی عدالت بھی نہیں ہے اور کوئی حکومتی کارروائی نہیں ہو سکتی البتہ ہمارے فیصلے جرگے میں ہوتے ہیں اور جرگہ نے اس تنازعہ میں میرے حق میں فیصلہ بھی کر دیا ہے لیکن میری بیوی اس کے باوجود آنے پر تیار نہیں ہے اور بھائی اُس کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ کیا اس صورت میں میرے لئے شرعاً اس بات کی گنجائش ہے کہ میں اپنی بیوی کو زبردستی کوئی بھی صورت اختیار کر کے اپنے گھر لے آؤں اور چونکہ پھر دوبارہ اُس کے فرار ہونے کا اندیشہ ہے لہذا اس کو گھر میں مجبوس رکھوں؟ مجھے یقین ہے کہ اگر میری بیوی سے میری اولاد ہو گئی تو وہ بخوشی میرے ساتھ رہنے کو تیار ہو جائے گی۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت نے چونکہ شوہر کو عورت پر بہت سے حقوق دیئے ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شوہر کو عورت پر حاکمیت حاصل ہے لہذا صورت مسئلہ میں جب آپ نے لڑکی کا مہر ادا کر دیا ہے اور وہ بغیر کسی وجہ میکے جا کر آنے سے انکار کرتی ہے تو اولاً آپ صلح و مصلحت سے اس کو راضی کر کے واپس لانے کی کوشش کریں اور اگر صلح و مصلحت سے کام نہ بنے تو پھر آپ کیلئے یہ گنجائش ہے کہ اس کو زبردستی یا کوئی بھی صورت اختیار کر کے اپنے گھر لے آئیں اور اس کو دوبارہ فرار ہونے سے بھی روک سکتے ہیں، بصورت دیگر اگر آپ کو حقوق کی رعایت نہ کرنے کا خوف ہو تو اس صورت میں خلع کا طریقہ بھی اختیار کر سکتے ہیں کہ اس سے مہر یا کچھ رقم لے کر اس کو چھوڑ دیں۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء: ۳۴): وَاللّٰتِی تَخَافُوْنَ نَشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاَهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضٰجِعِ وَاَضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْتُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْہِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا کَبِيْرًا۔

وفی الہندیۃ (۲۸۸، ۲۸۹/۱): اِنْ خَالَعَهَا عَلٰی مَہْرَہَا فَاِنْ کَانَ الْمَرْأَةُ مَدْخُولًا بِہَا وَقَدْ قَبِضْتَ مَہْرَہَا یَرْجِعُ الزَّوْجُ عَلَیْہَا بِمَہْرَہَا وَاِنْ لَمْ یَکُنْ مَقْبُوضًا سَقَطَ عَنِ الزَّوْجِ جَمِیْعُ الْمَہْرِ وَلَا یَتْبَعُ اَحَدُہُمَا صَاحِبَہُ بِشَیْءٍ۔

وفی الدر المختار (۴/۴۷۷): (یعزر المولی عبده والزواج زوجته) ولو صغيرة لما سیجیء (علی ترکھا الزینۃ) الشرعیۃ مع قدرتها علیها (و) ترکھا (غسل الجنابة و) علی (الخروج من المنزل) لو بغیر حق (وترک الإجابة إلى الفراش) لو طاهرة من نحو حیض --- والضابط کل معصیة لا حد فیہا

فللزوج والمولى التعزیر و لیس منه ما لو طلبت نفقتها أو کسوتها وألحت لأن لصاحب الحق  
مقالا بحر۔

## (۶۹۸) حالت حمل میں ہمبستری کرنے کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب بیوی کو حمل ٹھہر چکا ہو اور ڈیلیوری قریب ہو تو اس وقت بیوی سے جماع نہیں کرنا  
چاہیے کیونکہ بچہ بن چکا ہوتا ہے لہذا اگر اس حالت میں جماع کرے گا تو گویا وہ بچے سے زنا کرے گا جو پیٹ میں ہے، کیا ان لوگوں کی  
بات درست ہے؟ برائے مہربانی آپ شریعت کی روشنی میں مسئلے کو واضح فرمائیں کہ حق کیا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

حمل کی حالت میں بیوی سے جماع کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حمل ٹھہرنے کے بعد بیوی  
سے جماع کرنا گویا کہ پیٹ میں موجود بچے سے زنا کرنا ہے بالکل بے اصل اور غلط ہے البتہ حالت حمل میں بیوی سے جماع کرنے میں  
اگر طبی طور پر عورت یا بچے کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر احتیاط کرنی چاہیے۔

لمافی التفسیر المنیر (۲/۳۰۲): ودلت الآیة (ولا تقربوہن حتی یطهرن) علی حرمة الجماع فی  
الخیض حتی الطهر۔

وفی الدر المختار (۳/۲۸): (و) صح نکاح (حبلی من زنی لا) حبلی (من غیرہ) أي الزنی لثبوت نسبه  
ولو من حربی أو سیدھا المقر بہ (وان حرم وطؤها) ودواعیہ (حتی تضع) متصل بالمسألة  
الأولی لثلا یسقی ماؤہ زرع غیرہ إذ الشعرینبت منه فروع لو نکحھا الزانی حل له وطؤها اتفاقا  
والولد له ولزمہ النفقة۔

وفی اللجنة الدائمة (۱۹/۳۵۳): لا بأس بجماع الحامل ما لم یکن فیہ ضرر علی الحمل، وإنما الممنوع  
جماع الحائض؛ لقوله تعالیٰ: {فَاعْتَزِلُوا الدِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا  
تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ} ومثلها النفساء حتی تطهر من النفساء، والمحرمۃ بحج أو  
عمرة. وباللہ التوفیق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

## (۶۹۹) برہنہ جماع کرنے کا حکم

## سوال

میرا ایک دوست ہے اور ہم دونوں میں دوستی بہت چکی ہے اس کی شادی بھی ہو گئی ہے ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ جب تک میں اپنی بیوی کو پورا برہنہ کر کے جماع نہ کر لوں تو اس وقت تک میری خواہش پوری نہیں ہوتی۔ میں نے اس کو سمجھایا کہ اس طرح بیوی کو برہنہ کرنا صحیح نہیں ہے اور شرعاً اس کی اجازت بھی نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا کہ جب بیوی سے جماع کرنے کی شرعاً اجازت ہے تو اس کے پورے بدن کو دیکھنا بھی صحیح ہے اور اس طرح جماع کرنا بھی صحیح ہے جیسا کہ میں کرتا ہوں کیونکہ اس کے بغیر مجھ کو سکون نہیں ملتا، پھر میں نے اس کو کہا کہ چلو کسی مفتی صاحب سے پوچھتے ہیں تو اس نے کہا کہ ایسا کرو تم پوچھ لو کیونکہ مجھ کو شرم آتی ہے پھر جو بھی ہو گا تم مجھ کو بتا دینا لیکن اس نے مجھ سے کہا کہ میری بیوی کو بھی مذکورہ طریقے سے سکون ملتا ہے وگرنہ نہیں۔ اب مفتی صاحب آپ بتائیں کیا شرعاً اس طرح سے اپنی بیوی سے جماع کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

جماع کے آداب میں سے ایک ادب جماع کے وقت پردے کا اہتمام کرنا ہے، بالکل بے پردہ اور برہنہ ہو کر جماع کرنا مناسب نہیں ہے البتہ اگر میاں بیوی میں سے کسی کو بھی حالت جماع میں برہنہ ہوئے بغیر تسکین اور خواہش پوری نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں برہنہ ہو کر جماع کرنے کی گنجائش ہے لہذا صورت مسئلہ میں آپ کے دوست کی خواہش برہنہ کئے بغیر پوری نہیں ہوتی اور بیوی کو بھی اسی طریقے سے سکون ملتا ہے تو ایسی صورت میں آپ کے دوست کیلئے برہنہ جماع کرنا درست ہے۔

لمافی مشکوٰۃ (۲۷۱/۱): وعن أبي سعيد رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أعظم الأمانة عند الله يوم القيامة " وفي رواية: إن من أشر الناس عند الله منزلة يوم القيامة الرجل يفضي إلى امرأته وتفضي إليه ثم ينشر سرها ". رواه مسلم۔

وفي سنن ابن ماجه (۱۳۸): عن عتبة بن عبد السلمي رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أتى أحدكم أهله فليستتر، ولا يتجرد تجرد العيرين۔

وفيه أيضا (۱۳۸): عن عائشة رضي الله عنها، قالت: ما نظرت، أو ما رأيت فرج رسول الله صلى الله عليه وسلم قط۔

وفي الهندية (۳۲۷/۵): أما النظر إلى زوجته ومملوكته فهو حلال من قرنها إلى قدمها عن شهوة وغير شهوة وهذا ظاهر إلا أن الأولى أن لا ينظر كل واحد منهما إلى عورة صاحبه كذا في الذخيرة۔

وفیه أيضاً (۳۲۸/۵): ویجرد زوجته للجماع إذا كان البيت صغيراً مقدار خمسة أذرع أو عشرة قال مجد الأئمة الترجماني وركن الصباغي والمافظ السائلي لا بأس بأن يتجردا في البيت كذا في القنية۔

وفیه أيضاً (۳۲۸/۵): قال أبو يوسف رحمه الله تعالى سألت أبا حنيفة رحمه الله تعالى عن رجل يمس فرج امرأته وهي تمس فرجه لتحرك آلتها هل ترى بذلك بأساً قال لا وأرجو أن يعطى الأجر كذا في الخلاصة۔

وفي الفقه الاسلامي وادلته (۳/۳۶۳۶): ويكره الوطء وهما متجردان. لما روى ابن ماجه عن عتبة بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إذا أتى أحدكم أهله فليستتر، ولا يتجردان تجرد العَيْرين والعَيْر: حمار الوحش، شبههما به تنفيراً عن تلك الحالة. ويكره تحادثهما بما جرى بينهما، وحرمة بعضهم لما فيه من إفشاء السر، وهو حرام۔

## (۷۰) بیوی کے پستان چوسنے کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! بوقت صحبت شوہر نے اپنی بیوی کا پستان منہ میں لے لیا اور تھوڑا سا دودھ منہ میں آ گیا مگر آتے ہی تھوک دیا اس کو نگلا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں ان کے نکاح پر کوئی فرق پڑتا ہے اور یہ فعل حرام ہے؟ ازراہ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر رہنمائی فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

بوقت ملاعبت و صحبت شوہر کیلئے بیوی کا پستان منہ میں لینا درست ہے اگر کبھی اس طرح کرنے سے دودھ منہ میں آجائے تو اسے تھوک دینا چاہیئے۔ دودھ کا نکل لینا ناجائز و حرام ہے تاہم اس سے نکاح باطل نہ ہوگا۔

لہذا فی القرآن الکریم (الاحقاف: ۱۵): وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا۔

وفي اعلاء السنن ، کتاب الرضاع (۱۱۹۳۱۱): عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: لا رضاع إلا ما كان في الحولين۔ (رواه البيهقي)

وفي الهندية (۳۲۳/۱): وإذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم كذا في الهداية۔

وفي الدر المختار (۲۲۵/۳): مص رجل ثدي زوجته لم تحرم۔



وفي الرد تحتة: قيد به احترازا عما إذا كان الزوج صغيرا في مدة الرضاع فإنها تحرم عليه -  
وفي الدر المختار أيضاً (٢/٢١١): (ولم يبيح الإرضاع بعد مدته) لأنه جزء آدمي والانتفاء به لغير  
ضرورة حرام على الصحيح شرح الوهبانية -

٢٤٨

رسالة

# أقوال الفقهاء

في

اهتمتاع الزوجين عن فرج الآخر عند الجماع

ہمبستری کے وقت زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ سے استمتاع

اور مذاہب اربعہ کی تفصیلات کا بیان

## (۷۰۱) زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ سے استمتاع

### سؤال

مفتی صاحب! ایک مسئلہ بندے کیلئے الجھن کا سبب بنا ہوا ہے وہ یہ کہ زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ سے استمتاع کرنا (چھونا یا بوسہ لینا وغیرہ) یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ جائز ہے تو ہمارے اکابر مثلاً مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس پر تکبیر کیوں فرمائی ہے نیز ایک اشکال اس پر یہ بھی ہے کہ ملاعبت کے وقت مذی مستقلاً بلا اختیار نکل جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ مذی نجس ہے اور نجس کا منہ میں جانا حرام ہے۔ اس پر بھی غور فرمائیں کیونکہ ہمارے علاقے کے ایک عالم کا کہنا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں اس کی گنجائش لکھی ہے جو کہ ہمیں سمجھ نہیں آرہی۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں مذکورہ فعل ایک شنیع اور غیر مہذب فعل ہے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ یہ غیر مسلموں کے افعال ہیں البتہ اس فعل کا اباحت کی حد تک جواز ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مذاہب میں موجود ہے۔ فقہ مالکی کی مشہور کتاب مواہب الجلیل میں علامہ خطاب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"قیل لأصیح إن قوماً یذکرون کراہتہ فقال من کرهہ إنما کرهہ بالطب لا بالعلم ولا بأس بہ ولیس بمکروہ وقد روی عن مالک أنه قال لا بأس أن ینظر إلى الفرج فی حال الجماع۔ و زاد فی روایة ویلحسہ بلسانہ وهو مبالغۃ فی الإباحۃ ولیس كذلك علی ظاہرہ۔"

"اصیح رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ ایک جماعت (بیوی کی شرمگاہ کو دیکھنے کو) مکروہ کہتی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جو بھی اسے مکروہ کہتا ہے وہ طبی اعتبار سے ہے وگرنہ شرعی کوئی دلیل کراہت کی نہیں اور شرعاً اس میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ کراہت (بلکہ یہ صرف طنانا پسندیدگی ہوگی)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمبتری کے وقت بیوی کی شرمگاہ کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں اور ایک روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ زبان سے شرمگاہ کو چائے۔ امام مالک کا یہ قول اباحت میں مبالغہ ہے جو کہ اپنے ظاہر پر نہیں۔" (مواہب الجلیل علی مختصر غلیل ۵/۲۳)

اسی طرح فقہ شافعی کی کتاب اعانۃ الطالبین میں ذکر ہے:

"(تتمۃ: یجوز للزوج کل تمتع منها بما سوی حلقة دبرها، ولو بمص بظربها أو استمناء بیدها"

تتمتہ: شوہر کیلئے بیوی سے ہر قسم کا متعہ جائز ہے سوائے اس کی دبر (موضع اجابت) سے۔ اگرچہ یہ متعہ عورت کی شرمگاہ کے چوسنے یا اس کے ہاتھ سے مشت زنی کرانے کی صورت میں ہو۔ (امانیہ الطالبین ۳/۵۲۹)

فقہ حنبلی کی کتاب "کشاف القناع عن متن الاقناع" میں تحریر ہے:

"وقال القاضي يجوز تقبيل فرج المرأة قبل الجماع ويكره بعده"

"قاضی فرماتے ہیں کہ عورت کی شرمگاہ کا بوسہ لینا جماع سے قبل جائز ہے اور جماع کے بعد مکروہ ہے۔"

(کشاف القناع ۵/۱۶)

فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب ردالمحتار میں نقل ہے:

"وعن أبي يوسف سألت أبا حنيفة عن الرجل يمسه فرج امرأته وهي تمس فرجه لیتحرك عليها هل تری بذلك بأساً قال لا وأرجو أن يعظم الأجر ذخيرة"

"امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا کہ ایک شخص اپنی بیوی کی شرمگاہ کو چھوتا ہے اور بیوی اس کی شرمگاہ کو تاکہ مرد میں حرکت بڑھ جائے تو کیا آپ اس میں کوئی حرج سمجھتے ہیں؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ انہیں زیادہ ثواب ملے گا۔"

(ردالمحتار ۶/۳۶۷)

نیز فقہ حنفی کی ایک اور فتاویٰ کی مشہور کتاب ہندیہ میں ہے:

"إذا أدخل الرجل ذكره في فم امرأته قد قيل يكره وقد قيل بخلافه كذا في الذخيرة"

"نوازل میں ہے جب مرد اپنا آگے تامل عورت کے منہ میں داخل کر دے تو کہا گیا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ نہیں۔ ذخیرہ میں یہی ذکر ہے۔"

(الھندیہ ۵/۳۷۲)

اسی طرح محیط برہانی میں یہ جزئیہ ان الفاظ میں ذکر ہے:

"إذا أدخل الرجل ذكره في فم امرأته يكره لأنه موضع قراءة القرآن فلا يليق به إدخال الذكر به وقد قيل بخلافه ايضاً"

"اگر مرد عورت کے منہ میں اپنا آگے تامل داخل کرے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ منہ قرآن پاک پڑھنے کی جگہ ہے تو اس میں آگے کا داخل کرنا مناسب نہیں اور ایک قول اس میں اس کے برخلاف (عدم کراہت) کا بھی ہے۔" (محیط برہانی ۸/۱۳۳)

نیز موسوعہ فقہیہ جس میں مذاہب اربعہ کی تفصیلات جمع کی گئی ہیں اور دورِ حاضر کے علماء کی ایک جماعت نے اسے تیار کیا ہے، اس میں مسئلہ زیر بحث سے متعلق یہ تفصیل تحریر ہے:

"لمس فرج الزوجة: اتفق الفقهاء على أنه يجوز للزوج لمس فرج زوجته. قال ابن عابدین: سأل أبو

يوسف أبا حنيفة عن الرجل يمسه فرج امرأته وهي تمس فرجه لیتحرك عليها هل تری بذلك بأساً؟

قال: لا وأرجو أن يعظم الأجر وقال الخطاب: قدر زوى عن مالك أنه قال: لا بأس أن ينظر إلى الفرج في حال الجماع، وزاد في رواية: ويلحسه بلسانه، وهو مبالغة في الإباحة، وليس كذلك على ظاهرة و قال الفناني من الشافعية: يجوز للزوج كل تمتع منها بما سوى حلقة دبرها، ولو بمص بظرها وصرح الحنابلة بجواز تقبيل الفرج قبل الجماع، وكرهته بعداه" (الموسوعة الفقهية: ۳۲/۹، فرج)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرمگاہ کو چوسنے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "مصن نظر" کے الفاظ، امام احمد کے نزدیک شرمگاہ کا قبل از جماع بوسہ لینے کا جواز اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق شرمگاہ کو چھونے پر ثواب کی امید یہ سب کچھ یہ بتاتا ہے کہ یہ عمل حرام قطعی یا ممنوع فعل نہیں بلکہ اس میں اباحت اور بوقت ضرورت جواز ہے۔ نیز ہند یہ میں کراہت اور عدم کراہت دنوں قول نقل ہیں لیکن محیط برہانی میں "فلا یلیق بہ" یعنی نامناسب ہے کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ اگر کراہت والا قول بھی لے لیا جائے تو کراہت تنزیہی ہی مراد ہوگی وگرنہ دوسرے قول میں تو اور تخفیف ہے۔

نیز مرد یا عورت کی شرمگاہ کوئی نجس چیز نہیں، نہ ان کے چھونے یا ہاتھ لگانے سے وضو کرنا ضروری ہوتا ہے۔ آپ ﷺ

سے اس سلسلے میں دریافت کیا گیا:

"عن قیس بن طلق رضی اللہ عنہ عن ابیہ سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی مس الذکر وضوء قال: لا" "حضرت قیس بن طلق سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا آک تئال کو چھونے سے وضو کرنا ہوگا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: نہیں۔" (طحاوی، ۶۰/۱)

ایک اور اثر ہے:

"عن قیس بن حازم رحمہ اللہ قال سئل سعد رضی اللہ عنہ عن مس الذکر فقال ان کان نجسا فاقطعه لا بأس بہ۔"

"حضرت قیس بن حازم سے مروی ہے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آک تئال کو چھونے (سے وضو) سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا اگر یہ نجس ہے تو اسے کاٹ (کر پھینک) دو، اس (کو چھونے) میں کوئی حرج نہیں۔" (طحاوی، ۶۲/۱)

جب یہ نجس بھی نہیں اور فقہاء نے اس کی گنجائش بھی لکھی ہے کہ زوجین ایک دوسرے کی شرمگاہ سے استمتاع کریں تو پھر اسے مطلقاً حرام کہنا مناسب نہیں البتہ یہ جواز فقط اباحت کے درجے میں ہے، یہ کوئی مرغوب فیہ چیز نہیں اور نہ اسلام میں ایسی کوئی ترغیب موجود ہے۔

اگر ایک شخص کو شہوت یا تسکین اسی طرح آتی ہو تو اس کے لئے یہ فعل کرنے کی گنجائش ہے لیکن اسے عادت بنا لینا یا بلا ضرورت ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ فی نفسہ یہ ایک غیر مناسب اور بد تہذیب قسم کا فعل ہے جس میں جانوروں کے فعل کے ساتھ مشابہت ہے لہذا اس سے از حد اجتناب کیا جائے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اردو فتاویٰ میں ہمارے بعض اکابرین نے اس فعل کو مبالغہ اور شدت کی بنا پر مطلقاً

بے سے تنزل کر کے حیوانیت میں نہ اتر آئے بہر حال ضرورت کے وقت اگر طرفین کی رضامندی ہو تو یہ فعل کیا

نقل ہے مذی کے خروج کا تو یہ بندے، بندے پر ہوتا ہے۔ مذی اگرچہ غیر اختیاری طور پر نکلتی ہے لیکن اگر اس فعل  
ہلگا کر مذی کے خروج سے قبل علیحدہ ہوا جاسکتا ہے اور اگر منہ میں ہی خروج ہو جائے تو اسے تھوک دیا جائے جیسا کہ  
نا جائز ہے لیکن اس میں دودھ کے نکل آنے کا احتمال بھی ہوتا ہے اور اس دودھ کا پینا جائز نہیں لہذا اسے بھی تھوکنے کا  
رج اگر مذی منہ میں آجائے تو اسے بھی تھوک دیا جائے۔ بہر حال یہ فعل مطلقاً حرام بھی نہیں اور نہ مطلقاً جائز ہے بلکہ  
نجائش ہے البتہ از حد اجتناب کرنے کی کوشش کی جائے یہی شرعی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔

طالبین (۵۲۹/۳): (ولو بمص بظرها) ای ولو كان التمتع بمص بظرها فإنه جائز  
بس النظر بالضم الهنة وسط الشفرة العليا اه والهنة هي التي تقطعها الخاتنة من فرج  
تان (قوله: أو استمناء بيدها) أي ولو باستمناء بيدها فإنه جائز۔

سلامی وادلتہ (۲۶۵۰/۳): أ۔ إذا كانت المرأة زوجة: جاز للزوج اللمس والنظر إلى  
حتى فرجها باتفاق المذاهب الأربعة، والفرج محل التمتع۔

سلامی وادلتہ (۲۶۲۱/۳) الحظر والاباحة، وربما كان أسوأ من الدبر: وضع الذكر في  
نوه، مما جاءنا من شذوذ الغربيين، فيكون ذلك حراماً لثبوت ضرره وقبحه

## (۷۰۲) شوہر کا ناجائز طریقوں سے بیوی کو تنگ کرنے کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! میرا نام حمیرا ہے اور میرے شوہر کا نام عارف ہے۔ شادی کے دن سے ہی عارف نے مجھے گالیاں دینا شروع کر دی تھیں، اس بات پر کہ تیرے باپ نے ۵۱ ہزار لکھوائے ہیں۔ اس دن کے بعد سے انہوں نے مجھے مارنا پیننا شروع کر دیا۔ شادی کے چند ہی دن بعد مجھے پتا چلا کہ میرے شوہر اور ان کی بھابھی کے ناجائز تعلقات ہیں۔ ان کی روٹین تھی کہ دونوں ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ کہیں بھی جانا ہوتا ہے تو دونوں ایک ساتھ جاتے ہیں۔ گندی فلمیں دیکھتے ہیں۔ ایک دن یہ کمرے کا دروازہ بند کرنا بھول گئے تھے، بند تھا لیکن کنڈی نہیں لگی تھی۔ اس دن میں نے انہیں بالکل ایک ساتھ جڑے کھڑے ہوئے دیکھا۔ عارف عانتہ بھابھی کو لپ اسٹک لگا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی الگ ہو گئے۔

جب یہ لوگ باہر جاتے ہیں تو اگر ۸ بجے رات کو جاتے ہیں تو ۱۰، ۱۲ بجے سے پہلے نہیں آتے، یہ ساری باتیں جب میں نے سسرال والوں کو بتائیں تو سب کہنے لگے کہ ہاں ہمیں بھی پتا ہے ہم عارف کو سمجھائیں گے۔ پھر تھوڑے دن بعد میرے جیٹھ، جیٹھانی، ساس، سسر سب بدل گئے اور کہنے لگے کہ تو ہمارے بھائی پر الزام لگا رہی ہے۔ جب میں ان کی باتوں کی وجہ سے میکے بیٹھ گئی تو میرے جیٹھ نے اپنی ذمہ داری پر مجھے بلوایا لیکن میرے جانے کے بعد آٹھ دن تک عارف نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی البتہ اس دوران انہوں نے میرے دو الٹرا سائڈ اور ایک پیشاب ٹیسٹ کروائے۔ پہلے ایک الٹرا سائڈ کروایا پھر بھی انہیں تسلی نہ ہوئی پھر دوسرا کروایا، پھر یورین ٹیسٹ (پیشاب کا ٹیسٹ) کروایا۔ پھر کہنے لگے کہ کلام پاک پہ ہاتھ رکھ کر قسم کھا کہ تو نے (کسی کا) کچھ گروایا تو نہیں ہے۔

میں یہ بات نہیں سمجھی تھی کہ یہ اپنے بارے میں نہیں کسی اور کا نام لے رہے ہیں۔ میں نے قسم کھائی لیکن پھر بھی انہیں یقین نہیں آیا۔ جب ۱۵ دن بعد انہوں نے مجھ سے (بات) کی تو اس دن پتہ چلا کہ کوئی خوشی ہے۔ عارف شروع سے ہی بچے کیلئے منع کرتے تھے۔ جب گھر والوں کو پتہ چلا تو سب خوش ہو گئے لیکن عانتہ بھابھی (جس سے ان کے تعلقات ہیں اور ان کے بڑے بھائی کی بیوی ہے) کہنے لگی کہ ابھی ۲۰، ۲۲ دن تو ہوئے ہیں آئے ہوئے، اتنی جلدی پتہ چل گیا کہ کچھ ہے۔ پہلے جب تم رہتی تھی تب تو کوئی ایسی بات نہیں تھی، میں خاموشی سے سنتی رہی پھر تھوڑی دیر بعد میں ان کے کمرے میں گئی اور کہا کہ بھابھی آپ نے خود ہی کہا تھا، جب میں شادی کر کے آئی تھی دو مہینے بعد کہیں عارف میں تو کوئی کمی نہیں، حمیرا اُس سے کہو کہ اپنا علاج کروائے۔ جب میں نے انہیں بتایا، تو وہ اسی دن سے علاج کروا رہے تھے۔ پھر میں میکے رک گئی تھی۔ اب آئی ہوں تو اللہ کا احسان ہے لیکن پھر بھی ان لوگوں نے مجھ پر الزام لگایا۔

جب دو مہینے بعد میرا الٹرا سائڈ کروایا تو اس میں ایک مہینے اور چار دن کا (کچھ) آیا لیکن میرے شوہر اور گھر والوں نے ڈاکٹر کے پاس جا کر صفائی کروادی، میں نے ان لوگوں کو بہت منع کیا، بچہ جب ۱۷، ۱۸ دن کا تھا تو میری جیٹھانی کہنے لگی کہ تم انڈے اور



مچلی کھاو، مجھے نہیں پتہ تھا، کہ یہ میرے بچے کو مردار ہی ہے اور اس عمل سے بچہ مر جائے گا۔ یہ بات مجھے اب پتا چلی جب میں میکے آکے بیٹھ گئی ہوں۔ (مجھے آئے ہوئے ۱۰ مہینے ہو گئے ہیں) خیر میں نے انڈے کھائے تھوڑے دن بعد انہوں نے صفائی کروادی۔

اب جو بات میں آپ سے کہنے جا رہی ہوں، یہ بات کہتے ہوئے ہر عورت شرمسار ہوتی ہے۔ پتہ نہیں ایسی بات کہنے سے قبل مجھے موت کیوں نہ آئی ”میرے شوہر نے میرے ساتھ زبردستی کی، مجھے بہت زیادہ مارا اور میرے ساتھ غیر قانونی سلوک کیا (یعنی میرے منہ میں اپنی گند ڈالی)“ آپ سمجھ گئے ہوں گے، اگر عورت بدکردار ہو تو اسے سنگسار کرنے کا حکم ہے لیکن اگر آدمی ایسی گندی حرکات کرے تو اسلام میں اس بات کی کیا سزا ہے؟ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ میرے شوہر نے مجھے بہت مارا پیٹا ہے، میں نے اسے اللہ اور رسول کا بہت واسطہ دیا لیکن یہ نہیں مانے، کیا مجھے ایسے آدمی کے ساتھ رہنا چاہیے، جو میرا ایمان خراب کرتا ہے؟ میں ان سے چھٹکارا چاہتی ہوں۔ خدا کیلئے اس مسئلے پر غور کریں۔

میرے والدین بوڑھے ہیں، اتنے وسائل نہیں ہیں کہ ہم عدالت میں جائیں اس لئے میں خدا کے دربار میں فیصلہ کروانا چاہتی ہوں۔ مجھے ایسی باتیں لکھنے کا طریقہ نہیں آتا۔ اگر لکھنے میں کوئی غلطی ہو گئی ہو تو میں معذرت چاہتی ہوں لیکن اس میں لکھی ہوئی ہر بات سچی ہے۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئلہ میں آپ کے شوہر کے بھابھی کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں جو بالکل حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَا (بنی اسرائیل: ۳۲) زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ باتفاق مفسرین جس طرح زنا حرام ہے اسی طرح اس کے اسباب (ناجائز تعلقات) حرام ہیں چونکہ عموماً گھروں کے اندر دیور اور بھابھی کو ایک گھر میں ساتھ رہنا پڑتا ہے اس لئے شریعت میں دیور سے پردے پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: الحمو الموت (بخاری ۲/ ۷۸۷) (دیور موت ہے)۔ اسی طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ”رحمن کے بندوں“ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا (۶۸) يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا (۶۹)

(الفرقان: ۶۸)

” (رحمن کے بندے) زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کام کرے گا تو سزا سے اسے سابقہ پڑے گا، کہ قیامت کے روز اس کا

عذاب بڑھتا چلا جاوے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔“ (بیان القرآن ۲/ ۷۲۰)

لہذا آپ کے شوہر کو ان تمام کئے ہوئے افعال سے توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا چاہیے۔

(۲) بیوی کو بلاوجہ مارنا اور اس کے حقوق ادا نہ کرنا ناجائز اور حرام ہونے کے ساتھ ساتھ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ قرآن

مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَعَاشِرُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا

(النساء: ۱۹)

”اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزارا کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔“

(بیان القرآن ۱/۱۶۶۹)

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے زور دیتے ہوئے بطور وصیت ارشاد فرمایا:

”فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموهن بأمان واستحللتم فروجهن بکلمات اللہ“ (مسلم، ۱/۲۹۷)

ترجمہ: اور عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے ان کو امان سے لیا اور تم نے ان کی شرم گاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمات سے اپنے لئے حلال کیا ہے۔

(۳) بلا عذر اسقاط حمل شرعاً ناجائز اور قتل نفس کے مترادف ہے۔ آپ کے شوہر اور گھر کے جتنے افراد بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ

کے حمل کو ساقط کرانے کے مرتکب ہوئے ہیں انہوں نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے۔ انہیں اس ظالمانہ فعل پر اللہ تعالیٰ کے حضور معافی مانگنی چاہیے۔

(۴) آپ کے شوہر کا سوال میں مذکورہ (غیر شرعی اور ناجائز) طریقے سے خواہشات کی تکمیل ناجائز اور حرام ہے، یہ اہل

مغرب اور بے دین لوگوں کا فعل ہے۔ اس پر بھی انہیں توبہ و استغفار کرنی چاہیے اور آئندہ پاک زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔

(۵) میاں بیوی دونوں خاندانوں کے بڑے اور سمجھدار لوگوں کو چاہیے کہ وہ مل بیٹھ کر اس مسئلے کو اخلاص کے ساتھ حل کرنے کی

کوشش کریں اور میاں بیوی دونوں کو سمجھا کر ان کے درمیان غلط فہمیاں دور کریں اور ان کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی نصیحت کریں۔ اگر پھر بھی آپ دونوں کے درمیان نہ بن سکے تو آپ کسی بھی طرح شوہر سے خلع یا طلاق لینے کی کوشش کریں۔

لما فی الدر المختار: (۳/۲۴۱): (ولا بأس به عند الحاجة) للشقاق بعدم الوفاق (بما يصلح للمهر)

بغیر عکس کلی۔

وفی الرد تحتہ: قوله (للسقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن

شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلها ليصلحوا بينهما فإن لم

يصلحوا جاز الطلاق والخلع اه ط وهذا هو الحكم المذكور في الآية وقد أوضح الكلام عليه في

الفتح آخر الباب۔

وفی الفقه الاسلامی وأدلته (۳/۲۶۳۱) الحظر والاباحة، وربما كان أسوأ من الدبر: وضع الذکر فی

فم المرأة ونحوه، مما جاءنا من شذوذ الغربيين، فيكون ذلك حراماً لثبوت ضرره وقبحه

شرعاً وذوقاً۔

## (۷۰۳) دو بیویاں ہونے کی صورت میں ان کے بنیادی حقوق

## سؤال

مفتی صاحب! ایک آدمی کی دو بیویاں ہیں ان کے بنیادی حقوق کیا کیا ہیں؟ قرآن و حدیث کی رو سے واضح کریں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

ایک آدمی جس کی دو بیویاں ہوں ان کے بنیادی حقوق مختصر ادرج ذیل ہیں: شوہر کو ان بیویوں کے درمیان عدل و انصاف سے

پیش آنا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً. الْآيَةُ

”اگر تمہیں خوف ہو تو ایک (پراکتفاء کرو)۔“

چنانچہ عدم مساوات کی صورت میں دوسری شادی کرنا ناجائز ہے لہذا ان کے کپڑوں، رہن سہن، کھانے پینے کی اشیاء اور شب گزاری میں برابری کرنا ضروری ہے البتہ طبعی محبت اور جماع میں مساوات شرط نہیں جیسا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں صراحتاً یہ مضمون مذکور ہے البتہ دیانۃً مساوات کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح سفر میں جاتے ہوئے بھی مساوات ساقط ہو جاتی ہے چنانچہ شوہر اپنی مرضی کے مطابق جس بیوی کو چاہے لے جاسکتا ہے البتہ ان کی تطیب قلب کی خاطر قرعہ ڈالنا زیادہ مناسب ہے۔

لَمَافِي الْقُرْآنِ الْحَكِيمِ (النساء: ۳): فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثَلِي وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آدُنِي أَلَّا تَعُولُوا.

(النساء: ۱۲۹) وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ

وفی التفسیر القرطبی (۲۰/۵): الحادیة عشر: قوله تعالى فإن خفتم الا تعدلوا فواحدة قال الضحاك وغيره فی المیل والمحبة والجماع والعشرة والقسم بین الزوجات الأربعة والثلاث والإثنين ”فواحدة“ فمنع من الزيادة التي تؤدي الى ترك العدل فی القسم وحسن العشرة وذلك دلیل علی وجوب ذلك والله اعلم۔

وفی الترمذی (۲۱۷/۱): عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا كان عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط۔

وفی الدر المختار (۲۰۱/۲ الی ۲۰۶): (يجب) --- (أن يعدل) --- (فيه) أي في القسم بالتسوية

فی البیتوتہ (وفی الملبوس والمأکول) والصحبة (لا فی المجامعة) کالمحبة بل یتحب۔۔۔ (بلا فرق بین فحل وخصی وعنین ومحبوب ومریض وصحیح)۔۔۔ (والبکر والثیب والمجدیدة والقدیمة والمسلمة و الکتائیة سواء) لإطلاق الآیة (وللأمة والمکاتبة وأمر الولد والمدبرة) والمبعضة (نصف ما للحررة) أي من البیتوتة والسکنی معها أما النفقة فبحالهما (ولا قسر فی السفر) دفعا للحرر (فله السفر بمن شاء منهم والقرعة أحب) تطیبا لقلوبهن (ولو ترکت قسمها) بالكسر أي نوبتها (لضرقتها صح ولها الرجوع فی ذلك) فی المستقبل۔

## (۷۰۴) شہری اور دیہاتی بیوی میں عدل کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! زید نے عرصہ ۱۴، ۱۵ سال قبل اپنی ماموں زاد بہن سے شادی کی اور اس بیوی سے زید کی اولاد بھی ہے۔ اس بیوی سے تعلقات ناخوشگوار ہونے کی وجہ سے اپنے گاؤں سے دوسرے شہر (جہاں پر اس کا کاروبار ہے) میں دوسری شادی کی اور وہاں کرائے کے مکان میں مقیم ہے۔ نہ تو زید پہلی بیوی کو دوسرے شہر لے جاسکتا ہے، اس لئے کہ یہاں گاؤں میں اس کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور پہلی بیوی زید کے والدین (جو کہ بوڑھے ہیں) کی خدمت کرتی ہے اور نہ وہ کاروبار چھوڑ کر اپنے گاؤں میں اقامت اختیار کر سکتا ہے کیونکہ وہ اس کاروبار میں مقروض ہوا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ زید اپنے گاؤں کو کبھی ایک مہینہ بعد آتا ہے کبھی دو تین مہینے بھی گزر جاتے ہیں۔

اب آپ حضرات سے یہ بات دریافت کرنی ہے کہ زید کیلئے شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے کہ کس طرح یہ دونوں بیویوں کے درمیان عدل کرے۔ یعنی زوجیت کے حقوق ادا کرے گا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت مطہرہ میں ایک سے زائد بیویوں کے درمیان رہائش، خوراک، لباس اور رات بسر کرنے میں عدل واجب ہے اور عدل نہ کرنے والے کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے قیامت کے دن ایک جانب مفلوج ہو کر حاضر ہونے کی وعید ارشاد فرمائی ہے۔

صورت مذکورہ میں جب زید بھی گاؤں میں مستقل قیام نہیں کر سکتا اور نہ ہی پہلی بیوی کو شہر میں بلوا سکتا ہے تو اس کو چاہئے کہ رہائش، خوراک، لباس میں عدل کا خوب اہتمام کرے البتہ رات بسر کرنے کے بارے میں اپنی پہلی بیوی سے اتنی مروت کی اجازت لے سکتا ہے جتنی مدت پر وہ راضی ہو جائے اور اگر وہ اجازت نہ دے بلکہ عدل کا مطالبہ کرے تو پھر دونوں بیویوں کو اکٹھا رکھنا ضروری ہوگا۔

لما فی مرقاة المفاتیح (۲/۳۵۲): وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي قال [إذا كانت] وفي نسخة إذا كان [عند الرجل] وفي نسخة عند رجل [امراتان] أي مثلاً [فلم يعدل بينهما] جاء يوم القيامة وشقه [أي أحد جنبيه وطرفه] [ساقط] قال الطيبي أي نصفه مائل قيل بحيث يراه أهل العرصات ليكون هذا زيادة له في التعذيب وهذا الحكم غير مقصور على امرأتين فإنه لو كانت ثلاث أو أربع كان السقوط ثابتاً۔

وفي الدر المختار (۲/۲۰۱): (يجب) --- (أن يعدل) أي أن لا يجور (فيه) أي في القسم بالتسوية في البيتوتة (وفي الملبوس والمأكل) والصحة (لا في الجامعة) كالمحبة بل يستحب۔  
وفي (۲/۲۰۲): (قوله وفي الملبوس والمأكل) أي والسكنى ، ولو عبر بالنفقة لشمّل الكل .  
وفيه ايضاً (۲/۲۰۴): وفي التنوير: ولا يقيم عند إحداهما أكثر إلا بإذن الأخرى۔  
وفي الشامية تحته: قوله (ولا يقيم عند إحداهما أكثر الخ) لم يبين ما لو أقام أكثر من ثلاثة أيام هل يهدر الزائد أو يقيم عند الأخرى بقدر ما أقام عند الأولى ثم يقسم بينهما ثلاثة وثلاثة أو يوماً ويوماً والظاهر الثاني لأن هدر ما مضى فيما إذا أقام عند إحداهما لا على سبيل القسمة كما تقدم۔

## (۷۰۵) سفر کے دن بیوی کی باری میں شمار نہ ہوں گے

### سؤال

ایک شخص نے اپنی ایک بیوی کے ساتھ دس دن کا سفر کیا جب سفر سے واپس لوٹا تو اس کی دوسری بیوی جو گھر پر تھی اس نے کہا کہ آپ نے دس دن میری سوکن کے ساتھ سفر میں گزارے ہیں اب آپ دس راتیں صرف میرے پاس گزاریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بیویوں کے درمیان برابری کرو؟ کیا اس بیوی کی بات درست ہے؟ کیا سفر کے دن بھی شمار کئے جائیں گے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

سفر کے دن باری میں شمار نہ ہوں گے کیونکہ حالت سفر حالت استمتاع نہیں ہے لہذا دوسری بیوی کا یہ کہنا کہ جتنے دن تم میری سوکن کے ساتھ سفر پر گئے تھے اتنے دن میرے پاس رہو، اس کا یہ مطالبہ درست نہیں ہے۔

وفي الهندية (۱/۲۳۱) باب القسم: وله أن يسافر ببعض نسائه دون البعض والأولى أن يقرء بينهن تطيباً لقلوبهن وإذا قدم من السفر ليس للأخرى أن تطلب من الزوج أن يسكن

عندها مثل ما كان عند التي سافر بها وإذا كانت له امرأة وأراد أن يتزوج عليها أخرى وخاف أن لا يعدل بينهما لا يسعه ذلك وإن كان لا يخاف وسعه ذلك والامتناء أولى ويؤجر بترك إدخال الغم عليها كذا في السراجية۔

وفي الشامية (۲/۲۰۵) باب القسم: قوله (ولو أقام عند واحدة شهرا) أي قبل الخصومة أو بعدها خانية قوله (في غير سفر) أما إذا سافر بإحدهما ليس للأخرى أن تطلب منه أن يسكن عندها مثل التي سافر بها ط عن الهندية۔

## (۷۰۶) کیا ہمبستری میں بھی مساوات ضروری ہے؟

### سؤال

ایک شخص کے نکاح میں ایک کنواری لڑکی آگئی اور ایک عورت پہلے سے اس کے نکاح میں تھی اب یہ شخص جب کنواری اور جوان بیوی کے پاس رات گزارتا ہے تو خوب جماع کرتا ہے اور اس کا دل بھی کرتا ہے لیکن پچھلی (بوڑھی عورت) کے پاس رات گزارتے وقت اس کا دل جماع کا بالکل نہیں ہوتا۔ یہ بغیر جماع کے ہی سونے کو ترجیح دیتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ یہ شخص ایک باشرع متدین آدمی ہے لیکن اس کا یہ عمل اسے دل میں کھٹکتا ہے کہ یہ طرز عمل میری طرف سے ایک بیوی کے ساتھ زیادتی ہے؟ ازراہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

اس شخص کے نکاح میں چونکہ ایک سے زائد بیویاں ہیں تو شرعاً نان نفقے، رہائش اور رات گزارنے میں تو عدل کرنا اس پر واجب ہے لیکن شرعاً ہمبستری کرنے میں برابری اس شخص پر واجب نہیں کیونکہ ہمبستری کا تعلق چستی اور نشاط طبع کے ساتھ ہے لہذا صورت مسئلہ میں اگر بوڑھی بیوی ہمبستری کا مطالبہ کرے تو وقتاً فوقتاً اس سے ہمبستری کرتے رہنا چاہئے البتہ ہر باری میں ہمبستری کرنا شوہر کیلئے ضروری نہیں۔

لسانی القرآن الکریم (النساء: ۱۲۹): وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَدْرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ... الآية۔

وفي الهندية (۱/۳۴۰): الباب الحادي عشر في القسم وما يجب على الأزواج للنساء العدل والتسوية بينهما فيما يملكه والبيتوتة عندها للصحة والمؤانسة لا فيما لا يملك وهو الحب والجماع كذا

فی فتاویٰ قاضی خان۔

## (۷۰۷) ایک بیوی کا اپنے حق سے دستبردار ہو جانا

## سوال

میں نے ۱۹۸۰ء میں ایک شادی کی تھی اور اب وہ عورت بوڑھی ہو گئی تو میں نے ایک کنواری دوشیزہ سے شادی کی۔ میرا دل کرتا ہے کہ میں زیادہ راتیں اس کنواری دوشیزہ کے پاس گزاروں اور ایک دو راتیں پہلی بیوی کے ساتھ گزاروں کیا شرعاً مجھے یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

جس شخص کے نکاح میں دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں اس پر لازم ہے کہ رات گزارنے میں ان میں برابری کرے اگرچہ ان میں سے بعض نوجوان اور بعض بوڑھی ہوں لہذا صورت مسئلہ میں اس بوڑھی عورت اور دوشیزہ کے درمیان برابری کرنا ضروری ہے۔ آپ کیلئے دوشیزہ کے پاس زیادہ راتیں گزارنا اور بوڑھی عورت کے پاس کم راتیں گزارنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ بوڑھی عورت اپنا حق چھوڑنے پر راضی ہو جائے اور اپنا حق اپنی سوکن کو دیدے تو اس صورت میں آپ کیلئے دوشیزہ کے پاس زیادہ راتیں گزارنا جائز ہوگا۔

لہا فی القرآن الکریم (النساء: ۴): فَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا فَمَأْتُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْوَدْعَافِ وَقَدْ جِئْتُمُ بِالْغَيْبِ

وفی مشکوٰۃ المصابیح (۲/۲۷۹): وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط". رواه الترمذي وأبو داود والنسائي وابن ماجه والدارمي۔

وفی الہندیۃ (۱/۳۳۰): الباب الحادی عشر فی القسم: ومما یجب علی الأزواج للنساء العدل والتسویۃ بینہن فیما یملکہ والبتوتۃ عندها للصحبة والمؤانسة لا فیما لا یملک وهو الحب والجماع کذا فی فتاویٰ قاضی خان والعبد كالحرفی هذا کذا فی الخلاصة فیسوی بین الجدیة والقدیمة والبکر والثیب والصحیحة والمریضة والرتقاء والمجنونة التي لا یخاف منها۔۔۔ (۱/۳۳۱): ولو وهبت إحدى المرأتین القسم لصاحبتهما جاز ولها أن ترجع متى شاءت کذا فی السراج الوہاب۔

وفی الدر المختار (۲/۲۰۱) باب القسم: (یجب) وظاهر الآیة أنه فرض نهر (أن يعدل) أي أن لا یجور (فیہ) أي فی القسم بالتسویۃ فی البتوتۃ۔۔۔ (بلا فرق بین فحل وخصی وعین

ومجبوب ومريض وصحیح) --- ومريضة وصحيحة ( وحائض وذات نفاس ومجنونة لا يخاف  
ورتقاء وقرناء)۔

## (۷۰۸) بیوی کا اپنے حق سے دستبردار ہونے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا

### سؤال

میری دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک بیوی نے اپنی باری دوسری کو ہدیہ کر دی اور کچھ مہینے گزرے تھے کہ اس بیوی نے اپنی  
باری کا دوبارہ مطالبہ کر دیا۔ کیا اس کو اپنی باری کا دوبارہ مطالبہ کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کسی کی ایک بیوی دوسری کو اپنی باری ہبہ کر دے تو اگر وہ دوبارہ اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہے تو شرعاً اس کو مطالبہ کا حق ہے لہذا  
صورت مسئلہ میں آپ کی بیوی کو اپنی باری کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

لمافی الہندیة (۳۲۱/۱): کتاب النکاح الباب الحادی عشر فی القسم: ولو وهبت إحدى المراتین  
القسم لصاحبتهما جاز ولها أن ترجع متى شاءت کذا فی السراج الوہاب۔  
وفی الدرالمختار (۲۰۶/۳): کتاب النکاح باب القسم: (ولو ترکت قسمها) بالکسر أي نوبتها  
(لضرقتها صح ولها الرجوع فی ذلک) فی المستقبل لأنه ما وجب فما سقط۔

## (۷۰۹) رات ڈیوٹی کرنے والے شخص کیلئے رات گزارنے میں برابری کا حکم

### سؤال

ہمارے ایک عزیز فلیٹ میں گاڑ ہیں ان کی ڈیوٹی نائٹ کی ہوتی ہے لہذا وہ دن میں تو گھر ہوتے ہیں لیکن رات گھر نہیں  
گزارتے۔ اب وہ ایک عورت سے ڈیوٹی والے فلیٹ کے پاس نکاح کرنا چاہ رہے ہیں ان کا اپنا گھر کراچی میں ہی ہے لیکن دور ہے  
لہذا دن میں بھی ہر روز پہلی بیوی کے پاس آنا دشوار ہوتا ہے۔ اب وہ یہ پوچھنا چاہ رہے ہیں کہ کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ  
صرف دن میں تمہارے پاس آیا کروں گا یہ جائز ہے؟ وہ عزیز دوسری شادی میں عورت سے یہ شرط لگانا چاہ رہے ہیں اور ہفتہ دس دن بعد  
گھر اپنی پہلی بیوی کے پاس جایا کریں گے اور پہلی بیوی کو اس نکاح کی خبر نہیں۔ کیا یہ نکاح جائز ہے؟ نیز ایک شخص رات ڈیوٹی کرتا ہو تو کیا  
دو عورتوں میں دن کا تقسیم کرنا شرعاً ضروری ہے یا بندہ مختار ہے؟ شریعت کیا کہتی ہے؟ مفصل حکم ذکر کریں۔



## الجواب بعون الملک الوہاب

ایسا شخص جو رات کو کام کرتا ہو اس کے حق میں دن بمنزلہ رات کے ہو جاتا ہے ایسے شخص کی اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو دن میں ان میں برابری کرنا ضروری ہے۔ صورت مسئلہ میں جہاں تک مذکورہ شخص کا تعلق ہے تو اسے چاہئے کہ دوسری شادی نہ کرے بلکہ پہلی بیوی ہی کو ڈیوٹی والے فلیٹ کے قریب کسی جگہ میں لے آئے کیونکہ دوسری شادی کرنے کے بعد مذکورہ شخص کیلئے دونوں بیویوں میں برابری کرنا مشکل ہو جائے گا اور کسی ایک سے نا انصافی کر کے یہ گناہ میں مبتلا ہوگا کیونکہ برابری صرف رات گزارنے ہی میں نہیں ہوتی بلکہ اور بھی بہت سی چیزوں میں ضروری ہے مثلاً نفقہ، سکنی وغیرہ۔

صورت مسئلہ میں اس مرد کیلئے دوسرا نکاح بہر حال جائز ہے البتہ یہ شرط لغو ہو جائے گی اسے پورا کرنا لازم نہ ہوگا نیز شادی کر لینے کی صورت میں اس مرد کو ایک دن اس دوسری بیوی کے پاس اور دوسرا دن پہلی بیوی کے پاس بطور قسم (برابری) کے گزارنا ضروری ہوگا۔

لمافی البدائع ۶ (۲/۳۲۲) (ط: رشیدیہ): فإن كان له أكثر من امرأة فعليه العدل بينهما في حقوقهن من القسم والنفقة والكسوة وهو التسوية بينهما في ذلك حتى لو كانت تحتها امرأتان حرتان أو أمتان يجب عليه أن يعدل بينهما في المأكل والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة۔

وفي الدر المختار كتاب النكاح ۶ (۳/۵۱): وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدة معينة ولا بأس بتزوج النهاريات عيني۔

[وفي ص ۲۰۷] (ولا يقيم عند إحداهما أكثر إلا بإذن الأخرى) خاصة۔

[وفي ص ۲۰۸] فروع لو كان عمله ليلا كالحارس ذكر الشافعية أنه يقسم نهارا وهو حسن۔

وفي الشامية: (۳/۵۱) قوله (وليس منه الخ) لأن اشتراط القاطع يدل على انعقاده مؤيدا وبطل الشرط بحر۔۔۔ قوله (ولا بأس بتزوج النهاريات) وهو أن يتزوجها على أن يكون عندها نهارا دون الليل فتح قال في البحر وينبغي أن لا يكون هذا الشرط لازما عليها ولها أن تطلب المبيت عندها ليلا لما عرف في باب القسم اه أي إذا كان لها ضرة غيرها وشرط أن يكون في النهار عندها وفي الليل عند ضرتها أما لو لا ضرة لها فالظاهر أنه ليس لها الطلب خصوصا إذا كانت صنعتها في الليل كالحارس بل سيأتي في القسم عن الشافعية أن نحو الحارس يقسم بين الزوجات نهارا واستحسنه في النهر۔

وفی حاشیة الطحطاوی علی الدر کتاب النکاح: باب فی القسم (۹۱/۲) (ط: رشیدیة): [قوله: وهو حسن] ظاهر هذا أنه ارتضاه للإفتاء۔

## (۷۱۰) متعدد بیویوں والے کے لئے سفر میں برابری کرنا

### سؤال

میری تین بیویاں ہیں اور میں اکثر اوقات سفر پر رہتا ہوں۔ ایک شخص سے سنا ہے کہ سفر میں بھی بیویوں کے درمیان برابری کرنا ضروری ہے۔ مفتی صاحب! مجھے بتائیں کہ میں اپنی جس بیوی کے ساتھ چاہوں سفر کر سکتا ہوں یا ان کے درمیان اس مسئلہ میں کبھی مساوات ضروری ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

حالت سفر میں شریعت نے شوہر کو اختیار دیا ہے کہ جس بیوی کو چاہے ساتھ لے کر سفر پر نکل جائے لیکن سب کا دل رکھنے کی شوہر کیلئے مستحب یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ ڈال دے اور پھر قرعہ میں جس کا نام نکل آئے اسی کو سفر پر لے جائے۔

لمافی البخاری (۷۸۲/۲): باب القرعة بین النساء إذا أراد سفرا: عن عائشة رضی اللہ عنہا، "أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا خرج أقرع بين نسائه۔ الخ۔"

وفی المنذیة (۳۲۱/۱) کتاب النکاح، باب القسم: وله أن يسافر ببعض نسائه دون البعض والأولى أن يقرع بينهم تطييبا لقلوبهن وإذا قدم من السفر ليس للأخرى أن تطلب من الزوج أن يسكن عندهما مثل ما كان عند التي سافر بها۔

وفی الشامیة (۲۰۶/۲) کتاب النکاح، باب القسم: قوله (ولا قسم في السفر الخ) لأنه لا يتيسر إلا بحملهن معه وفي إلزامه ذلك من الضرر ما لا يخفى فهو ولأنه قد يثيق بإحداهما في السفر وبالآخرى في الحضر والقرار في المنزل لحفظ الأمتعة أو لحوف الفتنة أو يمتنع من سفر إحداهما كثرة سمنها فتعين من يخاف صحبتها في السفر للسفر لخروج قرعتها إلزام للضرر الشديد وهو مندفع بالنافي للحرج فتح۔۔۔ قوله (والقرعة أحب)۔

## (۷۱) عدم ادائیگی حقوق سے بیوی حرام نہیں ہوتی

## سوال

میری شادی کو تقریباً تیس سال ہو چکے ہیں اور میں نے تین سال سے اپنی بیوی کو ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی اس کے قریب گیا۔ اب میں اپنی بیوی کے قریب جانا چاہتا ہوں یا ہاتھ لگانا چاہتا ہوں تو وہ کہتی ہے کہ میں تم پر حرام ہو گئی ہوں کیونکہ تم نے تین سال سے نہ مجھ کو ہاتھ لگایا اور نہ میرے قریب آئے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا بیوی اس طرح حرام ہو جاتی ہے؟ حالانکہ میں نے بیوی کو کوئی طلاق نہیں دی اور نہ ہی بیوی نے مجھ سے مانگی ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دے کر احسان مند فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کے حقوق پورے نہیں کرتا تو عدم ادائیگی حقوق کی وجہ سے بیوی اس پر حرام نہیں ہوتی لہذا صورت مذکورہ میں عورت خاوند پر حرام نہیں ہے۔

لینافی البحر الرائق (۲/۲۱۴): قوله ( ولا يفرق بعجزه عن النفقة وتؤمر بالاستدانة عليه ) لأنه لو فرق بينهما لبطل حقه ولو لم يفرق لتأخر حقه والأول أقوى في الضرر لأن النفقة تصير دينا بضرر القاضي فيستوفى في الثاني وفوت المال وهو تابع في النكاح فلا يلحق بما هو المقصود وهو التوالد فلا يقاس العجز عن الإنفاق على العجز عن الجماع في المجبوب والعينين۔

وفي الهندية (۱/۵۵۰): ولا يفرق بعجزه عن النفقة وتؤمر بالاستدانة عليه كذا في الكنز۔

وفي الدر المختار (۳/۵۹۰): ( ولا يفرق بينهما بعجزه عنها )۔۔ ( ولا بعدم إيفائه ) لو غائبا ( حقه ولو موسرا ) وجوزه الشافعي بإعسار الزوج وبتضررها بغيبته ولو قضى به حنفي لم ينفذ نعم وأمر شافعيًا فقضى به نفذ۔

وفي الرد تحتہ: مطلب في فسخ النكاح بالعجز عن النفقة وبالغيبه قوله ( ولا يفرق بينهما بعجزه عنها ) أي غائبا كان أو حاضرا۔۔۔ قوله ( بإعسار الزوج ) مقابل قوله ( ولا يفرق بينهما بعجزه ط قوله ( وبتضررها بغيبته ) أي تضرر المرأة بعدم وصول النفقة بسبب غيبته وفي بعض النسخ وبتعذرها بغيبته أي تعذر النفقة وهي أظهر وهذا مقابل قوله ( ولا بعدم إيفائه حقه )۔

## فصل فی المتفرقات

### (نکاح کے متفرقات کا بیان)

#### (۷۱۲) صاحب استطاعت حج پہلے کرے گا یا شادی؟

##### سوال

مفتی صاحب لڑکی اور لڑکا اگر صاحب نصاب ہوں تو پہلے انہیں شادی کرنا چاہیے یا حج؟

##### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں اولاً یہ سمجھیں کہ لڑکے پر شادی میں مہر اور پھر بیوی کے نفقہ کا خرچہ شرعاً واجب ہے اور لڑکی پر شادی میں تسلیم نفس کے علاوہ کوئی مالی خرچہ واجب نہیں لہذا اگر لڑکے کے ساتھ یہ صورتحال ہو تب تو اگر حج فارم بھرنے کا زمانہ ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ ہو تو لڑکے کو چاہیے پہلے حج کر لے اور اگر اپنے اوپر قابو نہ ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اگر مسنون طریقے سے نکاح کے اخراجات نکال کر حج بھی ہو سکتا ہے تو اولاً نکاح کر کے پھر حج بھی کر لے اور اگر حج کے پیسے نہ بچتے ہوں تو صرف نکاح کر لے۔

اگر لڑکی کے ساتھ یہ صورتحال ہے تو اصول کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس پر حج کرنا ہی فرض ہو کیونکہ نکاح میں کسی قسم کا مالی خرچہ اس پر واجب نہیں البتہ لڑکی کے شادی کرنے میں جو ضروری اخراجات آتے ہیں اگر وہ باپ کے پاس نہ ہوں اور لڑکی صاحب استطاعت ہے اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں فتنے میں ابتلاء کا قوی اندیشہ ہو تو لڑکی کو اتنا خرچہ جس سے اس کی شادی وغیرہ کے اخراجات نکل سکیں والد کے حوالے کر کے حج کو مؤخر کر دینا چاہیے۔

لمافی الدر المختار (۲/۴۶۲): وفي الأشباه معه ألف وخاف العزوبة إن كان قبل خروج أهل بلده فله التزوج ولو وقته لزمه الحج۔

وفي الرد تحته: قوله ( وفي الأشباه ) المسألة منقولة عن أبي حنيفة في تقديم الحج على التزوج والتفصيل المذكور ذكره صاحب الهداية في التجنيس وذكرها في الهداية مطلقة واستشهد بها على أن الحج على الفور عنده ومقتضاه تقديم الحج على التزوج وإن كان واجبا عند التوقان

وہو صریح ما فی العنایة مع أنه حیثئذ من الحوائج الأصلية ولذا اعترضه ابن کمال بانثا فی شرحه علی الهدایة بأنه حال التوقان مقدم علی الحج اتفاقاً لأن فی ترکہ امرین ترک الفرض والوقوع فی الزنا وجواب ابي حنيفة فی غیر حال التوقان اه أي فی غیر حال تحققه الزنا لأنه لو تحققه فرض التزوج أما لو خافه فالتزوج واجب لا فرض فيقدم الحج الفرض علیه فافهم۔

وفی الفقه الاسلامی وادلتہ (۲۰۹۱/۳): وإن احتاج إلى الزواج وخاف على نفسه العنت (الإثم والأمر الشاق) قدم التزويج، لأنه واجب عليه ولا غنى به عنه، فهو كنفقته، وإن لم يخف قدم الحج؛ لأن الزواج تطوع، فلا يقدم على الحج الواجب۔

## (۷۱۳) نکاح کے بعد رخصتی میں تاخیر کرنا

### سؤال

ایک ماہ قبل میرا نکاح ہوا تھا لیکن تا حال رخصتی نہیں ہوئی، اب میں تین سال کیلئے امریکہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں بعض لوگوں سے سننے میں آیا ہے کہ نکاح اور رخصتی کے درمیان اتنا وقفہ نہیں ہونا چاہیے اب آپ بتائیں کہ نکاح اور رخصتی کے درمیان شرعاً کتنا وقفہ کر سکتے ہیں؟ اگر میں تین سال تک رخصتی نہ کروں تو میرے نکاح پر کچھ اثر تو نہیں پڑے گا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

عقد نکاح اور رخصتی کے درمیان شرعاً کوئی متعین وقفہ نہیں ہے البتہ درج ذیل نصوص اور فقہی عبارات کے اشارۃ العس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہو جائیں تو پھر بلا عذر رخصتی میں تاخیر نہیں کرنا چاہیے البتہ عذر کی بناء پر تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں لہذا صورت مسئلہ میں رخصتی میں اتنا وقفہ کرنے سے شرعاً نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۴): فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثَلِي وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آذُنِي أَلَّا تَعُولُوا۔

وفی صحیح البخاری (ص ۷۷۵): عن عروة "تزوج النبي صلى الله عليه وسلم عائشة وهي بنت ست سنين، وبني بها وهي بنت تسع، ومكثت عنده تسعا"

وفی الهندية (۲۸۷/۱): واختلفوا في وقت الدخول بالصغيرة فقليل لا يدخل بها ما لم تبلغ وقيل يدخل بها إذا بلغت تسع سنين كذا في البحر الرائق وأكثر المشايخ على أنه لا عبرة للسن في هذا الباب وإنما العبرة للطاقة إن كانت ضخمة سمينة تطيق الرجال ولا يخاف عليها المرض من

ذلک کان للزوج أن یدخل بها وإن لم تبلغ تسع سنین وإن كانت نحیفة مهزولة لا تطیق الجماع ویحاف علیها المرض لا یحل للزوج أن یدخل بها وإن کبر سنها وهو الصحیح۔  
وفی الشامیة (۶۱/۲): تتمة لیس لغير الأب والجد أن یسلم الصغیرة قبل قبض ما تعورف قبضه من المهر ولو سلمها الأب له أن ینعها أفاده ط وتمامه فی البحر قلت ولیس له تسلیمها للدخول بها قبل إطاقه الوطء ولا عبدة للسن كما سیدکره الشارح فی آخر باب المهر۔

## (۷۱۴) منگنی کی رسم کے بعد رشتے ٹوٹ جانا

### سؤال

میری سات (۷) بیٹیاں ہیں جس میں سے صرف ایک بیٹی کی شادی ہوئی ہے اس کی شادی کو بھی پانچ سال ہو گئے ہیں اور جس بیٹی کی وجہ سے میں پریشان ہوں اس کی چار رسم ختم ہو چکی ہیں، بیٹی کا نام عائشہ ہے جس کی وجہ سے میرا پورا گھر پریشان ہے، تقریباً ایک ایک سال رہ کر ختم ہو گئیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی مصلحت جان کر صبر کیا لیکن سب سے بڑا مسئلہ تو میری بیٹی عائشہ کے ساتھ ہے وہ کہتی ہے کہ رشتہ ختم ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ مجھے خواب میں دکھا دیتا ہے اور وہ خواب پورا بھی ہو جاتا ہے، کبھی کہتی ہے کہ چوڑیوں کو پھینک کر ایک ایک نگ نکل جاتا ہے، پھر کچھ جہینوں کے بعد رشتہ ختم ہو جاتا ہے اور اسی طرح سے دوسرا رشتہ بھی کہ خواب میں تسبیح ٹوٹ کر گر جاتی ہے اور سارے دانے بکھر جاتے ہیں، رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ کبھی خواب میں کانوں کے بندے پھنک کر اس کے کالے اور نگ نکل جاتے ہیں اور کبھی دو بار تیس آتی ہیں ایک کی رخصتی ہو جاتی ہے، دوسرا دلہا بیٹھا ہوا رہ جاتا ہے۔ میری بیٹی کہتی ہے کہ جتنی زیادہ پڑھائی کرتی ہے اور زیادہ ایسے خواب دیکھتی ہے اور اگر اونچے گھرانے سے رشتہ آجائے تو خونزدہ ہو جاتی ہے۔

ابھی کچھ ہفتے پہلے ایک رشتہ آیا دونوں طرف سے ہاں ہو گئی تھی لیکن کچھ دنوں کے بعد لڑکے کی بھابھی نے استخارہ کا بہانہ کر کے رشتے کو منع کر دیا۔ رشتہ ختم ہونے سے پہلے بیٹی نے خواب میں کانوں کے بندے ٹوٹتے ہوئے دیکھے تھے۔

مفتی صاحب لڑکے کی تو پوری پوری مرضی ہے اور ہماری بھی اب ایک دو جگہ سے رشتے آرہے ہیں، پسند بھی کر لیا ہے پھر سے میری بیٹی نے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ ہاتھ میں تسبیح ہے اور کسی چیز سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتی ہے دانہ دانہ بکھر جاتا ہے جس کی وجہ سے میری بیٹی بہت زیادہ پریشان ہے۔ کہتی ہے کہ اس سے تو اچھا ہے میں شادی نہ کروں، بیٹی کے والد کہتے ہیں کہ میں دونوں بیٹیوں کی شادی ایک ساتھ کروں گا جب کہ چھوٹی بیٹی کا رشتہ لگ چکا ہے۔ بڑی مشکلوں سے ہم نے عید تک روکا ہے، بیٹی عائشہ نے تو خواب میں تالا بھی لگا دیکھا ہے۔ مفتی صاحب! اب آپ ہی کچھ کیجئے کہ میری بیٹی عائشہ کا اچھے گھرانے سے رشتہ آجائے تاکہ ہم جلد از جلد اپنے فرضوں سے فارغ ہو جائیں۔ ہم والدین بھی بیمار رہتے ہیں۔ خدا کیلئے مفتی صاحب! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں جلد سے جلد

اس آزمائش سے نکال دے، آمین۔ آپ کی بڑی بڑی مہربانی ہوگی، شکریہ۔

مفتی صاحب میری بیٹی نماز دل لگا کر پڑھنا چاہتی ہے لیکن ایسے خیال آتے ہیں کہ ایک دو ٹائم کی پڑھ کر چھوڑ دیتی ہے۔ مولانا صاحب اتنا کچھ ہونے پر بھی وہ خوب درود شریف کا ور کرتی ہے اور جو کوئی وظائف بتاتے ہیں انہیں بھی دل لگا کر پڑھنے کی کوشش کرتی ہے اور جب نماز چھوڑ دیتی ہے تو اچھے اچھے خواب دیکھتی ہے۔ خاص کر کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ خوب دل لگا کر نماز ادا کرے۔ ہم والدین چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی میں اپنے بچوں کے فرائض سے سبکدوش ہو جائیں۔ ہم بہت پریشان ہیں خاص کر اپنی عائشہ کی وجہ سے، ایک بار پھر آپ کی بڑی مہربانی ہوگی ہماری راہنمائی فرمائیں، شکریہ۔ جو غلطی ہوگئی ہو تو اپنی بیٹی سمجھ کر معاف کر دیجئے گا۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

اللہ تعالیٰ کے حکم و ارادے کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ انسانوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہیں اور مایوسی کفر ہے، آپ کی بیٹی عائشہ کا جن چار جگہوں میں رشتہ نہیں ہو سکا اسی میں خیر ہوگی، پس آپ کی بیٹی نماز و ذکر و تلاوت کی پابندی کے ساتھ ساتھ روزانہ صبح و شام چالیس دن تک اکتالیس (41) مرتبہ پہلے گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سورہ انبیاء کی آیت نمبر 89:

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ

پڑھے ان شاء اللہ عزوجل، اللہ تعالیٰ مناسب جگہ میں رشتہ کا بندوبست فرمادیں گے۔ نیز دیگر جو وظائف وہ پڑھ رہی ہے انہیں چھوڑ کر فقط جواب میں ذکر و وظیفے کی پابندی کرے۔

لِمَافِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ (يوسف: ۸۶): وَلَا تَيْتَسُّوْا مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَيْتَسُّ مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ.

### (۱۵) ابتداء جوانی میں نکاح کا حکم

#### سوال

مفتی صاحب! ایک شخص کو میں نے کہتے ہوئے سنا کہ ابتداء جوانی میں شادی کرنا صحت کیلئے مضر ہے، کیا یہ درست ہے؟ کیا آجکل کے ماحول کے اعتبار سے شادی میں تاخیر کرنا فتنہ کا سبب نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں ذکر کردہ بات نقل و عقلاً دونوں اعتبار سے مخدوش ہے۔ نقل اس لئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا اور ۹ سال میں رخصتی بھی ہوگئی۔ یہ نکاح اور رخصتی بتاتی ہے کہ نوجوانی میں نکاح مضر صحت نہیں تیز بہت سی احادیث میں بچوں کے جوان، بالغ ہوتے ہی جلد از جلد نکاح کرانے کی ترغیب اور نہ کرانے پر باپ کیلئے بڑی وعیدوں کا ذکر ہے، یہ احادیث بھی

اس بات پر دال ہیں کہ نکاح بلوغ کے بعد جلد از جلد کر دیا جائے۔

عقلاً یہ نظریہ اس لئے درست نہیں کیونکہ بلوغ کے بعد انسان کی شادی اس کی نظر اور شرمگاہ کی حفاظت اور عصمت کا سبب بنتی ہے، اس کے بغیر انسان بد نظری اور دیگر گناہوں میں مبتلا ہو کر اپنے جذبات کو تسکین دینے کی سعی کرتا ہے جو کہ انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کے لئے مضر ہوتے ہیں اور پھر یہ غیر فطری حرکات انسانی صحت پر انتہائی برے اثرات مرتب کرتی ہیں لہذا عقلاً بھی بلوغ کے بعد جلد از جلد شادی کرنا مستحسن معلوم ہوتا ہے اور اپنے جذبات کو جائز طریقے سے پورا کرنا ہی صحت کا ضامن اور آخرت میں فلاح کا باعث بن سکتا ہے۔

لمافی الکلام المجید (النساء: ۶): وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ

وفی التفسیر الکبیر (۲۱۳/۱۳): حجة أبي حنيفة من وجوه (الأول) ان النکاح يتضمن صون النفس عن الزنا فيكون ذلك دفعا للضرر عن النفس والنافلة جلب النفع و دفع الضرر أولى من جلب النفع۔

وفی التاتارخانیة (۳۵/۳): أن رسول الله ﷺ بنى بعائشة وهي ابنة تسع سنين وتزوجها وهي بنت ست سنين ففيه دليل على أن للزوج أن يدخل بامرأته الصغيرة إذا بلغت تسع سنين وإن لم تبلغ فإن بلوغها لم ينقل في الحديث وبه أخذ بعض المشائخ ومن المشائخ من قال: ليس للزوج أن يدخل بها ما لم تبلغ وأكثر المشائخ على أن لا عبرة للسنين في هذا الباب وإنما العبرة للطاقة۔

وفی الشامیة (۶/۳): (ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية۔۔۔  
(و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا وولدا (حال الاعتدال)۔

## (۱۶) بیوی سے جماع کرتے وقت اجنبیہ کا خیال دل میں لانا

### سؤال

میں نے ایک بڑے عالم کے بیان میں سنا کہ جو شخص کسی عورت کا خیال دل میں لائے اور اپنی بیوی سے جماع کرتے وقت اپنے دل میں یہ تصور کرے کہ میں اس عورت سے جماع کر رہا ہوں تو اسے زنا کا گناہ ملے گا، کیا یہ بات صحیح ہے؟ ازراہ کرم اس کا حوالہ ذکر فرمادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں ذکر کردہ بات صحیح ہے۔ حوالے ذیل میں ملاحظہ کئے جائیں۔



لمافی المسلم (۲/۲۳۶): عن ابن عباس قال ما رأيت شيئا أشبه باللمم مما قال أبو هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنى أدرك ذلك لا محالة فزنى العينين النظر وزنى اللسان النطق والنفس تمنى وتشتهى والفرج يصدق ذلك أو يكذبه .  
 وفي الشامية (۶/۳۷۲): ولم أر من تعرض للمسألة عندنا وإنما قال في الدرر إذا شرب الماء وغيره من المباحات بلهو وطرب على هيئة الفسقة حرم اه والأقرب لقواعد مذهبنا عدم الحل لأن تصور تلك الأجنبية بين يديه يطؤها فيه تصوير مباشرة المحصية على هيئتها فهو نظير مسألة الشرب ثم رأيت صاحب تبيين المحارم من علمائنا نقل عبارة ابن الحاج المالكي وأقرها وفي آخرها حديث عنه إذا شرب العبد الماء على شبه المسكر كان ذلك عليه حراما اه

## (۷۱۷) مشت زنی اور غیر ذی روح میں دخول کا حکم

### سؤال

اگر کوئی شخص شادی شدہ نہ ہو اور خواہشات کا غلبہ ہو، شادی کا بندوبست نہ ہو تو اگر استمناء بالید نہ کرے کیونکہ یہ فعل حرام ہے، بلکہ غیر ذی روح چیز میں ادخال کرے اور انزال ہو جائے تو کیا گناہ ہوگا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کسی کی شادی نہ ہوئی ہو اور خواہشات نفس کا غلبہ ہو، اسی طرح شادی کا بھی بندوبست نہ ہو اور خواہشات کا اتنا غلبہ ہو کہ زنا میں پڑ جانے کا خوف ہو تو اسے چاہئے کہ روزے رکھے اور روزے کے ذریعے اپنی شہوت کو توڑے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں استمناء بالید کی کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے البتہ ایسے شخص کی نظر قرآن مقدس کی ان آیات پر ہونی چاہئے کہ جن میں شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین مبارکہ پر ہونی چاہئے جن میں ایسے لوگوں کو روزے کی ترغیب دی گئی ہے اور جنت کا وعدہ بھی اس قسم کے نازیبا حرکات کے نہ کرنے پر کیا گیا ہے لہذا تمام گناہوں کے کاموں سے اجتناب ضروری ہے اس لئے اس نکتے کے دور میں کسی صاحب نسبت بزرگ سے اپنا تعلق جوڑنا بہت ضروری ہے نیز غیر ذی روح چیز میں ادخال جائز نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (النور: ۳۰): قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ أَبْصَارَهُمْ وَيَحْفَظُونَ أَرْؤُسَهُمْ ذَلِكَ  
 أَرَادَ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ .

وفی البخاری (۲/۷۵۸): عن عبد الرحمن بن یزید، قال: دخلت مع علقمة والأسود علی عبد الله، فقال عبد الله: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم شابا لا نجد شيئا، فقال لنا رسول الله صلى الله

علیه وسلم: یا معشر الشباب، من استطاع الباءة فلیتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء۔

وفی الشامیة (۲/۲۷۷): قوله (الاستمناء حرام) أي بالكف إذا كانت لاستجلاب الشهوة أما إذا فلبتہ الشهوة وليس له زوجة ولا أمة ففعل ذلك لتسکینها فالرجاء أنه لا وبال علیہ كما قاله أبو الیث ووجب لو خاف الزنا۔

## (۷۱۸) حاملہ من الزنا سے متعلق چند جزئیات کا حکم

### سوال

مفتی صاحب اشامیہ (۳/۲۸) پر نکاح الحامل من الزنا سے متعلق جو تفصیلات ہیں ان کے بارے میں نیز باتیں پوچھنی ہیں:

(۱) حاملہ من الزنا عورت سے اگر غیر زانی نکاح کرتا ہے تو بہستری کرنے کی اجازت نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ اظہار اختلاف نسب تو نہیں، کیونکہ نسب تو قبل از ظہور حمل مشتبه ہو سکتا ہے نہ کہ بعد از ظہور حمل۔ ظہور حمل کے بعد تو تعین ہو گیا ہے۔

(۲) اگر غیر زانی مزنیہ سے نکاح کرے اور حمل ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ شخص وطی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو یہاں اختلاف کا شبہ زیادہ قوی ہے پھر یہ جائز اور بعد از ظہور ناجائز، اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

(۳) در مختار اور رد المحتار میں بعد از ظہور حمل، ممانعت وطی کی دلیل "الغلا یسقی ماء کازرع خبیثہ" ذکر ہے۔ آگے یہ بھی ذکر ہے کہ بعد کی بہستریوں سے بچے کے بال، قوت سماعت وغیرہ تیز ہوتی ہے، کیا عدم جواز وطی کی یہ وجہ بیان کرنا درست ہے؟ کیا اس کا اعتبار ہے؟ طبیاً درست ہے؟

مفتی صاحب! ازراہ کرم مزنیہ سے نکاح اور پھر بعد از ظہور حمل اور قبل از ظہور حمل نکاح کے احکام تفصیلاً درج کر دیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

(۱) غیر زانی کیلئے مزنیہ حاملہ سے نکاح کے بعد بہستری کرنا جائز نہیں اور اس کے ناجائز ہونے کی وجہ نص ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حاملہ سے وطی نہ کی جائے حتیٰ کہ وہ وضع حمل کر دے"۔

(۲) غیر زانی کیلئے مزنیہ غیر حاملہ سے نکاح کے بعد بہستری کرنا جائز ہے اور دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ شرعاً حاملہ زانی محترم نہیں ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مزنیہ سے وطی کرنا مطلقاً جائز ہونا چاہیے خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ لیکن حاملہ کے بارے میں چونکہ نص موجود تھا کہ وضع حمل سے پہلے وطی کرنا جائز نہیں ہے اس لئے ہم نے مزنیہ حاملہ کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ وہ خصوصاً یہ ہیں:

عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ ورفعه أنه قال في سبأيا أوظاين: لا توطأ حامل حتى تضع ولا غير ذات

جمل حتی تخیض حیضه۔

عن یوسف بن ثابت الأنصاری قال قام فینا خطیباً قال أما انی لا أقول لکم إلا ما سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول یوم حنین قال: لا یجزل لامریئ یمؤمن بالله والیوم الآخر أن یسقی ماءه زرع غیره۔

(ابوداؤد۔ کتاب النکاح۔ باب فی وطاء الثناتین: ۲/۲۱۳)

غیر حاملہ کے بارے میں چونکہ کوئی نص موجود نہیں ہے تو ماء زانی کے محترم نہ ہونے کی وجہ سے اس سے وطی کرنا جائز ہے۔

(۳) در مختار اور رد المحتار میں ظہور حمل کے بعد وطی کے ناجائز ہونے کی جو دلیل ذکر کی گئی ہے "لئلا یسقی ماءه زرع غیره" اور اس کے بعد جو لکھا ہے کہ بعد کی وطیات سے بچنے کے بال، قوت بصارت اور قوت سماعت تیز ہوتی ہے یہ وطی کے ناجائز ہونے کی علت نہیں، بلکہ حکمت ہے جیسا کہ شامیہ میں اس کی تصریح موجود ہے: وھذا حکمتہ۔ نیز طب جدید کے اعتبار سے یہ بات (کہ بعد کی بہستریوں سے بال، قوت سماعت اور قوت بصارت تیز ہوتی ہے) درست بھی نہیں۔

لبانی، معالم السنن (۲/۱۹۳): قال الشیخ شبہ رحمہ اللہ الولد إذا علق بالرحم بالزرع إذا نبت ورسخ فی الأرض وفیہ کراهة وطی الحبالی إذا کان الحبل من غیر الواطی علی الوجوه کلھا۔

وفی الدر المختار (۲/۳۸-۳۹) (و) صح نکاح (حبلی من زنی لا) حبلی (من غیره) أي الزنی لثبوت نسبه ولو من حربی أو سیدھا المقربہ (وان حرم وطؤها) ودواعیہ (حتی تضع) متصل بالمسألة الأولى لئلا یسقی ماءه زرع غیره إذا الشعر ینبت منه۔

وفی الثامیہ تحتہ: (إذا الشعر ینبت منه) المراد ازدیاد نبات الشعر لا أصل نباتہ ولذا قال فی التبین والکافی لأن بہ یزداد سمعہ وبصرہ حدة كما جاء فی الخبر اھ وھذا حکمتہ وإلا فالمراد الفضع من الوطی لجا فی الفتح قال رسول الله لا یجزل لامریئ یمؤمن بالله والیوم الآخر أن یسقی ماءه زرع غیره یعنی اثبات الحبلی، رواہ أبو داؤد والترمذی وقال حدیث حسن اھ شرنبلالیہ۔

(۷۱۹) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور اس کے گواہ

سوال

مفتی صاحب! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا یا نہیں؟ اگر ہوا تھا تو خطبہ کس نے پڑھا تھا اور

نکاح کے گواہ کون تھے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس تھی۔ خطبہ نکاح آپ کے چچا ابوطالب نے پڑھایا تھا اور حاضرین مجلس گواہ تھے۔

لسانی الطبری (۳۴/۲): قال هشام بن محمد نکح رسول الله ﷺ خديجة رضي الله عنها وهو ابن خمس وعشرين سنة وخديجة يومئذ ابنة أربعين سنة۔

حدثنا ابن حميد قال حدثنا سلمة عن ابن اسحاق قال كانت خديجة بنت خويلد بن أسد بن عبد العزى بن قصي امرأة ذات شرف ومال تستأجر الرجال في مالها وتضاربهم إياه بشيء --- (بعد صفحة) فلما أخبرها ميسرة بما أخبرها بعثت إلى رسول الله ﷺ فقالت له فيما يزعمون يا ابن عم إني قد رغبت فيك لقربتك وسطتك في قومك وأمانتك وحسن خلقك وصدق حديثك ثم عرضت عليه نفسها وكانت خديجة يومئذ أوسط نساء قريش نسباً وأعظمهن شرفاً وأكثرهن مالاً، كل قومها كان حريصاً على ذلك منها لو يقدر عليها فلما قالت ذلك لرسول الله ﷺ ذكر ذلك لأعمامه فخرج معه حمزة بن عبد المطلب عمه حتى دخل على خويلد بن أسد فخطبها إليه فتزوجها فولدت ولده كلهم إلا إبراهيم۔

وفي البداية والنهاية (۲۴۲/۲): قال ابن اسحاق وكانت خديجة بنت خويلد امرأة تاجرة ذات شرف ومال تستأجر الرجال على مالها مضاربة --- فلما أخبرها ميسرة ما أخبرها بعثت إلى رسول الله ﷺ فقالت له فيما يزعمون يا ابن عم إني قد رغبت فيك لقربتك وسطتك في قومك وأمانتك وحسن خلقك وصدق حديثك، ثم عرضت نفسها عليه وكانت أوسط نساء قريش نسباً وأعظمهن شرفاً وأكثرهن مالاً كل قومها كان حريصاً على ذلك لو يقدر عليه فلما قالت ذلك لرسول الله ﷺ ذكر ذلك لأعمامه فخرج معه عمه حمزة حتى دخل على خويلد بن أسد فخطبها إليه فتزوجها عليه الصلاة والسلام۔

وفي المنتظم (۸۵/۲): كانت خديجة امرأة جازمة جلدة شريفة مع ما أراد الله بها من الكراهية۔ والخير وهي يومئذ أوسط قريش نسباً وأعظمهم شرفاً وأكثرهم مالاً۔

(و بعد أسطر) فأرسلت إلى عمها عمرو ابن اسد ليزوجها فحضر و دخل رسول الله ﷺ في عمومته فتزوجها وهو ابن خمس وعشرين سنة وخديجة يومئذ بنت أربعين سنة --- وذكر ابن

فارس أن أبا طالب خطب يومئذ فقال الحمد لله الذي جعلنا من ذرية إبراهيم و زرع اسماعيل وضئضئى معد، وعنصر مضر وجعلنا خضنة بيته وسواس حرمه وجعل لنا بيتا محجوجاً وحرما آمنا وجعلنا الحكام على الناس ثم إن ابن اخى هذا محمد بن عبدالله لا يوزن به رجل الا رجح به وإن كان فى المال قل فان المال ظل زائل وأمر حائل ومحمد من قد عرفتم قرابته -

## (۷۲۰) بچوں والی عورت کیلئے دوسری شادی کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس عورت کے دو بچے ہیں۔ ایک پانچ سال کا لڑکا ہے اور ایک تین سال کی لڑکی ہے۔ اب اس عورت کو دوسری شادی کرنی چاہیے یا بچوں کی پرورش کیلئے دوسری شادی نہ کرے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر اس عورت کو دوسری شادی کرنے کی خواہش ہو یا یہ خطرہ ہو کہ اگر شادی نہ کروں گی تو فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گی تو اس کو چاہیے کہ دوسری شادی کر لے بشرطیکہ عدت گزر جائے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہو اور خواہش بھی دوسری شادی کی نہ ہو تو پھر بچوں کی پرورش کر لے۔

لما فى القرآن المجید (البقرة: ۲۳۳): وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا. فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ.

وفى مبسوط السرخسى (۱۲/۵): وإذا طلقتم النساء وبه تقول إن من طلق امرأته وانقضت عدتها فليس له أن يمنعها من التزوج بزواج آخر الخ (ص ۱۰۷): ومنه حديث عبد الرحمن بن مروان قال زوجت امرأة معنا فى الدار ابنتها فجاء أولياؤها فخاصموها إلى علي رضي الله عنه فأجاز النكاح. ومنه حديث بحرية بنت هانئ قالت زوجت نفسى من القعقاء بن شور فخاصم أبى إلى علي رضي الله عنه فأجاز النكاح.

وفى الهندية (۲۶۷/۱): ومنها المحل القابل وهي المرأة التي أحلها الشرع بالنكاح كذا فى النهاية -  
وفى (ص ۵۳۱): وإنما يبطل حق الحضانة لهؤلاء النسوة بالتزوج إذا تزوجن بأجنبي فإن تزوجن بذى رحم محررم من الصغير كالجدة إذا كان زوجها جدا لصغير أو الأمر إذا تزوجت بعم الصغير

لا يبطل حقها كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفي الشامية (۵۲۹/۳): مطلب في المنعي إليها زوجها وفي جامع الفصولين أخبرها واحد بموت زوجها أو بردته أو بتطليقها حل لها التزوج ولو سمع من هذا الرجل آخر له أن يشهد لأنه من باب الدين فيثبت بخبر الواحد۔

## (۷۲۱) بیٹی کے انتقال کے بعد داماد سے پردہ کرنا

### سوال

مفتی صاحب! ساس کو بیٹی کے انتقال کے بعد داماد سے پردہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ شریعت کے مطابق مسئلہ کی وضاحت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

مذکورہ بالا صورت میں ساس چونکہ محرمات ابدیہ میں سے ہے جس سے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے لیکن فتنہ و فساد زمانہ کی وجہ سے مناسب یہی ہے کہ داماد سے پردہ کرے اور تنہائی وغیرہ میں ملنے سے اجتناب کرے اور اگر زیادہ عمر کی نہیں ہے تو پھر اولیٰ و افضل یہی ہے کہ بے حجابانہ حالت میں داماد کے سامنے نہ آئے۔

لما فی القرآن الکریم (النور: ۶۰): وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔

وفي التفسير المنير (۳۱۹/۳): وقد استنبط العلماء من قوله تعالى: وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنَ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ .. القاعدة الشرعية وهي: العقد على البنات يحرم الأمهات، والدخول بالأمهات يحرم البنات فأمر المرأة تحرم بمجرد العقد على بنتها، سواء دخل بها أو لم يدخل بها --- ودل قوله تعالى: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ عَلَى أَنْ تَحْرِمَ الأمهات عام في كل حال لا يتخصص بوجه من الوجوه. وكذلك تحريم البنات والأخوات ومن ذكر من المحرمات، فهو تحريم مؤبد دائم.

وفي الفقه الاسلامي (۵۶۲، ۵۶۱/۳): وإن كان لا يأمن الشهوة: لا ينظر إلى وجهها إلا لحاجة ضرورية. وبه يظهر أن حل النظر مقيد بعدم الشهوة، وإلا فحرام. والواجب المنع في زماننا

من نظر الشابة. ويدل لخرمة النظر: حديث صحيح: العينان تزنيان، وزناهما النظر، واليدان تزنيان، وزناهما البطش۔

## (۷۲۲) شادی سے پہلے تمام لڑکیوں کو بہن کہہ دینے کا حکم

### سؤال

دو دوست جو کہ غیر شادی شدہ ہیں، ایک نے دوسرے سے کہا کہ شادی کے بعد اگر میری بیٹی ہوئی تو آپ سے اس کا نکاح کراؤں گا۔ دوسرے دوست نے جواب میں کہا کہ آپ کی بیٹی کے علاوہ جتنی بھی عورتیں ہیں وہ میرے اوپر ایسی ہیں جیسے میری بہن۔ اب پوچھنا یہ چاہ رہا ہوں کہ یہ شخص اپنے دوست کی بیٹی کے علاوہ کسی اور عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر کیا تو کیا حکم ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مذکورہ الفاظ (آپ کی بیٹی کے علاوہ جتنی بھی عورتیں ہیں وہ میرے اوپر ایسی ہیں جیسے میری بہن) کہہ دینے کے باوجود یہ شخص جہاں چاہے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ یہ الفاظ کسی بھی عورت سے نکاح میں مانع نہیں ہیں البتہ اس طرح کے الفاظ کہنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

لہا فی القرآن الکریم (المجادلة: ۲): وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ... الآية۔  
وفی الجامع لاحکام القرآن (۲۸۰/۱۷): قال مالک فی قول الله عزوجل "والذین یظہرون من نساءہم ثم یعودون لہا قالوا" قال سمعت ان تفسیر ذلک ان یظاہر الرجل من امراتہ ثم یجمع علی اصابتہا وامساکہا۔

وفی الہندیۃ (۵۰۷/۱): لو قال لہا أنت أمی لا یکون مظاهرا ویبغی أن یکون مکروہا ومثلہ أن یقول یا ابنتی ویأختی ونحوہ۔

## (۷۲۳) بیوی کو بیٹی کہہ کر پکارنے کا حکم

### سؤال

میں ایک کام سے اپنے دوست کے شہر میں گیا اور اس کے بھائی کے گھر قیام کیا، میرے ساتھ میرا دوست بھی تھا۔ اس کے بھائی نے اپنے سے ۱۵ سالہ چھوٹی لڑکی سے شادی کی تھی اور شادی ابھی ابھی چند دن پہلے ہوئی تھی۔ وہ اپنی بیوی کو "بیٹی" کہا کرتا ہے مثلاً

”بیٹی آؤ، بیٹی کھانا لگاؤ، بیٹی چائے لے آؤ“ میں نے پوچھا کہ آپ اس کو بیٹی کیوں کہتے ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اپنے گھر میں لاڈلی ہے اور سب سے چھوٹی بھی۔ اس کے گھر والے اس کو نام سے نہیں بلکہ بیٹی ہی پکارتے ہیں۔ پڑوس کے لوگ بھی اس کو بیٹی ہی کے نام سے جانتے ہیں اور یہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے اس لئے میں اس کو بیٹی کہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ بھائی بیوی کو بیٹی کہنا درست نہیں۔ آپ مفتی صاحب سے رجوع کر لیں لہذا مفتی صاحب آپ بتائیے کہ ان کا اپنی بیوی کو بیٹی کہنے سے نکاح پر کوئی اثر پڑایا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو بیٹی کہے تو اس سے اس کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن اپنی بیوی کو بیٹی کہنا مکروہ ہے لہذا صورت مسئلہ میں مذکورہ شخص جو اپنی بیوی کو بیٹی کہہ کر بلاتا ہے اس سے اس کے نکاح پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ اس طرح اپنی بیوی کو کہنا مکروہ ہے لہذا اس سے بچنا چاہیے اور گزشتہ پر توبہ کی جائے۔

لمافی الہندیۃ (۵۰۷/۱): لو قال لها أنت أمی لا یکون مظاهرا وینبغی أن یکون مکروہا ومثلہ أن یقول یا بنتی ویا أختی ونحوہ۔

وفی الدر المختار (۲۷۰/۳): ویکرہ قولہ أنت أمی ویا بنتی ویا أختی ونحوہ۔

وفی الشامیۃ تحتہ: (قولہ: ویکرہ الخ) جزم بالکراهۃ تبعا للبحر والنہر والذی فی الفتح: وفی أنت أمی لا یکون مظاهرا، وینبغی أن یکون مکروہا، فقد صرحوا بأن قولہ لزوجتہ یا أخیۃ مکروہ. وفیہ حدیث رواہ أبو داود " { أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لامراتہ یا أخیۃ فکفرہ ذلک ونہی عنہ } " ومعنی النہی قربہ من لفظ التشبیہ، ولولا هذا الحدیث لأمكن أن یقال هو ظہار لأن التشبیہ فی أنت أمی أقوى منه مع ذکر الأداة، ولفظ "یا أخیۃ" استعارۃ بلا شت، وهي مبنیۃ علی التشبیہ، لكن الحدیث أفاد کونہ لیس ظہارا حیث لم یبین فیہ حکما سوی الکراهۃ والنہی، فعلم أنه لا بد فی کونہ ظہارا من التصریح بأداة التشبیہ شرعا، ومثلہ أن یقول لها یا بنتی، أو یا أختی ونحوہ اھ۔

### (۷۲۳) چھوٹے آلہ تناسل والے کیلئے نکاح کا حکم

#### سوال

گاؤں سے ایک آدمی نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر ایک آدمی کا آلہ تناسل صرف تین انچ ہو تو اس کو شادی کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس کو انزال بھی ہوتا ہے۔ شریعت کا اس کیلئے کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں۔



## الجواب بعون الملک الوہاب

مذکورہ شخص کو شرعاً نکاح کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ داخل فرج یعنی (عورت کی شرمگاہ کے اندرونی حصہ) تک آلت تناسل

پہنچانے پر قادر ہو۔

لمافی الہندیۃ (۵۲۵/۱) الباب الثانی عشر فی العنین: ویلحق بالمجبوب من کان ذکرہ صغیراً جداً کالزر لا من کانت آلتہ قصیرة لا یمکن ادخالها داخل الفرج کذا فی البحر الرائق  
 وفی الدر المختار (۳۹۲/۳) باب العنین: (إذا وجدت) المرأة (زوجها مجبوباً) أو مقطوع الذکر فقط أو صغیرہ جداً کالزر ولو قصیراً لا یمکنه إدخاله داخل الفرج فلیس لها الفرقة بحر وفیه نظر۔  
 وفی الشامیة تحته: (قوله: وفیه نظر) أشار إلى ما قاله الشرنبلالی فی شرحه علی الوهبانیة. أقول:  
 إن هذا حاله دون حال العنین لإمكان زوال عنته فیصل إليها. وهو مستحیل هنا، فحكمه حکم المجبوب بجامع. أنه لا یمکنه إدخال آلتہ القصیرة داخل الفرج، فالضرر الحاصل للمرأة به مساو لضرر المجبوب فلها طلب التفریق؛ وبهذا ظهر أن انتفاء التفریق لا وجه له وهو من القنیة فلا یسلم. اهـ. قلت: لکن لم ینفرد به صاحب القنیة، بل نقله فی الفتح والبحر عن المحیط. والأحسن الجواب بأن المراد بدخول الفرج نهایتہ المعتاد الوصول إليها، ولذا قال فی البحر: وظاهره أنه إذا کان لا یمکنه إدخاله أصلاً فإنه کالمجبوب لتقیده بالداخل اهـ وقدمنا ما هو صریح فی اشتراط إدخال الحشفة۔

## (۷۲۵) نکاح ختم کرنے کیلئے ارتداد کا حیلہ

## سوال

ایک عورت اپنے شوہر کے یہاں رہنے کیلئے تیار نہیں، بلکہ اپنے دوست کے یہاں جانا چاہتی ہے، جو شادی سے پہلے کے دوست بنے ہوئے ہیں اور شوہر طلاق بھی نہیں دیتا تو ایک آدمی نے خلاصی کا یہ طریقہ بتا دیا کہ ارتداد کا اعلان کر دے تو نکاح خود بخود ٹوٹ جائے گا۔ پھر دوست سے نکاح کر سکتی ہے، چنانچہ اس عورت نے ارتداد کا اعلان کر دیا، لہذا اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح دوست سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں ذکر کردہ صورت حال انتہائی خطرناک ہے۔ ارتداد کا اختیار کرنا دنیا و آخرت میں تباہی مول لینے کے مترادف

ہے۔ ارتداد سے انسان کے پچھلے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ دنیاوی سزا کا الگ بندہ مستحق بن جاتا ہے اور اگر خدا نخواستہ اس حالت میں موت واقع ہو جائے تو ابدی جہنم ٹھکانہ بن جائے گی لہذا اس معاملے میں سوچ کر کوئی قدم اٹھانا چاہئے ورنہ ذلت و خسران ہی ہاتھ آئے گا اور اس مشورہ دینے والے شخص کو بھی اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کر لینی چاہئے اس نے انتہائی برا اور قبیح فعل انجام دیا ہے۔

اگر عورت ارتداد اختیار کرتی ہے تو اس کا نکاح اپنے شوہر سے ٹوٹ جاتا ہے لیکن اس عورت کو دوبارہ مسلمان ہونے پر خادہ اول سے ہی نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا، کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح جائز نہیں۔ فقہاء نے یہ فیصلہ اس لئے کیا تا کہ عورتیں ارتداد کو حیلہ نہ بنالیں البتہ اگر پہلا شوہر خود راضی ہو جائے یا دوبارہ نکاح کا مطالبہ ہی نہ کرے تو پھر اس عورت کا کسی اور جگہ نکاح جائز ہے۔

لمافی الشامیة، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر (۱۹۲/۲): قوله (وتجبر) أي بالحبس إلى أن تسلم أو

تموت قوله (وعلى تجديد النکاح) فلكل قاض أن یجدده بمهر یسیر ولو بدینار رضیت أمر لا

وتمنع من التزوج بغيره بعد إسلامها ولا یخفی أن محلہ ما إذا طلب الزوج ذلك أما لو سکت أو

ترکہ صریحا فإنها لا تجبر وتزوج من غیره لأنه ترک حقه بحر و غیر۔۔۔ بل قالوا ذلك سدا لهذا

الباب من أصله سواء تعدت الحیلة أمر لا کی لا تجعل ذلك حیلة۔۔۔ قلت المشقة فی التجدید

لا تقتضی أن یكون قول أئمة بلخ أولى مما فی النوادر بل أولى مما مر أن علیه الفتوی وهو

قول البخاریین لأن ما فی النوادر هو ما یأتی من أئمة بالردة تسترق تأمل۔

وفی الدر المختار (۲۲۶/۳): باب المرتد: وفی شرح الوهبانیة للشرنبلالی ما یكون كفرا اتفاقا

یبتل العمل والنکاح وأولاده أو لاد زنا وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النکاح۔

## (۷۲۶) رخصتی سے قبل آپس کے تعلقات کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) میرے نکاح کو تقریباً چھ ماہ ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک رخصتی عمل پذیر نہیں ہوئی اور ابھی تک شوہر سے بالکل بھی بات نہیں

ہوئی اور رخصتی تک یہ ہی سلسلہ رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خاندان والے منع کرتے ہیں یا والدین منع کرتے ہیں تو کیا میرا اور میرے شوہر کا یہ طرز عمل قطع تعلقی اور حق تلفی میں داخل ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر ایسی عورت جس کا محض نکاح ہوا ہے اور رخصتی نہیں ہوئی، شوہر سے صرف موبائل پر بات کرتی رہے اور رخصتی تک کبھی

ملے نہیں تو پھر بھی یہ قطع تعلقی میں شمار ہوگا؟

(۳) نیز ایسی عورت جس کا محض نکاح ہوا ہو رخصتی نہیں ہوئی ہو، وہ اپنے شوہر سے کس قدر اور کس قسم کے تعلقات رکھ سکتی ہے جو رخصتی نہ کرنے کی مصلحت کے بھی خلاف نہ ہوں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

- (۱) آپ کا اور آپ کے شوہر کا رخصتی تک بالکل بات چیت نہ کرنا قطع تعلق اور حق تلفی میں شمار نہ ہوگا بلکہ آپ کا اور آپ کے شوہر کا رخصتی سے قبل آپس میں بلا ضرورت شدیدہ رابطہ نہ رکھنا زیادہ مناسب ہے۔
- (۲) ایسی عورت کا جس کی رخصتی نہ ہوئی ہو شوہر سے صرف موبائل پر بات چیت کرنا اور ملاقات نہ کرنا یہ بھی قطع تعلق میں شمار نہیں ہوگا تاہم بلا ضرورت موبائل پر زیادہ بات چیت نہ کرنا ہی افضل و بہتر ہے۔
- (۳) ایجاب و قبول کے ذریعہ نکاح ہو جانے کے بعد میاں بیوی کا آپس میں ملاقات اور موبائل فون پر بات چیت کرنا اگرچہ جائز ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن رخصتی کے بغیر آپس میں ملاقات کرنا بعض اوقات مختلف مفسدات کا سبب بن سکتا ہے لہذا بہتر اور مناسب یہ ہے کہ تمام تعلقات رخصتی کے بعد ہی قائم کئے جائیں۔

لہافی القرآن الکریم (الاحزاب: ۴۹): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمِنْ تَعَوُّهُنَّ وَسَرَ حَوْهِنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا۔

وفی صحیح البخاری (۵۵۱/۱): عن عائشة رضي الله عنها، قالت: تزوجني النبي صلى الله عليه وسلم وأنا بنت ست سنين، فقدمنا المدينة فنزلنا في بني الحارث بن خزرج، فوعكت فتمرق شعري، فوفى جيممة فأتتني أمي أم رومان، وإني لفي أرجوحة، ومعني صواحب لي، فصرخت بي فأتيتها، لا أدري ما تريد بي فأخذت بيدي حتى أوقفتني على باب الدار، وإني لأنهمج حتى سكن بعض نفسي، ثم أخذت شيئاً من ماء فمسحت به وجهي ورأسي، ثم أدخلتني الدار، فإذا نسوة من الأنصار في البيت، فقلن على الخير والبركة، وعلى خير طائر، فأسلمتني إليهن، فأصلحن من شأني، فلم يرعني إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى، فأسلمتني إليه، وأنا يومئذ بنت تسع سنين۔

عن هشام، عن أبيه، قال: توفيت خديجة قبل: مخرج النبي صلى الله عليه وسلم إلى المدينة بثلاث سنين، فلبث سنتين أو قريباً من ذلك، ونكح عائشة وهي بنت ست سنين، ثم بنى بها وهي بنت تسع سنين۔

وفی الفتاویٰ اللجنة الدائمة (۱۰۴/۱۸): إذا كان عقد عليها عقد الزواج الشرعي لكنه لم يدخل بها فهي زوجته، ولها حكم الزوجة غير المدخول بها من استحقاق نصف المهر إذا طلقها قبل الدخول وعدم وجوب العدة عليها بالطلاق؛ لقوله تعالى: { وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى } الآية، وقوله: { يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا } أما إذا مات عنها قبل الدخول دون طلاق فتستحق المهر كاملاً، وتعتد عدة الوفاة وترثه. وبالله التوفيق. وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

## (۷۲۷) شادی میں تاخیر کی وجہ سے روزہ رکھنے کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے دل میں نکاح کی خواہش نہ ہونے کی وجہ سے نکاح نہیں کرتیں اور بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے رشتے نہ آنے کی وجہ سے نکاح نہیں کرتیں تو ان دونوں قسموں کی عورتوں کیلئے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کیا حکم ہے؟

### الجواب بعون الملک الوحاب

علماء احناف کے نزدیک نکاح کرنا اس مرد و عورت پر واجب ہے جن کا نکاح کے بغیر گناہ میں پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہو البتہ وہ مرد و عورت جو اعتدال کی حالت میں ہوں یعنی اگر شادی نہ کریں تو گناہ میں واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو (اگر مرد ہو تو نان و نفقہ اور مہر دینے پر بھی قادر ہو) تو ان کے لئے نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ شادی نہ کرنے کی صورت میں پیارے نبی کریم ﷺ کی سنت کو چھوڑنے کا گناہ ہوگا، خصوصاً اس پر فتن زمانے میں شادی سے اعراض کرنا خطرے سے خالی نہیں۔

جو مرد و عورت کسی مجبوری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے، مثلاً رشتہ وغیرہ نہیں ملتا تو ان کو چاہیے کہ کثرت سے نفلی روزے رکھا کریں اور ذکر و عبادت کیا کریں تاکہ اس کے ذریعہ وہ خواہش نفسانی پر قابو پاسکیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے بہتر رشتے کا انتظام فرمادے۔

لمافی البخاری (۷۵۷/۲): عن عبادة بن ربيعة عن النبي صلى الله عليه وسلم، فلما أخبروا كأنهم تقالوها، فقالوا: وأين نحن من النبي صلى الله عليه وسلم؟ قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر، قال أحدهم:

أما أنا فإني أصلي الليل أبدا، وقال آخر: أنا أصوم الدهر ولا أفطر، وقال آخر: أنا أعتزل النساء فلا أتزوج أبدا، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم إليهم، فقال: ألتتم الذين قلتهم كذا وكذا، أما والله إني لأخشاكم لله وأتقاكم له، لكني أصوم وأفطر، وأصلي وأرقد، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني.

وفي الدر المختار (۶/۳): (ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه بدائع (و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا وولدا (حال الاعتدال)۔

وفي الرد تحت: قوله (عند التوقان)۔۔۔ قلت وكذا فيما يظهر لو كان لا يمكنه منع نفسه عن النظر المحرم أو عن الاستمراء بالكف فيجب التزوج وإن لم يخف الوقوع في الزنا۔۔۔ قوله (فيأثم بتركه) لأن الصحيح أن ترك المؤكدة مؤثم كما علم في الصلاة بحر وقد منا في سنن الصلاة أن اللاحق بتركها إثم يسير وأن المراد الترتك مع الإصرار۔۔۔ قوله (أي القدرة على وطء)۔۔۔ وزاد المهر والنفقة لأن العجز عنهما يسقط الفرض فيسقط السنة بالأولى۔۔۔ وقد صرح في الأشباه بأن النكاح سنة مؤكدة فيحتاج إلى النية۔

## (۷۲۸) ماہ محرم میں نکاح کا حکم

### سوال

میرے ایک کزن کی اس سال ماہ شوال میں شادی ہے۔ موصوف بضد ہیں کہ شادی محرم کے مہینے میں رکھی جائے۔ گھر والے نہیں مانتے۔ ایک تو محرم کے مہینے میں شادی کرنا نہیں چاہتے، دوسرا عموماً محرم میں شہر کے حالات حالت جنگ کے ہوتے ہیں لیکن موصوف کا کہنا یہ ہے کہ یہ سب اڑائی ہوئی باتیں ہیں۔ میری شادی محرم میں ہوگی، شوال میں نہیں۔ آپ حضرات جو اب مرحمت فرمائیں کہ مسئلہ کیسے حل ہو؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

ماہ محرم برکتوں اور سعادتوں کا مہینہ ہے اس میں شادی کو غیر مناسب سمجھنا انتہائی جاہلانہ اور مشرکانہ سوچ ہے جو لوگ اس ماہ میں شادی کو نامناسب قرار دیتے ہیں وہ اسے سوگ اور ماتم کا مہینہ قرار دیتے ہیں۔ اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اسلام میں تمام مہینے اور ہر مہینے کا ہر دن یکساں ہے۔ کسی بھی دن اس مبارک عمل کو منع کیا جاسکتا ہے لہذا آپ کے کزن کا اصرار درست ہے اس کی بات پر عمل

کر کے معاشرے میں پھیلے اس غلط نظریے کو ختم کرنا چاہیے اور جہاں تک معاملہ حالات کا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ ۹ اور ۱۰ محرم کو خراب ہوتے ہیں ان دونوں کے علاوہ مہینے کے کسی بھی دن بسہولت تقریب منعقد کی جاسکتی ہے۔

لہافی القرآن الکریم (التوبة: ۳۶): إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ... الآية۔

## (۷۲۹) عورت جنت میں کون سے شوہر کے ساتھ ہوگی

### سؤال

مفتی صاحب! حدیث میں آتا ہے کہ خاوند اور بیوی دونوں جنت میں اکٹھے رہیں گے اور اس کی بیوی حوروں کی سردار ہوگی لیکن اگر خاوند فوت ہو جائے اور اس کی بیوی کسی دوسرے مرد سے شادی کر لے تو آیا یہ عورت جنت میں پہلے خاوند کے ساتھ ہوگی یا دوسرے خاوند کے ساتھ؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

روایات احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خاوند اور بیوی دونوں جنت میں بھی ایک ساتھ اکٹھے رہیں گے البتہ کسی عورت نے طلاق کے بعد یکے بعد دیگرے کئی جگہ نکاح کیا اور آخری مرتبہ طلاق کے بعد کسی اور جگہ نکاح نہیں کیا تو آخرت میں اس کو اختیار حاصل ہوگا کہ جس نیک و صالح مرد کے ساتھ رہنا چاہے تو اس کے ساتھ عقد نکاح کر دیا جائے گا۔ اگر شوہر یکے بعد دیگرے فوت ہوئے ہوں یا طلاق دی ہو، لیکن آخری شوہر نے طلاق نہ دی یا عورت آخری شوہر کے عقد نکاح میں فوت ہوگئی یا خاوند فوت ہو گیا اور اس عورت نے کسی اور جگہ نکاح نہ کیا تو قرین قیاس یہی ہے کہ یہ عورت جنت میں آخری خاوند کے ساتھ رہے گی۔

لہافی کنز العمال (۳۵۵۸۱/۱۲): تخیر فتختار أحسنهما خلقا كان معها في الدنيا فيكون زوجها في الجنة يا أم حبيبه ذهب حسن الخلق بخير الدنيا والآخرة۔ (طب)

وفي الفتاوى الحديثية (ص ۲۹): وسئل رضى الله عنه: عن تزوجت أزواجاً لمن تكون له منهم في الآخرة؟ فأجاب بقوله: أخرج الطبراني عن أم سلمة رضى الله عنها في صفة أهل الجنة حديثاً طويلاً وفيه "قلت يا رسول الله المرأة تتزوج الزوجين والثلاثة والأربعة في الدنيا ثم تموت فتدخل الجنة ويدخلون معها من يكون زوجها منهم؟ قال ﷺ إنها تخير فتختار أحسنهم خلقاً، فتقول يا رب إن هذا كان أحسنهم خلقاً في دار الدنيا فزوجنيه، يا أم سلمة ذهب حسن الخلق بخير الدنيا والآخرة وأخرج الحرائطى في مكارم الأخلاق والبخاري والطبراني عن أنس

أب أم حبيبة رضي الله عنها قالت يا رسول الله المرأة يكون لها الزوجان في الدنيا تموت ويموتان فيجتمعون في الجنة لأيهما تكون؟ فقال ﷺ لأحسنهما خلقا كان عندهما في الدنيا ذهب حسن الخلق بخير الدنيا والآخرة ولا يعارض ذلك ما أخرجه ابن سعد عن أبي الدرداء رضي الله عنه سمعت رسول الله ﷺ يقول المرأة لآخر أزواجها في الآخرة لإمكان الجمع بأن الأول فيمن طلقوها ولم تمت في عصمة أحدهم والثاني فيمن ماتت في عصمته أو مات عنها ولم تتزوج بعده، ثم رأيت ما يؤيده وهو ما أخرجه ابن سعد في طبقاته عن أسماء بنت أبي بكر كانت تحت الزبير بن العوام وكان شديدا عليها فأتت أباهما فشكت ذلك إليه فقال لها يا بنية اصبري فإن المرأة إذا كان لها زوج صالح ثم مات عنها ولم تتزوج بعده جمع بينهما في الجنة ولا ينافيه ما أخرجه ابن وهب عن أبي بكر رضي الله عنه أيضاً قال بلغني أن الرجل إذا ابتكر بالمرأة تزوجها في الآخرة لإمكان حمله على ما إذا ماتت معه أو مات ولم تتزوج بعده۔

## (۷۳۰) ہر سال یا ہر مہینے تجدید نکاح کرنے کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! ہر ماہ یا ہر سال نکاح جدید پڑھنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا نکاح جدید میں مہر لازم ہے؟ برائے مہربانی مدلل و مفصل جواب سے نوازیں بہت مشکور ہوں گا نیز ہر شخص نکاح جدید کر سکتا ہے یا نہیں؟ میں نے کسی سے سنا ہے کہ جاہل کو ہر سال یا مہینے میں اپنے نکاح کی تجدید کر لینی چاہیے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں اور نکاح جدید سے پہلے شوہر نے بیوی کو ایک طلاق دی تھی تو نکاح جدید کے بعد شوہر کتنی طلاق کا مالک ہوگا؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

ہر مہینے یا ہر سال نکاح کی تجدید کرنا شرعاً واجب یا مسنون نہیں ہے اور نہ ہی ہر شخص کیلئے ایسا کرنا ضروری ہے البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں لکھا ہے کہ جاہل شخص کے لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مہینے میں ایک یا دو مرتبہ اپنے نکاح کی تجدید کر لیا کرے، کیونکہ جاہل مردوں سے تو اگرچہ کفریات کم صادر ہوتے ہوں لیکن جاہل عورتوں سے کفریات بہت زیادہ صادر ہوتے ہیں۔ تجدید نکاح کرنے کی صورت میں نیا مہر مقرر کرنا لازم ہے۔ تجدید نکاح سے پہلے شوہر جتنی طلاقوں کا مالک تھا، تجدید نکاح کے بعد بھی اتنی ہی طلاقوں کا مالک ہوگا، تجدید نکاح کی وجہ سے پہلی دی ہوئی طلاق کا عدم نہیں ہوتی۔

لمافی الشامیة (۲۲/۱): ولعمري هذا من أهم المهمات في هذا الزمان؛ لأنك تسمع كثيرا من

العوام يتكلمون بما يكفر وهم عنها غافلون ، والاحتياط أن يجدد الجاهل إيمانه كل يوم ويجدد نكاح امرأته عند شاهدين في كل شهر مرة أو مرتين ، إذ الخطأ وإن لم يصدر من الرجل فهو من النساء كثير -

## (۷۳۱) تنہا خاتون کا بے دین گھرانے سے الگ رہنے کا حکم

### سوال

اگر کوئی خاتون دین پر چلنا چاہتی ہو اور گھر کا ماحول ایسا نہیں ہے کہ اس ماحول میں اس راستے پر چلا جائے تو کیا شریعت مطہرہ ایسی صورت میں اس کو الگ گھر کی اجازت دیتی ہے کہ الگ گھر میں رہ کر دین پر عمل کرے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ دونوں کیلئے دین پر چلنا فرض ہے جتنا ان کی وسعت میں ہو، اپنے گھر میں رہ کر دین پر عمل کرے البتہ جو عورت شادی شدہ ہے وہ اپنے شوہر سے ایسے الگ کمرے کا مطالبہ کر سکتی ہے جس کو تالا لگایا جاسکے، کسی اور کا اس میں عمل دخل نہ ہو اور دین پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی گزار سکے لیکن اگر عورت غیر شادی شدہ ہے تو اس پر فتنن دور میں جبکہ ہر طرف فتنوں کا زور ہے اور ان فتنوں میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اس کو الگ گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، وہ اپنے گھر اپنے والدین بھائی بہنوں کے ساتھ رہے اور اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزارے۔ اپنے گھر میں اگر کسی منکر یعنی غیر شرعی امر پر ہاتھ یا زبان سے روکنے کی قدرت ہو تو روک دے ورنہ دل ہی دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ بھی ایمان کے درجات میں سے ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"من تمسک بہنتی عند فساد امتی فله أجر مائة شهيد" (ترغیب ۱/۲۱)

"جس نے میری امت میں فساد کے وقت میری ایک سنت کو مضبوطی سے پکڑا تو اس کیلئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔"

ایسے ماحول میں اگرچہ دین پر چلنا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں اسی وجہ سے اس پر اجر بھی زیادہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ایسے شخص کو یعنی دین پر چلنے والے کو شعلہ کو پکڑنے والے کی طرح قرار دیا ہے گویا کہ وہ شخص انگارے کو ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔ اس وقت دین پر چلنے والے کو ۵۰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجر کے برابر اجر ملے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح فہم و سمجھ عطا کرے۔ آمین

لما فی القرآن الکریم (البقرة: ۲۵۶) لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ



عَلَيْكُمْ

وفی جامع الترمذی (۱۳۶/۲): عن أبي أمية الشعباني قال أتيت أبا ثعلبة الخشني فقلت له كيف تصنع في هذه الآية قال آية آية قلت قوله (يا أيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم لا يضركم من ضل إذا اهتديتم) قال أما والله لقد سألت عنها خبيراً سألت عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال بل ائتمروا بالمعروف وتناهوا عن المنكر حتى إذا رأيت شحا مطاعاً وهوى متبعاً ودنيا مؤثرة وإعجاب كل ذي رأى برأيه فعليت بخاصة نفسك ودع العوام فإن من ورائكم أياما الصبر فيهن مثل القبض على الجمر للعامل فيهن مثل أجر خمسين رجلاً يعملون مثل عملكم . قال عبد الله بن المبارك وزادني غير عتبة قيل يا رسول الله أجر خمسين رجلاً منا أو منهم قال لا بل أجر خمسين منكم - قال أبو عيسى هذا حديث حسن غريب .

## (۷۳۲) ایک ہی کمرے میں بیوی اور بچوں کے ساتھ سونے کا حکم

### سؤال

شب میں اہلیہ کے ساتھ لیٹنا اس کا حق ہے اور آج کل بچے بہت ہوشیار ہوتے ہیں تو بچوں کے سامنے اہلیہ کے ساتھ لیٹنا کیسا ہے؟ اگر اہلیہ کے ساتھ نہ لیٹے بلکہ علیحدہ لیٹے تو اس میں کوئی گناہ تو نہ ہوگا چونکہ ہمارے گھروں میں ایک ہی کمرہ ہوتا ہے تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟ وضاحت فرمائیے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

بچوں کے سامنے اہلیہ کے ساتھ لیٹنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ بچے غیر ممیز (نا سمجھ) ہوں البتہ صحبت نہیں کرنی چاہیے اور اگر بچے ممیز (سمجھدار) ہوں تو ان کے سامنے نہیں لیٹنا چاہیے بلکہ کوئی بہتر تدبیر بنا لینی چاہیے۔

لمافی خلاصة الفتاوى (۵۳/۲): فی المنتقى إذا كان الرجل وامرأته في لحاف لا بأس بأن يدخل عليهما الولد والأخ بعد أن لا ينكشف منها محرماً وبعد أن لا تكونا في المجامعة.. وفيه أيضاً: قال أبو حنيفة وأبو يوسف رحمهما الله لا ينبغي للرجل أن يدخل على أمه وبنته وأخته إلا بإذن وكذا كل ذي رحم محررم وكذا العبد على مولاته الخ۔

وفی الفقہ الاسلامی (۶۸۳۶/۹): والمانع الطبيعي: ما يمنعه النفس بطبيعتها عن الجماع، مثل وجود شخص ثالث عاقل، ولو كان أعنى أو نائماً أو صبيماً مميزاً أو زوجة أخرى. فإن كان هناك

غیر ممیز او مجنون او مغمی علیہ، فالخلوة صحیحة.

## (۷۳۳) گھر دامادی کی شرط کی شرعی حیثیت

### سوال

ایک لڑکے کا نکاح اس شرط پر ہوا کہ وہ اپنی بیوی سمیت اپنی ساس کے گھر میں رہے گا رخصتی ہوئی تقریباً ایک سال مکمل ہونے والا ہے لڑکا شرط مذکورہ کی وجہ سے ساس کے گھر رہتا رہا لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ ایک رات کو ان کے گھر پر پتھر پھینکے گئے۔ اب کچھ عرصہ بعد ایسی صورت حال پیش آئی کہ وہ رات گزارہ بچے بچوں سمیت گھر چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ اسی وجہ سے وہ دوسری رات بھی گھر میں نہ رہ سکے تو لڑکے نے اپنی جان اور عزت کی خاطر اور دشمن کے خوف کی وجہ سے یہاں رہنا مناسب نہیں سمجھا۔ لڑکے نے بذات خود اور اس کے بھائیوں نے اپنے والدین کے ہاں اس لڑکے کی بیوی اور ساس دونوں کیلئے علیحدہ مکان اور دستور کے مطابق تمام تر ضروریات کی یقین دہانی کرائی ہے لیکن اس کے باوجود بھی لڑکی اور اس کی ماں شرط (گھر داماد) مذکورہ کی وجہ سے اس بات پر مصر ہیں کہ ہم قطعاً وہاں جانے کیلئے تیار نہیں ہیں اور لڑکی کے سر پرست نے بھی کہا ہے کہ اب یہاں رہنا مناسب نہیں ہے اور دونوں خاندان کے لوگوں نے ان کو محفوظ مقام کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی لیکن لڑکا اپنی بات پر ڈٹ گیا اور لڑکی اپنی بات پر ڈٹ گئی۔ صورت مذکورہ کے چند جزئیات کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں مطلوب ہیں:

(۱) ایسی صورت میں لڑکا گناہگار ہوگا یا لڑکی؟

(۲) لڑکا نافرمان شمار ہوگا یا لڑکی نافرمان شمار ہوگی؟

(۳) ایسی صورت میں لڑکے پر عورت کا خرچہ لازم ہوگا یا نہیں؟

(۴) گھر دامادی کی مذکورہ شرط کی وجہ سے لڑکے پر کوئی مالی ادائیگی یا اس کا تبادلہ بندوبست لازم ہوگا یا نہیں؟

(۵) خدانخواستہ اگر معاملہ جدائی تک پہنچ جائے تو شوہر پر بقیہ زیورات کی ادائیگی لازم ہوگی یا نہیں کیونکہ عورت کا مہر ایک ہزار روپے مقرر ہوا تھا اور ادا کر دیا گیا تھا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

عقد نکاح میں ہر وہ شرط جس سے کسی امر مشروع سے ممانعت لازم آئے وہ درست نہیں اور نہ اس شرط کا پورا کرنا واجب ہے اور بیوی پر مہر وصول کرنے کے بعد امور شرعیہ میں شوہر کی اطاعت واجب ہے لہذا صورت مسئلہ میں مذکورہ گھر دامادی کی شرط ایک لغو اور باطل شرط ہے جس کا پورا کرنا شوہر پر واجب نہیں اور اس شرط سے شوہر کا اپنی بیوی کو دوسری جگہ بسانے کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ عذر و مجبوری کے باوجود شوہر کو گھر دامادی کی شرط پورا کرنے پر مجبور کر کے تکلیف دینا بیوی کیلئے جائز نہیں نیز مذکورہ صورت میں چونکہ لڑکی کا سر پرست



وفی الرد تحتہ: قوله ( لا بأس بالجماع فی بیت فیہ مصحف للبلوی ) قیدہ فی القنیۃ بكونہ مستورا  
وان حمل ما فیہا علی الأولیۃ زال التنافی ط۔

(۷۳۵) آپ ﷺ کی نگاہ جس عورت پر پڑ جائے اس کے شوہر پر اسے طلاق

دینا واجب ہو جاتا تھا، کیا یہ درست ہے؟

### سوال

میں ایک مسجد میں عصر کے بعد ایک بزرگ کا بیان سن رہا تھا۔ درمیان میں یہ حدیث آئی کہ آپ ﷺ کی راستے میں ایک عورت پر نظر پڑی آپ ﷺ کو اس نے تعجب میں ڈالا تو آپ ﷺ نے اپنے گھر آ کر سو دہ بیٹھیا سے مقابرت کی الخ..... میں نے اپنے علاقے کے مولوی صاحب (امام) سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا انہوں نے تائید کی لیکن مجھے تردد یہ تھا کہ آپ ﷺ نے ایک اجنبیہ کی طرف کیسے دیکھا؟؟؟ اس کا وہ کوئی شافی جواب تو نہ دے سکے لیکن انہوں نے یہ انکشاف کر کے مجھے حیران و ششدر کر دیا کہ آپ ﷺ کسی عورت کو دیکھ لیں اور وہ آپ ﷺ کو پسند آجائے تو اس عورت کے شوہر پر اسے طلاق دینا واجب ہو جاتی تھی، یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔ میں بڑا متردد ہوا لیکن کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ الجھن ذہن میں تھی۔ آپ حضرات تحریری جواب دے دیں۔ یہ بھی بتادیں کہ حدیث کا کیا مطلب ہے؟ نیز کیا آپ ﷺ کی ایسی کوئی خصوصیت ہے میں نے کبھی نہیں سنی کسی سے یا ایسا کوئی واقعہ ہوا ہو؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مذکورہ واقعہ کتب حدیث میں موجود ہے، واقعہ یہ تھا کہ ”آپ ﷺ کی نظر ایک اجنبیہ عورت پر پڑی اور آپ ﷺ کو عورت اچھی لگی، آپ ﷺ نے اپنی خواہش کو گھر آ کر اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سو دہ بیٹھیا سے پورا فرمایا“ آپ ﷺ کا یہ فعل ایک حکم شرعی کا سبب تھا۔ امت کو معلوم ہو جائے کہ اگر کسی کے ساتھ اس طرح کی صورت حال پیش آجائے تو کیا کرے؟ جیسا کہ نماز میں آپ ﷺ کا بھول جانا ایک حکم شرعی کا سبب ہوا۔

قرآن کریم کی آیت ”ولا تخفی فی نفسک“ اور ”وامرأة مؤمنة وهبت نفسها للنبی“ کی تفسیر میں بعض مفسرین نے اور حدیث مذکورہ کی تشریح میں بعض شارحین نے کمزور روایات کی بنا پر مذکورہ خصوصیت آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے شمار کی ہے، لیکن دوسرے محققین اور محتاط مفسرین اور شارح نے ان روایات اور اس خصوصیت کی سخت تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ نہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی اور نہ کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے۔

لمافی التعلیق الصبیح (۱۱/۳) کتاب النکاح باب النظر فی المخطوبة الفصل الثانی (ط دارالفکر):  
[قوله: فأعجبتہ] بمقتضى الطبيعة كالنظرة الأولى التي لا بأس بها وقد صار ذلك سبباً لحكم  
شرعی كالسهو فی الصلوة وإنما فعله صلى الله عليه وسلم وأكدہ بالقول تعليماً وتشريعاً فافهم، وقد  
يعد من خصائصه صلى الله عليه وسلم وجوب طلاق مرغوبته على الزوج فله صلى الله عليه وسلم  
شأن ليس لغيره من الأمة - الخ -

وفى أحكام القرآن لابن العربي (۵۹۹/۳) (تفسير سورة الاحزاب) (ط دارالكتب العلمية):  
العاشر اذا وقع بصره على امرأة وجب على زوجها طلاقها وحل له نكاحها قال القاضي هكذا قال  
إمام الحرمين وقد بينا الأمر في قصة زيد بن حارثة كيف وقع - الخ -  
وفيه أيضاً: قال القاضي وما وراء هذه الرواية غير معتبر فأما قولهم إن النبي صلى الله عليه وسلم  
رآها فوقعت في قلبه فباطل - الخ -

وفى التفسير المنير (جز ۲۲/۴۲) (تفسير سورة الاحزاب) (ط دارالفکر): العاشر إذا وقع بصره على  
امرأة وجب على زوجها طلاقها، وحل له نكاحها. هذا ما قاله إمام الحرمين. وقد بينا في قصة زيد  
بن حارثة أن هذا لا يليق بمنصب النبوة، وكل ما روي مما فيه مساس بذلك هو ساقط غير  
معتبر ولا دليل عليه.

وفيه أيضاً (جز ۲۲/۴۴): ظاهر قوله تعالى: وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ مِنْ أَزْوَاجٍ نَاسَخَ لِمَا كَانَ قَدْ ثَبِتَ لَهُ  
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَنَّهُ إِذَا رَأَى وَاحِدَةً، فَوَقَعَتْ فِي قَلْبِهِ مَوْقِعًا كَانَتْ تَحْرِمُ عَلَى الزَّوْجِ، وَيَجِبُ  
عَلَيْهِ طَلَاقُهَا وَهُوَ دَلِيلٌ عَلَى مَنْعِ تَبْدِيلِ زَوْجَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّاتِي اخْتَرَنَهُ وَهِيَ تَسَعُ.  
وفى التفسير الكبير (۲۲۳/۱۳) (جز ۲۵) تفسير سورة الاحزاب (ط دارالفکر): ظاهر هذا ناسخ لما  
كان قد ثبت له صلى الله عليه وسلم من أنه إذا رأى واحدة فوقعت في قلبه موقِعاً كانت تحرم على  
الزوج ويجب عليه طلاقها - الخ -

## (۷۳۶) عیدین کے درمیان نکاح کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! الانکاح بین العیدین کا کیا مطلب ہے؟ کیا عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے درمیان نکاح کرنا صحیح نہیں ہے؟ حدیث

کس درجے کی ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے درمیانی مہینوں (شوال، ذوالقعدہ) میں نکاح اور زفاف دونوں بلا کراہت جائز ہیں، اس لئے کہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی سب سے محبوب ترین زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شوال ہی میں نکاح کیا اور شوال ہی میں رخصتی ہوئی۔

باقی حدیث "لانکاح بین العیدین" اول تو یہ صحیح نہیں ہے اور اگر بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے تو اس میں عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ نہیں، بلکہ جمعہ اور صلوٰۃ العید مراد ہے اور یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ واقعہ جزئیہ ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ جمعہ کے دن آپ ﷺ سردی کے زمانے میں جبکہ دن چھوٹے ہوتے تھے نماز عید سے فارغ ہوئے تو کسی نے آپ ﷺ سے نکاح پڑھا تو آپ کی درخواست کی، اس وقت آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "لانکاح بین العیدین" کہ صلوٰۃ عید اور صلوٰۃ جمعہ کے درمیان میں نکاح نہیں ہے اور یہ اس لئے فرمایا تا کہ جمعہ کا افضل وقت نکاح کی وجہ سے فوت نہ ہو جائے، لہذا اس حدیث سے عدم جواز پر مطلقاً استدلال صحیح نہیں ہے۔

لمافی الشامیة (۸/۳): تنبیہ قال فی البزازیة والبناء والنکاح بین العیدین جائز وکرہ الزفاف والمختار أنه لا یکرہ لأنه علیہ الصلاة والسلام تزوج بالصدیقة فی شوال وبنی بها فیہ وتأویل قوله علیہ الصلاة والسلام لا نکاح بین لعیدین إن صح أنه علیہ الصلاة والسلام کان رجوع عن صلاة العید فی أقصر أيام الشتاء يوم الجمعة فقله حتی لا یفوتہ الرواح فی الوقت الأفضل إلى الجمعة اه

## (۷۳۷) یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بی بی زلیخا سے نکاح

### سؤال

مفتی صاحب! انتقال سے قبل بی بی زلیخا مؤمنہ تھیں یا کافرہ؟ بی بی زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوا ہے

نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

مفسرین کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی زلیخا بت پرست تھیں اور ان کا نکاح حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے۔

لہذا بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں۔

لما فی احکام القرآن للقرطبی جزء التاسع (۲۶۵/۵-۲۷۰) وولد لیوسف علیہ السلام من امرأة العزیز افرائیم ومنشا ورحمة امرأة ایوب علیہ السلام۔

وفی التفسیر روح المعانی (۶۳/۵): وقد ولد له من امرأة العزیز افرائیم وهو جد یوشع علیہ السلام ومیشا ورحمة زوجة ایوب علیہ السلام ولقد توارثت الفراعنة من العمالقة بعده مصر ولم یزل بنو اسرائیل تحت أیدیهم علی بقایا دین یوسف وآبائه علیهم السلام إلى أن بعث الله تعالی موسی علیہ السلام فكان ما کان۔

## (۷۳۸) نکاح میں ایجاب و قبول کتنی مرتبہ ضروری ہے؟

### سؤال

مفتی صاحب! قاضی نکاح خواں نے دولہا سے پہلی مرتبہ پوچھا کہ آپ کو قبول ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ دلہن کے وکیل نے بھی قبول کر لیا لیکن جب قاضی نے دوسری مرتبہ پوچھا تو دولہا نے انکار کر دیا اور اس نے کہا کہ نہیں قبول نہیں۔ اس صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ نیز کیا اس طرح تین بار ایجاب و قبول کرنا شرعاً ضروری ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

ایجاب و قبول نکاح کے ارکان میں سے ہیں اور ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں ہونا ضروری ہیں لہذا صورت مسؤلہ میں جب دولہا نے پہلی مرتبہ قبول کر لیا، اسی طرح دلہن کے وکیل نے بھی قبول کر لیا تو نکاح منعقد ہو گیا۔ اب دولہا انکار نہیں کر سکتا البتہ اگر دولہا اس نکاح سے ناخوش ہو تو طلاق دے سکتا ہے نیز ایجاب و قبول ایک مرتبہ کرنے سے ہی نکاح منعقد ہو جاتا ہے تین مرتبہ ضروری نہیں۔

لما فی الدر المختار (۵۲۷/۳): (وما لم یقبل بطل الإیجاب إن رجع الموجب) قبل القبول (أو قام أحدهما) وإن لم یذهب (عن مجلسه) علی الراجح نھر وابن الکمال فإنه كما جلس خیار المخیرة وكذا سائر التملیکات فتح (وإذا وجد الزم البیع) بلا خیار إلا لعیب أو رؤیة۔

## (۷۳۹) منہ بولے بیٹے کے احکام

### سؤال

اگر کوئی عورت جس کی اولاد پیدا نہ ہوتی ہو، دوسری عورت اپنا بچہ اس عورت کو دیدے تو شریعت کے اعتبار سے یہ بچہ اس عورت

کو دینا کیسا ہے اور جب وہ گھر میں بڑا ہو جائے تو اس سے پردہ کا کیا حکم ہے؟ اجنبی کی طرح ہوگا یا غیر اجنبی کی طرح ہوگا؟  
تشیخ مسئلہ: مذکورہ بچے کی عمر چھ مہینہ ہے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کوئی عورت کسی بچے کو گود لے لے اور وہ اس بچے کے نسب کو اپنی طرف منسوب نہ کرے تو از روئے شریعت ایسا کرنا جائز ہے، لیکن اگر وہ اس کے نسب کو اپنی طرف منسوب کرے تو ایسا کرنا جائز نہیں، البتہ دونوں صورتوں میں اگر بچہ غیر محرم ہے تو بلوغت کے بعد اس بچے سے پردہ کرنا لازم ہے۔

اگر کوئی عورت کسی بچے کو گود لے کر یہ چاہتی ہو کہ بلوغت کے بعد اس بچے سے پردہ نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ کسی محرم بچے کو گود لے مثلاً بھتیجا وغیرہ اور اگر وہ بچہ اس عورت کا محرم نہ ہو تو اس بچے کو مدت رضاعت (دو سال) کے اندر اپنا دودھ یا ایسی عورت کا دودھ پلا دے جس کی وجہ سے یہ بچہ اس کا رضاعی محرم بن سکے جیسے ماں، بھانجی، بھتیجی وغیرہ، اس صورت میں وہ اس کی رضاعی محرم بن جائے گی اور رضاعی محرم سے پردہ نہیں ہوتا لہذا صورت مسئلہ میں اگر آپ بچے کو گود لے کر بغیر نسب تبدیل کئے ہوئے اپنے پاس رکھنا چاہتی ہیں تو ایسا کرنا جائز ہے اور چونکہ بچے کی عمر ابھی ۶ ماہ ہے، اس لئے اگر آپ یہ چاہتی ہیں کہ بلوغت کے بعد آپ کا اس سے پردہ نہ ہو تو آپ دو سال کے اندر اس کو اپنا یا اپنی ماں یا بھتیجی یا بھانجی کا دودھ پلا دیں تو اس صورت میں اس بچے سے پردہ نہیں ہوگا، وگرنہ بلوغت کے بعد اس سے پردہ کرنا ضروری ہے، زیادہ بہتر یہ ہے کہ اولاد ہی کسی محرم بچے کو گود لے لیں البتہ بہر صورت رضاعت کی وجہ سے یہ بچہ میراث کا مستحق نہ بنے گا۔

لمافی التفسیر المظہری (۲۸۳/۴): وَمَا جَعَلَ اللَّهُ أَدْعِيَاءَ كُمُ أَي الَّذِينَ تَبَنَيْتَهُمْ۔۔۔ أَبْنَاءَ كُمُ فَلَا

يُثَبَّتُ بِالتَّبْنِي شَيْءٌ مِنْ أَحْكَامِ الْبِنُوَّةِ مِنَ الْإِرْثِ وَحَرْمَةِ النِّكَاحِ وَغَيْرِ ذَلِكَ۔

وفی التاتارخانیة (۲۲۹/۳): فالرضاع فی إيجاب الحرمة كالنسب والصحریة۔۔۔ ويجرم علی الرضیة

أبواء من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا۔

وفی الہندیة (۲۴۲/۱): ولا تحرم حلیلة الابن المتبني علی الأب المتبني هكذا فی محیط السرخسی۔

(۷۲۰) منہ بولے بیٹے کی ولدیت میں حقیقی باپ کا نام لکھنا ضروری ہے

### سؤال

مفتی صاحب! (۱)..... کوئی بچہ لے جائے اور اس کو بیٹا بنا کر پالا جائے اور اس کے باپ کا پتہ نہ ہو کہ کون ہے تو کیا اس بچے

والد کا نام لکھنا چاہئے، یا جو پالنے والا ہے اس کو نام لکھا جائے گا؟



(۲).....منہ بولی بہن اور منہ بولی ماں سے شادی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۳).....عورت کسی بچہ کو منہ بولا بیٹا بنا کر رکھے۔ جب وہ لڑکا بالغ ہو جائے تو اس کو منہ بولے بیٹے سے پردہ کرنا چاہیے

یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

واضح رہے کہ منہ بولا بیٹا شریعت میں اصل بیٹے کی طرح نہیں ہے لہذا (۱)..... اس کی ولدیت کے خانے میں اس کے حقیقی باپ کا نام لکھنا ضروری ہے البتہ اگر حقیقی باپ کا نام معلوم نہ ہو تو عبد اللہ یا عبد الرحمن کی طرح کے فرضی نام لکھ دے اپنا نام لکھنا بہر حال جائز نہیں۔

(۲)..... اس سے (اگر کوئی اور حرمت کا رشتہ نہ ہو تو) نکاح کرنا جائز ہے۔

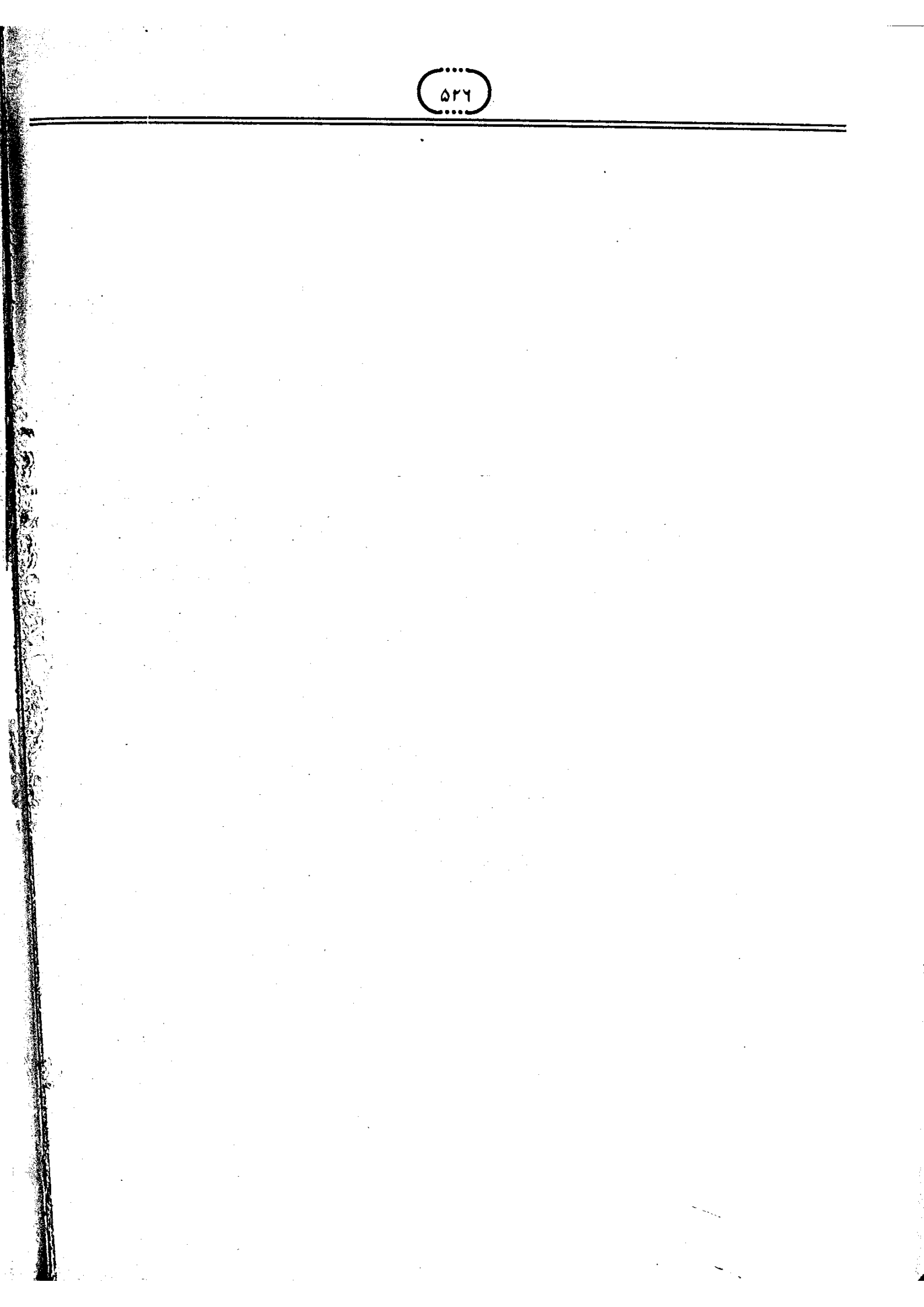
(۳)..... اور اس کے بالغ ہونے کے بعد (اگر اس سے کوئی اور حرمت کا رشتہ نہ ہو تو) پردہ کرنا لازم ہے۔

لہافی القرآن الکریم (الاحزاب: ۲۶): فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِيَأْتِيَكَ بِالسُّبْحَانِ فِي آيَاتِنَا إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا۔

وفی فتح الباری (۲۲۰/۸): قوله اب زید بن حارثة مولی رسول الله صلی الله علیہ وسلم ما کنا ندعوه إلا زید بن محمد حتی نزل القرآن ادعوهم لآبائهم هو أقسط عند الله۔

وفی الشامیة (۳/۳): وقوله تعالیٰ { وحلائل أبنائکم الذین من أصلابکم } والحلیلة الزوجة --- وذكر الأصلاب لإسقاطه حلیلة الابن المتبني لا لإحلال حلیلة الابن رضاعا فإنها تحرم

کالنسب بحر وغیره۔



رسالة

# بیان المعانی

فی

## الزواج الثانی

دوسری شادی کی شرائط اور مساوات پر قدرت کے وقت اس کا حکم،

مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا مدلل بیان

## (۷۴۱) بشرط مساوات دوسری شادی کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! آج سے ۸ سال قبل میری چچا زاد بہن سے میری شادی ہوئی ہماری شادی اسلامی تقاضوں کے مطابق کی گئی تھی۔ میں نے شادی کے وقت ہی لڑکی والوں کے کان میں ڈال دیا تھا کہ میں دوسری شادی بھی کروں گا۔ انہوں نے میری بات کو اس وقت کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ یہ ۸ سال بہت اتفاق اور یگانگت سے گزرے۔ ہمارا اتفاق مثالی تھا۔ اب کچھ دن سے ہمارا گھر جھگڑوں کا مرکز بن گیا ہے میں نے دوسری شادی کرنے کا عزم کر لیا اور اس پر میری ۷ سال کی بیٹی اور بیوی دونوں ہی گرم ہیں اور ان کے گھر والے مجھے منع کر رہے ہیں جبکہ میں اس مٹی ہوئی سنت کا احیاء کرنا چاہتا ہوں۔ شرعی فتویٰ جاری فرمائیں کہ میرے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ میں اسلام کے اس حکم کے خلاف موجود پروپیگنڈے کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔

### الجواب بعون الملک الوحاب

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاذْكُرُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَبْنِي وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ

پس نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہارے لئے پاک ہیں دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک مرد کیلئے چار تک شادیوں کو حلال قرار دیا ہے نیز آپ ﷺ نے ایک سے زائد نکاح فرما کر اس کی حلت کا عملی ثبوت فراہم کیا ہے لہذا اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن اس کے جواز کی ایک شرط کا لحاظ از حد ضروری ہے اور وہ ہے عدل۔ اللہ تعالیٰ کا اسی آیات میں آگے ارشاد ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آذُنِي أَلَّا تَعُولُوا

اگر تم کو عدل نہ کر سکنے کا ڈر ہو تو ایک پر اکتفا کرو۔

تفسیر مظہری میں اس آیت سے متعلق تحریر ہے:

"فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ" المتعددة الأزواج المتعددة فَوَاحِدَةً أَلَّا تَعُولُوا

فَاذْكُرُوا وَاحِدَةً وَذُرُوا الْجَمْعَ

"(اگر تم کو ڈر ہو) یعنی اے نکاح کرنے والو! اگر تم ڈر محسوس کرو (کہ تم عدل نہ کر سکو گے) متعدد بیویوں کے درمیان (تو)

ایک ہی کرو) یعنی ایک سے نکاح کرو اور ایک سے زائد کا ارادہ دل سے نکال دو۔“ (التفسیر المظہری ۶/۹)

یہ آیت اور مفسرین کی اس سلسلے میں تفاسیر یہ بات مکمل طور پر واضح کر دیتی ہیں کہ ایک سے زائد نکاح اس وقت جائز ہیں جب تمام بیویوں کے درمیان ہر چیز میں مساوات ہو اور ہر ایک کے حقوق برابر اداء کرنا ممکن ہو جن میں ہر ایک کی باری، اس کا خرچہ، رہائش اور دونوں سے پیدا شدہ بچوں کی پدرانہ ذمہ داریاں پوری کرنا سرفہرست ہیں۔

تعدد ازواج کے مسئلے کے مختلف پہلو ہیں ایک پہلو تو یہی جو ذکر ہوا کہ تعدد ازواج شرعاً جائز ہے لیکن اس کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا جائز ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے یا یہ کوئی مرغوب فیہ چیز ہے؟؟؟ اس سلسلے میں یہ ملحوظ رہے کہ کسی عمل کا جائز ہونا اس کے مرغوب فیہ ہونے کیلئے ضروری نہیں بلکہ بہت سی چیزیں ضرورت کیلئے ضرورت کے وقت جائز ہوتی ہیں مثلاً طلاق، یہ بوقت ضرورت جائز تو ہے لیکن حتی الامکان اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ اسی طرح تعدد ازواج بوقت ضرورت جائز تو ہے لیکن درج ذیل وجوہ کی بنیاد پر اس سے اجتناب کرنا چاہیے:

(۱)..... بیویوں کے درمیان مساوات ممکن نہیں۔ کہیں نہ کہیں کمی بیشی ہوگی جو گناہ کا باعث بنے گی۔

(۲)..... پہلی بیوی کو تکلیف ہوگی اور اگر وہ نافرمان یا بدچلن نہیں تو خواہ مخواہ اسے تکلیف دینا درست نہیں بلکہ کتب فقہ میں تو یہاں تک درج ہے کہ اگر اسے تکلیف سے بچانے کیلئے یہ مرد دوسری شادی سے احتراز کرتا ہے تو اسے اجر ملے گا۔ عالمگیری یہ ہے:

"وإذا كانت له امرأة وأراد أن يتزوج عليها أخرى وخاف أن لا يعدل بينهما لا يسعه ذلك وإن كان لا

يخاف وسعه ذلك والامتناع أولى ويؤجر بترك إدخال الغم عليها كذا في السراجية"

"اگر ایک شخص کی بیوی ہو اور وہ دوسری شادی کا ارادہ کرتا ہے لیکن اسے یہ ڈر ہے کہ دونوں کے درمیان برابری نہیں کر

پائے گا تو اس کے لئے دوسری شادی کی گنجائش نہیں اور اگر اسے یہ خوف نہ ہو تو اس کے لئے دوسری شادی کی گنجائش تو ہے

لیکن نہ کرنا پھر بھی اولیٰ اور بہتر ہے اور پہلی بیوی کو غم پہنچانے کا ارادہ ترک کرنے پر اسے اجر ملے گا۔" (الھندیہ ۱/۳۴۱)

اسی طرح درمختار میں ہے:

"لو ترك لثلا يغمها يؤجر لحدیث من رقی لأمتی رقی لله له بزازیة"

اگر دوسری شادی فقط اس لئے ترک کر دیتا ہے کہ پہلی بیوی کو تکلیف نہ ہو تو اس پر اسے ثواب ملے گا کیونکہ حدیث میں ہے "جو

میری امت پر رحم کرے گا اللہ اس پر رحم کرے گا" (درمختار ۳/۴۸)

(۳)..... دوسری شادی کرنے سے اس کی پہلی بیوی سے پیدا شدہ بیٹوں کی زندگی اثر انداز ہو یا نہ ہو لیکن بیٹیوں کی زندگی اثر

انداز ضرور ہوگی اور سب کی زندگی میں برے اثرات مرتب کرے گی۔

(۴)..... بلا ضرورت دوسری شادی کرنا صرف اس جواز پر عمل کرنے کیلئے عموماً بے انتہاء جھگڑوں کا سبب بنتا ہے اتنے لامتناہی

جھگڑے ہوتے ہیں کہ زندگی گزارنا اجیرن ہو جاتی ہے اور کبھی مرد کی جان بھی ان پریشانیوں کو سہتے سہتے چلی جاتی ہے اور اس سبب کا سبب

یہ دوسری شادی بنتی ہے۔

(۵)..... دوسری شادی کرنا قطع رحمی کا سبب بنتا ہے دو خاندانوں، دو عورتوں میں مستقل قطع رحمی کا سبب یہ دوسری شادی ہے۔ عربی میں سوکن کو ”ضرة“ کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہی تکلیف اور ضرر دینے والی ہے۔ شریعت نے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کو اسی لئے ممنوع قرار دیا ہے کہ یہ سوکن بنتا بلاشبہ قطع رحمی تک جائے گا اگرچہ دونوں بہنیں ہوں لہذا شریعت نے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا ممنوع قرار دیا۔ یہ بھی اس طرف مشیر ہے کہ دو شادیاں کرنا بوقت ضرورت تو جائز ہے مگر نہ اس سے احتراز بہتر ہے۔

ان مختلف وجوہات کی بناء پر بے بسائے گھر کو دوسری شادی کرنے کے عمل کے جواز (وہ بھی ایسا جواز جس پر عدل نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کے حق میں عدم جواز ہی ہو) اس جواز پر عمل کر کے پورے گھر، خاندان اور اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دینا کوئی عقلمندی نہیں۔ مناسب ہوگا اس ساری مذکورہ بالا بحث سے متعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”اسلامی شادی“ سے چند سطور جو بات کو سمجھنے میں آسانی پیدا کریں گی نقل کر دی جائیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

” (ص ۲۳۰) اگر اندیشہ ہو بیوی کے حق ادا نہ کر سکنے کا خواہ نفس کا حق ہو یا مال کا حق تو ایسے شخص کیلئے (ایسی صورت میں) یقیناً دوسرا نکاح کرنا ممنوع ہے۔ (ص ۲۳۱) عنوان: عورتوں کی بے اعتدالی کی وجہ سے دوسری بیوی کرنے کی ناپسندیدگی: (اگر مرد سے بے انصافی کا خدشہ نہ ہو) لیکن خود عورتوں کی بے اعتدالیوں کا اندیشہ ہو تو اس وقت تعدد (کئی بیویاں کرنے) سے شرعی ممانعت تو نہ ہوگی لیکن قواعد شرعیہ کے مطابق ایک ہی عورت پر کفایت کرنے کا مشورہ دیا جائے گا اور یہ مشورہ بھی شرعی ہوگا جس طرح آپ ﷺ نے حضرت جابر کو یہ مشورہ دیا تھا ہلا بکرا تلا عبھا وتلا عبک کیا کنواری نہیں تھی کہ تم اس سے جی بہلاتے اور وہ تم سے جی بہلاتی۔

بعض لوگ باوجود ضرورت نہ ہونے کے ہوس نائی کی وجہ سے کئی کئی بیویاں نکاح میں جمع کر لیتے ہیں اور ان میں عدل ہو نہیں سکتا تو اس وجہ سے کہ مرد میں دین یا وسعت کم ہے یا اس وجہ سے کہ عورتوں میں دین یا عقل کم ہے اور عدل نہ رکھنے کی صورت میں مرد پر شریعت کی مخالفت کا الزام ظاہر ہے جس سے بچنا لازم ہے اور جہاں غالب گمان انصاف نہ ہو سکنے کا ہو وہاں تو تعدد ازواج سے اس بناء پر کہ ناجائز کا مقدمہ ناجائز ہوتا ہے اس تعدد سے بھی احتراز واجب ہوگا۔

اور عدل کرنے کی صورت میں مرد پر یہ الزام تو نہیں لیکن پریشانی میں تو پڑ گیا جس کے بڑھ جانے سے بعض اوقات دین میں خلل پڑنے لگتا ہے اور بعض اوقات صحت و عافیت میں (خلل پڑنے لگتا ہے) اور اس کے واسطے ہے کبھی دین میں بھی خرابی آجاتی ہے جہاں اس کا ظن غالب ہو (یعنی کئی بیویاں کرنے اور ان میں انصاف کرنے کی وجہ سے خود اس کے پریشانی میں پڑ جانے اور دین میں خرابی آنے کا ظن غالب ہو) ایسی پریشانی سے بچنا ضروری ہے اور پریشانی کے اسباب سے بھی بچنا ہوگا اور وہ تعدد ازواج (کئی بیویاں کرنا) ہے۔ اگر یہ بچنے کا لزوم واجب شرعی نہ بھی ہوتا تاہم عقل کا مقتضی تو ضرور ہے

کیونکہ بلا وجہ پریشانی مول لینا عقل کے خلاف ہے۔“ (اسلامی شادی ص ۲۳۱)

حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

”دو بیویوں میں نباہ کرنا حکومت کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کسی پر حاکم ہی نہ ہو یا حکومت سے استعفیٰ دے دے اس کو اس صفت کے استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی..... پھر اس (حکومت) کے اجلاس کا کوئی وقت متعین نہیں ہر وقت اس کے لئے آمادہ رہنا چاہیے پھر استغاثہ کا انتظار ورنہ خود دست اندازی لازم ہے جس طرح قضاء کا عہدہ یعنی حکومت کے قبول کرنے میں حدیث میں نہایت درجہ کی دھمکی ہے یہ بھی اس سے کم نہیں بلکہ میں نے اوپر جو کچھ بیان کیا اس سے تو یہ معلوم ہو گا کہ بعض اعتبار سے یہ قضاء سے بھی زیادہ سخت ہے۔“

(ص ۲۳۲) مجھے دوسری شادی کرنے میں بہت ساری مصلحتیں ظاہر ہوئیں مگر یہ مصلحتیں ایسی ہیں جیسے جنت کے راستے میں پل صراط کو بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز جس کو طے کرنا سہل کام نہیں اور جو طے نہ کر سکا وہ سیدھا جہنم میں پہنچا اس لئے ایسے پل پر خود چڑھنے کا ارادہ ہی نہ کرے۔ ان خطرات اور ہلاکت کے موقعوں کو پار کرنے کیلئے جن اسباب کی ضرورت ہے وہ ارزاں (ستے) نہیں ہیں دین کامل، عقل کامل، نور باطن، ریاضت سے نفس کی اصلاح کر چکنا (یہ سب اس کے لئے ضروری ہیں) چونکہ ان سب کا جمع ہونا نادر ہے اس لئے تعدد ازدواج (کئی بیویوں) کے چکر میں پڑنا اپنی دنیا کو تلخ اور برباد کرنا ہے یا آخرت اور دین کو تباہ کرنا ہے۔“

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے خود دو شادیاں فرمائی تھیں لہذا اپنا تجربہ بیان فرماتے ہیں:

”کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ خود کیوں اس مشورے کے خلاف کیا (اور دو شادیاں کیں) بات یہ ہے کہ خلاف کرنے سے ہی یہ مشورہ سمجھ میں آیا ہے۔ اس فعل سے مجھے تجربہ ہو گیا ہے اور تجربہ کار کا قول زیادہ ماننے کے قابل ہے۔ میں اپنے تجربے کی مدد سے اپنے بھائیوں اور احباب کو اس تعدد سے (کئی بیویاں کرنے سے) منع کرتا ہوں۔ اگر میں اس تعدد کو اختیار نہ کرتا تو میرے اس منع کرنے کی زیادہ وقعت آپ لوگ نہ کرتے لیکن اب اس ممانعت کی خاص وقعت ہوگی لہذا اس ممانعت پر عمل کرنا چاہیے مگر ساتھ ہی احکام شرعیہ میں تحریف نہ کی جائے شرعی حکم تو یہی ہے کہ تعدد ازدواج میں نکاح تو منع ہر حال میں ہو جاتا ہے خواہ عدل ہو یا نہ ہو لیکن عدل نہ کرنے کے وقت گناہ ہوگا..... بہتر طریقہ یہی ہے کہ تعدد (کئی بیویوں) کو اختیار نہ کیا جائے ایک ہی پر قناعت کی جائے اگر چہ ناپسند ہو ”فان کرہتموہن فعسی ان تکرہوا شیعا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا“

(اسلامی شادی ص ۲۳۲)

حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ زیر بحث میں موقف اور یہ طویل اقتباس اس لئے نقل کیا گیا ہے تاکہ مسئلہ کا یہ دوسرا پہلو واضح اور شفاف ہو جائے کہ بلا وجہ دوسری شادی کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے اور بلا ضرورت اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈالا جائے البتہ جب ضرورت ہو مثلاً پہلی بیوی بانجھ ہو یا نافرمان ہو بہستری پر قدرت نہ دیتی ہو وغیرہ الغرض کوئی معقول

وجہ ہو اور یہ شخص دونوں بیویوں میں انصاف کر سکتا ہو تو بہر حال اس شخص کیلئے تعدد ازواج کی گنجائش موجود ہے بلکہ ایسے آدمی کو دوسری شادی کر کے اپنی زندگی کو سکون دینا چاہیے۔

البتہ اس تعدد ازواج کے مسئلے کا ایک تیسرا پہلو ہے اور وہ ہے ”مغرب کا تعدد ازواج کے اسلامی حکم کے خلاف پروپیگنڈہ“..... جی ہاں! مغرب میں عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کیلئے زنا تو کھلے عام کیا جا رہا ہے لیکن مرد کیلئے ایک سے زائد شادیاں کرنا ناقابل معافی جرم ہے۔ وہاں پر مردوں نے عورتوں کو بیوقوف بنانے کیلئے اور خود ہڈ حرام بن کر عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے اور آزادی نسواں کا ملمع ساز نہرہ لگا کر انہیں اپنے جال میں اتارا اور اس کے مقابلے میں انہیں سوکن کی تکلیف سے آزاد کر دیا جبکہ ہر طرف سے فائدہ مرد کا ہی تھا لیکن بھولی عورت سمجھ نہ سکی۔

یہاں تفصیلات کا موقع نہیں، اس موضوع پر لکھے گئے تفصیلی مواد کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے کہ مغرب میں عورت کو کس طرح بیوقوف بنایا گیا لیکن اس سلسلے میں اسلام کے تعدد ازواج کے حکم کو بھی ہدف بنایا گیا اور اسے آزادی نسواں کے خلاف قرار دیا گیا اور عورتوں پر ظلم گردانا گیا جیسے مغرب میں انسانیت کی عقل ماری گئی تھی ویسے ہی مشرق میں بھی چند عقل کے مارے پیدا ہو گئے اور ایسی عورتیں بھی جو تعدد ازواج کو اپنے اوپر ظلم سمجھنے لگیں جبکہ حقیقتاً یہ عورتوں کیلئے ایک انعام تھا۔ بہر حال آج سے کچھ سال قبل ہمارے ملک پاکستان میں بھی ایسے قوانین نافذ کئے گئے جن پر تفصیلی جوابات اور رد لکھے گئے ہیں البتہ یہاں صرف اس قانون کی کچھ وضاحت تحریر کی جا رہی ہے۔ حضرت اقدس مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”دفعہ ۶: تعدد ازواج: اس دفعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو وہ ثالثی کونسل سے پیشگی تحریری اجازت لئے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتا ساتھ ہی اسے دوسری شادی کرنے کی وجوہ بھی بیان کرنی ہوں گی، ثالثی کونسل یہ تحقیق کرے گی کہ آیا یہ دوسری شادی پہلی بیوی کی رضامندی سے ہو رہی ہے یا نہیں؟

جو شخص اس طرح اجازت لئے بغیر شادی کرے وہ ایک سال تک کی قید یا پانچ ہزار تک کا جرمانہ یا دونوں سزاؤں کا مستحق ہوگا نیز اسے پہلی بیوی یا بیویوں کا مہر فوراً دینا پڑے گا خواہ وہ معجل ہو یا مؤجل۔“ (ہمارے عائلی مسائل ص ۶۲)

ظاہر ہے ایک اسلامی ملک میں ایسا قانون جاری کرنا مغربی ذہنیت کی عکاسی اور دوسری شادی کرنے کو بذات خود ایک برائی سمجھنا ہے جس کے لئے انتہائی کڑی شرائط اور ان شرائط پر عمل نہ کرنے پر مرد کو سزا کا مستحق قرار دیا جا رہا ہے، اس سب کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ کفریہ سوچ کا عکاس ہے۔ اگر اسے مستقل قانون بنا لیا جائے تو مغربی معاشرے کی طرح ہمارے معاشرے پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوں گے۔ فحاشی عام ہوگی اور شادی کرنا مشکل ہو جائے گی۔

الغرض تعدد ازواج کے مسئلے کے مختلف پہلو ہیں اس جہت سے کہ مغرب اسے برا سمجھتا ہے اور ایک سے زائد شادی کو مطلقاً ممنوع قرار دینا چاہتا ہے اس عمل کو برا سمجھنا درست نہیں بلکہ حقیقتاً تعدد ازواج کے اپنے فوائد اور مصالح ہیں بہت سی مطلقہ یا بیوہ عورتوں کو تعدد ازواج کا سہارا ہی زندہ رکھتا ہے بانجھ بیوی والے مرد کی اولاد کی خواہش یہی تعدد ازواج پورا کر سکتا ہے۔ غرض بہت سی مصلحتیں ہیں



جہاں تعدد ازواج معاشرے کو اعتدال پر لاتا ہے اور بے اعتدالی کا قلع قمع کرتا ہے، ظاہر ہے وہاں تعدد ازواج پر عمل ضروری ہوگا اور اس میں نہ پہلی بیوی کی اجازت کی ضرورت ہوگی اور نہ حکومت کو مزادینے کا اختیار۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تعدد ازواج فرمایا وہ بھی بہت سی مصالح کی بنیاد پر تھا جن میں سے ایک تو یہ کہ مختلف قبائل سے جب ازواجی رشتہ جڑے گا تو وہ قریب آئیں گے اور اسلام کا ان قبائل میں تعارف ہوگا نیز مختلف شرعی مسائل عورتوں سے متعلق ہوتے ہیں لہذا ان کو سیکھنے اور آگے سکھانے کیلئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں متعدد بیویاں ہونا ضروری تھیں، ایک بیوی پورا بار نہ اٹھا سکتی تھی۔ الغرض بہت سی دینی مصلحتوں کے باعث آپ نے متعدد شادیاں فرمائیں نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عدل پر قدرت حاصل تھی پھر بھی آپ بے اعتدالی کے معاملے میں ڈرتے رہتے تھے۔

دور نبوی میں زیادہ شادیوں کی ایک وجہ مسلمانوں کی تعداد کا بڑھانا بھی مقصود تھا اسی لئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کو زیادہ پسند فرمایا ہے لہذا جن ممالک میں مسلمانوں کی تعداد کمی کا شکار ہو مثلاً افغانستان، کشمیر وغیرہ یہاں نوجوانوں کی ضرورت ہے لہذا وہاں دوسری شادی کو رواج دینا چاہیئے البتہ جہاں ایسی کوئی ضرورت نہ ہو وہاں اس عمل سے اجتناب بہتر ہے لہذا کسی مرد کو ضرورت ہو تو علماء کے مشورے سے دوسری شادی کر سکتا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن بلا ضرورت شدیدہ ایسا اقدام کرنا درست نہیں کیونکہ ایک تو انصاف نہ ہو پائے گا دوسرا جھگڑا فساد الگ مول لینا پڑے گا۔

صورت مسئلہ میں چونکہ آپ کو کوئی دینی یا دنیوی ضرورت نہیں بلکہ آپ کا ۸ سال سے بسا بسا یا گھر بھی آپ کے فیصلے سے متاثر ہو رہا ہے لہذا آپ کو دوسری شادی کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے، اسی میں بھلائی کی امید ہے۔ تعدد ازواج اگرچہ سنت عمل ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعدد فرمایا تھا لیکن اگر ایک سنت پر عمل دوسری طرف بہت سے منکرات (نا انصافی، حسد، جھگڑے، دینی کمزوریاں وغیرہ) کا سبب بن رہا ہو تو اسے ترک کیا جاسکتا ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے لہذا اگر آپ بھی اس نیت سے دوسری شادی سے باز رہیں کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو تو امید ہے اس پر آپ کو ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

## (۷۴۲) آٹھ بچوں والے کیلئے دوسری شادی کرنے کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! مجھے ایک مسئلہ کے بارے میں معلوم کرنا ہے کہ ایک شخص جو کہ شادی شدہ ہے اور آٹھ بچوں کا باپ ہے جن میں چار بچے شادی شدہ ہیں اور چار بھی جوان ہیں مکان، دکان، کاروبار بھی ذاتی ہے اب وہ شخص دوسری شادی کرنے کا خواہشمند ہے جبکہ پہلی بیوی حقوق زوجیت اور گھر کے کام کاج کرنے کے بھی قابل ہے اور بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ بیوی، بچے راضی نہیں ہیں، ایسی صورت میں دوسری شادی کا کیا حکم ہے؟ اگر دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے تو ایسے شخص کو شرعی طور پر کیا کرنا چاہیے اور اگر وہ دوسری شادی سے باز نہ آئے تو بیوی بچوں کو شرعی طور پر ایسے شخص کے متعلق کیا کرنا چاہیے جبکہ وہ شخص دین سے بھی مکمل تعلق نہ رکھتا ہو؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلے کا واضح حل تفصیل سے بتائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

شریعت مطہرہ نے مرد کو چار شادیاں کرنے کا حق دیا ہے بشرطیکہ تمام بیویوں کے مابین عدل و انصاف کے ساتھ پیش آئے لہذا صورت مسئلہ میں مذکورہ شخص کیلئے دوسری شادی کرنا جائز ہے بشرطیکہ عدل و انصاف قائم کرنے پر قادر ہو اور آج کل چونکہ عدل و انصاف قائم کرنا بہت مشکل ہے چنانچہ ایک شادی پر اکتفاء کرنا چاہیے اور اسی طرح اس آدمی کے چار جوان بچے بھی موجود ہیں لہذا اپنی دوسری شادی کرنے سے پہلے ان کی شادی کی فکر کرے۔

لہافی القرآن الکریم (النساء: ۳) فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِثْلِي وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آذُنِي أَلَّا تَعْوُلُوا۔

وفی الدر المختار باب القسم (۲۰۱/۳): (یجب) وظاهر الآیة أنه فرض نهر (أن يعدل) أي أن لا یجور (فیه) أي فی القسم بالتسویة فی البیتوتة (وفی الملبوس والمأکول) والصحبة (لا فی المجامعة) کالمحبة بل یتخب۔

وفی الرد تحتہ: (قوله وفی الملبوس والمأکول) أي والسکنی۔۔۔ قال فی البدائع یجب علیہ التسویة بین الحرّین والأمتین فی المأکول والمشروب والملبوس والسکنی والبیتوتة ومکذا ذکر الولوالجی۔

## (۷۲۳) چار سے زائد شادیوں کا پچھلی امتوں میں حکم

### سوال

مفتی صاحب! چار سے زائد شادیاں نہ کرنے کی پابندی صرف اس امت پر ہے یا اس سے پہلے بھی یہ پابندی تھی؟ اگر پہلے سے تھی تو یہ حکم عام تھا یا بعض کیلئے تھا اور بعض کیلئے نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

چار سے زائد شادیوں پر پابندی اس امت پر عائد کی گئی ہے، اس سے پہلی امتوں کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ہے البتہ جزوی طور پر اجازت منقول ہے جیسے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سو (۱۰۰) بیویاں اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہزار (۱۰۰۰) بیویاں تھیں۔

لمافی التفسیر البغوی (۳۹۱/۱): وهذا إجماع أن أحدًا من الأمة لا يجوز له أن يزيد على أربع نسوة، وكانت الزيادة من خصائص النبي صلى الله عليه وسلم، لا مشاركة معه لأحد من الأمة فيها، وروي أن قيس بن الحارث كان تحتة ثمان نسوة فلما نزلت هذه الآية قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "طلق أربعا وأمسك أربعا" قال ففجعت أقول للمرأة التي لم تلد يا فلانة أدبري والتي قد ولدت يا فلانة أقبلي. وروي أن غيلان بن سلمة الثقفي أسلم وعنده عشر نسوة فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: "أمسك أربعا وفارق سائرهن" وإذا جمع الحُرُّ بين أربع نسوة حرائر يجوز، فأما العبد فلا يجوز له أن ينكح أكثر من امرأتين عند أكثر أهل العلم۔ وفي اعلاء السنن (۶۳/۱۱): عن الزهري عن أبيه أن غيلان أسلم وتحتة عشر نسوة فقال النبي ﷺ اختر منهن أربعا وفارق سائرهن: عن ابن عمر رضي الله عنهما قال أسلم غيلان وعنده عشر نسوة فقال رسول الله ﷺ أمسك أربعا وفارق سائرهن: قال المؤلف: قد علمت من هذا الباب أن تحريم الزائدة على الأربع ثابت بدليل قوي وقد صحح حديث غيلان أئمة الفن فلا يجترأ على القول بجواز التزوج من الزائدة على الأربع إلا من اتخذ إلهه هواه وفي النيل قال في البفتح اتفق العلماء على أن من خصائصه ﷺ الزيادة على أربع نسوة بجمعه بينهن۔

وفي قصص الأنبياء لابن كثير (۲۶۱/۲): عن عمر مولى عفرة قال قالت يهود لما رأيت رسول الله ﷺ يتزوج النساء انظروا إلى هذا الذي لا يشبع من الطعام ولا والله ماله همة إلا إلى النساء

حسدوا لكثرة نساءه وعابوه بذلك فقالوا لو كان نبيا ما رغب في النساء وكان أشدهم في ذلك حتى بن أخطب فأكذبهما الله وأخبرهم بفضل الله وسعته على نبيه صلوات الله وسلامه عليه فقال (أمر يحسدون الناس على ما آتاهم الله من فضله) يعني بالناس رسول الله ﷺ (فقد آتينا آل ابراهيم الكتاب والحكمة وآتيناهم ملكا عظيما) يعني ما أتي الله سليمان بن داود كانت له ألف امرأة سبعمائة مهريّة وثلاثمائة سرية وكانت لداود عليه السلام مائة امرأة منهن امرأة واريّا أم سليمان بن داود التي تزوجها بعد الفتنة هذا أكثر مما لمحمد ﷺ وقد ذكر الكلبي نحو هذا وأنه كان لداود عليه السلام مائة امرأة ولسليمان ألف امرأة منهن ثلاثمائة سرية۔

## (۷۴۴) اسقاط حمل کا حکم

### سؤال

میری بیوی کو حمل ٹھہرے ہوئے دس دن سے کچھ زیادہ ہوئے ہیں۔ میرا ایک ڈیڑھ سال کا بچہ ہے۔ ماں کا دودھ پیتا ہے۔ میرے گھریلو مسائل ہیں اور میں اپنے بچوں کی اچھی دینی اور دنیوی تربیت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے کل ۴ بچے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں دودھ پیتے بچے کیلئے الگ سے دودھ کا انتظام نہیں کر سکتا ماں کا دودھ ضروری ہے اور حمل کی وجہ سے دودھ کا مسئلہ متاثر ہو رہا ہے۔ کیا میں دس سے پندرہ دن کے اس حمل کو ضائع کر سکتا ہوں اس دودھ پیتے بچے کی وجہ سے یا میرے مسئلے کا کیا حل ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ

”زمین پر چلنے والی کوئی مخلوق ایسی نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا رزق مہیا کرنا ضروری نہ ہو اور اللہ تعالیٰ ان سب کے ٹھکانوں کو جانتا ہے۔“ (ہود: ۱۱)

اس آیت میں واضح طور پر ارشاد باری تعالیٰ موجود ہے کہ دنیا کی ہر مخلوق کی رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے لہذا انسان کیلئے مالی تنگی یا معاشی مسائل کی وجہ سے کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے بچے کی پیدائش متاثر ہو درست نہیں مثلاً ضبط تولید یا اسقاط

حمل اس وجہ سے کرانا کہ زیادہ بچے ہو گئے تو ان کی کفالت کون کرے گا یہ بات درست نہیں۔

حمل کو جب چار ماہ گزر جائیں تو اس میں روح پھونک دی جاتی ہے چار ماہ پورے ہونے سے قبل ابتدائی چالیس دن نطفے کی شکل میں ہوتا ہے پھر دوسرے چالیس دن وہ علقہ (خون کے لوتھڑے) کی صورت میں رہتا ہے اور آخری چالیس دن مضغہ (گوشت کے لوتھڑے) کی شکل میں ہوتا ہے اور پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے لہذا گناہ کے اعتبار سے بھی ان کے مراتب مختلف ہیں۔ نطفے کی شکل میں گناہ کم ہے، علقہ میں اس سے زیادہ اور مضغہ کے اسقاط میں گناہ اس سے بھی زیادہ ہے اور روح پھونک دیئے جانے یعنی چار ماہ کے بعد اسقاط حمل کا گناہ قتل نفس کے برابر ہے، یعنی گویا اس نے ایک زندہ انسان کو جان سے مار دیا جس کا بدترین گناہ ہونا کسی پر مخفی نہیں۔ الغرض حتی الامکان اس فعل سے اجتناب لازمی ہے البتہ اگر کوئی واقعی شرعاً معتبر عذر ہو تو (چار ماہ سے قبل کے عرصے میں) اسقاط کی گنجائش ہے مثلاً عورت حمل کا بوجھ برداشت نہ کر سکتی ہو جان کا خطرہ ہو یا حمل سے عورت کا دودھ بند ہو جائے جس سے پہلے بچے کا نقصان ہو وغیرہ تو اس صورت میں حمل کو چار ماہ گزرنے سے قبل تک اسقاط کر دینا جائز ہے۔

صورت مسئلہ میں چونکہ پہلے بچے کے دودھ کا مسئلہ ہے اور حمل کو ابھی چند دن ہی گزرے ہیں لہذا آپ کیلئے اس عذر کی بنا پر اسقاط حمل کی گنجائش ہے۔

لما فی البخاری (۱۱۱۰/۲) باب قوله تعالى: { ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين } [الصفات]:  
سمعت عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الصادق المصدوق: " أن خلق أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين يوماً أو أربعين ليلة، ثم يكون علقه مثله، ثم يكون مضغاً مثله، ثم يبعث إليه الملك فيؤذن بأربع كلمات، فيكتب: رزقه، وأجله، وعمله، وشقي أم سعيد، ثم ينفخ فيه الروح، فإن أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى لا يكون بينها وبينه إلا ذراع، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل بعمل أهل النار فيدخل النار، وإن أحدكم ليعمل بعمل أهل النار، حتى ما يكون بينها وبينه إلا ذراع، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل بعمل أهل الجنة فيدخلها "

وفي الشامية (۱۷۶/۲): مطلب في حكم إسقاط الحمل قوله (وقالوا الخ) قال في النهر بقي هل يباح الإسقاط بعد الحمل نعم يباح ما لم يتخلق منه شيء ولن يكون ذلك إلا بعد مائة وعشرين يوماً وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح وإلا فهو غلط لأن التخليق يتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة كذا في الفتح وإطلاقهم يفيد عدم توقف جواز إسقاطها قبل المدة المذكورة على إذن الزوج وفي كراهة الخانية ولا أقول بالحل إذ المحرم لو كسر بيض الصيد ضمنه لأنه أصل الصيد فلما كان يؤخذ بالجزء فلا أقل من أن يلحقها ثم هنا إذا أسقطت

بغیر عذراہ قال ابن وہبان ومن الأعداء أن ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل وليس لأبي الضبي ما يستأجر به الظئر ويخاف هلاكه۔

## (۷۴۵) اولاد کے اخراجات کے ڈر سے اسقاطِ حمل حرام ہے

### سوال

مفتی صاحب! (۱)..... دو ماہ تا چار ماہ کا جائز حمل صفائی کروا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲)..... شوہر صفائی کی اجازت دیتا ہے کیونکہ اخراجات برداشت نہیں کر سکتا؟

(۳)..... حمل کے دوران طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

(۴)..... حمل کے دوران اگر طلاق ہو جاتی ہے تو اس کی عدت کیسے ہوگی اور کتنی مہینے کی ہوگی؟

(۵)..... طلاق کے بعد مہر کی رقم شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟

(۶)..... پہلی بچی کی عمر گیارہ سال، دوسرے لڑکے کی عمر دس سال، تیسری بچی کی عمر نو سال، چوتھے بچے کی عمر چھ سال، پانچویں بچی کی عمر

پانچ سال ان تمام بچوں میں سے ماں کو رکھنے کا حق کتنی عمر کے بچوں کا ہے؟

(۷)..... اگر شوہر ان پانچوں بچوں کو نہ دے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۸)..... شوہر اگر اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور لڑکی اگر اپنے ماں باپ کے گھر آجائے تو لڑکی اپنے شوہر سے شرعی طور پر کیا کیا حق مل

سکتی ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

(۱)..... اگر بچے کی ولادت سے جان کی ہلاکت یا جان لیوا بیماری لگنے کا خوف ہو تو اس صورت میں چار ماہ سے کم مدت کا حمل

صاف کروانے کی گنجائش ہے لیکن بالکل یہ طور پر ولادت کی صلاحیت ختم کر دینا جائز نہیں۔

(۲)..... اولاد کے اخراجات کے ڈر سے اسقاطِ حمل کرنا بالکل جائز نہیں۔ یہ باطل نظر یہ رکھنے والوں کا فلسفہ ہے کہ اگر اولاد بڑھتی جائے

گی تو کہاں سے کھائے گی، اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے:

وَمَا مِنْ ذَا بَلِيَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ الخ

”اور زمین پر کوئی چوپایا نہیں ہے مگر اللہ پر اس کے رزق کی ذمہ داری ہے“

یعنی اللہ جل شانہ نے ہر ایک کے رزق کا بندوبست فرما رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کیڑے مکوڑے، درندے کو بھوکا نہیں مارتا کیا ان

کو اللہ کے علاوہ کوئی اور کھلانے والا ہے؟ بلکہ سب مخلوق کو مساوی طور پر اس کی ضروریات کے بقدر اللہ جل شانہ رزق فراہم کرتے ہیں

لہذا یہ نظریہ رکھنا کہ اخراجات کے بڑھنے کے ڈر سے اسقاط حمل کرنا اور کروانا جائز ہے بالکل غلط اور باطل ہے بلکہ بلا شرعی عذر کے اسقاط حمل کرنا، کرانا شریعت میں بالکل حرام ہے۔

(۳)..... دوران حمل طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

(۴)..... دوران حمل طلاق دی جائے تو اس کی عدت وضع حمل (بچے کی ولادت) تک ہے۔

(۵)..... شوہر پر مہر کی ادائیگی بہر صورت فرض ہے، چاہے طلاق کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

(۶)..... مذکورہ صورت میں ۶ سالہ بچے کو سات سال تک اور پانچ سالہ بچی کو ۹ سال تک ماں کو حق پرورش حاصل ہے۔ ان کے علاوہ دیگر بچوں سے متعلق ماں کو حق پرورش نہیں۔

(۷)..... شرعی احکام کو سر تسلیم خم کرنا شان بندگی ہے اور اس سے ترش روئی و بیزار ہونا ہلاکت ہے، جن بچوں پر ماں کو حق پرورش حاصل ہے وہ بچے ماں کو پیرد کر دینا شوہر پر لازم ہے وگرنہ گناہگار ہوگا۔

(۸)..... شوہر کے گھر پر عدت گزارنا ضروری ہے، اور شوہر پر عدت کے مکمل ہونے تک مطلقہ بیوی کا نفقہ و سکنی لازم ہے (کھانا پینا و رہائش) لیکن اگر شوہر کے گھر پر بلا وجہ عدت نہ گزارے تو شوہر پر عورت کا کوئی حق نہیں البتہ مہر بہر صورت لازم ہے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة: ۲۸۶): لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

(الاسراء: ۳۱): وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ لَنْ نُرْزِقَهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا

(الطلاق: ۴): وَأَوْلَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

(البقرة: ۲۳۳): وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ

(البقرة: ۲۳۶): وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرَهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ

(الطلاق: ۶): أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ

(النساء: ۴): وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ مِحْلَةً

وفی الدرالمختار (۵۷۵/۳): (لا) نفقة لأحد عشر... و (خارجة من بيته بغير حق) وهي الناشئة حتى تعود۔

وفی الرد تحتہ: قوله (وهي الناشئة) أي بالمعنى الشرعي أما في اللغة فهي العاصية على الزوج المبغضة له۔

وفی الشامیة (۲۴۹/۶): (قوله ويكره إن) أي مطلقا قبل التصور وبعده على ما اختاره في الخانية كما

قدمناه قبیل الاستبراء وقال إلا أنها لا تأثم إثم القتل (قوله و جاز لعذر) كالمرضعة إذا ظهر بها  
الحبل وانقطع لبنها وليس لأبي الصبي ما يستأجر به الظئر ويخاف هلاك الولد قالوا يباح لها أن  
تعالج في استئزال الدم ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو وقدروا تلك المدة بمائة  
وعشرين يوماً ، و جاز لأنه ليس بآدمي وفيه صيانة الآدمي خانية۔

وفي الدر المختار (۵۶۶/۳): (والحاضنة) أما أو غيرها (أحق به) أي بالغلام حتى يستغني عن  
النساء وقد رتب سببه وبه يفتى لأنه الغالب۔۔۔ (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقد رتب تسع وبه  
يفتى وبنت إحدى عشرة مشتهاة اتفاقاً زيلعي (وعن محمد أن الحكم في الأمر والجدة كذلك)  
وبه يفتى لكثرة الفساد زيلعي۔

وفي الشامية: قوله (مشتهاة اتفاقاً) بل في محرمات المنح بنت تسع فصاعداً مشتهاة اتفاقاً  
سائحاني قوله (كذلك) أي في كونها أحق بها حتى تشتهي قوله (وبه يفتى) قال في البحر بعد نقل  
تصحيحه والحاصل أن الفتوى على خلاف ظاهر الرواية۔

## (۷۴۶) ناجائز حمل کے اسقاط کا حکم

### سؤال

اگر کسی عورت سے زنا سرزد ہو جائے اور حمل ٹھہر جائے تو آیا ذلت سے بچنے کیلئے اسقاط حمل جائز ہے یا نہیں؟ بالخصوص جبکہ لڑکی  
کی شادی میں تاخیر ہو تو اس صورت میں آیا ذلت سے بچنے کی شرعاً کیا صورت ہے؟ وضاحت فرمادیں جبکہ شریعت مطہرہ میں گناہ  
کو چھپانے کی ترغیب دی گئی ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اسقاط حمل کرنا، چاہے حمل نکاح سے ہو، یا زنا سے، بچہ میں روح پڑنے سے قبل ضرورت اور عذر کی بناء پر جائز ہے اور جب  
بچے میں روح پڑ جائے [جس کی مدت تقریباً چار ماہ ہے] تو پھر اسقاط حمل جائز نہیں لہذا صورت مسئلہ میں حمل اگر اتنی مدت نہیں رہا،  
جس میں روح پڑ جائے تو پھر ذلت و عار سے بچنے کیلئے اسقاط کی گنجائش ہے اور اگر اتنی مدت گزر گئی جس میں روح پڑ گئی ہو تو پھر اسقاط  
حمل کرنا بالکل ناجائز ہے۔

لمافی الهدایة (۳۱۵/۲): ولأبي حنيفة رحمه الله أن الناس عرفوها بكرة فيعيونها بالنطق فتمتنع  
عنه فيكتفي بسكوتها كيلا تتعطل عليها مصالحها۔



وفي الشامية (۱۷۶/۳): مطلب في حكم إسقاط الحمل قوله (وقالوا الخ) قال في النهر بقي هل يباح الإسقاط بعد الحمل نعم يباح ما لم يتخلق منه شيء ولن يكون ذلك إلا بعد مائة وعشرين يوما وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح وإلا فهو غلط لأن التخليق يتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة كذا في الفتح --- فلا أقل من أن يلحقها إثم هنا إذا أسقطت بغير عذراه

## (۷۴۷) ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے استقرارِ حمل کا حکم

### سوال

زید شادی شدہ ہے کافی عرصہ ہوا لیکن اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔ کافی علاج کے بعد ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ ایک مصنوعی طریقہ اختیار کر کے کسی آلے کے ذریعے زید کی منی اس کی بیوی کی بچہ دانی (رحم) میں منتقل کی جاسکتی ہے اور اس سے بچہ پیدا ہونے کی کافی امید ہے لیکن وہ متذبذب ہے کہ کیا شرعاً یہ عمل کرنا جائز ہے؟ ازراہ کرم جلد از جلد مسئلہ کا جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں ذکر کردہ طریقہ ٹیسٹ ٹیوب کا طریقہ کار کہلاتا ہے اگر میاں بیوی کو فطری طریقے سے اولاد نہ ہو رہی ہو اور یہ طریقہ اختیار کر کے اولاد ہونے کا احتمال ہو تو چند باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے:

(۱) نطفہ شوہر کا ہو اس صورت میں بچہ بھی شوہر کا ہوگا یعنی شوہر کے نطفے کو بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے یا شوہر اور بیوی کے نطفوں کو نکال کر علیحدہ رکھ کر پھر بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے بوقتِ ضرورت عذر کی بنا پر ایسا کرنا جائز ہے اور اس سے پیدا شدہ اولاد ثابت النسب ہوگی۔

اگر نطفہ شوہر کا نہیں بلکہ کسی اور مرد کا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس غیر مرد کی رضامندی سے حاصل کیا گیا ہو ایسا کرنا قطعاً حرام اور زنا کے حکم میں ہے چونکہ یہ نطفہ حرام کا ہے اور اس کی کوئی حرمت نہیں لہذا اس سے پیدا شدہ بچہ کا نسب اس غیر مرد سے ثابت نہ ہوگا البتہ شوہر سے اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا لایہ کہ شوہر اس بچے کی اپنے سے نفی کر دے اور گواہوں سے ثابت کر دے کہ عورت نے مصنوعی طریقے سے غیر کا نطفہ اپنے رحم میں داخل کروایا ہے یا عورت خود اس عمل کا اقرار کر لے تو پھر یہ بچہ غیر ثابت النسب ہو جائے گا۔ اس بچے کی نسبت اپنی ماں کی طرف ہوگی۔

نطفہ غیر شوہر کا ہونے کی صورت میں دوسری صورت یہ ہے کہ وہ نطفہ غیر شوہر سے دھوکہ میں رکھ کر حاصل کیا گیا ہو اس صورت میں بچہ کا نسب اس غیر مرد سے ثابت ہوگا مثلاً غیر شوہر کو علاج یا اس کی اپنی بیوی کے رحم میں داخل کرنے کا کہہ کر نطفہ حاصل کیا گیا ہو اور

کسی اور کی بیوی کے رحم میں داخل کر دیا گیا ہو۔ یہ عمل وطی بالشہبہ کی طرح ہوگا۔ عورت پر شوہر سے ہمبستری سے قبل عدت گزارنا ضروری ہوگی البتہ ڈاکٹر یا شوہر وغیرہ میں سے جو بھی قصد اس عمل کا مرتکب ہوا ہے وہ ایک کبیرہ گناہ اور حرام فعل کا مرتکب ہوا ہے اسے اس پر سخت توبہ و استغفار کرنی چاہیے۔

الغرض درست صورت فقط یہ ہے کہ شوہر کے نطفے کو بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے یا دونوں کے مادہ منویہ کو الگ سے اکٹھا کر کے بیوی کے رحم میں رکھ دیا جائے اس کے علاوہ تمام صورتیں شکوک و شبہات والی ہیں، جن پر عمل جائز نہیں۔

(۲) دوسری بابت یہ ملحوظ رہے کہ میاں، بیوی کے نطفوں کو مختلط کر کے بیوی کے رحم میں رکھنا ضروری ہے بیوی کے رحم کے علاوہ کسی اور رحم میں انکار رکھنا جائز نہیں، چاہے وہ دوسری بیوی کا رحم ہی کیوں نہ ہو، یہ فعل قطعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے جس کی کسی صورت میں کوئی گنجائش نہیں۔

(۳) ظاہر ہے اس عمل کیلئے میاں بیوی کو اپنی شرمگاہ برہنہ کرنا پڑے گی تو اس کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ میاں بیوی خود ہی اس فعل کو انجام دیں اور اگر ڈاکٹر کی خدمات لینا ضروری ہوں تو مرد سے متعلق امور کا مرد ڈاکٹر اور عورت سے متعلق امور کا عورت ڈاکٹر کیلئے انجام دینا ضروری ہے۔ کسی نامحرم کے سامنے اپنی شرمگاہ کا کھولنا اس عمل کیلئے قطعاً جائز نہیں۔

لہذا صورت مسؤلہ میں اگر ان تینوں امور کا لحاظ رکھا جائے یعنی مادہ منویہ شوہر کا ہو اسے بیوی کے رحم میں رکھا جائے اور مرد اور عورت سے متعلق امور ہم جنس ڈاکٹر انجام دیں تو پھر عذر کی بنا پر اس فعل کے کرانے کی گنجائش ہے۔ کسی بھی ایک شرط کے مفقود ہونے کی صورت میں یہ حلت حرمت میں تبدیل ہو جائے گی۔

لما فی الشامیة (۵۲۸/۳): قوله (أدخلت منیه) أي منی زوجها من غیر خلوة ولا دخول أمالو أدخلت منی غیره فقد قدمناه فی الموطوءة بشبهة قوله (فی البحر یجثا نعم) حیث قال ولم أر حکم ما إذا وطئها فی دبرها أو أدخلت منیه فی فرجها ثم طلقها من غیر ایلاج فی قبلها و فی تحریر الشافیة وجوبها فیہما ولا بد أن یحکم علی أهل المذهب به فی الثانی لأن إدخال المنی یحتاج إلى تعرف براءة الرحم أكثر من مجرد الإیلاج اه یعنی وأما فی الأول فلا لأن الوطء فی الدبران کان فی الخلوۃ فالعدة تجب بالخلوة وإن کان بغیر خلوة فلا حاجة إلى تعرف البراءة لأنه سفح الماء فی غیر محل الحرث فلا یكون مظنة العلق۔

وفیه أيضاً (۵۰۳/۳): أما الفاسد فلا تجب فیہ العدة إلا بالوطء كما مر فی باب المهر ویأتی قلت ومما جرى مجراه ما لو استدخلت منیه فی فرجها كما یجثه فی البحر ویأتی فی الفروع آخر الباب۔  
وفیه أيضاً (۳۷۱/۶): إذا کان المرض فی سائر بدنها غیر الفرج یجوز النظر إلیه عند الدواء لأنه موضع ضرورة وإن کان فی موضع الفرج فینبغی أن یعلم امرأة تداویها فإن لم توجد

وخافوا عليها أن تملك أو يصيبها وجع لا تحتمله يستر منها كل شيء إلا موضع العلة ثم يداويها الرجل ويغض بصره ما استطاع إلا عن موضع الجرح اه فتأمل والظاهر أن ينبغي هنا للموجوب - وفي الفصل (٢٩٠/٩): طرق التلقيح الصناعي لإيجاد الأولاد: أولا: يجري تلقيح بين نطفة مأخوذة من زوج وبيضة مأخوذة من امرأة ليست زوجته ثم تزرع اللقيحة في رحم زوجته -

ثانيا: أن يجري التلقيح بين نطفة رجل غير الزوج وبيضة الزوجة ثم تزرع تلك في رحم الزوجة -

ثالثا: أن يجري تلقيح خارجي بين مني من الزوج وبيضة مأخوذة من الزوجة ثم تزرع اللقيحة في رحم امرأة متطوعة بحملها -

رابعا: أن يجري تلقيح خارجي بين نطفة من رجل أجنبي وبيضة من زوجة وتزرع اللقيحة في رحم الزوجة -

خامسا: أن يجري تلقيح خارجي بين نطفة الزوج وبيضة عن الزوجة ثم تزرع اللقيحة في رحم الزوجة الأخرى لهذا الزوج لأن له زوجتين -

سادسا: أن تؤخذ نطفة من الزوج وبيضة من الزوجة ويتم التلقيح خارجيا ثم تزرع اللقيحة في رحم الزوجة -

سابعا: أن تؤخذ نطفة من الزوج وتحقن في الموضع المناسب من مهبل زوجته أو رحمها لتلقح تلقيحا داخليا -

”حكم الشرع في طرق التلقيح الصناعي“: قرر مجلس الفقه الإسلامي المنعقد في دورة مؤتمره الثالث في عمان من ٨-١٢ صفر سنة ١٤٠٤هـ بشأن هذه الطرق، طرق التلقيح الصناعي ما يأتي: إن الطرق الخمسة الأولى كلها محرمة شرعا وممنوعة منعا باتا لذاتها ولما يترتب عليها من اختلاط الأنساب وضياع الأمومة وغير ذلك من المحاذير الشرعية أما الطريقتان السادس والسابع فقد رأى مجلس المجمع أنه لا حرج من اللجوء إليها عند الحاجة مع التأكيد على ضرورة أخذ كل الاحتياطات اللازمة -

## (۷۲۸) ٹیسٹ ٹیوب وغیرہ سے لعان اور تعزیر

## سوال

ایک عورت اگر زنا کی مرتکب ہو اور وہ شادی شدہ ہو تو زنا سے پیدا شدہ بچے کی اگر شوہر نفی کر دے تو لعان کی قسمیں اٹھتی ہیں اور بچہ غیر ثابت النسب قرار دے دیا جاتا ہے بالکل اسی طرح ایک عورت کسی غیر مرد کا نطفہ ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے اپنے رحم میں ڈلوائے اور اس سے بچہ پیدا ہو جائے اور مرد کہے کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں تو کیا اس بچے پر لعان ہوگا؟ یعنی زنا کی طرح جان بوجھ کر غیر کی منی رحم میں ڈلوانے میں لعان کا حکم آئے گا؟

(۲) نیز جو ڈاکٹر یا ہر وہ شخص جو قصداً یا دھوکہ سے غیر شوہر کا نطفہ حاصل کر کے عورت کے رحم میں ڈالے اس ڈاکٹر وغیرہ پر تعزیر

آئے گی یا نہیں؟

(۳) نیز ایک شوہر اپنا اور اپنی بیوی کا نطفہ نکال کر کسی تیسری عورت کے رحم میں رکھواتا ہے کیونکہ بیوی حمل کی متحمل نہیں تو کیا یہ

جائز ہے؟ اور ایسا کرنے والے پر تعزیر آئے گی؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

(۱) لعان میاں بیوی کے درمیان اس وقت جاری ہوتا ہے جبکہ شوہر بیوی پر ایسی تہمت لگائے کہ جس سے رجوع کی صورت میں شوہر پر حد قذف لگے اور عورت کے اقرار کی صورت میں اس پر حد زنا لگے لہذا صورت مسئولہ میں اگر شوہر نے بیوی پر ان الفاظ سے تہمت لگائی ہے کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں ہے بلکہ بیوی نے ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے اپنے رحم میں غیر کا نطفہ ڈلوایا ہے تو اس صورت میں میاں بیوی کے درمیان لعان جاری نہیں ہوگا کیونکہ عورت اگر ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے رحم میں اجنبی کا نطفہ ڈلوائے تو اگرچہ یہ حرام تو ہے لیکن اس کی وجہ سے عورت کو حد زنا نہیں لگتی اور نہ ہی اس پر اس بات کی تہمت لگانے والے کو حد قذف لگتی ہے البتہ اگر مرد صراحتاً یہ کہتا ہے کہ اس نے زنا کیا ہے جس کی وجہ سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے یا صرف بچے کی نفی کر رہا ہے اور یہ مقصود بیان نہیں کر رہا ہے کہ ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے ہوا ہے تو اس صورت میں دونوں کے درمیان لعان کا حکم جاری ہوگا۔

(۲) جو ڈاکٹر یا شخص قصداً یا دھوکہ سے غیر شوہر کا نطفہ حاصل کر کے عورت کے رحم میں ڈالے وہ ڈاکٹر اور شخص قابل تعزیر ہے

اسی طرح جس شخص کا نطفہ ہے اگر اس کو بھی معلوم ہے کہ میرا نطفہ نکال کر اجنبیہ کے رحم میں ڈالا جائے گا تو وہ بھی تعزیر کا مستحق ہے البتہ اگر اسے علم نہ ہو تو وہ معذور ہے۔

(۳) اسی طرح میاں بیوی کا نطفہ کسی اجنبی عورت کے رحم میں ڈالنے والا ڈاکٹر یا شخص اور ایسا کروانے والے میاں بیوی سب

کے سب تعزیر کے مستحق ہیں البتہ اگر ضرورت کے وقت میاں بیوی کا نطفہ خاص ترکیب سے بیوی کے رحم میں ڈالا جائے تو اس صورت

میں میاں بیوی تعزیر کے مستحق نہیں ہیں اور اس صورت میں اگر نامحرم ڈاکٹر سے خدمت لی گئی تو اگرچہ یہ بھی گناہ ہے لیکن پہلے سے کم ہے لہذا اس صورت میں وہ ڈاکٹر، میاں، بیوی تعزیر کے مستحق نہیں ہوں گے البتہ اس عمل کو نامحرم ڈاکٹر سے کرانے کی وجہ سے تینوں گناہگار ہوں گے۔

لما فی المشکوٰۃ المطبوع مع المرقاة (۲/۳۶۳) باب الاستبراء (ط رشیدیہ): وعن روفع بن ثابت الأنصاری قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم حنين: " لا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقي ماء زرع غيره " يعني إتيان الحبالی  
وفی المفصل فی احکام المرأة والبيت المسلم (۹/۳۹۰): طرق التلقيح الصناعي لإيجاد الأولاد: أولا: یجری تلقيح بین نطفة مأخوذة من زوج وبيضة مأخوذة من امرأة لیست زوجته ثم تزرع اللقيحة فی رحم زوجته۔

ثانيا: أن یجری التلقيح بین نطفة رجل غیر الزوج وبيضة الزوجة ثم تزرع تلك فی رحم الزوجة۔

ثالثا: أن یجری تلقيح خارجی بین منی من الزوج وبيضة مأخوذة من الزوجة ثم تزرع اللقيحة فی رحم امرأة متطوعة بحملها۔

رابعا: أن یجری تلقيح خارجی بین نطفة من رجل أجنبي وبيضة من زوجة وتزرع اللقيحة فی رحم الزوجة۔

خامسا: أن یجری تلقيح خارجی بین نطفة الزوج وبيضة عن الزوجة ثم تزرع اللقيحة فی رحم الزوجة الأخری لهذا الزوج لأن له زوجتين۔

سادسا: أن تؤخذ نطفة من الزوج وبيضة من الزوجة ويتم التلقيح خارجيا ثم تزرع اللقيحة فی رحم الزوجة۔

سابعا: أن تؤخذ نطفة من الزوج وتحقن فی الموضع المناسب من مهبل زوجته أو رحمها لتلقح تلقيحا داخليا۔

”حکم الشرع فی طرق التلقيح الصناعي“: قرر مجلس الفقه الإسلامی المنعقد فی دورة مؤتمره الثالث فی عمان من ۸-۱۲ صفر سنة ۱۴۰۷ھ بشأن هذه الطرق، طرق التلقيح الصناعي ما يأتي: إن الطرق الخمسة الأولى كلها محرمة شرعا وممنوعة منعا باتا لذاتها أولا ً یترتب علیها من اختلاط الأنساب وضياع الأمومة وغير ذلك من المحاذير الشرعية أما الطريقتان السادس

والسابع فقد رأى مجلس المجمع أنه لا حرج من اللجوء إليها عند الحاجة مع التأكيد على ضرورة أخذ كل الاحتياطات اللازمة - فتوى شيخ الأزهر في التلقيح الصناعي -- قال إنه أى التلقيح الصناعي إذا كان التلقيح بماء رجل أجنبي عن المرأة لا يربط بينهما عقد زواج فهو في هذه الحالة يكون في نظر الشريعة الإسلامية جريمة منكرة وإثما عظيمًا يلتقي مع الزنا - الخ - ولولا قصور في صورة الجريمة لكان حكم التلقيح في تلك الحالة هو حكم الزنا -

وكذا فيه (۲۳۷/۸) المقذوف به هو الزنى فيشروط إذن في الفعل المقذوف به أن يكون زنى حسب المفهوم الشرعى للزنى وهو الذى يستوجب حد الزنى فإذا لم يوصف الفعل بأنه زنا شرعا أو لم يستوجب الحد الشرعى للزنى فإن القذف به لا يعتبر قذفا بالزنا وبالتالي لا يجب فيه حد القذف ولا يحرى به اللعان -

والقاعدة التى ترجع إليها الشروط فى المقذوف به هى: كل ما يوجب حد الزنى بفعله يجب حد القذف بالقذف به وكل ما لا يجب حد الزنى بفعله لا يجب حد القذف به -

وفى الشامية (۲۶/۳) باب التعزير: وذكر فى البحر أن الحاصل وجوبه بإجماع الأمة لكل مرتكب معصية ليس فيها حد مقدر كنظر محرم ومس محرم وخلوة محرمة وأكل ربا ظاهر اهتقلت وهذه الكلية غير منعكسة لأنه قد يكون فى معصية فيها حد كزنا غير المحصن فإنه يجلد حدا وللإمام نفيه سياسة وتعزيرا كما مر فى بابه -

## (۷۳۹) ضبط توليد کا حکم

### سؤال

اگر کوئی عورت بچوں کو ناپسند کرتی ہو اور وہ یہ چاہتی ہو کہ اس کے ہاں بچہ پیدا نہ ہو اور وہ بذریعہ آپریشن اپنی قوت تولید کو ختم کروالے تو اس کا یہ فعل کیسا ہے، اگر غلط ہے تو کفارے کی کیا صورت ہوگی؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اس عورت کا یہ فعل بالکل غلط ہے اور اس کا یہ فعل آپ ﷺ کے اس فرمان کی خلاف ورزی ہے جس میں اس عورت سے شادی کرنے کا حکم فرمایا ہے جو زیادہ اولاد جننے والی ہو اور اگر اس عورت نے یہ فعل کیا ہے تو سخت گناہ کا کام کیا ہے اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے۔

لمافی صحیح البخاری (۴۵۹/۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قلت: يا رسول الله إني رجل شاب، وأنا أخاف على نفسي العنت، ولا أجد ما أتزوج به النساء، فسكت عني ثم قلت مثل ذلك، فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك، فسكت عني ثم قلت مثل ذلك، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: يا أبا هريرة جف القلم بما أنت لاق فاخصر على ذلك أو ذر.

وفي الشامية (۱۷۶/۳): [تنبیه] أخذ في النهر من هذا ومما قدمه الشارح عن الخانية والكمال أنه يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما مجته في البحر من أنه ينبغي أن يكون حراما بغير إذن الزوج قياسا على عزله بغير إذنها.

وفي الفتاوى اللجنة الدائمة (۳۱۸/۱۹): الأصل في تحديد النسل وتنظيمه عدم الجواز؛ لمخالفته لما جاء في الشريعة الإسلامية من النهي عن التبتل المراد به: الانقطاع عن النكاح والتشديد في ذلك، والأمر بتزوج الولود، فيكون تناول حبوب منع الحمل أو غيرها لمنع الحمل غير جائز، إلا في حالات ضرورية نادرة، كأن يحدث الحمل للمرأة أتعابا وأمراضا فوق ما يلحق الحوامل عادة من أمراض الحمل والولادة فعند ذلك يجوز تناول ما يمنع الحمل تداويا، لا فرارا من النسل؛ لقول الله سبحانه: {فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ} وقوله: {لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا} وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

## (۷۵۰) بوجہ عذر تو لیدی صلاحیت ختم کرانے کا حکم

### سؤال

میرے ایک عزیز ہیں ان کے ماشاء اللہ سات بچے ہیں اب ان کی المیہ کی طبیعت بہت خراب رہتی ہے بلڈ پریشر بہت لو (low) رہتا ہے۔ کمزوری بھی زیادہ ہے۔ ڈاکٹر نے بھی کہا ہے کہ اب پیدائشی مرحلے سے گزرنے کی صورت میں عورت کی جان کو شدید خطرہ ہے۔ موانع حمل طریقے اپنانے پر عورت کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں نسبندی یا عورت کی بچہ دانی نکلو دینے کی گنجائش ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

کسی بھی عورت کیلئے اپنی تولیدی صلاحیت کا ختم کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال رد رسول الله ﷺ على عثمان بن مظعون التبتل ولو أذن له لا

ختصینا

”حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا: آپ ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے نکاحی زندگی گزارنے سے منع فرمادیا اگر آپ ﷺ اجازت دے دیتے تو ہم اپنے آپ کو خسی بنا لیتے۔“ (مشکوٰۃ ص ۲۶۷)

اس فعل میں اللہ ﷻ کی تخلیق کو بدلنا یا فطری امر کو اپنی صفت سے تبدیل کرنا لازم آتا ہے، عام اوقات میں اس کی کوئی گنجائش نہیں چاہے تولیدی صلاحیت ختم کرانے کیلئے رحم کو نکلوایا جائے یا اس کا منہ بند کر دیا جائے یا کوئی بھی ایسا طریقہ جو رحم میں استقرارِ حمل سے دائمی طور پر مانع ہو اختیار کرنا جائز نہیں۔

البتہ اگر ضرورت اس امر کی متقاضی ہو اور استقرارِ حمل سے عورت کی جان کو خطرہ لاحق ہونے کا ظن غالب ہو مثلاً ڈاکٹر حضرات یہ تشخیص کر دیں کہ اب اس عورت کو حمل ہو تو اسے مہلک بیماریاں لگ سکتی ہیں یا اب اس میں حمل کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں تو اس صورت میں اگر موانعِ حمل طریقے (مثلاً کنڈوم یا دیگر طریقہ کار) بھی مضر ہوں تو عورت کیلئے یہ گنجائش ہے کہ وہ اپنی تولیدی صلاحیت کو ختم کر دے البتہ اگر موانعِ حمل طریقے مضر نہ ہوں تو اسی پر اکتفاء کیا جائے تولیدی صلاحیت ختم کرنے کی حاجت نہیں۔

صورتِ مسئلہ میں چونکہ آپ کے عزیز کی اہلیہ کے سات بچے ہیں اور ڈاکٹر نے بھی اب پیدائشی مرحلے سے گزرنے پر عورت کی جان کو خطرہ کہا ہے لہذا ڈاکٹر اگر مسلمان حاذق ہو نیز موانعِ حمل طریقے بھی اس عورت کیلئے مضر ہو سکتے ہوں تو آپ کے عزیز کی اہلیہ کیلئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی تولیدی صلاحیت ختم کر دیں لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر ان کیلئے اس کی گنجائش نہیں۔

لہا فی الکلام المجید (المائدۃ: ۸۷): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَبِيبَاتٍ مَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

وفی الدر المختار (۱۷۶/۳): وقالوا يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر ولو بلا إذن الزوج۔

وفی الرد تحتہ: تنبيه أخذ في النهر من هذا ومما قدمه الشارح عن الخانية والكمال أنه يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحر من أنه ينبغي أن يكون حراما بغير إذن الزوج قياسا على عزله بغير إذنها قلت لكن في البزازية أن له منع امرأته عن العزل اه نعم النظر إلى فساد الزمان يفيد الجواز من الجانبين فما في البحر مبني على ما هو أصل المذنب وما في النهر على ما قاله المشايخ والله موفق۔

وفی الشامية (۳۲۸/۵): يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم

أن فيه شفاءه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه۔



## (۷۵۱) خاندانی منصوبہ بندی کا شرعی حکم

## سوال

- مفتی صاحب! خاندانی منصوبہ بندی کی شرعی حیثیت کیا ہے اور اس سے متعلق ان سوالوں کے جوابات تحریر فرمادیں:
- (۱)..... آج کل حکومت کی طرف سے جو عورتیں مقرر ہیں اور وہ باقاعدہ گھروں پر جاتی ہیں اور دوسری عورتوں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟
- (۲)..... اجتماعی اور انفرادی طور پر اس پر عمل کرنے والوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟
- (۳)..... کیا ضرورت کی بناء پر جواز کی کوئی صورت ہے؟
- ازراہ کرم تحقیقی جواب عنایت فرما کر شکر یہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

خاندانی منصوبہ بندی کی دو صورتیں ہیں:

- (۱)..... قطع نسل: یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے دائمی طور پر قوت تولید ختم ہو جائے جیسا کہ عورت اپنی نسبندی کرالے یا مرد خصی بن جائے، یہ حرام ہے کسی مسلمان کیلئے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو تبدیل کرنا پایا جاتا ہے جو کہ درست نہیں۔
- (۲)..... منع حمل: یعنی کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے عارضی طور پر حمل نہ ٹھہرے، بغیر کسی عذر کے ایسا کرنا مکروہ تفریحی ہے البتہ اگر میاں بیوی کو کوئی عذر لاحق ہو مثلاً دونوں دور دراز کے سفر پر ہوں اور حمل مشکلات کا سبب بن سکتا ہو یا حمل کی وجہ سے پہلے بچے کو دودھ پلانا متاثر ہو رہا ہو تو اس طرح کے اعذار کی وجہ سے ایسا کرنا جائز ہے پھر اس میں کوئی کراہت نہیں البتہ کسی غرض فاسد کی وجہ سے مانع حمل طریقہ اختیار کرنا مثلاً بعض لوگ شادی کے بعد اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ اولاد کم ہوتا کہ ان کی عیاشی میں خلل نہ ہو اور بعض یہ خیال رکھتے ہیں کہ اولاد پیدا ہو جائے گی تو نعوذ باللہ ان کا خرچہ کون برداشت کرے گا؟ اور بعض لوگ کفریہ خیالات "بچے دو ہی اچھے" کے پروپیگنڈے کے دام فریب میں آجاتے ہیں حالانکہ یہ سب شریعت سے متصادم خیالات ہیں۔ اگر ایسی کسی وجہ سے مانع حمل طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے تو یہ حرام ہے، اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"تزوجوا الودود الودود فانی مکاثر بکم الامم"

"آپ ﷺ نے فرمایا: ایسی عورتوں سے شادی کرو جو زیادہ بچے جننے والی ہو کیونکہ (کل بروز قیامت) میں اپنی امت کی

کثرت کے بسبب فخر کروں گا۔" (مشکوٰۃ ۲/۲۷۶)



کیونکہ دوسرے بچے کے حمل سے دودھ متاثر ہو جاتا ہے) تو اس وقت مانع حمل کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا جائز ہے اور اگر کوئی عذر نہ ہو بلکہ کسی غیر شرعی غرض کی وجہ سے مانع حمل طریقے اختیار کئے جائیں مثلاً بچی پیدا ہوئی تو خاندان میں عار ہوگی یا اتنے بچوں کیلئے پیسوں اور کھانے پینے کا بندوبست کون کرے گا اگر ایسی کوئی غرض ہو تو یہ فعل ناجائز اور حرام ہوگا۔

الغرض اگر کوئی معتبر عذر ہو تو یہ مطلقاً جائز ہے بغیر عذر کے مکروہ تنزیہی ہے اور کسی غیر شرعی غرض کے لئے کیا جائے تو حرام ہے۔ صورت مسؤلہ میں بھی چونکہ آپ دور کے سفر پر ہیں اور سفر میں استقرار حمل مشکلات پیدا کر سکتا ہے لہذا یہ عذر معتبر ہے اور اس کی وجہ سے میاں یا بیوی میں سے جو بھی عارضی مانع حمل کا کوئی طریقہ اختیار کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔

لہٰذا فی القرآن الکریم (الاسراء: ۳۱): وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً۔

(التکویر: ۹۸): وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ۔

وفی الہندیة (۳۵۶/۵): المرأة المرضعة ظہر بہا حبل وانقطع لبنہا وتخاف علی ولدها الہلاک ولیس لأبی هذا الولد سعة حتی یتأجر الظئر یباح لها أن تعالج فی استئزال الدم ما دام نطفة أو مضغة أو علقة لم یخلق له عضو وخلقہ لا یتبین إلا بعد مائة وعشرین یوماً أربعون نطفة وأربعون علقة وأربعون مضغة کذا فی خزانة المفتین وهکذا فی فتاوی قاضی خان واللہ أعلم۔

وفی الشامیة (۱۷۵/۳): وأما سفح الماء ففائدته الولد والحق فیہ للمولی فاعتبر إذنه فی إسقاطه فإذا أذن فلا کراهة فی العزل عند عامة العلماء وهو الصحیح؛ وبذلك تصافرت الأخبار. وفی الفتح: وفی بعض أجوبة المشایخ الکراهة، وفی بعض عدمها فہر، وعنہما أن الإذن لها. وفی القہستانی أن للسید العزل عن أمته بلا خلاف وكذا الزوج الحرۃ یانہا۔۔۔ (قوله قال الکمال) عبارته: وفی الفتاوی إن خاف من الولد السوء فی الحرۃ یسعه العزل بغیر رضاماً لفساد الزمان، فلیعتبر مثله من الأعذار مسقطاً لإذنها۔ فقد علم مما فی الخانیة أن منقول المذهب عدم الإباحة وأن هذا تقييد من مشایخ المذهب لتغیر بعض الأحكام بتغیر الزمان، وأقره فی الفتح وبه جزم القہستانی أيضاً حیث قال: وهذا إذا لم یخف علی الولد السوء لفساد الزمان وإلا فیجوز بلا إذنها۔ لکن قول الفتح فلیعتبر مثله إلخ یحتمل أن یرید بالمثل ذلك العذر، کقولهم: مثلک لا یبخل. ویحتمل أنه أراد إلحاق مثل هذا العذر به كأن یرید فی سفر بعيد، أو فی دار الحرب فخاف علی الولد، أو كانت الزوجة سیئة الخلق ویرید

فراقها فخاف أن تعجل ، وكذا ما يأتي في إسقاط الحمل عن ابن وهبان فافهم .

## (۷۵۳) کنڈوم، ٹیکے اور گولیوں کا استعمال

### سوال

منقہ صاحب! آیا دور حاضر میں چھوٹا خاندان، بچوں میں مناسب وقفہ، ماں اور بچے کی صحت کیلئے ضروری ہے، دین اسلام میں اس بات کی کیا حیثیت ہے؟ ٹیکے، گولیاں اور کنڈوم کا استعمال قرآن و سنت کی روشنی میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ بیشتر کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جن میں ”تحفہ دلہن“، ”بہشتی زیور“ اور ”میراجینا میرا امرنا اللہ کیلئے“ شامل ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا حق زوجیت ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ آیا یہ بات درست ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

نبی کریم ﷺ نے زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا ہے کہ میں بروز قیامت تمہاری تعداد کی زیادتی کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بیشک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

(۱)..... اگر کنڈوم، گولیاں اور ٹیکے استعمال کرنے سے بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہو اور اسی طرح بچہ دانی نکلوادینا یہ سب قرآن و حدیث کے صریح نصوص کے خلاف ہے لہذا یہ ناجائز اور حرام ہے، کسی مسلمان کیلئے ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے البتہ اگر ٹیکے، کنڈوم اور گولیاں استعمال کرنے سے مقصود وقفہ ہے تو اس صورت میں اگر عورت کمزور ہے اور حمل کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی یا حمل کی وجہ سے بچے کی صحت پر ضرر و نقصان کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں عورت شوہر کی اجازت سے مناسب وقفہ تک ٹیکے اور گولیاں استعمال کر سکتی ہے بشرطیکہ ٹیکے اور گولیاں استعمال کرنے سے بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ختم نہ ہو جاتی ہو۔

(۲)..... شریعت مطہرہ نے انسانی ضرورت اور جنسی خواہش کو صحیح طریقے سے پورا کرنے کیلئے نکاح کو مشروع قرار دیا ہے تاکہ انسان اپنی اس خواہش کو جائز طریقے سے پورا کر کے غلط کاریوں اور گناہ کے کاموں سے بچ سکے اور اس کے ساتھ ساتھ انسانیت کی بقاء کیلئے توالد اور تناسل کا سلسلہ بھی چلتا رہے، اسی وجہ سے ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب شوہر اپنی بیوی کو ضرورت کیلئے بلائے تو وہ اگرچہ تنور پر ہی کیوں نہ ہو حاضر ہو جائے (کیونکہ حاضر نہ ہونے کی صورت میں شوہر کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے کہ کہیں شوہر زنا میں مبتلا نہ ہو جائے یا غصے میں آکر عورت کو طلاق دیدے اور دوسری شادی کر لے جس کی وجہ سے عورت کو سخت پریشانی اٹھانی پڑے) لہذا صورت مسئلہ میں جب مرد اپنی خواہش کو پورا کرنے کیلئے عورت کو بلائے تو عورت کو چاہئے کہ مرد کی خواہش کو پورا کرے چاہے کسی بھی کام میں مشغول ہو۔

لها في القرآن الكريم (الاسراء: ٣١): وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا.

وفي مشكوة المصابيح (ص ٢٨١): وعن طلق بن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتأته وإن كانت على التنور". رواه الترمذي  
وفي مرقاة المفاتيح (٢٤٢/٦): [لحاجته] أي المختصة به كناية عن الجماع [فلتأته] أي لتجب دعوته وإن كانت على التنور أي وإن كانت تجبز على التنور مع أنه شغل شاغل لا يتفرغ منه إلى غيره إلا بعد انقضائه قال ابن الملك وهذا بشرط أن يكون الخبز للزوج لأنه دعاها في هذه الحالة فقد رضي بإتلاف مال نفسه وتلف المال أسهل من وقوع الزوج في الزنا رواه الترمذي وكذا النسائي-

وفي اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٢٩٢/١٩): س: ما حكم الزوجين المسلمين في شرب الأدوية والحبوب لمنع الحمل، بحيث كثرة العيال يؤدي إلى مكافحة ومشقات عظيمة والهوان، سواء في الإنسانية والدينية في بعض دول أوروبا وما ساواها في أمورها الحيوية؟  
ج: يختلف حكم استعمال الأدوية والحبوب لمنع الحمل باختلاف الغرض منه، وباختلاف طبيعة الحبوب ومدى تأثيرها على الزوجة، وموقف الرجل في ذلك والوقت الذي تستعمل فيه هذه الحبوب. فأما بالنسبة للغرض، فقد يكون المقصود هو البقاء على نضارة المرأة، وهذا فيه معارضة لحكمة الله جل وعلا، فإنه تبارك وتعالى شرع النكاح، وحث عليه، ومن المقاصد الشرعية من مشروعية النكاح: حصول الأولاد. فعن معقل بن يسار رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني أصبت امرأة ذات حسب ومنصب ومال، إلا أنها لا تلد، أفأتزوجها؟ فنهاه، ثم أتاه الثانية فقال له مثل ذلك، ثم أتاه الثالثة فقال له: "تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمر رواه أبو داود والنسائي والحاكم، وقال: صحيح الإسناد. فهذه المرأة التي تستعمل الحبوب والأدوية من أجل البقاء على نضارة جسمها هي بمنزلة المرأة العقيم، وقد نهي صلى الله عليه وسلم عن نكاحها؛ لأنها لا تلد، فهذه المرأة منهية بعموم هذا الحديث عن تعاطي الموانع التي تمنع الحمل، وإذا كان الغرض من استعمال الحبوب والأدوية منع الحمل في حالة تكون المرأة واقعة فيها وهي وجود إجهاد بدني، كالمرأة التي تلد كل سنة ويكون جسمها نحيفا فلا تتحمل متاعب الحمل والولادة، بحيث لو استمرت غلب على ظنها

وقوع ضرر عظیم علیها، وترى استعمال الحبوب والأدوية لمنع الحمل وقتاً محدوداً بقدر ما يدفع الضرر فيجوز ذلك، بشرط أن لا يترتب على استعماله ضرر يماثل الضرر الذي يراد فعله. ذلك أن استعمال بعض حبوب منع الحمل ينشأ عنها أحياناً اضطراب في العادة الشهرية، وتليف الرحم، وحصول ضغط في الدم، وخفقان في القلب، وغز ذلك من الآثار السيئة التي يعرفها الأطباء، ويدل لجواز الاستعمال في هذه الحالة عموم أدلة الشريعة الدالة على اليسر والسهولة ودفع المشقة، قال تعالى: {مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ} وقال صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولا ضرار وقد أخذ العلماء من هذه الآية وما جاء في معناها من القرآن، وكذلك ما جاء في معنى الحديث من السنة قاعدة: (المشقة تجلب التيسير). وأما اختلاف الحكم باختلاف طبيعة الحبوب والأدوية فبيانه أن يقال: هذه الأدوية والحبوب التي يراد استعمالها لمنع الحمل إن كانت خالية من المؤثرات السيئة المماثلة للضرر المراد دفعه، فيجوز استعمالها كما سبق بيانه، وإن اشتملت على ضرر يماثل الضرر المراد دفعه لم يجز؛ لأن الضرر لا يدفع بالضرر، والمرجع في تقدير ما تشتمل عليه من أضرار إلى أهل المعرفة في ذلك، وذلك بتحليل هذه الحبوب والأدوية وتشخيص ما تشتمل عليه من أضرار ومدى تأثيرها.

## (۷۵۴) نکاح کیلئے کنواری لڑکی کو ترجیح دی جائے یا بیوہ کو؟

### سوال

مفتی صاحب! شادی کے معاملے میں کنواری لڑکی کو ترجیح دی جائے یا شادی شدہ مطلقہ یا متونی عنہا زوجہا کو ترجیح دی جائے؟ میں نے کسی سے سنا تھا کہ کنواری سے نکاح افضل ہے لیکن دوسری طرف ہمارے ہاں معاشرے میں بہت سی لڑکیاں چھوٹی عمر میں ہی شوہر کے انتقال کا غم سہتی ہیں اور پھر ان کا نکاح ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ ہر مرد کنواری لڑکی سے نکاح کرنا چاہ رہا ہوتا ہے۔ ازراہ کرم مسئلے کے تمام پہلوؤں کی مفصل وضاحت فرمادیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"علیکم بالأبکار فإنہن أعذب أفواہا وأنق أرحاما وأرضی بالیسیر" (مشکوٰۃ ص ۲۶۸)  
 "کنواری لڑکیوں سے نکاح کرو کیونکہ کنواری لڑکی شیریں دہن والی، زیادہ بچے جنمے اور کم پر راضی ہو جانے والی ہوتی ہیں۔"

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ثیبہ عورت سے نکاح کا ذکر ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا:

"بکر أم ثیب؛ قلت ثیب قال فهلا جاریة تلاعها وتلاعك" (بخاری، ۲۰/۷۶۰)

"[آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کنواری سے نکاح کیا ہے یا ثیبہ سے؟ میں نے جواب دیا کہ ثیبہ سے۔ فرمایا: کنواری سے کیوں نہ کیا تاکہ وہ تمہارے ساتھ اور تم اس کے ساتھ دل بہلاتے۔"

ان احادیث سے کنواری لڑکی سے نکاح کی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن دوسری طرف جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ سوائے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ثیبہ تھیں۔ ظاہر ہے کوئی مصلحت تھی تب ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی کثرت سے ثیبات سے نکاح فرمائے۔ اسی طرح دیگر روایات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ جواب بھی ملتا ہے کہ میری بہنیں وغیرہ ہیں اس لئے میں نے ثیبہ سے نکاح کیا (کہ وہ تجربہ کار ہوگی ان کی تربیت بھی کر لے گی)۔

لہذا مسئلہ کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ عام اوقات میں تو کنواری لڑکی کو ہی ترجیح دینا چاہیے کیونکہ ثیبہ میں بہت سے عوارض ہوتے ہیں جیسا کہ مرقاۃ (۶/۲۳۸ طر شیدیہ) پر ملاحظہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ ثیبہ عورت شوہر کے ان اوصاف کو برداشت نہیں کر پاتی جو پہلے شوہر سے مختلف ہوں، اسی طرح کم پر راضی نہیں ہو پاتیں نیز مرد بھی ایسی عورت سے جس کو پہلے بھی کسی نے چھوا ہو طبعاً کھچاؤ محسوس کرتا ہے لیکن مسئلہ کا دوسرا پہلو وہی ہے کہ مصالح کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اور دیگر بزرگان دین نے ایسے نکاح فرمائے ہیں لہذا اگر مصلحت اس کی متقاضی ہو کہ ثیبہ سے نکاح کیا جائے تو پھر یہ افضل ہوگا۔

بالخصوص ایسی لڑکیاں جو جوانی میں ہی ثیبہ ہو جائیں ان سے نکاح کو رواج دینا شرعاً ضروری ہے کیونکہ ان کا تاحیات بے نکاحی کی حالت میں رہنا خطرناک ہے چنانچہ کسی خاندان یا علاقے میں ایسی صورتحال ہو تو سر پرستوں کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے ان شاء اللہ دنیا و آخرت میں سرخروئی کا باعث بنے گا۔

## (۷۵۵) دو بھائیوں یا بہنوں کا ایک ساتھ نکاح کرنے کا حکم

### سوال

دو بھائیوں یا دو بہنوں کی شادی ایک ہی دن یا ایک ہی ساتھ کرنا کیسا ہے؟ یہاں اسے نحوست کی علامت سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دو میں سے ایک کا مستقبل خراب ہوگا نیز ایک ساتھ شادی دیگر کئی مفسد کو جنم دیتی ہے۔ آپ حضرات سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا شرعاً ایسا حکم ہے؟ ازراہ کرم شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

دو بھائیوں یا دو بہنوں کی شادی ایک ساتھ کرنا جائز ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، اسے منحوس سمجھنا جہالت ہے اور یہ کہنا کہ ایک کا مستقبل خراب ہوگا اپنی طرف سے انکل اور توہم پرستی کی بنیاد پر ہے۔ شریعت میں عمل کا جواز اور عدم جواز برکت کا باعث ہوتا ہے نہ کہ کوئی دن یا اور کوئی عارض..... لہذا اگر نکاح سنت کے مطابق کیا جائے۔ اس میں بے پردگی، فوٹو گرافی، ڈھول باجے اور دیگر منکرات نہ ہوں تو شرعاً یہ شادی بابرکت اور باعث ثواب ہے بصورت دیگر ایسے عقد کا برکت سے خالی ہونا قابل تامل نہیں۔

البتہ مسئلے کا ایک دوسرا پہلو ہے وہ یہ کہ بوقت عقد اگر دو دلہنیں بہنیں ہوں تو لوگ ان میں مقابلہ شروع کر دیتے ہیں اور دیگر غلط قسم کے توازن شروع کر دیتے ہیں اس سے متعلق حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کی ایک ساتھ شادی نہ کرنی چاہیے اپنے دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کی شادی جہاں تک ہو سکے ایک دم (یعنی ایک ساتھ) مت کرو کیونکہ بہوؤں میں فرق ضرور ہوگا خود لڑکوں اور لڑکیوں کی صورت میں بہت باتوں میں فرق ہو جاتا ہے اور لوگوں کی عادت ہے تذکرہ کرنے کی اور ایک کو گھٹانے اور دوسرے کو بڑھانے کی اس سے خواہ مخواہ دوسرے کا جی برا ہوتا ہے۔ بہشتی زیور“

(اسلامی شادی ص ۱۱)

لہذا مذکورہ بالا وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ عقد نہ کئے جائیں تو درست ہے البتہ اسے منحوس سمجھنا یا مستقبل خراب ہونے کی پیشین گوئیاں کرنا درست نہیں۔

## (۷۵۶) حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے پیغام نکاح

### سوال

مفتی صاحب! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھیجا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح قبول کیا، کیا تاریخ سے یہ بات ثابت ہے؟ اور اس کی وجہ کیا تھی کہ یہ نکاح کا پیغام رد کر دیا گیا؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے:

وعن بريدة بن الحنفية قال: خطب أبو بكر وعمر رضي الله عنهما فاطمة رضي الله عنها فقال رسول الله صلى

الله عليه وسلم: "إنها صغيرة" ثم خطبها علي فزوجها منه. رواه النسائي (مشکوٰۃ، ۲/۵۶۵)

”حضرت بريدة رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجا تھا آپ



ﷺ نے فرمایا: نہیں، فاطمہ چھوٹی ہیں۔“

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے شیخین رضی اللہ عنہما کے پیغام نکاح کو قبول نہیں فرمایا اور بظاہر اس کی وجہ عمر کا تفاوت تھا کیونکہ منع کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”إنھا صغیرة“ فاطمہ چھوٹی ہیں۔

البتہ یہ احتمال ہے کہ قرون اولیٰ میں عمر کے تفاوت کے ساتھ شادیوں کا رواج تھا لہذا منع کرنے کی کوئی اور وجہ بھی ہو۔ ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان و علی رضوان اللہ علیہما اجمعین کو عنقریب خلفاء بنا تھا اور ان چاروں کا آپ ﷺ سے خصوصی تعلق تھا۔ ان میں سے ابتدائی دو کی صاحبزادیاں آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں اور آخری دو (عثمان و علی رضی اللہ عنہما) میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح فرما چکے تھے لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی داماد بننے کے اس شرف سے مشرف فرمانا تھا لہذا آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رشتہ قبول فرمایا۔

## (۷۵۷) قادیانی لڑکی سے نکاح میں اولاد کی دعا کرنا

### سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص نے قادیانی لڑکی سے شادی کی۔ ابھی دو سال کا عرصہ گزرا ہے۔ وہ ہمارے علاقے کے پیر صاحب کے پاس آیا اور اولاد کیلئے دعا کا کہا۔ پیر صاحب نے دعا کر دی۔ مجھے یہ تردد تھا کہ قادیانی عورت کیلئے بچے کی دعا کرنا درست ہے یا نہیں؟ وہ شخص خود سنی ہے قادیانی لڑکی کے جال میں پھنس گیا ہے۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

ایک مسلمان سنی شخص کا نکاح مرتد قادیانی عورت سے منع نہیں ہوتا۔ وہ دونوں حرام کاری کے مرتکب ہیں۔ علاقے کے بااثر لوگوں کو چاہئے کہ ان کو علیحدہ کریں نیز لڑکے کو اس عمل کی قباحت و شاعت نیز قادیانیت کے مکرو فریب سے آگاہ کریں۔ یہ دونوں چونکہ حرام کے مرتکب ہیں اس لئے ان کی یکجائی سے اولاد کیلئے دعا کرنا ایک حرام میں تقویت و تائید ہے جو کہ ناجائز ہے لہذا ایسی دعا کرنے سے اجتناب کیا جائے اور ان دونوں کو علیحدگی پر مجبور کیا جائے۔

## (۷۵۸) ”لم تر للمتحابین مثل النکاح“ اس حدیث کا مطلب

### سؤال

مفتی صاحب! میں ایک دینی مدرسے میں ”مشکوٰۃ شریف“ کا طالب علم ہوں۔ ہمارے استاد صاحب نے جب کتاب النکاح

کی جلد ثانی شروع کروائی تو اس کی ابتداء میں ہی یہ روایت تھی "لم تر للمتحابین مثل النکاح" مجھے اس حدیث کے معنی سمجھ نہ آئے۔ حاشیہ دیکھا تو وہاں لکھا تھا:

"إذا أحب رجل امرأة بها فالتعشيق ألدو أزيد في الألفة والالتيام ويمكن أن يراد القاصدين

للتحاب فتزوجه إياها يورث ازدياد المحبة فالنكاح بعد المحبة أيضا لمعات"

جناب والا میں سخت پریشان ہوا کیونکہ بظاہر اس تشریح کے مطابق حدیث کا مطلب یہ بنتا ہے کہ جو لڑکا، لڑکی پہلے سے عشق مجازی میں مبتلا ہوں اور محبت کرتے ہوں وہ نکاح کر لیں اس سے محبت اور بڑھ جائے گی جبکہ نکاح سے قبل تو لڑکی کا خیال ذہن میں لانا حرام ہے۔ آپ بتائیں کہ کیا یہ تشریح میں صحیح سمجھا ہوں، ورنہ حدیث کا صحیح مطلب واضح فرما کر میرا دلخیاں دور فرمائیں اور محشی کیا کہنا چاہتا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

حدیث کا اصل مصداق محشی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی تشریح ہے کہ نکاح محبت کو بڑھاتا ہے یعنی اگر دو قوموں کے درمیان بغض و عداوت ہو تو نکاح ہوتے ہی دونوں قومیں آپس میں محبت کرنے لگتی ہیں اور میاں، بیوی کے درمیان بھی محبت ہو جاتی ہے اور جو دوسری تشریح ہے وہ علاج ہے کہ اگر کسی مرد کو عورت سے محبت ہو جائے تو اس کا پورا کرنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنی محبت کو ناجائز طریقے سے پورا کرے جس کی وجہ سے آدمی محرمات میں مبتلا ہوگا، بغض و عداوت پیدا ہوگی، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس عورت کے ساتھ نکاح کرے جس سے محبت میں اور اضافہ ہوگا لہذا حدیث پاک میں اس صورت کی طرف اشارہ ہے کہ اگر بالفرض کوئی عشق مجازی میں مبتلا ہو گیا تو جائز طریقے سے نکاح کر کے اس محبت میں اضافہ کرے۔ اس کو عشق مجازی کے جواز پر دلیل بنانا قطعاً درست نہیں۔

لما فی حاشیة المشکوٰة (۲/۲۶۸) کتاب النکاح (ط قدیمی): قوله "لم تر للمتحابین" خطاب عام ای

یزید وصلة النکاح المحبة وکثیراً ما یکون بین قوم تباعض فاذا حصلت وصلة النکاح تحابوا

فلا جرم اذا كانت المحبة ثابتة زادت بها وقيل اذا أحب رجل امرأة وعشق بها فالتعشيق ألدو

أزيد في الألفة والالتيام ويمكن أن يراد القاصدين للتحاب فتزوجه إياها يورث المنحة

فالنکاح بعد المحبة أيضا۔

وفی فیض القدير (۵/۲۷۶) کتاب النکاح: ای اذا نظر رجل لأجنبية وأخذت بنجامع قلبه فنکاحها

يورثه مزيد المحبة کذا ذکره الطیبی وأفصح منه قول بعض الأكابر المراد أن أعظم الأدوية التي

يعالج بها التعشيق النکاح فهو علاجه الذي لا یعدل عنه لغيره ما وجد إليه سبیلا وهذا هو المعنى

الذي أشار إليه سبحانه عقب إحلال النساء الخ۔

وفی التیسیر شرح الجامع الصغیر (۵/۵۸۴): (للمتحابین مثل النکاح) أراد أن أعظم الأدویة التي (يعالج بها العشق) النکاح فهو علاجه الذي لا يعدل عنه لغيره إذا وجد إليه سبيلا۔

## (۷۵۹) یتیم بچوں کی شادی کیلئے سود پر رقم رکھنا

### سوال

مفتی صاحب! ایک شخص کو ۳ سے ۴ یتیم بچوں کی شادیاں کرانی ہیں۔ وہ شخص اپنا پیسہ بینک میں اس نیت سے رکھتا ہے کہ سود آئے گا تو اگرچہ استعمال جائز نہ ہو لیکن ان یتیموں کی شادیوں میں لگا دوں گا۔ کیا اس کا یہ طرز عمل درست ہے؟ کیا حرام مال سے یتیموں کی شادیاں کرانا جائز ہے؟

### الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت نے انسان کیلئے زندگی گزارنا انتہائی آسان بنایا ہے، خصوصاً شادی کے معاملے میں شریعت کا طریقہ کار بے انتہا سادگی اور بے تکلفی کا ہے۔ دور نبوی میں بہت سے مقررین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شادیاں ہوئیں لیکن انتہائی خاموشی سے حتیٰ کہ آپ ﷺ کو بھی ان کا علم نہ ہو پاتا۔ آج ہم نے شادی کو اتنا مشکل بنا دیا ہے کہ جائز ناجائز، حرام و حلال کسی بھی طریقے سے پیسے جمع کرنا اس فطری تقاضے کو پورا کرنے کیلئے ضروری ہو گیا ہے۔

یتیموں کی شادیاں کرانا انتہائی ثواب اور برکت کا باعث ہے لیکن صرف مقصد اور انجام کا خوشنما ہونا ہی شرعاً اس عمل کے جواز کیلئے کافی نہیں شرعاً وہ طریقہ بھی حلال اور جائز ہونا ضروری ہے جو مقصد تک پہنچا رہا ہے چنانچہ اس شخص کو چاہئے کہ یتیموں کے رشتے باشرع شریف گھرانوں میں شرعی طریقے کے مطابق کر دے اور یہ مشکوک طریقے اپنانے سے پرہیز کرے لہذا صورت مسئلہ میں بالقصد اسی نیت سے پیسے رکھنا اور سود کی رقم حاصل کرنا جائز نہیں اور اس رقم سے شادی کرنا درست نہیں۔

## (۷۶۰) غیر شرعی شادی میں عدم شرکت پر ناراضگی

### سوال

مفتی صاحب! میرے ایک دوست کی شادی میں گانا بجانا وغیرہ غیر شرعی امور کا ارتکاب تھا، میں نہیں گیا۔ اب وہ دوست ناراض ہو رہا ہے۔ کیا مجھے شادی میں جانا چاہئے تھا؟ اور کیا یہ دعوت سنت دعوت کہلائے گی اور کسی کی خوشی کیلئے ایسی تقاریب میں شرکت کی گنجائش ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

ملفوظ رہے کہ ہر تقریب میں شرکت مسنون نہیں بلکہ فضول تقاریب میں شرکت بھی فضول اور بے کار ہے۔ آپ کو اپنے دوست سے شادی سے قبل بات کرنی چاہیے تھی اور اسے اسلامی اور شرعی نقطہ نظر سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے مطابق شادی کرنے کی دعوت دینی چاہیے تھی بصورت دیگر عدم شرکت کی یاد دہانی کر دیتے۔ اس طرح مسئلہ سلجھ سکتا تھا۔

لیکن اب بھی آپ کیلئے شرکت جائز نہ تھی اور آپ نے شریک نہ ہو کر صحیح اقدام کیا ہے۔ کسی کو خوش کرنے کیلئے اپنے رب کو ناراض کرنا جائز نہیں۔ اپنے دوست کو اپنے موقف سے آگاہ کر دیں اگر وہ پھر بھی ناراض ہوتا ہے تو آپ پر کوئی الزام نہیں۔ بہر حال گانے بجانے، فونوگرانی والی تقاریب میں (جب پہلے سے معلوم ہو کہ یہ چیزیں محفل میں ہوں گی) شرکت کی گنجائش نہیں۔

## کتاب الرضاع

### (رضاعت کے مسائل کا بیان) ۱

#### (۷۶۱) شرعاً مدت رضاعت کتنی ہے؟

##### سوال

مفتی صاحب! قرآن شریف میں "حولین کاملین" مدت رضاعت کے بارے میں آیا ہے جس سے دو سال مدت رضاعت معلوم ہوتی ہے۔ دوسری جگہ "وحملہ وفضالہ ثلاثون شهرا" وارد ہوا ہے، جس سے اڑھائی سال معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں میں وجہ تطبیق کیا ہے اور کس پر عمل کیا جائے؟

##### الجواب بعون الملک الوہاب

ان دو آیات میں راجح تطبیق یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت مبارکہ "حولین کاملین" میں صرف مدت رضاعت کا بیان ہے۔ سورت "احقاف" کی آیت مبارکہ میں حضرت علی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالے سے یہ تطبیق بیان کی گئی ہے کہ مدت رضاعت سورۃ النساء کی آیت سے معلوم ہوگئی ہے جو کہ دو سال ہے اور چھ مہینے اقل مدت حمل ہے، سورت الاحقاف کی آیت مبارکہ "وحملہ وفضالہ ثلاثون شهرا" میں دونوں کا ذکر ہے۔

الغرض مدت رضاعت دو سال ہے، جس کا ذکر سورت النساء کی آیت میں ہے اور سورت الاحقاف کی آیت میں جو ڈھائی سال کا ذکر ہے اس میں دو سال رضاعت اور چھ ماہ اقل مدت حمل دونوں کا ذکر ہے۔ گویا مدت رضاعت فقط دو سال ہے، جس کی تائید احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: "لا رضاع الا ما کان فی الحولین" کہ مدت رضاعت دو سال ہے۔

ملیہاں "کتاب الرضاع" میں ان مسائل کا ذکر مقصود ہے جن صورتوں میں رضاعت کا ثبوت ہو جاتا ہے اور جن صورتوں میں ثبوت نہیں ہوتا۔ نجم الفتاویٰ جلد رابع ۴/۱۵ پر جو "فصل فی المحرمات بالرضاع" انگریزی ہے اس کا مقصد ان عورتوں کا ذکر تھا جن سے رضاعت کے بسبب نکاح حرام ہو جاتا ہے، یہ دونوں مستقل عنوان ہیں اور یہی فقہی ترتیب ہے لہذا نجم الفتاویٰ کی ترتیب میں بھی اسی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ از مرتب



ہے۔ اب کئی سال بعد روشن جان کہتی ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ دودھ پلایا ہے یا نہیں اور یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے عمر النساء سے کہا ہے کہ میں نے تمہاری پچی کو دودھ پلایا تھا کیونکہ کافی عرصہ پرانی بات ہے۔

نیز ایک اور عورت زینب بھی کہتی ہے کہ روشن جان نے اس کی پچی کو دودھ پلایا ہے لیکن روشن جان کہتی ہے مجھے یاد نہیں۔ کیا اس سے رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

رضاعت کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ رضاعت کی گواہی دینے والے دو عادل مرد ہوں یا دو عورتیں اور ایک مرد عادل ہو، تو پھر ان کی گواہی معتبر ہوگی لہذا صورت مسؤلہ میں روشن جان کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ روشن جان نے عمر النساء کی پچی کو دودھ پلایا ہے جبکہ روشن جان خود کہہ رہی ہے کہ مجھے یاد نہیں۔ دوسری عورت زینب کہتی ہے کہ روشن جان نے عمر النساء کی پچی کو دودھ پلایا ہے اور روشن جان اس کی بات کا انکار کر رہی ہے کہ مجھے یاد نہیں لہذا مذکورہ صورت میں رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

نوٹ: اگر یہ شبہ نکاح سے پہلے ہوا ہے تو احتیاطاً نکاح نہ کیا جائے لیکن اگر شبہ نکاح کے بعد ہوا ہے تو اس صورت میں ثبوت رضاعت کیلئے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے جو کہ موجود نہیں لہذا رضاعت کا حکم نہیں لگے گا۔

لمافی الدرالمختار (۲۲۲/۳) کتاب الرضاع : وإن ثبت علیه فرق بينهما (و) الرضاع (حجته حجة المال) وهي شهادة عدلين أو عدل وعدلتان، لكن لا تقع الفرقة إلا بتفريق القاضي لتضمنها حق العبد (وهل يتوقف ثبوته على دعوى المرأة؛ الظاهر لا) لتضمنها حرمة الفرج وهي من حقوقه تعالى (كما في الشهادة بطلاقها) ولو شهد عندهما عدلان على الرضاع بينهما أو طلاقها ثلاثاً وهو يجحد ثم ماتا أو غابا قبل الشهادة عند القاضي لا يسعها المقام معه ولا قتله به يفتي، ولا التزوج بآخر. وقيل لها التزوج ديانة شرح وهبانية۔۔۔ [فروع]: قضى القاضي بالتفريق برضاع بشهادة امرأتين لم ينفذ.

وفى الرد تحتہ: قوله (وهي شهادة عدلين الخ) أي من الرجال وأفاد أنه لا يثبت بخبر الواحد امرأة كان أو رجلاً قبل العقد أو بعده وبه صرح في الكافي والنهاية تبعاً لما في رضاء الخانية لو شهدت به امرأة قبل النكاح فهو في سعة من تكذيبها لكن في محرّمات الخانية إن كان قبله والمخير عدل ثقة لا يجوز النكاح وإن بعده وهما كبيران فالأحوط التنزه وبه جزم البزازي معللاً بأن الشك في الأول وقع في الجواز وفي الثاني في البطلان والدفء أسهل من الرفع۔

## (۷۶۳) شک کی بنا پر رضاعت کا حکم

## سوال

ایک عورت کہتی ہے کہ میں سو رہی تھی۔ جب میری آنکھ کھلی تو دیکھتی ہوں کہ ایک کم سن بچہ (جو کہ اس کی بہن کا بیٹا تھا) میری پستان کو منہ میں لئے ہوئے تھا۔ اب مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس نے کتنا دودھ پیا؟ پیا بھی یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ کیا وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس بچے سے کرا سکتی ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

رضاعت کے ثبوت کیلئے بچہ کے دودھ پینے کا یقین ہونا ضروری ہے صرف شک کی بناء پر رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہذا صورت مسئلہ میں رضاعت ثابت نہیں ہوئی البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورت اپنی بیٹی کا نکاح اس بچے سے نہ کرائے۔

لما فی الہندیۃ (۱/۳۲۳): المرأة إذا جعلت ثدیہا فی فم الصبی ولا تعرف أمص اللبن أمر لا ففی القضاء لا تثبت الحرمة بالشک و فی الاحتیاط تثبت۔

وفیہ أيضاً (۱/۳۲۵): وكذا الصغیرة إذا جاءت إلى الكبیرة وھی نائمة فأخذت ثدیہا وارتضعت منها بانثامنه ولكل واحدة منهما نصف الصداق ولا یرجع به علی أحد كذا فی السراج النواہج۔

## (۷۶۴) دو سال کے بعد تک بچے کو دودھ پلانے کا حکم

## سوال

ایک عورت کے پانچ بچے ہیں۔ تین بچوں کی عمریں تین سال سے زائد ہیں اور دو بچوں کی عمر دو سال سے کم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کو عورت دودھ پلاتی ہے۔ ساتھ ساتھ بڑے بچے بھی آ کر دودھ پی لیتے ہیں۔ عورت ان کو روکتی نہیں ہے جبکہ میں نے سنا ہے کہ فقط دو سال تک دودھ پلانا چاہیے، تو کیا اس عورت کا یہ عمل جائز ہے؟ کیا عورت بڑے بچوں کو دودھ پینے سے روکے؟ اگر نہ روکے تو گناہ گار ہوگی یا نہیں؟ کیا دودھ چھوٹے بچوں کا حق ہے؟ میرے ایک جاننے والے کہتے ہیں کہ قیامت کے دن چھوٹے بچے اپنی ماں سے اپنا حق مانگیں گے کہ ہم چھوٹے تھے تو ہمارا دودھ بڑے پی جاتے تھے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ دلائل کے ساتھ جواب دیں۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

بچوں کو دودھ پلانے کی مدت جمہور فقہاء کے نزدیک دو سال ہے۔ یہی قول مفتی یہ ہے۔ مدت رضاعت کے بعد بچوں کو دودھ



پلانا جائز نہیں البتہ اگر دو سال پورے ہونے پر بھی بچہ دودھ کے علاوہ کوئی اور غذا نہ کھائے تو مزید چھ ماہ دودھ پلانے کی گنجائش ہے۔ ڈھائی سال کے بعد دودھ پلانا بہر صورت بالاتفاق ناجائز ہے لہذا اس عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے بڑے بچوں کو روکے، نہ روکنے کی صورت میں گناہ گار ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ بچے کیلئے دودھ کا انتظام کرنا باپ پر واجب ہے البتہ اگر باپ انتظام پر قادر نہ ہو تو پھر ماں پر واجب ہے کہ دودھ پلائے۔ ظاہر بات ہے کہ ترک واجب بغیر عذر کے ہو تو عند اللہ اس کی پکڑ ہوگی، لیکن یہ بات درست نہیں ہے کہ بچے ماں سے دودھ کے متعلق اپنا حق مانگیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی دوسری عورت اس بچے کو دودھ پلائے اور ماں بالکل بھی نہ پلائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں نیز اگر باپ انتظام پر قادر ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب ہی نہیں، لہذا بچوں کا قیامت کے دن سوال کرنا بے معنی بات ہے جو کسی روایت سے بھی ثابت نہیں ہوتی۔

لمافی الدر المختار (۲/۳۰۹): باب الرضاع۔ (هو) لغة بفتح وكسر مص. الثدي وشرعا (مص من ثدي آدمية) ولو بکرا أو ميتة أو آيسة وألحق بالمص. الوجور والسعوط (في وقت مخصوص) هو (حولان ونصف عنده وحولان) فقط (عندهما وهو الأصح). فتح وبه يفتى كما في تصحيح القدوري عن العون. لكن في الجوهرة أنه في الحولين ونصف ولو بعد الفطام محرم وعليه الفتوى --- ثم الخلاف في التحريم أما لزوم أجر الرضاع للمطلقة فمقدر بحولين بالإجماع --- (ولم يبيح الإرضاع بعد مدته) لأنه جزء آدمي والانتفاء به لغير ضرورة حرام على الصحيح شرح الوهبانية۔

وفي الرد تحت: قوله (لكن الخ) استدراك على قوله وبه يفتى وحاصله أنهما قولان. أفتى بكل منهما ط --- (۲/۲۱۱) قوله (ولم يبيح الإرضاع بعد مدته) اقتصر عليه الزيلي وهو الصحيح كما في شرح المنظومة بجر لكن في القهستاني عن المحيط لو استغنى في حولين حل الإرضاع بعدهما إلى نصف ولا تأثم عند العامة خلافا لخلف بن يعقوب اه ونقل أيضا قبله عنه إجازة القاعدي أنه واجب إلى الاستغناء ومستحب إلى حولين وجائز إلى حولين ونصف اه  
وفي الدر المختار (۲/۶۱۸): (وليس على أمه إرضاعه) قضاء بل ديانة (إلا إذا تعينت) فتجبر كما مر في الحضانة وكذا الظئر تجبر على إبقاء الإجازة بزانية (ويستأجر الأب من ترضعه عندها) لأن الحضانة لها والنفقة عليه۔

وفي الرد تحت: قوله (إلا إذا تعينت) بأن لم يجد الأب من ترضعه أو كان الولد لا يأخذ ثدي غيرها وهذا هو الأصح وعليه الفتوى خانية ومجتبي وهو الاصوب، فتح --- وفيه عن الخانية

وان لم یکن للأب ولا للولد مال تجبر الأم علی إرضاعه عند الكل اهـ۔

## (۷۶۵) عذر کی وجہ سے دو سال سے قبل دودھ چھڑانے کا حکم

### سؤال

ایک عورت ہے اس کی ایک بچی ہے، جو کہ ایک سال کی ہے اور دودھ پینے والی ہے۔ اب اس دوران اس عورت کو حمل ہوا جو کہ چار مہینے کا ہے تو کیا اس حمل کے دوران یہ عورت اس ایک سالہ بچی کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

قرآن و سنت نے بچے کا یہ حق مقرر کیا ہے کہ اس کو دو سال تک ماں کا دودھ ملتا رہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس مدت میں اس کو یہ حق ملتا رہے چاہے مدت حمل ہی کیوں نہ ہو البتہ حمل کی وجہ سے اکثر دودھ میں تغیر آجاتا ہے لہذا اگر بچے کیلئے ماں کا دودھ پینا مضر صحت ہو یا ماں کو حمل کی وجہ سے بچے کو دودھ پلانے میں تکلیف ہو تو مقررہ وقت سے پہلے بھی بچے کا دودھ چھڑایا جاسکتا ہے۔

لہافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۳) وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ۔ الآیة۔

وفی مشکوٰۃ المصابیح (۲/۲۷۶): وعن جذامة بنت وهب رضی اللہ عنہا قالت: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی أناس وهو یقول: "لقد هممت أن أنھی عن الغیلة فنظرت فی الروم وفارس فإذا هم یغیلون أولادهم فلا یضر أولادهم ذلك شیئا". ثم سألوہ عن العزل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ذلك الواد الخفی وهي (وإذا المؤوودة سئلت)۔"

وفی مرقاة المفاتیح (۶/۲۳۸): وفي النهاية الغیلة بالكسر الاسم من الغیل وبالفتح هو أن یجامع الرجل زوجته وهي مرضعة وكذلك إذا حملت وهي مرضع وقیل كلاهما بمعنی وقیل الكسر للاسم والفتح للمرة وقیل لا یصح الفتح إلا مع حذف التاء اه قال یحیی قال مالک الغیلة أن یمس الرجل امرأته وهي ترضع اه تابعه الأصمعی وغیره من أهل اللغة وقال ابن السکیت ان ترضع وهي حامل۔

## (۷۶۶) شوہر کی اجازت کے بغیر کسی بچے کو دودھ پلانا

### سؤال

اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی شیر خوار بچے کو دودھ پلایا تو یہ بچہ بھی کیا اس کے خاندان کا محرم ہو گیا یا نہیں اور کیا عورت اس طرح گناہ گار ہوگی یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

عورت کیلئے اپنے شوہر سے پوچھے بغیر کسی بچے کو بلا ضرورت دودھ پلانے کو فقہاء کرام رحمہم اللہ نے مکروہ لکھا ہے۔ جب بچہ اس قابل ہو کہ اس کے دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہو (یعنی دو سال سے چھوٹا ہو) تو دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کے اصول و فروع اس بچے کیلئے محرم ہوں گے۔ اصول سے دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کے والدین وغیرہ اور فروع سے ان کی اولاد وغیرہ مراد ہیں۔

لما فی الہندیۃ (۲/۲۳۳): یحرم علی الرضیع أبواہ من الرضاع وأصولہما وفروعہما من النسب والرضاع جمیعا حتی أن المرضعة لو ولدت من هذا الرجل أو غیرہ قبل هذا الإرضاع أو بعده أو أرضعت رضیعا أو ولد لهذا الرجل من غیر هذه المرأة قبل هذا الإرضاع أو بعده أو أرضعت امرأة من لبنه رضیعا فالکل إخوة الرضیعی وأخواته وأولادہم أولاد إخوتہ وأخواتہ وأخو الرجل عمہ وأختہ عمتہ وأخو المرضعة خالہ وأختہا خالتہ وكذا فی الجد والجدة وتثبت حرمة المصاهرة فی الرضاع حتی أن امرأة الرجل حرام علی الرضیعی وامرأة الرضیعی حرام علی الرجل وعلی هذا القیاس۔ الخ۔

وفی الشامیۃ (۲/۲۱۳): وفی البحر عن الخانیۃ یکرہ للمرأة أن ترضع صبیا بلا إذن زوجها إلا إذا خافت ہلاکہ۔

## (۷۶۷) دودھ پیتے بچے کی خاطر مانع حمل ادویات استعمال کرنا

### سؤال

بچے کو دو سال تک دودھ پلانا شریعت کا حکم ہے لیکن اگر نفاس کے ختم ہونے کے بعد بیوی دوبارہ حاملہ ہو جائے تو پہلے بچے کیلئے

دودھ پلانے کے دو سال پورے نہیں ہو سکتے لہذا احتیاط کرنا پڑتی ہے، چنانچہ اس غرض سے کوئی شخص اگر بچے کی ولادت کے بعد حمل کو نہ ٹھہرنے دے اور مانع حمل دوائیں استعمال کرے تو اس کے لئے یہ جائز ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

ماں کو چاہئے کہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کو دو سال تک خود دودھ پلائے لیکن اگر ماں خود نہ پلا سکتی ہو تو باپ کو چاہئے کہ کسی اور خاتون کو دودھ پلانے کیلئے مقرر کر لے لہذا صورت مسئلہ میں بہتر صورت یہ ہی ہے کہ کسی خاتون کو دودھ پلانے کیلئے مقرر کر لیں البتہ اگر ماں بچہ کو دودھ پلانے کیلئے عارضی طور پر مانع حمل ادویہ شوہر کی اجازت سے استعمال کرے تو شرعاً گنجائش ہے، لیکن مستقل طور پر حمل ٹھہرنے کی صلاحیت کو ختم کرنا جائز نہیں۔

لمافی البخاری (۷۸۲/۲): عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال أصبنا سبياً فكننا نعزل فسألنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال أوإنكم لتفعلون قالها ثلاثاً ما من نسمة كائنة إلى يوم القيامة إلا هي كائنة۔

وفى الشامية (۱۷۶/۳): [تنبيه] أخذ في النهر من هذا ومما قدمه الشارح عن الخائبة والكمال أنه يجوز لها سد رحمتها كما تفعله النساء مخالفاً لما بحثه في البحر من أنه ينبغي أن يكون حراماً بغير إذن الزوج قياساً على عزله بغير إذنها قلت لكن في البزازية أن له منع امرأته عن العزل اھـ نعم النظر إلى فساد الزمان يفيد الجواز من الجانبين فما في البحر مبني على ما هو أصل المذهب وما في النهر على ما قاله المشايخ والله موفق۔

وفى الفقه الاسلامي (۲۶۲۲/۳): ولا خلاف بين العلماء ما عدا ابن حزم الظاهري أنه يجوز العزل عن الزوجة، بشرط إذنها، بدليل قول جابر رضي الله عنه: كنا نعزل على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فبلغه ذلك، فلم ينهنا ودليل اشتراط الإذن مارواه أحمد وابن ماجه عن عمر رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم نهي عن أن يعزل عن الحرة، إلا بإذنها۔

إلا أن الشافعية والحنابلة وقوماً من الصحابة قالوا بکراهة العزل؛ لأن الرسول صلى الله عليه وسلم في حديث مسلم عن عائشة رضی الله عنها سماه الواد الخفي، فحمل النهي على كراهة التنزيه. وأجاز الغزالي العزل لأسباب منها كثرة الأولاد وبناء عليه يجوز استعمال موانع الحمل الحديثة كالحبوب وغيرها لفترة مؤقتة، دون أن يترتب عليه استئصال إمكان الحمل، وصلاحية الإنجاب، قال الزركشي: يجوز استعمال الدواء لمنع الحمل في وقت دون وقت

کالعزل، ولا يجوز التداؤني لمنع الحمل بالكلية. أو ربط عروق المبايض إذا ترتب عليه امتناع الحمل في المستقبل، والعبرة في ذلك لغلبة الظن، أي احتمال ما فوق 50%. وكذلك الحكم في تعقيم الرجل.

## (۷۶۸) عورت کا دودھ کھانے میں ملا کر دینے سے رضاعت کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک بچہ کو مدت رضاعت میں کھانے میں اجنبیہ عورت کا دودھ ملا کر دیا گیا، بچہ نے وہ کھانا کھالیا، تو کیا اس صورت میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کسی عورت کے دودھ کو کھانے کے ساتھ ملا یا جائے پھر وہ کھانا کسی بچہ کو مدت رضاعت میں کھلایا جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہذا صورت مسئلہ میں جس بچہ کو اجنبیہ کا دودھ کھانے میں ملا کر دیا گیا ہے اور بچے نے وہ کھانا کھالیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

لمافی الهندية (۳۳۳/۱): وإذا اختلط اللبن بالطعام فإن كانت النار قد مست اللبن وأنضجت الطعام حتى تغير فلا يحرم سواء كان اللبن غالباً أو مغلوباً وإن كانت النار لم تمسه فإن كان الطعام غالباً لم تثبت الحرمة به أيضاً وإن كان اللبن غالباً فكذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى لأنه إذا خلط المائع بالجامد صار المائع تبعاً فخرج من أن يكون مشروباً حتى قالوا لو كان الطعام قليلاً وبقي اللبن مشروباً تثبت به حرمة الرضاع وقيل هذا إذا كان لا يتقاطر اللبن من الطعام عند حمل اللقمة وأما إذا كان يتقاطر منه اللبن تثبت به الحرمة عنده لأن القطرة من اللبن إذا دخلت حلق الصبي تكفي لثبوت الحرمة والأصح أنها لا تثبت بكل حال عنده كذا في الكافي وهو الصحيح لأن التغذية بالطعام هكذا في الهداية -

## (۷۶۹) کسی عورت کا دودھ پیالے میں پی لینے سے حرمت کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! کیا حرمت رضاعت کے ثبوت کیلئے بچہ کو مدت رضاعت میں اجنبیہ عورت کے پستانوں کو منہ لگا کر دودھ

پینا ضروری ہے؟ اگر کوئی بچہ کسی اجنبیہ عورت کا دودھ جو کہ پیالے میں ہے، پی لے تو اس صورت میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

حرمت کی اصل علت جزئیت ہے اور جزئیت مدت رضاعت میں فقط دودھ پینے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دودھ مدت رضاعت میں گوشت اور ہڈیوں کی نشوونما کا ذریعہ ہے۔ یہ عام ہے کہ وہ دودھ بچہ عورت کے پستانوں کو منہ لگا کر پیئے یا پیالے میں نکلا ہوا پیئے۔ جزئیت کے ثابت ہو جانے کی بناء پر حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی لہذا پیالے میں نکلے دودھ کو مدت رضاعت میں پی لینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

لسانی الہندیة (۱/۲۲۲) : وکما یحصل الرضاع بالمص من الثدي یحصل بالصب والسعوط والوجور

کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

وفی الدر المختار (۳/۲۱۸) : (وکذا) یحرم (لبن میتة) ولو محلوبا۔

وفی الرد تحتہ: قوله (ولو محلوبا) سواء حلب قبل موتها فشربه الصبي بعد موتها أو حلب بعد موتها بجر۔

وفی الشامیة (۲/۲۰۹) : وجعل الوجور والسعوط ملحقین بالمص۔

وفیہ ایضا (۲/۲۲۰) : قوله (وکذا لو أوجره) أي لبن الكبيرة رجل فی فیہا أي الصغيرة وأشار إلى أن

الحرمة لا تتوقف على الإرضاع بل المدار على وصول لبن الكبيرة إلى جوف الصغيرة فتبین کلاهما منہ۔

## (۷۷۰) دودھ کے ساتھ کچھ ملادیا گیا ہو تو اعتباراً غلب کا ہوگا

### سؤال

مفتی صاحب! ایک عورت نے اپنی سہیلی کے بیٹے کو اپنا دودھ پلایا۔ اس طرح کہ فیڈر (بچوں کی دودھ پینے کی شیشی) میں اپنا دودھ نکالا اور بازار میں ملنے والے خشک دودھ کے دو تچے اور تھوڑا سا پانی بھی اُس میں ملا دیا۔ آیا یہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں کہلائے گی یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں اگر اس عورت کا دودھ، خشک دودھ سے مقدار میں زیادہ ہو تو رضاعت ثابت ہو جائے گی اور یہ عورت اس

بچے کی رضاعی ماں کہلائے گی اور اگر عورت کا دودھ، خشک دودھ سے کم ہو تو رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

لمافی الہندیۃ (۳۳۳/۱): ولو خلط لبن المرأة بالماء أو بالدواء أو بلبن البهيمۃ فالعبرة للغالب كذا فی الظہیریۃ۔

وفی الشامیۃ (۲۱۸/۳): قوله ( ومخلوط ) عطف علی لبن میتة أي وكذا یحرم لبن امرأة مخلوط بماء الخ اھ ح ومثل الماء كل مائه بل والجامد كذلك ہ أفادہ فی النھرط۔

## (۷۷۱) مخلوط دودھ میں اغلب اور خالص میں ایک قطرے سے رضاعت پر شبہ کا جواب

### سؤال

ایک عورت نے بکری کے دودھ کے ساتھ اپنا دودھ ملا کر ایک بچے کو پلایا۔ اب اس لڑکے کے ساتھ وہ عورت اپنی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتی ہے تو کر سکتی ہے؟ میں نے سنا ہے کہ اگر ماں کا دودھ غالب ہو تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں پر اگر عورت کا دودھ، بکری کے دودھ کے مقابلہ میں کم ہو تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، جبکہ دوسری جگہ اگر بچہ ایک قطرہ بھی پی لے تو رضاعت ثابت ہو جاتی ہے دونوں میں فرق کیوں ہے؟ کیا یہ درست ہے؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مذکورہ میں اگر عورت کا دودھ بکری کے دودھ پر غالب یا اس کے مساوی تھا تب تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی اور اس لڑکے کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن اگر عورت کا دودھ بکری کے دودھ سے کم تھا تو پھر جائز ہے۔ عورت کے دودھ کا خالص ایک قطرہ پینے کی صورت میں حرمت اس لئے ثابت ہوتی ہے کہ وہ دودھ خالص عورت ہی کا ہوتا ہے جس سے بچہ کی نشوونما ہوتی ہے۔ مخلوط ہونے کی صورت میں غالب کا اعتبار کیا جاتا ہے جس کے اجزاء زیادہ اور غالب ہوتے ہیں وہی معتبر شمار ہوتا ہے اور اسی سے نشوونما ہوتی ہے لہذا یہ غلبہ والی بات درست ہے کیونکہ مغلوب مستحکم کی طرح ہوتا ہے اور اس سے نفع اٹھانا باقی نہیں رہتا، یعنی یہ کالعدم ہے لہذا اس کے استعمال کو عورت کے دودھ کا استعمال نہیں کہیں گے بلکہ اقل کالعدم ہوگا اور رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

لمافی الخلاصۃ (۱۱/۲): ولو خلط لبن امرأة بلبن الشاة أو بالدواء أو بالماء فالعبرة للغالب ان كان اللبن غالباً یثبت الرضاع والا فلا۔

وفی الہندیۃ (۳۳۳/۱) ولو خلط لبن الادمی بلبن الشاة ولبن الادمی غالب تثبت الحرمة۔  
وفی الدرالمختار (۲۱۸/۳): ( ومخلوط بماء أو دواء أو لبن شاة إذا غلب لبن المرأة وكذا إذا استویا )  
إجماعاً لعدم الأولویۃ جوہرۃ۔

(۷۷۲) بوڑھی عورتوں کا پستان بچے کے منہ سے لگانے اور دودھ کا علم نہ ہو تو رضاعت کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! ہمارے یہاں ایک خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ خاندان کی بڑی بوڑھی عورتیں چھوٹے بچوں کو چپ کروانے کے لئے اپنا پستان بچے کے منہ میں ڈال دیتی ہیں اور اس سلسلے میں کوئی امتیاز بھی روا نہیں رکھا جاتا بلکہ بچے جس کا بھی ہو اور جہاں بھی ہو اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ نیز خاندان میں بچوں کی آپس میں شادیاں بھی کی جاتی ہیں۔ اب آپ شرعاً ان عورتوں کے اس عمل کا حکم بیان فرمائیں اور بچوں کی جو آپس میں شادیاں کی جاتی ہیں اس کا بھی حکم بیان فرمائیں۔

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر بچے نے عورت کا دودھ پیا ہو اور یقین بھی ہو تو اس عورت کے اصول و فروع سے نکاح کرنا بچے کیلئے حرام ہے۔ اگر بچے کے دودھ پینے میں شک ہو یا عورت کے پستان میں دودھ نہ ہو یا یہ معلوم نہ ہو کہ کس عورت نے دودھ پلایا ہے، ان تمام صورتوں میں بچے کیلئے نکاح کرنا جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ مشکوک جگہ میں نکاح نہ کیا جائے اسی طرح عورتوں پر واجب ہے کہ بلا ضرورت ہر بچے کے منہ میں پستان ڈالنے سے اجتناب کریں شوہر کی اجازت کے بغیر تو ایسا کرنا مکروہ بھی ہے اور اگر کسی بچے کو بوجہ ضرورت دودھ پلائیں تو اس کی تشہیر کریں یا لکھ کر محفوظ کر لیں۔

لمافی الہندیة (۳۳۳/۱): المرأة إذا جعلت ثديها في فم الصبي ولا تعرف أمص اللبن أمر لا ففي القضاء لا تثبت الحرمة بالشك وفي الاحتياط تثبت -

وفيه أيضاً (۳۳۵/۱): صببة أرضعها بعض أهل القرية لا يدرى من أرضعتها ممنهن فتزوجها رجل من أهل تلك القرية فهو في سعة من الم نام معها في الحكم كذا في المضمرة وإن تنزهوا عن ذلك فهو أفضل كذا في الذخيرة في كتاب الاستحسان والواجب على النساء أن لا يرضعن كل صبي من غير ضرورة وإن فعلن ذلك فليحفظن أو يكتبن كذا سمعت من مشايخي رحمهم الله تعالى كذا في المضمرة -

وفي الشامية (۲۱۲/۳): وفي القنية امرأة كانت تعطي ثديها صببة واشتھر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في ثديي لبن أقمته ثديي ولم يعلم ذلك إلا من جهتها جاز لابنها أن يتزوج بهذه الصبية  
اھط۔



## (۷۷۳) چھاتی سے نکلتے پانی سے رضاعت کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! اگر عورت کی چھاتی سے کسی بیماری کی وجہ سے یا دودھ خشک ہونے کی وجہ سے پانی نکلتا ہو، بہر دو صورت اگر کوئی بچہ اس کو پی لے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

بچہ کی غذا میت کیلئے دودھ پلایا جاتا ہے اسی سے بچہ پروان چڑھتا ہے لہذا اگر کوئی بچہ کسی عورت کی چھاتی سے خالص پانی پی لے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ اگر دودھ کے ساتھ پانی کی آمیزش ہو تو غالب کا اعتبار کیا جائے گا، پس اگر دودھ غالب ہے تو حرمت ثابت ہوگی اور اگر پانی غالب ہے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

لمافی الہندیة (۳۳۳/۱) ولو خلط لبن المرأة بالماء أو بالدواء أو بلبن البهيمه فالعبرة للغالب كذا في الظهيرية وكذا بكل مائه أو جامد كذا في النهر الفائق وتفسير الغلبة أن يرى منه طعمه ولونه وريحه أو أحد هذه الأشياء وقيل الغلبة عند أبي يوسف رحمه الله تعالى تغير اللون والطعم وعند محمد رحمه الله تعالى إخراجہ من اللبنية كذا في السراج الوہاب۔

وفي الدر المختار (۲۱۸/۲): (وكذا) يحرم۔۔۔ (ومخلوط بماء أو دواء أو لبن شاة إذا غلب لبن المرأة)۔

وفي الرد تحتہ: قوله (ومخلوط) عطف على لبن ميتة أي وكذا يحرم لبن امرأة مخلوط بماء الخ۔ ومثل الماء كل مائه بل والجامد كذلك أفاده في النهر ط قوله (إذا غلب لبن المرأة) أي على أحد المذكورات وفسر الغلبة في أيمان الحانية من حيث الاجزاء وقال هنا فسرهما محمد في الدواء بأن يغيره عن كونه لبنا وقال الثاني إن غير الطعم واللون لا إن غير أحدهما. نهر ونحوه في البكر ووفق في الدر المنتقى فقال تعتبر الغلبة بالاجزاء في الجنس وفي غيره بتغيز طعم أو لون أو ريح كما روي عن أبي يوسف اه۔

## (۷۷۴) عورت اور بکری کا ملا دودھ پینے سے حرمت رضاعت

### سوال

میری شادی کو سولہ سال ہو چکے ہیں۔ اللہ رب العزت نے شادی کے دوسرے سال لڑکا دیا اس کی پیدائش کے تین ماہ بعد میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو ہم نے اس لڑکے کو بکری کا دودھ پلانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے اس کی طبیعت خراب ہو گئی تو ڈاکٹروں نے کہا بکری کے دودھ کے ساتھ کسی عورت کا دودھ ملا کر پلائیں۔ ایک عورت نے مہربانی کی اور کچھ دودھ نکال کر دے دیتی تھی۔ ہم اس کو بکری کے دودھ کے ساتھ ملا کر اس کو پلاتے رہے۔ اب یہ بالغ ہو چکا ہے۔ ہم شادی کیلئے سوچ رہے ہیں۔ اس عورت نے کہا اس کو میں اپنی لڑکی دوں گی۔ تین لڑکیوں میں سے جس لڑکی سے یہ شادی کرنا چاہے میں دینے کیلئے تیار ہوں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ میرے لڑکے کیلئے اس عورت کی کسی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر بکری کے دودھ کے ساتھ عورت کا دودھ ملا کر کسی بچے کو پلایا جائے تو اس میں اعتبار غالب کا ہوگا۔ اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور اگر عورت کا دودھ غالب ہو یا بکری کے دودھ کے برابر ہو تو اس صورت میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی چنانچہ صورت مسئلہ میں چونکہ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ کس کا دودھ غالب تھا نیز کئی دفعہ یہ عمل وقوع پذیر ہوا ہے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ اپنے لڑکے کا اس عورت کی لڑکیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہ کرایا جائے۔

لمافی الہندیۃ (۳۴۴/۱): ولو خلط لبن الادمی بلبن الشاة ولبن الادمی غالب تثبت الحرمة۔

وفی الدرالمختار (۲۱۸/۳): (وکذا) یحرم۔۔۔ (ومخلوط بماء أو دواء أو لبن شاة إذا غلب لبن

المرأة وکذا إذا استویا) إجماعاً لعدم الأولویة جوہرۃ۔

## (۷۷۵) دولہا اور دلہن کے ایک ہی گلاس میں دودھ پینے سے نکاح کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! کل ہم ایک جگہ شادی میں گئے وہاں دودھ پلائی کی رسم میں دودھ پلایا گیا۔ آدھا دودھ دلہانے پیا اور آدھا دودھ دلہن نے پیا۔ لوگوں نے کہا کہ نکاح ٹوٹ گیا۔ اس کے بارے میں آپ سے فتویٰ چاہیے۔

## الجواب بعون الملک الوہاب

مدت رضاعت (ابتدائی دو سال) کے بعد عورت کا دودھ پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی نیز کسی جانور (مثلاً بھینس، بکری وغیرہ) کا دودھ پینے سے دو انسانوں کے مابین حرمت رضاعت کسی عمر میں بھی ثابت نہیں ہوتی لہذا صورت مسئلہ میں مذکورہ دولہا، دلہن کا ایک ہی گلاس کے دودھ کو پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور نکاح نہیں ٹوٹا۔

لمافی الجوہرۃ النیرۃ (۱۵۶/۲): قوله ( وإذا شرب صبیان من لبن شاة فلا رضاع بینہما ) ؛ لأن لبن الشاة لا حرمة له بدلیل أن الأمومة لا تثبت به ولا أخوة بینہ وبين ولدها ولأن لبن البھائم له حکم الطعام۔

وفی الشامیۃ (۲۰۹/۳): قوله ( آدمیۃ ) خرج بها الرجل والبھیمة، بجر۔

وفی الدر المختار (۲۱۱/۳): ( ویثبت التحريم ) فی المدۃ فقط۔

وفی الرد تحتہ: قوله ( فی المدۃ فقط ) أما بعدها فإنه لا یوجب التحريم، بجر۔

## (۷۷۶) نکاح کے بعد والدہ کا یہ دعویٰ کہ لڑکی اس کی دودھ شریک بہن ہے

### سوال

ابھی چند دن پہلے میرا نکاح ہوا ہے اور رخصتی تین مہینے بعد ہے۔ جس لڑکی سے میرا نکاح ہوا ہے وہ میری والدہ کی رضاعی بہن لگتی ہے۔ نکاح کے وقت تو کسی کو خیال نہیں آیا۔ جب نکاح کے بعد ایک ہفتہ گزر گیا اس وقت میری والدہ کو یاد آیا کہ جس عورت سے میں نے دودھ پیا تھا اس لڑکی نے بھی اسی سے پیا ہے۔ اب میں بڑا پریشان ہوں۔ مفتی صاحب آپ بتائیں شریعت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

اگر آپ کو اپنی والدہ کی بات پر یقین ہو کہ وہ سچ کہہ رہی ہیں تو آپ کا مذکورہ لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ شریعت میں رضاعی خالہ سے نکاح کرنا درست نہیں اور مذکورہ لڑکی آپ کی رضاعی خالہ ہے لہذا آپ اس عورت سے علیحدہ ہو جائیں اور اگر آپ کو اپنی والدہ کی بات پر یقین نہ ہو اور ان کی بات پر دو گواہ بھی نہ ہوں تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی اور آپ کا اس عورت کے ساتھ رہنا درست ہے۔

لمافی الھندیۃ (۲۴۷/۱): ولا یقبل فی الرضاع إلا شہادۃ رجلین أو رجل وامرأتین عدول کذا فی المحیط ولا تقع الفرقة إلا بتفریق القاضی کذا فی النہر الفائق وإذا شہد رجلان عدلان أو

رجل وامرأتان و فرقت بينهما فإن كان قبل الدخول بها فلا شيء لها وإن كان بعد الدخول بها يجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل ولا تجب النفقة والسكنى كذا في البدائع --- وإن كان المخبر واحدا ووقع في قلبه أنه صادق فالأولى أن يتنزه ويأخذ بالثقة وجد الإخبار قبل العقد أو بعده ولا يجب عليه ذلك كذا في المحيط -

وفي الشامية (۲۲۲/۳): قوله (وهي شهادة عدلين الخ) أي من الرجال وأفاد أنه لا يثبت بخبر الواحد امرأة كان أو رجلا قبل العقد أو بعده وبه صرح في الكافي والنهاية تبعاً لما في رضاء الخانية -

## (۷۷۷) دو عورتوں کا مخلوط دودھ پینے سے حرمت رضاعت کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! ایک بچہ (زید) نے دو عورتوں کا مخلوط دودھ پیا تو کیا اس سے رضاعت ثابت ہوگی؟ اور رضاعت دونوں سے ثابت ہوگی یا ایک عورت سے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر بچہ (زید) نے مدت رضاعت میں دو عورتوں کا مخلوط دودھ پی لیا ہے تو اس میں اغلب کا اعتبار نہیں بلکہ دونوں عورتوں سے رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

لما في الشامية (۲۱۸/۳): قوله (ومخلوط) عطف على لبن ميتة أي وكذا يحرم لبن امرأة مخلوط بماء الخ اه ح ومثل الماء كل مائع بل والجامد كذلك أفاده في النهرط قوله (إذا غلب لبن المرأة) أي على أحد المذكورات --- قوله (لعدم الأولوية) علة لاستواء لبن المرأتين وأفاد به ثبوت التحريم منهما وأما علة استواء لبن المرأة مع الباقي فهي أن لبنها غير مغلوب فلم يكن مستهلكا كما في البحر قوله (وعلق محمد الخ) مقابل لما أفاده كلام المصنف من أنه لو كان لبن إحدى المرأتين غالبا تعلق التحريم به فقط ولو استويا تعلق بهما قوله (مطلقا) أي تساويا أو غلب أحدهما لأن الجنس لا يغلب الجنس ح قوله (قيل وهو الأصح) قال في البحر وهو رواية عن أبي حنيفة قال في الغاية وهو أظهر وأحوط وفي شرح المجمع قيل إنه الأصح اه وفي الشرنبلالية ورجح بعض المشايخ قول محمد وإليه مال صاحب الهداية لتأخيره دليل محمد كما في الفتح اه ح -

## (۷۷۸) بڑی بہن کا اپنے سگے بھائی کو دودھ پلانے کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! کیا بڑی بہن اپنے سگے بھائی کو دودھ پلا سکتی ہے؟ اس سے رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

ضرورت کے وقت شوہر کی اجازت سے عورت کسی بھی بچے کو دودھ پلا سکتی ہے لہذا صورت مسئلہ میں اگر ضرورت ہے تو بہن شوہر کی اجازت سے اپنے شیر خوار بھائی کو دودھ پلا سکتی ہے لیکن یہ بھائی اب اس کا رضاعی بیٹا بھی بن جائے گا اور اس پر رضاعی بیٹے والے احکام جاری ہوں گے۔

لَمَّا فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ (البقرة: ۲۳۳) وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ. الآية۔

وفي الفتاوى اللجنة الدائمة (۱۰۶/۲۱): س: هل يجوز للمرأة أن ترضع أخاها؟  
ج: يجوز للمرأة أن ترضع أخاها الصغير إذا احتاج إلى ذلك ويكون ابناً لها من الرضاعة هذا إذا أرضعته --- حال كونه في الحولين۔

## (۷۷۹) نند کو دودھ پلانے سے کیا وہ رضاعی بیٹی بن جائے گی؟

### سؤال

مفتی صاحب! زید نے سعیدہ سے شادی کی تو کیا سعیدہ زید کی بہن کو اپنا دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر پلا دے تو کیا زید کی بہن اس کی رضاعی بیٹی بن جائے گی؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

ضرورت کے وقت شوہر کی اجازت سے عورت کسی بھی بچے کو دودھ پلا سکتی ہے لہذا صورت مسئلہ میں بیوی شوہر کی بہن کو دودھ پلا سکتی ہے اور اگر مدت رضاعت میں دودھ پلایا تو وہ اس کی رضاعی ماں بن جائے گی۔

لمافي الشامية (۲۱۲/۳): وفي الفتح لو أدخلت الحلمة في في الصبي وشكت في الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك ثم قال والواجب على النساء أن لا يرضعن كل صبي من غير ضرورة وإذا أرضعن

فليحفظن ذلك وليشهرنه ويكتبنه احتياطا اه وفي البحر عن الخانية يكره للمرأة أن ترضع صبيا بلا إذن زوجها إلا إذا خافت هلاكه -

وفي الفتاوى اللجنة الدائمة (۱۰۶/۲۱): س: هل يجوز للمرأة أن ترضع اخاها؟  
ج: يجوز للمرأة أن ترضع أخاها الصغير إذا احتاج إلى ذلك ويكون ابناً لها من الرضاعة هذا إذا أرضعته --- حال كونه في الحولين -

## (۷۸۰) کافرہ عورت سے بچے کو دودھ پلوانے کا حکم

### سؤال

میرے ماموں انگلینڈ میں مقیم ہیں۔ اس دفعہ جب ان کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی تو اس میں ہماری ممانی کا انتقال ہو گیا۔ وہاں ان کو کوئی مسلمان عورت دودھ پلانے کیلئے نہیں ملی۔ اس لئے انہوں نے ایک کافرہ عورت سے اس سلسلہ میں بات کی تو وہ راضی ہو گئی کیونکہ وہ ان کے پڑوس ہی میں رہتی ہے۔ اس نے میرے ماموں کے بیٹے کو دودھ پلانا شروع کر دیا ہے۔ جب انہوں نے ہم کو انٹرنیٹ پر بتایا تو میری والدہ پریشان ہوئیں کہ آیا اس طرح کافرہ عورت کا مسلمان بچے کو دودھ پلانا صحیح ہے یا نہیں؟ لہذا میری والدہ نے کہا کہ کل کسی دن مفتی صاحب کے پاس جاؤ اور معلومات کر کے آؤ، اب مفتی صاحب آپ براہ کرم اس مسئلہ کا حل تحریری طور پر دیں۔ آیا اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کافرہ عورت کا دودھ پینے سے بچے پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا؟

### الجواب بعون الملک الوهاب

آپ کے ماموں کو چاہیے کہ اول تو وہ کسی مسلمان عورت کو دودھ پلانے کے لئے تلاش کریں اگر کوئی مسلمان عورت دودھ پلانے کے لئے نہ ملے تو پھر ڈبے کا دودھ پلائیں۔ اگر ڈبے وغیرہ کا دودھ بچے کے لئے مضر ہو تو پھر کافرہ عورت سے دودھ پلانے کی گنجائش ہے۔ بچے پر اس کافرہ عورت کا دودھ پینے کی وجہ سے کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لمافی الدر المختار (۵۳/۶): (وللمستأجر فسحها بجلها ومرضها وفجورها) فجور ابینا ونحو ذلك من الأعدار (لا بكفرها) لأنه لا يضر بالصبي -

وفي الرد تحتہ: قوله (لا بكفرها) لأن كفرها في اعتقادها، زيلعي قال ط ويخالفه في الخانية إذا ظهرت الظئر كافرة أو مجنونة أو زانية أو حمقى فلهم فسح الإجارة -

وفي الموسوعة الفقهية (۲۵۵/۲۲): إن ارتضع مسلم من ذممة رضاعا محرما حرمت عليه بناؤها

وفروعها کلهن وأصولها كالمسلمة ؛ لأن النصوص لم تفرق بين مسلمة وكافرة ، وقد صرح بذلك المالكية والحنابلة ولا تأبى ذلك قواعد المذاهب الأخرى۔  
 وفي اللجنة الدائمة (۲۱/۲۱): يجوز للمسلمة أن ترضع طفلاً نصرانياً ، ويجوز للنصرانية أن ترضع طفلاً مسلماً ؛ لأن الأصل في مثل ذلك الإباحة ، ولم يوجد دليل ينقل عنها ، بل ذلك من باب الإحسان۔

## (۷۸۱) رضاعت کے ثبوت میں دودھ کی رنگت کے اعتبار کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! ام نذیر نے انتقال سے پہلے خود کہا کہ میری چھاتی میں دودھ نہ تھا۔ میرا پوتا جاوید اور پوتی شاہینہ ناز مدت رضاعت میں جب روتے تو میں بچوں کو چپ کرانے کی خاطر اپنی چھاتی ان کے منہ میں دیدیتی تو یہ بچے خاموش ہو جاتے تھے۔ کسی نے یہ بتایا کہ زرد رنگ کا پانی ہوتب بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر ہاں تو ام نذیر کے انتقال کے بعد مذکورہ بات کی تفتیش ناممکن ہونے کی وجہ سے اب جاوید اور شاہینہ ناز کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

ام نذیر کے مذکورہ قول کی وجہ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ البتہ یہ بات کہ زرد رنگ کے پانی سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے اگر زرد رنگ کا پانی غیر شادی شدہ لڑکی کی چھاتی سے نکلے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور اگر یہ پانی شادی شدہ عورت کی چھاتی سے نکلے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے لیکن ام نذیر کو زرد رنگ کا پانی آتا تھا یا نہیں، اس کی تصدیق اسی سے ممکن تھی۔ اب اس کے انتقال کے بعد عدم تصدیق کی بنا پر محض شک کی وجہ سے حرمت رضاعت تو اس سے ثابت نہیں ہوگی، البتہ مدت رضاعت میں بچوں کے منہ میں دودھ یا زرد رنگ کے پانی جانے کے احتمال کی وجہ سے احتیاط اسی میں ہے کہ ان کا آپس میں نکاح نہ کیا جائے۔

لمافی الہندیة (۳۳۲/۱) وكذا لو نزل للبكر ماء أصفر لا يثبت من إرضاعه تحريم هكذا في فتح القدير۔

وفيه أيضاً (۳۳۲/۱): المرأة إذا جعلت ثديها في فم الصبي ولا تعرف أمص اللبن أمر لا ففي القضاء لا تثبت الحرمة بالشك وفي الاحتياط تثبت دخل في فم الصبي من الثدي مائه لونه أصفر تثبت حرمة الرضاع لأنه لبن تغير لونه كذا في خزنة المفتين۔

وفي الشامية (۲۱۲/۲): وفي القنية امرأة كانت تعطي ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في ثديي لبن ألقمتها ثديي ولم يعلم ذلك إلا من جهتها جاز لابنها أن يتزوج بهذه الصبية اه ط وفي الفتح لو أدخلت الحلمة في في الصبي وشكت في الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك -

## (۷۸۲) کنواری لڑکی کا پستان بچے کے منہ میں دینے سے رضاعت کا حکم

### سوال

ایک غیر شادی شدہ لڑکی نے ایک بچی جس کی والدہ فوت ہو چکی تھی اسے اٹھا کر اپنی چھاتی کے ساتھ لگا لیا اور وہ بچی بہت دیر تک اس لڑکی کی چھاتی کے ساتھ پستان منہ میں لئے ہوئے سو گئی۔ آیا اس طرح رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ ہم نے سنا ہے کہ غیر شادی شدہ لڑکی کا دودھ نہیں ہوتا۔ کیا یہ بات بھی درست ہے یا محض غلط افواہ ہے؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

عورت کو عموماً شادی کے بعد حمل ٹھہرنے سے دودھ اترتا ہے لیکن کسی باکرہ کو بھی دودھ اتر جائے یہ ممکن ہے لہذا صورتِ مسئلہ میں اگر یقین سے معلوم ہو جائے کہ باکرہ کو دودھ اتر گیا ہے تو رضاعت ثابت ہوگی ورنہ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

لها في الكلام المجيد (النساء: ۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمْ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمْ اللَّاتِي فِي جُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا.

وفي الهندية (۳۲۲/۱): المرأة إذا جعلت ثديها في فم الصبي ولا تعرف أمص اللبن أم لا ففني القضاء لا تثبت الحرمة بالشك وفي الاحتياط تثبت -

وفي الدر المختار (۲۲۲/۲): (و) الرضاع (حجته حجة المال) وهي شهادة عدلين أو عدل وعدلتين لكن لا تقع الفرقة إلا بتفريق القاضي -

وفي الرد تحتہ: قوله (حجته الخ) أي دليل إثباته وهذا عند الإنكار لأنه يثبت بالإقرار مع الإصرار كما مر قوله (وهي شهادة عدلين الخ) أي من الرجال وأفاد أنه لا يثبت بخبر الواحد امرأة



كان أو رجلا قبل العقد أو بعده وبه صرح في الكافي والنهاية تبعاً لما في رضاء الخانية۔

## (۷۸۳) بچے کا سوتی عورت کے پستان سے دودھ پی لینے کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! ایک عورت سو رہی تھی۔ ایک بچے نے اس کے پستان سے منہ لگا کر دودھ پینا شروع کر دیا۔ جب عورت کی آنکھ کھلی تو اس نے فوراً اس کو علیحدہ کر دیا۔ آپ حضرات سے معلوم یہ کرنا ہے کہ اس سے رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

اگر کسی بچے نے مدت رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پی لیا، خواہ ایک گھونٹ کیوں نہ ہو اور عورت سو رہی ہو تب بھی اس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے لہذا صورت مسئلہ میں اگر بچہ کی عمر دو سال سے کم ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

لمافی الہندیۃ (۳۲۲/۱): قلیل الرضاع وکثیرہ إذا حصل فی مدۃ الرضاع تعلق بہ التحریر، کذا فی الہدایۃ۔

وفی الدرالمختار (۲۰۹/۳): باب الرضاع (ہو) لغۃ بفتح وکسر مص الشدی - وشرعاً (مص من ثدی آدمیۃ) ولو بکرا أو میتة أو آیسۃ وألحق بالمص الوجور والسعوط (فی وقت مخصوص) ہو (حولان ونصف عنده وحولان) فقط (عندہما وهو الأصح)۔

## (۷۸۴) مرد کے منہ میں عورت کا دودھ چلے جانے سے نکاح کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب! شوہر نے اپنی بیوی کے پستان پر منہ لگایا، عورت کا دودھ مرد کے حلق میں چلا گیا۔ کیا اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟ اگر نہیں تو عورت کے دودھ کو کوئی بطور غذا استعمال کرے اور اس سے گوشت و ہڈی بھی نشوونما پا جائیں تو پھر بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

صورت مسئلہ میں بہر صورت حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی لیکن عمداً ایسی حرکت کرنا جائز نہیں کیونکہ شیر خوارگی کے زمانے میں [یعنی دو سال کی عمر تک] تو بچہ کیلئے عورت کا دودھ پینا جائز ہے، مدت شیر خوارگی کے بعد بچے کیلئے بھی عورت کا دودھ پینا جائز نہیں لہذا

شوہر احتیاط کرے اور اگر دودھ منہ میں آجائے تو اسے تھوک دے۔

لمافی الشامیة (۲۰۹/۲): قوله ( فی وقت مخصوص ) قد یقال إنه لا حاجة إلیه للاستغناء عنه بالرضیع وذلك أنه بعد المدة لا یسمى رضیعا نص علیه فی العنایة، ثم روفیه نظروالذی فی العنایة أن الكبیر لا یسمى رضیعا ذكره ردا علی من سوی فی التحریم بین الكبیر والصغیر۔

(۲۱۱/۲) قوله ( فی المدة فقط ) أما بعدها فإنه لا یوجب التحریم۔

(۲۲۵/۲) قوله: ( مص رجل ) قید به احترازا عما إذا كان الزوج صغیرا فی مدة الرضاع فإنها تحرم

علیه۔

## (۷۸۵) رضاعت سے حرمت نکاح کی تفصیل

### سؤال

زید، عمر کا چچا زاد بھائی ہے اور زید نے عمر کی بڑی بیٹی کے ساتھ دودھ پیا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ان دونوں کا تو ایک دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا، لیکن ان کے علاوہ بہن بھائیوں کا کیا حکم ہے؟ ان کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

مستفتی نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ زید اور عمر کی بڑی بیٹی نے کس کا دودھ پیا ہے لہذا اس مسئلہ میں کل تین صورتیں بنیں گی:

(۱) زید اور عمر کی بڑی بیٹی نے عمر کی بیوی کا دودھ پیا۔

(۲) زید اور عمر کی بڑی بیٹی نے زید کی ماں کا دودھ پیا۔

(۳) زید اور عمر کی بڑی بیٹی نے زید کی ماں اور عمر کی بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کا دودھ پیا۔

ان تینوں صورتوں کا حکم الگ الگ ہوگا۔ پہلی صورت میں زید کا عمر کی کسی بھی بیٹی سے نکاح جائز نہیں جبکہ عمر کی تمام بیٹیوں کا زید کے دیگر بھائیوں سے نکاح جائز ہے نیز زید کی بہنوں کا عمر کے بیٹوں سے نکاح جائز ہے۔ حرمت رضاعت یہاں صرف زید اور عمر کی بیٹیوں کے درمیان ثابت ہو رہی ہے، کیونکہ عمر کی بیوی زید کی رضاعی ماں ہے جبکہ عمر کی بیٹیاں زید کی رضاعی بہنیں ہیں۔

دوسری صورت کا حکم یہ ہے کہ عمر کی بڑی بیٹی کیلئے زید اور زید کے تمام بھائیوں سے نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ زید کی ماں عمر کی بڑی بیٹی کی رضاعی ماں ہے اور زید کے بھائی عمر کی بڑی بیٹی کے رضاعی بھائی ہیں لیکن زید کے بھائی عمر کی بڑی بیٹی کے علاوہ دیگر بیٹیوں سے نکاح کر سکتے ہیں، اسی طرح عمر کے بیٹے زید کی تمام بہنوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔

تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ زید کیلئے عمر کی بڑی بیٹی کے علاوہ دیگر بیٹیوں سے نکاح جائز ہے، اور عمر کی تمام بیٹیوں کا زید کے

دیگر بھائیوں سے نکاح جائز ہے، اسی طرح عمر کی بڑی بیٹی کا زید کے علاوہ تمام بھائیوں سے نکاح جائز ہے، یعنی اس صورت میں صرف زید اور عمر کی بڑی بیٹی کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔

لمافی الهندية (۲۳۳/۱): یحرم علی الرضیعیہ أبواہ من الرضاع وأصولہما وفروعہما من النسب والرضاع جمیعا حتی أن المرضعة لو ولدت من هذا الرجل أو غیره قبل هذا الإرضاع أو بعده أو أرضعت رضیعا أو ولد لهذا الرجل من غیر هذه المرأة قبل هذا الإرضاع أو بعده أو أرضعت امرأة من لبنه رضیعا فالكل إخوة الرضیعیہ وأخواته وأولادهم أولاد إخوته وأخواته وأخو الرجل عمه وأخته عمته وأخو المرضعة خاله وأختها خالته۔۔۔ وتحل أخت أخیه رضاعا كما تحل نسبا مثل الأخت لأب إذا كانت له أخت من أمه یحل لأخیه من أیہ أن یتزوجها کذا فی الکافی۔

وفی الدرالمختار (۲۱۷/۲): ( وتحل أخت أخیه رضاعا ) یصح اتصاله بالمضاف كأن یكون له أخت نسبی له أخت رضاعیة وبالمضاف إلیه كأن یكون لأخیه رضاعا أخت نسبا وبہما وهو ظاہر۔

## (۷۸۶) نسبی بہن کی رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

### سؤال

مفتی صاحب ازید کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے اور عمر کی دو بیٹیاں ہیں۔ زید کی بیٹی نے عمر کی بیوی کا دودھ اس کی چھوٹی بیٹی کے ساتھ مدت رضاعت میں پیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے بیٹے کا نکاح عمر کی بیٹیوں کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

جب کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ مدت رضاعت میں پیتا ہے تو یہ بچہ دودھ پلانے والی کا رضاعی بیٹا یا بیٹی کہا جاتا ہے۔ اس کا نکاح دودھ پلانے والی کی اولاد کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ یہ سب اس کے رضاعی بہن بھائی ہیں البتہ اس بچے کے نسبی بہن بھائیوں کا نکاح اس کے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ جائز ہے لہذا صورت مسئلہ میں (اگر کوئی اور وجہ حرمت نہ ہو تو) زید کے بیٹے کا نکاح عمر کی بیٹیوں کے ساتھ جائز ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء: ۲۳): حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ أُمَّهَاتُکُمْ وَبَنَاتُکُمْ وَأَخَوَاتُکُمْ وَعُمَّاتُکُمْ وَخَالَاتُکُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُکُمُ اللَّائِیَ أَرْضَعْنَهُ وَأَخَوَاتُکُم مِّنَ الرَّضَاعِ. الْآیة۔

وفي الدرالمختار (۲۱۴/۳): (وتحل أخت أخيه رضاعاً) يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعاً أخت نسبا وبهما وهو ظاهر۔ (و) كذا (نسبا) بأن يكون لأخيه لأبيه أخت لأم فهو متصل بهما لا بأحدهما للزوم التكرار كما لا يخفى۔

وفي الشامية (۲۱۴/۳): فرع في البحر عن آخر المبسوط لو كانت أم البنات أرضعت أحد البنين وأم البنين أرضعت إحدى البنات لم يكن للابن المرتضع من أم البنات أن يتزوج واحدة منهن وكان لإخوته أن يتزوجوا بنات الأخرى إلا الابنة التي أرضعتها أمهم وحدها لأنها أختهم من الرضاعة۔ الخ۔

## (۷۸۷) رضیع کے بھائی پر رضعہ کے اصول و فروع حرام نہیں

### سؤال

میرے بھائی نے میری والدہ کے ماموں کی بیٹی (شاہینہ) کے ساتھ دودھ پیا ہے۔ اب میں شاہینہ کے علاوہ اس کی دوسری بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آیا میرے لئے شاہینہ کے علاوہ اس کی دوسری بہن سے نکاح کرنا درست ہے؟

### الجواب بعون الملک الوھاب

شرعاً اگر کوئی بچہ مدت رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس بچے کے اصول و فروع اس دودھ پلانے والی عورت پر اور اس عورت کے اصول و فروع اس بچے پر حرام ہو جاتے ہیں لیکن اس دودھ پینے والے بچے کے بھائی کے لئے اس عورت اور اس کے اصول و فروع سے نکاح کرنا جائز ہوتا ہے، ان میں کوئی حرمت ثابت نہیں ہوتی لہذا صورت مسئلہ میں کیونکہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے آپ کے لئے شاہینہ کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے۔

لمافی الہندیة (۳۲۳/۱): وتحل أخت أخيه رضاعاً كما تحل نسبا مثل الأخت لأب إذا كانت له أخت من أمه يحل لأخيه من أبيه أن يتزوجها كذا في الكافي۔

وفي الدرالمختار (۲۱۴/۳): (وتحل أخت أخيه رضاعاً) يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعاً أخت نسبا وبهما وهو ظاهر۔

## (۷۸۸) ایک عورت کا دودھ پینے سے اس کی تمام اولاد سے نکاح حرام ہوگا

### سوال

مفتی صاحب! درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

- (۱) ایک لڑکے نے کسی عورت کا دودھ پیا، اس زمانے میں جس زمانے میں اس عورت کے بچوں میں سے کوئی دودھ پینے والا نہیں تھا۔ کیا یہ لڑکا اس عورت کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی کر سکتا ہے؟
- (۲) ایک لڑکے نے کسی عورت کا دودھ پیا، اس وقت اس عورت کی ایک بیٹی نے بھی دودھ پیا۔ کیا اس لڑکے کا اس لڑکی کی بڑی یا چھوٹی بہن سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟
- (۳) بڑے سگے بہن بھائی نے اپنی مامی کا دودھ پیا تھا۔ کیا ان کے چھوٹے بہن بھائی مامی کی اولاد سے شادی کر سکتے ہیں؟

### الجواب بعون الملک الوہاب

- (۲، ۱)۔ بچے نے اگر مدت رضاعت (دو سال کی عمر) کے اندر کسی عورت کا دودھ پیا تو اس عورت کی تمام اولاد سے اس بچے کا نکاح جائز نہیں، خواہ اس بچے کے ساتھ دودھ پیا ہو یا اس سے پہلے یا اس سے بعد، کیونکہ یہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں ہے اور اس کی اولاد اس بچے کے رضاعی بہن بھائی بن گئے۔
- (۳) اگر چھوٹے بہن، بھائی نے مامی کا دودھ نہیں پیا تو مامی کی اولاد سے ان کا نکاح جائز ہے۔

لمافی الہندیۃ (۲۲۲/۱): أرضعت امرأة من لبنه رضیعا فالكل إخوة الرضیع وأخواته وأولادهم أولاد إخوته وأخواته وأخو الرجل عمه وأخته عمته وأخو المرضعة خاله وأختها خالته۔  
 وفي الدر المختار (۲۱۴/۲): (ولا حل بین رضیعی امرأة) لكونهما أخوين وإن اختلف الزمن والأب۔۔۔ (۲۱۴/۲): تحل أخت أخیه رضاعاً۔۔۔ (۲۰۹/۲): (حولان ونصف عنده وحولان) فقط (عندهما وهو الأصح) فتح وبه یفتی كما فی تصحیح القدوری عن العون۔

## (۷۸۹) بہن نے بیوی کا دودھ پیا ہو تو اس کے بیٹے کا اپنی بیٹی سے نکاح کا حکم

### سوال

مفتی صاحب! میری بہن نے میری بیوی کا دودھ پیا تھا۔ اب میری بہن کے لڑکے کا نکاح میری لڑکی کے ساتھ جائز ہے یا

نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

اگر آپ کی بہن نے مدت رضاعت میں آپ کی بیوی کا دودھ پیا ہو تو آپ کی لڑکی اس لڑکے کی رضاعی خالہ بنتی ہے لہذا ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہیں ہے۔

لمافی الشامیة (۲۱۵/۳): وبيان ذلك أن الحديث دل على أن كل ما يحرم من النسب يحرم نظيره من الرضاع فيقال تحرم الأم نسبا فكذا تحرم الأم رضاعا وتحرم البنت نسبا فكذا تحرم البنت رضاعا وهكذا إلى آخر المحرمات النسبية۔

(۷۹۰) خالہ نے بہن اور اپنے بیٹے کو دودھ پلایا ہو تو ان کی بیٹی سے نکاح کا حکم

## سوال

مفتی صاحب! میری ایک خالہ ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کے ساتھ میری بڑی بہن کو دودھ پلایا ہے۔ اب خالہ کی بیٹی سے میرے نکاح کی بات ہو رہی ہے۔ کیا خالہ کی بیٹی سے نکاح کرنا میرے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

## الجواب بعون الملک الوہاب

آپ کے لئے خالہ کی لڑکی سے نکاح کرنے میں کوئی شرعی مانع موجود نہیں لہذا آپ کا خالہ کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے البتہ آپ کی بہن چونکہ خالہ کی رضاعی بیٹی ہے لہذا آپ کی بہن کا نکاح اس خالہ کے کسی بھی لڑکے سے جائز نہیں۔

لمافی الہندیة (۳۳۳/۱): وتحل أخت أخيه رضاعا كما تحل نسبا مثل الأخت لأب إذا كانت له أخت من أمه يحل لأخيه من أبيه أن يتزوجها كذا في الكافي وتحل أم أخيه وأم عمه وعمته وأم خالہ وخالته من الرضاع هكذا في شرح الوقاية۔

وفي الدر المختار (۲۱۳/۳): (في حرم منه) أي بسببه (ما يحرم من النسب) رواه الشيخان۔۔ (إلا أم أخيه وأخته)۔۔ (و) قس عليه (أخت ابنه) وبنته (وجدة ابنه) وبنته (وأم عمه)۔ الخ۔ وفيه أيضاً (۲۱۵/۳): (وتحل أخت أخيه رضاعا) يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعا أخت نسبا وبهما وهو ظاهر۔

012

---

## نجم الفتاویٰ جلد خامس میں موجود مدلل و مفصل فتاویٰ کے نام

نجم الفتاویٰ کی یہ طبع جدید جہاں اور خصوصیات کی حامل ہے وہاں اس کی زینت وہ تحقیقی اور تفصیلی فتاویٰ بھی ہیں جو ان چھ جلدوں میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف عنوانات کی ان تحقیقات کو [جو کہ فتاویٰ کا حسن ہوتی ہیں] متعلقہ ابواب میں درج کر دیا گیا ہے۔ اہل علم، صاحب نظر، فقہ و تفقہ کا ذوق رکھنے والوں اور تحقیق کے شناسوروں کیلئے ان فتاویٰ میں انتہائی قابل قدر مواد موجود ہے۔

ہر جلد کی تفصیلی فہرست میں ان فتاویٰ کو نمایاں کر دیا گیا ہے نیز ”نجم الفتاویٰ جلد اول“ کے آخر میں مکمل چھ جلدوں میں موجود ان تمام محقق فتاویٰ کی فہرست مع مختصر تعارف کے موجود ہے۔ ہر جلد کے آخر میں صرف اس جلد میں موجود فتاویٰ کے نام مع صفحات نمبر درج کئے جا رہے ہیں۔ درج ذیل نام اس پانچویں جلد میں موجود تفصیلی فتاویٰ کے ہیں۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

۳۵	كسر الزواج في انعقاد الحفلة عند الزواج	۱
۴۷	استنارة القبرين في جواب السؤال "هل تزويج الولد لازم على الابوين"	۲
۵۳	القضية السالبة اذا أنكح الجد في غير الكفوء البالغة	۳
۷۳	الجواب المختار في كفاءة الرجل عند سوء الاختيار	۴
۹۳	الجبيرة عن نكاح الصغيرة	۵
۱۱۱	إعلام الاذكياء بأن عدم استحقاق الفسخ لنكاح الأب ثابت من الاحاديث الصحاح	۶
۱۲۵	الرسالة البيضاء في رد الاحتجاج على نقض اجازة المكرهه من حديث خنساء	۷
۱۶۵	أداء الامانة ببيان أن الكفاءة تعتبر فيها عند الامام الديانة	۸
۱۷۵	الدليل الجاذب على أن نكاح المرأة في غير الكفوء نكاح فاسد	۹



١٨٩	أداء الفريضة ببيان أن مسألة الكفاءة لا تصادم الشريعة	١٠
١٩٦	ضوء الدار في أن علة الكفاءة هي دفع العار	١١
٢١٩	إعلاء السافل بأن العالم العجمي يكون كفوًا للعربي العالم والجاهل	١٢
٢٦٣	الجواب المفصل لمن سئل عن تعيين مدة المهر المؤجل	١٣
٣٨١	القول بالمساواة في أن الفتوى على ظاهر الرواية في نفقة الزوجات	١٤
٣٣٩	فلاح الدارين في حقوق الزوجين	١٥
٣٤٩	أقوال الفقهاء في استمتاع الزوجين عن فرج الآخر عند الجماع	١٦
٥٢٤	بيان المعاني في الزواج الثاني	١٧

دار الإفتاء دار العلوم والسير النوران